إِنَّ الدِّينَ عِنْدَاللهِ الإِسْلَامُ

الدین کا خصوصی شمارہ

چالیس جنّتی صحابہ رضی اللہ عنہم

بیادگار

محسنِ قوم وملّت حضرت اقدس مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ (م: ۱۳۲۶ھ)

(بانیٔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک)

زیرِ سرپرستی

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ ہذا)

مجلسِ مشاورت

حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ سملکی (مہتمم جامعہ ہذا)

حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ ہذا)

حضرت مفتی معاذ صاحب بمبوی (استاذ جامعہ ہذا)

مجلسِ ادارت

عبداللہ بلساڑی

وقاص مالیگانوی

ارشد میرجوی

ناشر

شعبۂ تقریر وتحریر

تفصیلات

کتاب کا نام:.........................(الدین) چالیس جنّتی صحابہ رضی اللہ عنہم

کاوش:................................طلبۂ جامعہ ڈابھیل

زیر سرپرستی:.....حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

حسبِ ایماء:........حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم

صفحات:.....................................۹۰۰

سن اشاعت:..........جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ مارچ ۲۰۱۸ء

ناشر:........................شعبۂ تقریر وتحریر جامعہ ڈابھیل

اجمالی فہرست

نمبرشمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ
۞	پیش لفظ	مفتی معاذ بمبوی	۴۷
۱	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	سلمان کوکنی/ یاسین بورسدی	۵۳
۲	حضرت معاذ بن جبلؓ	نعمان احمد آبادی/ثوبان بمبوی	۱۷۵
۳	حضرت سلمان فارسیؓ	اطہر بمبوی/عبدالکریم بستوی	۲۶۳
۴	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	سفیان کھولوڈی	۳۴۹
۵	حضرت انس بن مالکؓ	رمان اختر مالیگانوی	۴۴۳
۶	حضرت عمار بن یاسرؓ	ثوبان بھروچی	۴۹۷
۷	حضرت عثمان بن مظعونؓ	محمد حنظلہ دھولیوی	۵۳۵
۸	حضرت براء بن معرورؓ	محمد طلحہ بمبوی	۵۶۱
۹	حضرت ضمام بن ثعلبہؓ	ادریس کنجری	۵۷۸
۱۰	حضرت کلثومؓ	شہزادا اورنگ آبادی	۵۸۹
۱۱	حضرت ذکوان بن عبد قیسؓ	لطف الرحمن انکلیشوری	۶۰۳
۱۲	حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ	زبیر دیواوی	۶۱۳
۱۳	حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم	وسیم الدین رادھن پوری	۶۲۶
۱۴	حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ	محمد سعد بیلگامی	۶۴۸

۱۵	حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	یاسین مانیکپوری	۶۷۶
۱۶	حضرت یاسر بن عامرؓ	انس نرولی	۶۹۱
۱۷	حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ	فیصل اندوری	۷۰۳
۱۸	حضرت خیثمہ بن حارثؓ	شمس الزماں کشمیری	۷۱۸
۱۹	حضرت وہب بن قابوس مزنیؓ	ضامن بھوپالی	۷۲۴
۲۰	حضرت جارود بن معلیٰؓ	حمزہ عالی پوری	۷۳۲
۲۱	حضرت لقیط بن صبرہؓ	محمد زاہد کوڈیناری	۷۵۳
۲۲	حضرت ماعز اسلمیؓ	مذکر احمد نگری	۷۶۱
۲۳	حضرت ہلال حبشیؓ	طارق الرحمن میرجوی	۷۷۱
۲۴	حضرت حارثہ بن سراقہؓ	ریحان بمبوی	۷۷۵
۲۵	حضرت ضحاک بن ابی جبیرہؓ	محمد رفیق پالنپوری	۷۸۱
۲۶	حضرت حبیب بن زید انصاریؓ	قاسم موسالی	۷۸۵
۲۷	حضرت انیس بن ابی مرثد غنویؓ	سعد احمد آبادی	۷۹۵
۲۸	حضرت عمرو بن ثابت اصیرمؓ	سیف الحق اندوری	۸۰۲
۲۹	حضرت عمیر بن حمامؓ	محمد عثمان اکل کوا	۸۰۹
۳۰	حضرت زید بن عاصمؓ	عزرائیل نادن پیڑا	۸۱۸
۳۱	حضرت سعد بن خیثمہؓ	احسان عالی پوری	۸۲۵
۳۲	حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ	محمد اطہر بمبوی	۸۳۶

۳۳	حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ	انور الاسلام ترکیسری	۸۴۴
۳۴	حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ	معاویہ پالنپوری/محمد پالنپوری	۸۵۱
۳۵	حضرت امرؤ القیس کندی رضی اللہ عنہ	احمد بمبوی	۸۶۴
۳۶	حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ	ہشام الدین راجستھانی	۸۷۲
۳۷	حضرت نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ	حمزہ عالی پوری	۸۷۷
۳۸	حضرت عمیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	سعد احمد آبادی	۸۸۳
۳۹	حضرت سعیرہ خادمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	مدثر بمبوی	۸۸۵
۴۰	حضرت ابو ثعلبہ اشجعی رضی اللہ عنہ	محمد فہیم بیلگامی	۸۸۷
۴۱	نامعلوم الاسم جنّتی صحابہ	عبد اللہ بلساڑی	۸۸۹

تفصیلی فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	
۞	بابِ اول: کتابِ زندگی کے چند اوراق	۞
١	پیدائش، خاندان، نام ونسب	٥٦
٢	والدین کا مختصر تعارف	٥٦
٣	قبولِ اسلام	٥٧
٤	اسلام لانے کے بعد خوف وہراس کے سائے	٥٩
٥	غیر معتبر روایات کی تردید	٦٠
٦	ہجرت	٦٠
٧	مواخات	٦١
٨	فوجی تربیت	٦٢
٩	بقیہ زندگی کا سفر اور موت	٦٢
١٠	تدفین	٦٦
١١	ذریعۂ معاش	٦٧
١٢	حلیہ	٦٧
١٣	ازواج واولاد	٦٧

۱۴	صاحبزادی کا نکاح	۶۸
۞	بابِ دوم: جہادی سفر کی سرگذشت	۞
۱۵	غزوۂ بدر	۶۹
۱۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دشمن	۷۰
۱۷	غزوۂ احد	۷۱
۱۸	غزوۂ خندق	۷۱
۱۹	سریۂ نجد	۷۲
۲۰	صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان	۷۲
۲۱	غزوۂ خیبر	۷۳
۲۲	سریۂ موتہ	۷۳
۲۳	عمرے	۷۶
۲۴	فتحِ مکہ	۷۷
۲۵	سریہ بنوجذیمہ	۷۸
۲۶	غزوۂ حنین	۷۹
۲۷	غزوۂ طائف	۸۱
۲۸	غزوۂ تبوک	۸۱
۲۹	حجۃ الوداع	۸۲
۳۰	دورِ صدیقی کے حالات	۸۳
۳۱	عہدِ فاروقی کے معرکوں میں شرکت	۸۴

۳۲	معرکۂ جلولا اور مالِ غنیمت	۸۵
۳۳	یہودیوں کی جلاوطنی اور اس کا سبب	۸۶
۳۴	دورِ عثمانی کی جہادی سرگرمیاں	۸۷
۳۵	اطاعت وجذبۂ جاں سپاری	۸۸
۳۶	خانہ جنگیوں کی شروعات اور رزم گاہ سے دوری	۸۹
۳۷	دورِ حیدری	۹۰
۳۸	امارتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور جہاد کی طرف واپسی	۹۲
۳۹	دوبارہ شمشیر وسنان سے کنارہ کشی	۹۳
۞	بابِ سوم: مخزنِ علم کی گوشہ نوردی	۞
۴۰	علمِ تفسیر سے شغف	۹۴
۴۱	تفسیر بالرائے پر تنبیہ	۹۶
۴۲	ناسخ ومنسوخ کا علم	۹۸
۴۳	علمِ حدیث سے شغف	۹۹
۴۴	روایت بیانی میں احتیاط	۱۰۰
۴۵	تعدادِ مرویات اور شاگردان	۱۰۱
۴۶	روایت بیانی کے متعدد طرق	۱۰۲
۴۷	فقہ میں مہارت	۱۰۴
۴۸	فتویٰ بیانی کا طریقہ	۱۰۵
۴۹	فتویٰ بیانی میں احتیاط	۱۰۵

۵۰	غلطی سے رجوع کا جذبہ	۱۰۷
۵۱	شعبۂ افتا میں آپ کا مقام	۱۰۷
۵۲	کچھ فتوے	۱۰۸
۞	**بابِ چہارم: گلدستۂ اخلاق کے کچھ پھول**	۞
۵۳	خشیتِ الٰہی	۱۱۱
۵۴	حبّ فی اللہ و بغض فی اللہ	۱۱۵
۵۵	عبادت و ریاضت	۱۱۷
۵۶	حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۱۹
۵۷	اتباعِ سنّت	۱۲۲
۵۸	نماز کی ایک نہایت مقبول تکبیر	۱۲۳
۵۹	اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت	۱۲۸
۶۰	دنیا سے بے رغبتی اور سادہ مزاجی	۱۳۰
۶۱	سخاوت و فیاضی	۱۳۷
۶۲	اختلافِ امّت سے اجتناب	۱۴۵
۶۳	تواضع و انکساری	۱۴۹
۶۴	حق گوئی و بے باکی	۱۵۱
۶۵	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ	۱۵۲
۶۶	استغنا و خودداری	۱۵۵
۶۷	استقامت و پامردی	۱۵۶

۶۸	والدِ بزرگوار کی خدمت، صلہ رحمی	۱۵۷
۶۹	خلقِ خدا پر شفقت	۱۵۹
۷۰	غلام سینے سے لگایا	۱۶۰
۷۱	حلم وبردباری	۱۶۱
۷۲	فراست ودانائی اور صبر وحکمت	۱۶۱
۷۳	بیٹے کی تربیت میں والد گرامی کا کردار	۱۶۵
۞	بابِ پنجم: فضائل ومناقب کے تمغے	۞
۷۴	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقت	۱۶۹
۷۵	جنت کی بشارت	۱۷۰
۷۶	پیغام	۱۷۲

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

۷۷	نام، نسب اور خاندان	۱۷۸
۷۸	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا گھر	۱۷۹
۷۹	نشوونما	۱۸۰
۸۰	قبولِ اسلام اور بیعتِ عقبہ	۱۸۱
۸۱	جوشِ ایمانی	۱۸۱
۸۲	یہودیوں کو دعوتِ اسلام دینا	۱۸۲
۸۳	ایمانی غیرت	۱۸۷
۸۴	تعلیم	۱۸۸

۸۵	مواخات و بھائی چارگی	۱۸۸
۸۶	سفر و حضر میں فیضانِ نبوی سے فیض یاب ہونا	۱۸۹
۸۷	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے محبت	۱۹۲
۸۸	شوقِ طلبِ علم	۱۹۵
۸۹	آپ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں	۱۹۸
۹۰	آپ کا علمی مقام صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں	۲۰۰
۹۱	امامت کی خدمت انجام دینا	۲۰۲
۹۲	آپ رضی اللہ عنہ کا ایک عمل جو ہمیشہ کے لیے اسوہ قرار پایا	۲۰۴
۹۳	غزوات میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی شرکت	۲۰۴
۹۴	آپ رضی اللہ عنہ کو مکے کا امیر بنانا	۲۰۵
۹۵	یمن کا حاکم مقرر کرنا	۲۰۵
۹۶	امتحان	۲۰۶
۹۷	اہلِ یمن کے نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تحریر نامہ	۲۰۶
۹۸	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آپ رضی اللہ عنہ کو نصیحت	۲۰۷
۹۹	جانبِ یمن روانگی	۲۱۰
۱۰۰	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آخری وصیت	۲۱۰
۱۰۱	یمن میں یُمن	۲۱۲
۱۰۲	پہلا قضیہ	۲۱۳
۱۰۳	یمن میں قیام اور ذمہ داریاں	۲۱۳

۱۰۴	قیامِ یمن کے دوران نماز میں پیر پھیلانا	۲۱۶
۱۰۵	ماتحت عمّال کی نگرانی اور سادگی	۲۱۶
۱۰۶	یمن سے واپسی اور آزمائش	۲۱۷
۱۰۷	یمن سے لائے ہوئے غلام آزاد کر دیے	۲۱۹
۱۰۸	جہادِ شام میں آپ کی شرکت	۲۲۰
۱۰۹	جنگِ دمشق	۲۲۲
۱۱۰	حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور عہدِ فاروقی کا آغاز	۲۲۲
۱۱۱	مشترکہ خط امیر المؤمنین ثانی کے نام	۲۲۴
۱۱۲	امیر المؤمنین کا جوابی خط	۲۲۵
۱۱۳	معرکۂ فحل، بے باک سفارت اور بے نظیر شجاعت	۲۲۶
۱۱۴	جنگِ یرموک، جیسا باپ ویسا بیٹا	۲۳۰
۱۱۵	بیت المقدس کا محاصرہ	۲۳۲
۱۱۶	حضرت معاویہؓ کا خط اور شام و فلسطین کے لیے روانگی	۲۳۲
۱۱۷	حضرت ابوعبیدہؓ کی وفات اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی جانشینی	۲۳۴
۱۱۸	طاعون کے دوران خطبہ اور دعا	۲۳۵
۱۱۹	صاحبزادہ عبدالرحمٰن کی وفات	۲۳۷
۱۲۰	آپؓ کی دو بیویوں کی وفات	۲۳۷
۱۲۱	مرض کی ابتدا اور خوفِ آخرت	۲۳۷
۱۲۲	آپؓ کے دو شاگردوں کا رونا	۲۳۸

۱۲۳	وفاتِ حسرت آیات	۲۳۹
۱۲۴	تدفین	۲۴۰
۱۲۵	آپ رضی اللہ عنہ سے منقول روایتیں	۲۴۰
۱۲۶	اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرنا	۲۴۱
۱۲۷	آپ کے شاگردان	۲۴۱
۱۲۸	حلیۂ مبارکہ	۲۴۲
۱۲۹	ازواج واولاد	۲۴۳
۱۳۰	اوصاف وکمالات	۲۴۴
۱۳۱	حق گوئی	۲۴۴
۱۳۲	سراپا صداقت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنا	۲۴۵
۱۳۳	زہدوتقویٰ	۲۴۵
۱۳۴	جودوسخا	۲۴۶
۱۳۵	ذہانت وفطانت اور اصابتِ رائے	۲۴۸
۱۳۶	آپ رضی اللہ عنہ کی جامعیت	۲۴۹
۱۳۷	منصبِ افتا پر فائز ہونا	۲۴۹
۱۳۸	حبِّ رسول	۲۵۰
۱۳۹	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر بے تحاشا رونا	۲۵۱
۱۴۰	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور شیطان	۲۵۱
۱۴۱	تبلیغ ونصیحت	۲۵۳

۱۴۲	جمعِ قرآن کی عظیم خدمت	۲۵۶
۱۴۳	تفقّہانہ شان	۲۵۶
۱۴۴	باہمی گفتگو میں معمولاتِ قرآنیہ کا چرچہ	۲۵۹
۱۴۵	ادب کا اہتمام	۲۵۹
۱۴۶	خوفِ خدا	۲۵۹
۱۴۷	بہترین آدمی	۲۶۰
۱۴۸	خلافت کے مستحق	۲۶۰
۱۴۹	پیغام	۲۶۱
	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	
۱۵۰	نام ونسب اور خاندان	۲۶۵
۱۵۱	حلیہ	۲۶۶
۱۵۲	کنبہ	۲۶۶
۱۵۳	قبل از اسلام	۲۶۶
۱۵۴	آتش کدے کا پاسبان	۲۶۷
۱۵۵	آتش کدے سے اکتاہٹ	۲۶۸
۱۵۶	عیسائیت کی طرف میلان	۲۶۹
۱۵۷	پادری کی خدمت میں	۲۷۰
۱۵۸	حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور دینِ فطرت	۲۷۱
۱۵۹	عیسائیت کی پناہ میں	۲۷۲

۱۶۰	قیدوبند کی صعوبتیں	۲۷۳
۱۶۱	پادری سے مراسلت اور ''شام'' جانے کی تمنا	۲۷۵
۱۶۲	قید سے خلاصی	۲۷۶
۱۶۳	شام میں آمد	۲۷۷
۱۶۴	موصل کا سفر	۲۷۹
۱۶۵	نصیبین کا سفر	۲۷۹
۱۶۶	عموریہ کا سفر	۲۸۰
۱۶۷	اجنبیت کا احساس	۲۸۱
۱۶۸	عرب کا سفر	۲۸۱
۱۶۹	غلامی	۲۸۳
۱۷۰	تمناؤں کا مرکز: مدینہ آ گیا	۲۸۳
۱۷۱	مدینے کی جان رسول اللہ آ گئے	۲۸۴
۱۷۲	آقا کی چچازاد بھائی سے گفتگو	۲۸۵
۱۷۳	خدمت میں حاضری	۲۸۷
۱۷۴	نبوت کی پہلی علامت	۲۸۸
۱۷۵	نبوت کی دوسری علامت	۲۸۸
۱۷۶	نبوت کی تیسری علامت	۲۹۰
۱۷۷	اسلام کے دامن میں	۲۹۰
۱۷۸	غلامی سے آزادی تک	۲۹۲

۱۷۹	مواخات	۲۹۵
۱۸۰	غزوۂ خندق اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ	۲۹۵
۱۸۱	سخت چٹان، تین ضربیں اور تین بشارتیں	۲۹۶
۱۸۲	شکستِ فاش	۲۹۹
۱۸۳	دیگر غزوات میں شرکت	۲۹۹
۱۸۴	عہدِ صدیقی	۳۰۰
۱۸۵	عہدِ فاروقی	۳۰۱
۱۸۶	بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے	۳۰۲
۱۸۷	تعمیرِ کوفہ اور فتحِ جلولا	۳۰۳
۱۸۸	گورنری	۳۰۴
۱۸۹	حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی شادی	۳۰۵
۱۹۰	شبِ عروسی	۳۰۷
۱۹۱	علالت و وصیت	۳۰۹
۱۹۲	وفاتِ حسرت آیات	۳۱۰
۱۹۳	نمازِ جنازہ اور تدفین	۳۱۱
۱۹۴	عمر شریف	۳۱۱
۱۹۵	تقرّب بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	۳۱۲
۱۹۶	رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ترجمان	۳۱۲
۱۹۷	سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں	۳۱۴

۱۹۸	صدقات سے اجتناب	۳۱۴
۱۹۹	اسلام کا بیٹا	۳۱۵
۲۰۰	ان کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی	۳۱۵
۲۰۱	دعائے رسول	۳۱۶
۲۰۲	علم اور فضل وکمال	۳۱۷
۲۰۳	مرویات	۳۱۷
۲۰۴	مرویات کی جھلک	۳۱۸
۲۰۵	حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو تنبیہ	۳۱۹
۲۰۶	آسمانی کتابوں کا علم	۳۲۰
۲۰۷	زہد وتقویٰ	۳۲۰
۲۰۸	اعتدال کی نصیحت	۳۲۱
۲۰۹	سادگی	۳۲۲
۲۱۰	دنیا سے بے رغبتی	۳۲۳
۲۱۱	تواضع	۳۲۵
۲۱۲	قناعت	۳۲۷
۲۱۳	سخاوت	۳۲۷
۲۱۴	حسنِ سلوک	۳۲۹
۲۱۵	حلم وبردباری	۳۳۱
۲۱۶	حق گوئی	۳۳۲

۲۱۶	خشیت وخوفِ الٰہی	۳۳۵
۲۱۷	وعظ کے بجائے تلاوت	۳۳۶
۲۱۸	اعلیٰ ہدیہ	۳۳۶
۲۱۹	حبِّ رسول ﷺ اور اتباعِ سنّت	۳۳۸
۲۲۰	مواعظ ونصیحت	۳۴۱
۲۲۱	مناقب	۳۴۳
۲۲۲	حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی کرامتیں	۳۴۵
	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	
۲۲۳	نام ونسب	۳۵۱
۲۲۴	آپ کے بھائی کا تعارف	۳۵۲
۲۲۵	حلیہ	۳۵۳
۲۲۶	ابتدائی حالات	۳۵۴
۲۲۷	اسلام	۳۵۴
۲۲۸	آپ کی والدہ کا اسلام	۳۵۶
۲۲۹	ایمان لانے کے بعد آپ پر کیا گذری	۳۵۷
۲۳۰	استقامت کا پہاڑ	۳۵۸
۲۳۱	غلط فہمیوں کا ازالہ	۳۵۹
۲۳۲	ہجرت	۳۶۰
۲۳۳	مواخات اور مکان	۳۶۱

۲۳۴	معاشی حالت	۳۶۱
۲۳۵	غزوات	۳۶۲
۲۳۶	ابوجہل کا انجام	۳۶۲
۲۳۷	دشمن کتنے ہیں؟	۳۶۴
۲۳۸	قیدی کے متعلق سفارش	۳۶۵
۲۳۹	دیگر غزوات	۳۶۵
۲۴۰	کون پہرہ دے گا؟	۳۶۵
۲۴۱	حنین اور فتح مکہ	۳۶۶
۲۴۲	عہدِ صدیقی	۳۶۷
۲۴۳	عہدِ فاروقی	۳۶۸
۲۴۴	ظالم چچا	۳۷۰
۲۴۵	جرم ایک سزا مختلف	۳۷۰
۲۴۶	عہدِ عثمانی	۳۷۱
۲۴۷	ساحر کا مقدمہ	۳۷۲
۲۴۸	والی کا مقدمہ	۳۷۳
۲۴۹	قرآن دے دیا	۳۷۳
۲۵۰	منیٰ میں قصر یا اتمام؟	۳۷۳
۲۵۱	خواب اور علالت	۳۷۵
۲۵۲	عیادت	۳۷۵

۲۵۳	وصیت	۳۷۷
۲۵۴	وفات	۳۷۷
۲۵۵	بیویاں	۳۷۸
۲۵۶	اولاد	۳۷۸
	بابِ دوم: اوصاف وکمالات	
۲۵۷	لباس	۳۷۸
۲۵۸	خوشبو کا شوق	۳۷۹
۲۵۹	غذا	۳۷۹
۲۶۰	آپ کا مزاج اور سنجیدگی	۳۷۹
۲۶۱	علمی کمالات	۳۸۰
۲۶۲	علم فرائض ومیراث میں آپ کا کمال	۳۸۰
۲۶۳	اربابِ علم کی قدر شناشی	۳۸۱
۲۶۴	عہدۂ قضا	۳۸۲
۲۶۵	عدالتی فیصلہ	۳۸۲
۲۶۶	خزانے کی افسری	۳۸۴
۲۶۷	فقہ	۳۸۴
۲۶۸	فقہ حنفی کا مؤسسِ اول	۳۸۵
۲۶۹	لاعلمی کا اظہار اور فتوے سے رجوع	۳۸۷
۲۷۰	روایتِ حدیث کا طریقہ اور اس کی عظمت	۳۸۸

۲۷۱	روایتِ حدیث میں احتیاط اور تعداد	۳۸۹
۲۷۲	حفظِ احادیث	۳۹۰
۲۷۳	فتویٰ دینے میں احتیاط	۳۹۲
۲۷۴	معاصرین سے استفادہ	۳۹۳
۲۷۵	قرآن کے بڑے عالم	۳۹۳
۲۷۶	عجیب سوال وجواب	۳۹۵
۲۷۷	تفسیر بالرائے پر اظہارِ برہمی	۳۹۶
۲۷۸	دارالقراء	۳۹۷
۲۷۹	آپ رضی اللہ عنہ کی قرأت	۳۹۸
۲۸۰	حافظِ قرآن	۴۰۰
۲۸۱	حفظ بھی اور عمل بھی	۴۰۱
۲۸۲	قرآن کی سند، حدیث کی سند	۴۰۱
۲۸۳	آپ رضی اللہ عنہ کا حلقۂ درس اور شاگردان	۴۰۲
۲۸۴	تعلیم میں ترغیب	۴۰۳
۲۸۵	معتقدین کا ہجوم	۴۰۴
۲۸۶	تلامذہ کے ساتھ شفقت اور حوصلہ افزائی	۴۰۴
۲۸۷	عہدِ نبوت کی یاد	۴۰۵
۲۸۸	بے مثال خطیب	۴۰۵
۲۸۹	جواہر پارے	۴۰۷

۲۹۰	خطیبوں کے لیے لمحۂ فکریہ	۴۰۸
۲۹۱	علمِ تفسیر	۴۰۹
۲۹۲	اوصاف	۴۰۹
۲۹۳	عبادت وخشیت	۴۱۱
۲۹۴	نماز وروزہ	۴۱۲
۲۹۵	تکبیر اولیٰ کا اہتمام	۴۱۳
۲۹۶	تہجد وشب بیداری	۴۱۳
۲۹۷	تسبیح وذکر	۴۱۵
۲۹۸	اوابین	۴۱۶
۲۹۹	مسنون دعاؤں کا اہتمام	۴۱۶
۳۰۰	اتباعِ سنت	۴۱۸
۳۰۱	بدعات سے نفرت	۴۲۰
۳۰۲	مہمانوں کا اکرام	۴۲۱
۳۰۳	صبر واستغناء اور احتساب	۴۲۱
۳۰۴	اعتدال	۴۲۲
۳۰۵	خانگی زندگی اور تربیتِ اولاد	۴۲۳
۳۰۶	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۴۲۳
۳۰۷	تواضع وانکساری	۴۲۵
۳۰۸	زہد اور بے رغبتی	۴۲۶

۳۰۹	امانت ودیانت	۴۲۸
۳۱۰	آبادی سے وحشت	۴۲۹
۳۱۱	سانپ کو مارنا	۴۲۹
۳۱۲	بشارتِ جنت	۴۳۰
۳۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نصیحتیں	۴۳۱
۳۱۴	آپ رضی اللہ عنہ کی منقبت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی	۴۳۳
۳۱۵	خادم خاص	۴۳۴
۳۱۶	نیک ہم نشیں	۴۳۵
۳۱۷	حاضر باش عالم	۴۳۶
۳۱۸	متبحر عالم	۴۳۸
۳۱۹	کرامت	۴۳۸
۳۲۰	مکے کے قیام میں فرشتوں کی زیارت	۴۳۹
۳۲۱	جنات کو دعوت	۴۴۰
	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	
۳۲۲	ولادت، نام ونسب	۴۴۵
۳۲۳	والدۂ ماجدہ کا تعارف	۴۴۶
۳۲۴	والد ماجد کا تعارف	۴۴۷
۳۲۵	خالہ امِ حرام بنتِ ملحان رضی اللہ عنہا	۴۴۸
۳۲۶	ماموں حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ	۴۴۹

۳۲۷	چچا انس بن نضرؓ	۴۵۰
۳۲۸	بھائی براء بن مالکؓ	۴۵۰
۳۲۹	حضرت انسؓ کا قبولِ اسلام	۴۵۰
۳۳۰	قدومِ میمنت لزوم	۴۵۱
۳۳۱	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تشریف آوری	۴۵۲
۳۳۲	ننھا منا بچہ خادمِ رسول بن گیا	۴۵۳
۳۳۳	حضرت انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں	۴۵۳
۳۳۴	یا ذاالأذنین ا یابنيّ! یا أُنیس!	۴۵۵
۳۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مبارک دعا	۴۵۶
۳۳۶	غزوات میں شرکت	۴۵۸
۳۳۷	جنگِ بدر	۴۵۸
۳۳۸	جنگِ احد	۴۵۹
۳۳۹	غزوۂ خندق و بنوقریظہ	۴۵۹
۳۴۰	غزوۂ خیبر	۴۶۰
۳۴۱	غزوۂ موتہ میں شرکت	۴۶۱
۳۴۲	صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان	۴۶۲
۳۴۳	فتحِ مکّہ وغزوۂ حنین	۴۶۲
۳۴۴	غزوۂ تبوک و حجۃ الوداع	۴۶۳
۳۴۵	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وفات کا صدمہ	۴۶۴

۳۴۶	دورِ صدّیقی میں آپ کی خدمات	۴۶۵
۳۴۷	دورِ فاروقی میں آپ رضی اللہ عنہ کے کارنامے	۴۶۶
۳۴۸	معرکۂ حریق (عراق) میں	۴۶۷
۳۴۹	قادسیہ میں شرکت	۴۶۷
۳۵۰	جنگِ تستر میں	۴۶۸
۳۵۱	آپ رضی اللہ عنہ کا بصرہ میں قیام	۴۶۹
۳۵۲	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت	۴۷۰
۳۵۳	بصرہ کی ولایت	۴۷۰
۳۵۴	بنوامیّہ کے دورِ خلافت میں	۴۷۰
۳۵۵	واقعۂ حرّہ	۴۷۲
۳۵۶	وفات	۴۷۳
۳۵۷	وصیت	۴۷۴
۳۵۸	غسل اور تکفین وتدفین	۴۷۴
۳۵۹	عمر شریف	۴۷۵
۳۶۰	وضع قطع	۴۷۵
۳۶۱	اولاد اور ان کی تعلیم و تربیت	۴۷۶
۳۶۲	زوجۂ محترمہ کو سنت کی طرف متوجہ کرنا	۴۷۷
۳۶۳	تلامذہ	۴۷۸
۳۶۴	مرویات	۴۷۹

۳۶۵	حدیث کے لیے سفر	۴۸۰
۳۶۶	روایتِ حدیث میں احتیاط	۴۸۰
۳۶۷	حفاظتِ حدیث	۴۸۱
۳۶۸	حضرت انس رضی اللہ عنہ بہ حیثیتِ فقیہ	۴۸۱
۳۶۹	اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت	۴۸۲
	عبادات	
۳۷۰	خشوع وخضوع والی نماز	۴۸۴
۳۷۱	دعا	۴۸۵
۳۷۲	طریقۂ ختمِ قرآن	۴۸۵
۳۷۳	تقویٰ و پرہیزگاری	۴۸۵
۳۷۴	مہمان نوازی	۴۸۶
۳۷۵	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۴۸۶
۳۷۶	جانوروں پر ظلم کرنے سے روکنا	۴۸۷
۳۷۷	حق گوئی و بے باکی	۴۸۸
۳۷۸	رازِ رسول کی حفاظت	۴۸۹
۳۷۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی تعظیم	۴۹۰
۳۸۰	حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت	۴۹۰
۳۸۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متبرک چیزیں	۴۹۱
۳۸۲	آگ نے رومال کو نہیں جلایا	۴۹۲

۳۸۳	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں	۴۹۲
۳۸۴	آپ کے گھر میں مواخات	۴۹۳
۳۸۵	شیریں کنواں	۴۹۳
۳۸۶	محبتِ علی وعثمان	۴۹۳
۳۸۷	آرزوئے انس	۴۹۴
۳۸۸	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدۂ سفارش	۴۹۴
۳۸۹	پیغامِ عمل	۴۹۵

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

۳۹۰	نام ونسب	۴۹۹
۳۹۱	ولادت	۵۰۰
۳۹۲	قبولِ اسلام	۵۰۱
۳۹۳	مشرکینِ مکّہ کی جانب سے تشدّد	۵۰۲
۳۹۴	جنت کی بشارت	۵۰۳
۳۹۵	قربانیوں کا لامتناہی سلسلہ	۵۰۴
۳۹۶	ایک ننھی سی جان اور یہ قربانیاں	۵۰۵
۳۹۷	ہجرت	۵۰۸
۳۹۸	مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصہ	۵۰۹
۳۹۹	مدینہ کا قیام اور مواخاۃ	۵۰۹
۴۰۰	مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حصہ	۵۰۹

۴۰۱	تیمم والا واقعہ	۵۱۱
۴۰۲	دیوار گرنے کی تردید	۵۱۲
۴۰۳	غزوات میں شرکت	۵۱۲
۴۰۴	ایک یادگار مہم جوئی	۵۱۴
۴۰۵	حضرت ابوبکرؓ کا زمانۂ خلافت	۵۱۶
۴۰۶	حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت	۵۱۷
۴۰۷	کوفہ کا گورنر	۵۱۸
۴۰۸	حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت	۵۲۲
۴۰۹	حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت	۵۲۳
۴۱۰	جنگِ جمل میں میسرہ کی افسری اور جنگِ صفّین	۵۲۴
۴۱۱	شہادت	۵۲۶
۴۱۲	قاتل کی گواہی	۵۲۷
۴۱۳	تجہیز و تکفین	۵۲۹
۴۱۴	جہنم کے لیے جھگڑا	۵۲۹
۴۱۵	اولاد	۵۳۰
۴۱۶	فضل وکمال اور علم واخلاق	۵۳۰
۴۱۷	حضرت عمار بن یاسرؓ کی خواب میں زیارت	۵۳۱

حضرت عثمان بن مظعونؓ

۴۱۸	نام ونسب اور حلیہ	۵۳۸

۴۱۹	دامنِ اسلام میں	۵۳۸
۴۲۰	ہجرتِ حبشہ	۵۳۹
۴۲۱	ولید بن مغیرہ کی پناہ میں	۵۴۱
۴۲۲	عثمان صرف خدا کی پناہ چاہتا ہے	۵۴۲
۴۲۳	آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی	۵۴۳
۴۲۴	راہِ حق میں پہلا طمانچہ	۵۴۴
۴۲۵	طمانچہ کا ''ناک شکن'' جواب	۵۴۵
۴۲۶	ایک بار پھر حبشہ کی طرف ہجرت	۵۴۶
۴۲۷	حبشہ سے مکّہ اور مکّہ سے مدینہ	۵۴۷
۴۲۸	خدمت و نصرت کے لیے قرعہ اندازی اور عقدِ مواخاۃ	۵۴۸
۴۲۹	جنگِ بدر میں شرکت	۵۴۸
۴۳۰	وفاتِ حسرت آیات	۵۴۹
۴۳۱	اشک آلود چشمِ جمال	۵۵۰
۴۳۲	جنت کا بہتا ہوا چشمہ	۵۵۰
۴۳۳	عظمتِ عثمان	۵۵۱
۴۳۴	امتیازی شان	۵۵۲
۴۳۵	بہترین پیش رَو	۵۵۳
۴۳۶	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال	۵۵۳
۴۳۷	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی بہن	۵۵۵

۴۳۸	اوصاف وکمالات	۵۵۶
۴۳۹	سنّت مشعلِ راہ ہے	۵۵۷
۴۴۰	لا رهبانية في الإسلام	۵۵۸
۴۴۱	عثمان نہایت ہی باحیا ہے	۵۵۹
	حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ	
۴۴۲	نام، نسب اور خاندان	۵۶۳
۴۴۳	عاشقِ کعبہ کا اسلام وبیعت	۵۶۴
۴۴۴	آپ قبلے ہی پر تھے	۵۶۵
۴۴۵	سب سے پہلی بیعت اور جذبۂ جاں نثاری	۵۶۷
۴۴۶	نقیبِ قوم	۵۶۸
۴۴۷	اوس وخزرج سے خطاب	۵۶۸
۴۴۸	وفات	۵۷۰
۴۴۹	نمازِ جنازہ اور جنت کی بشارت	۵۷۱
۴۵۰	ازواج واولاد	۵۷۲
۴۵۱	خصائص وامتیازات	۵۷۵
	حضرت ضِمَام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	
۴۵۲	نام	۵۸۰
۴۵۳	قبولِ اسلام سے پہلے	۵۸۱

۴۵۴	قبولِ اسلام	۵۸۱
۴۵۵	دعوتِ اسلام	۵۸۶
۴۵۶	حلیہ اور فضائل ومناقب	۵۸۷
۴۵۷	ایمان افروز باب	۵۸۷
	حضرت کلثوم بن الہِدمؓ	
۴۵۸	نام ونسب	۵۹۱
۴۵۹	’’صاحبُ رحلِ رسول اللہ‘‘ کی وجہِ تسمیہ	۵۹۱
۴۶۰	قبولِ اسلام	۵۹۲
۴۶۱	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میزبانی کا شرف	۵۹۳
۴۶۲	حضرت کلثومؓ کا مکان: مرکزِ استقبال	۵۹۴
۴۶۳	حضرت کلثومؓ نے حضور علیہ السلام کو اپنی زمین ہدیتاً پیش فرمائی	۵۹۵
۴۶۴	مسجدِ قباء کے امام	۵۹۵
۴۶۵	یہ بشارت حضرت کلثومؓ کے متعلق ہے یا کسی اور کے	۵۹۷
۴۶۶	وفات	۶۰۱
۴۶۷	تدفین	۶۰۱
۴۶۸	خلاصہ	۶۰۲
	حضرت ذکوان بن عبدِ قیسؓ	
۴۶۹	نام ونسب	۶۰۵

۴۷۰	مدینہ کے پہلے مسلمان	۶۰۶
۴۷۱	دو بیعتیں	۶۰۷
۴۷۲	ایک ہی صحابی، مہاجر بھی اور انصاری بھی	۶۰۷
۴۷۳	بشارتِ عظمیٰ	۶۰۸
۴۷۴	شہادت اور انتقامِ حیدری	۶۰۸
	فضائل و مناقب	
۴۷۵	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی پہرہ داری کی سعادت	۶۰۹
۴۷۶	تین کے بجائے ایک	۶۱۰
	حضرت عبد اللہ بن زید بن عبدِ ربہ رضی اللہ عنہ	
۴۷۷	نام، نسب اور خاندان	۶۱۶
۴۷۸	جائے ولادت اور بچپن	۶۱۶
۴۷۹	دامنِ اسلام میں	۶۱۷
۴۸۰	صاحب الاذان کا لقب	۶۱۹
۴۸۱	عاشقِ صادق کا ایک واقعہ	۶۲۱
۴۸۲	ایک اور سعادت	۶۲۲
۴۸۳	دولتِ دنیا سے بے نیاز	۶۲۲
۴۸۴	دیگر حالاتِ زندگی	۶۲۳
۴۸۵	وفات	۶۲۳
۴۸۶	اولاد و حلیہ	۶۲۴

۴۸۷	حدیث میں آپ کا مقام	۶۲۴
۴۸۸	پیغام	۶۲۵

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ

۴۸۹	نام، نسب وخاندان	۶۲۹
۴۹۰	تربیت وپرورش	۶۳۰
۴۹۱	قبولِ اسلام	۶۳۱
۴۹۲	بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شرکت کی سعادت	۶۳۲
۴۹۳	غزوات	۶۳۴
۴۹۴	غزوۂ احد میں ماں بیٹے کی شجاعت	۶۳۵
۴۹۵	زخمی عبداللہ اور بہادر ماں	۶۳۸
۴۹۶	برادرِ گرامی حضرت حبیب کی شہادت	۶۳۹
۴۹۷	بھائی کا انتقام اور مسیلمہ کا قتل	۶۴۰
۴۹۸	وفات	۶۴۲
۴۹۹	جنت کی بشارت	۶۴۴
۵۰۰	اولاد	۶۴۵
۵۰۱	فضل وکمال	۶۴۵
۵۰۲	سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو	۶۴۵
۵۰۳	تابوت کا آخری کیل	۶۴۶

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

۵۰۴	نام،نسب اور خاندان	۶۵۰
۵۰۵	ازدواجی تعلق	۶۵۱
۵۰۶	قبولِ اسلام	۶۵۱
۵۰۷	غزوات میں شرکت	۶۵۲
۵۰۸	سفارتِ رسول اور جنت کی بشارت	۶۵۲
۵۰۹	خطرناک مہم	۶۵۳
۵۱۰	روانگی	۶۵۵
۵۱۱	ہرقل کا خواب	۶۵۶
۵۱۲	نامۂ مبارک ہرقل کو پہنچانا	۶۵۷
۵۱۳	نامۂ گرامی کا متن اور اس کا ترجمہ	۶۵۸
۵۱۴	ہرقل کا بھتیجا	۶۵۹
۵۱۵	سفیرِ نبوی اور ہرقل کے درمیان مکالمہ	۶۶۰
۵۱۶	قیصر کی تائیدِ مزید	۶۶۱
۵۱۷	متاعِ آخرت سے محرومی	۶۶۲
۵۱۸	قیصر کا جوابی خط	۶۶۴
۵۱۹	نامۂ مبارک کی تاریخ	۶۶۵
۵۲۰	سفیرِ رسول کے ساتھ چھیڑ خانی	۶۶۶
۵۲۱	آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو وزیروں کا ذکر	۶۶۶

۵۲۲	ضغاطر کے نام مکتوبِ گرامی	۶۶۷
۵۲۳	حلیۂ مبارکہ	۶۶۸
۵۲۴	حضرت جبرئیل ؑ کا دیدار حضرت دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں	۶۷۰
۵۲۵	خیبر کا واقعہ	۶۷۲
۵۲۶	وفات	۶۷۳
۵۲۷	فضائل ومناقب	۶۷۳
	حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	
۵۲۸	نام ونسب	۶۷۹
۵۲۹	عاشقِ رسول کا جذبۂ اتباع	۶۷۹
۵۳۰	فضل وکمال	۶۸۰
۵۳۱	جنت میں رفاقت	۶۸۲
۵۳۲	گستاخ زبان! خاموش ہو	۶۸۳
۵۳۳	غلامئ مصطفیٰ پر جان بھی قربان ہے	۶۸۴
۵۳۴	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ	۶۸۶
۵۳۵	اولاد	۶۸۹
۵۳۶	وفات	۶۸۹
	حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ	
۵۳۷	نام ونسب	۶۹۴

۵۳۸	گم شدہ بھائی کی تلاش میں	۶۹۴
۵۳۹	حلیفانہ تعلّق اور شادی	۶۹۵
۵۴۰	اسلام کے سائے میں	۶۹۶
۵۴۱	آزمائش کی پُرخار وادیوں میں	۶۹۶
۵۴۲	حضرت سمیّہ بنتِ خباط رضی اللہ عنہا کے اجمالی حالات	۶۹۸
۵۴۳	حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالاتِ زندگی	۶۹۹
۵۴۴	حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت	۷۰۱
۵۴۵	خلاصۂ کلام	۷۰۲

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ

۵۴۶	نام ونسب	۷۰۶
۵۴۷	پہلی مرتبہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار اور جذبۂ خدمت	۷۰۶
۵۴۸	خادم حاضر ہے	۷۰۷
۵۴۹	خدمت سے جنت تک کا سفر	۷۰۹
۵۵۰	اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کروگے؟	۷۱۲
۵۵۱	مہر	۷۱۳
۵۵۲	ولیمہ	۷۱۴
۵۵۳	صدیقِ اکبر کا ظرف اور ربیعہ کا مقام	۷۱۵

حضرت خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ

۵۵۴	حضرت خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ	۷۲۰

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ

۵۵۵	نام ونسب	۷۲۶
۵۵۶	اسلام	۷۲۷
۵۵۷	کہسارِ احد میں شیر کی آمد	۷۲۷
۵۵۸	ایک شیر اور بے شمار لومڑیاں	۷۲۷
۵۶۰	جنت کا راہی	۷۲۹
۵۶۱	بھتیجا چچا کے نقشِ قدم پر	۷۲۹

حضرت جارود بن معلّٰی عبدی رضی اللہ عنہ

۵۶۲	تعارف	۷۳۴
۵۶۳	وفدِ عبدالقیس	۷۳۶
۵۶۴	وفدِ عبدالقیس کی مدینہ آمد	۷۳۸
۵۶۵	وفدِ عبدالقیس کی فضیلت	۷۳۸
۵۶۶	قبیلۂ عبدالقیس کا پہلا وفد	۷۴۰
۵۶۷	قبیلۂ عبدالقیس کا دوسرا وفد	۷۴۰
۵۶۸	جارود کی وجہِ تسمیہ؛ دو روایتیں	۷۴۱
۵۶۹	قبولِ اسلام	۷۴۲
۵۷۰	آپ رضی اللہ عنہ کی شعر گوئی	۷۴۴
۵۷۱	فتنۂ ارتداد اور آپ رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی	۷۴۵

۵۷۲	حق گوئی و بے باکی	۷۴۷
۵۷۳	آپ کی شہادت	۷۴۹
	حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ	
۵۷۴	نام، کنیت اور نسب نامہ	۷۵۶
۵۷۵	وضو کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت	۷۵۷
۵۷۶	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آپ کی ضیافت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت	۷۵۷
۵۷۷	لسانِ مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کی بشارت	۷۵۸
۵۷۸	واقعہ سے حاصل شدہ دو سبق	۷۵۹
	حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ	
۵۷۹	نام، لقب، قبیلہ	۷۶۴
۵۸۰	پرورش و کفالت	۷۶۴
۵۸۱	ہزّال کون تھے؟	۷۶۵
۵۸۲	گناہ کی تلافی کے لیے اصرار	۷۶۵
۵۸۳	مقامِ رجم	۷۶۶
۵۸۴	پہلا پتھر	۷۶۷
۵۸۵	غلط تبصرہ پر تنبیہ اور جنت کی بشارت	۷۶۷
۵۸۶	نمازِ جنازہ	۷۶۸
۵۸۷	مختلف بشارتیں اور فضیلتیں	۷۶۹

حضرت ہلال حبشی رضی اللہ عنہ		
۵۸۸	لالے کی حنا بندی	۷۷۳
حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ		
۵۸۹	نام ونسب	۷۷۷
۵۹۰	والدہ کی اطاعت گذاری	۷۷۷
۵۹۱	سچا مسلمان	۷۷۸
۵۹۲	مواخاتی رشتہ	۷۷۸
۵۹۳	غزوۂ بدر میں شرکت اور شہادت	۷۷۹
۵۹۴	حارثہ جنت الفردوس میں	۷۸۰
حضرت ضحاک بن ابی جبیرہ رضی اللہ عنہ		
۵۹۵	نام کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر	۷۸۴
حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ		
۵۹۶	نام ونسب اور خاندان	۷۸۷
۵۹۷	قبولِ اسلام، بیعت اور غزوات میں شرکت	۷۸۸
۵۹۸	مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ	۷۸۹
۵۹۹	حبیب بن زید کا ولولہ انگیز کردار	۷۹۱
۶۰۰	والدہ کا ایمان افروز تبصرہ	۷۹۲

۶۰۱	خس کم جہاں پاک	۷۹۳
حضرت انیس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ		
۶۰۲	نام ونسب	۷۹۸
۶۰۳	والدِ گرامی کے مختصر حالات	۷۹۸
۶۰۴	غزوۂ حنین اور جاسوسی	۷۹۹
۶۰۵	جنت کی بشارت	۸۰۰
۶۰۶	اجرائے حدود کی خدمت	۸۰۱
حضرت عمرو بن ثابت اصیرم رضی اللہ عنہ		
۶۰۷	نام ونسب	۸۰۴
۶۰۸	اسلام	۸۰۵
۶۰۹	احد میں شرکت وشہادت	۸۰۶
۶۱۰	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور پہیلی	۸۰۷
حضرت عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ		
۶۱۱	نام ونسب	۸۱۲
۶۱۲	اسلام	۸۱۲
۶۱۳	دل دے چکے ہیں عہدِ وفا کر چکے ہیں ہم	۸۱۲
۶۱۴	کچھ جھلکیاں حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہ کی	۸۱۳
۶۱۵	حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں شرکت	۸۱۴

۶۱۶	پروانۂ جنت	۸۱۵
۶۱۷	آپ رضی اللہ عنہ کی شعر گوئی	۸۱۶
	حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ	
۶۱۸	نام ونسب	۸۲۰
۶۱۹	خوش نصیب گھرانہ	۸۲۱
۶۲۰	حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ امِّ عمارہ کا تعارف	۸۲۱
۶۲۱	حضرت حبیب بن زید	۸۲۲
۶۲۲	حضرت عبداللہ بن زید	۸۲۲
۶۲۳	غزوات میں شرکت	۸۲۳
۶۲۴	جنت کی بشارت	۸۲۳
	حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ	
۶۲۵	نام ونسب اور خاندان	۸۲۷
۶۲۶	اسلام	۸۲۹
۶۲۷	فضل وشرف اور مواخاۃ	۸۳۰
۶۲۸	خصوصیت	۸۳۱
۶۲۹	تعمیرِ مسجد کے لیے زمین کا عطیہ	۸۳۲
۶۳۰	جذبۂ جاں نثاری اور شہادت	۸۳۳
۶۳۱	غزوۂ احد میں والد کی شہادت	۸۳۴

حضرت مبشّر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ

۶۳۲	نام ونسب	۸۳۹
۶۳۳	نصرت	۸۳۹
۶۳۴	مواخات	۸۴۰
۶۳۵	غزوۂ بدر میں شرکت وشہادت	۸۴۰
۶۳۶	فضائل ومناقب	۸۴۱
۶۳۷	بشارتِ جنت	۸۴۳

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ

۶۳۸	نام ونسب	۸۴۷
۶۳۹	غزوات میں شرکت	۸۴۷
۶۴۰	غزوۂ احد	۸۴۷
۶۴۱	من یبیع لنا نفسہ	۸۴۹
۶۴۲	شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن	۸۵۰

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ

۶۴۳	نام ونسب	۸۵۳
۶۴۴	قبولِ اسلام	۸۵۴
۶۴۵	دنیوی باغ کے بدلے جنت کا باغ	۸۵۴
۶۴۶	یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے	۸۵۷

۶۴۷	جنگِ اُحد میں شرکت اور عجیب کارنامہ	۸۵۹
۶۴۸	ترکہ	۸۶۱
۶۴۹	اہل وعیال	۸۶۱
۶۵۰	حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ اور ابوالدحداح رضی اللہ عنہ ایک ہی شخصیت یا الگ الگ	۸۶۱
	حضرت امرؤالقیس کندی رضی اللہ عنہ	
۶۵۱	نام ونسب	۸۶۶
۶۵۲	اسلام	۸۶۶
۶۵۳	زمانۂ ارتداد میں خدمت	۸۶۷
۶۵۴	الحبّ في الله و البغض في الله	۸۶۹
۶۵۵	جنت کے لیے دنیا سے دست برداری	۸۶۹
	حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ	
۶۵۶	حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ	۸۷۴
	حضرت نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ	
۶۵۷	آخرت کی طلب کی ایک جھلک	۸۸۰
۶۵۸	قبولیتِ دعا	۸۸۰
۶۵۹	نعمان بن قوقل کی شخصیت کے بارے میں اختلاف	۸۸۱
	حضرت عمیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	
۶۶۰	حضرت عمیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	۸۸۳

حضرت سعیرہؓ خادمہ حضرت خدیجہؓ

۶۶۱	جنت کی بشارت	۸۸۵

حضرت ابوثعلبہ اشجعیؓ

۶۶۲	حضرت ابوثعلبہ اشجعیؓ	۸۸۷

نامعلوم الاسم جنتی صحابہؓ

۶۶۳	غزوۂ احداور سات انصاری صحابہ	۸۸۹
۶۶۴	مجاہد کے لیے بہشت واجب ہے	۸۹۱
۶۶۵	یہ کلمہ کہنے والا آگ سے بچ گیا	۸۹۲
۶۶۶	ایک شترسوار جوعمل تھوڑا اور اجر بہت لے گیا	۸۹۳
۶۶۷	اللہ نے اس غلام کو بڑی عزت بخشی ہے	۸۹۵
۶۶۸	ان دونوں کے درمیان آسمان وزمین کا فاصلہ ہے	۸۹۸
۶۶۹	ایک اور جنّتی	۹۰۲
۶۷۰	وہ عورت اس فعل سے جنت میں داخل ہوگئیں	۹۰۲
۶۷۱	میں نے شمار کیا وہ بارہ اصحاب تھے	۹۰۳
۶۷۲	تم بہشت میں میرے ساتھ ہوں گے	۹۰۴
۶۷۳	کون بہشت میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا چاہتا ہے	۹۰۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقاب کشائی

کس زبان سے اُس خالق کا شکرادا کریں جس کے فضل وکرم سے توفیق کے بند دروازے کھلتے ہیں! کہاں سے لائیں حمد وسپاس کے الفاظ اُس ذاتِ گرامی کے لیے جس کی عنایتوں سے ذرے ماہتاب اور قطرے سمندر کا روپ دھار لیتے ہیں! کونسا سجدۂ شکر ہے جو اُس کی مہربانیوں کا قرض چکا سکے! وہ ہاتھ ہی کہاں ہیں جو اُس کے حضور شکر و امتنان کا نذرانۂ عقیدت پیش کر سکیں! وہ آنکھیں کہاں ہیں جو خراجِ عقیدت کا فرض نبھا پائیں! اور وہ دل کہاں سے لائیں جو اُس کے دربارِ عالی میں تشکّر کے اُمنڈتے ہوئے جذبات واحساسات کے ساتھ نثار کیا جا سکے!!! جیسے ہم کمزور؛ ویسے ہمارا سجدۂ شکر بھی بے جان، ہمارا مظروف نظر انداز؛ بلکہ مردود کیے جانے کے قابل؛ مگر اُس کا ظرف اور اُس کی رحمتوں کا دریا وسیع و بے کراں۔

کس قدر عنایتیں ہیں اُس کی ہم بندوں پر! کہ ہماری شکستہ تحریروں کو ''صحابہ ؓ'' کی مقدس جماعت کے ساتھ نسبت عطا کر دی۔ کیا کہنے اُس کے الطاف کے! جس نے ہماری بے کیف سطروں میں ''اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم'' کے کردار و سیرت کا حُسن بکھیر دیا۔ زہے نصیب اِس بے زور قلم کے! جس کے خاکوں میں ''جاں نثارانِ محمدی'' کی فدائیت وفنائیت کا رنگ بھرا گیا۔ فرطِ مسرت سے پھڑ پھڑاتے ہوئے قرطاس کے اِن صفحات کو دیکھیے جو آسمانِ ہدایت کے ''نجوم وکواکب'' سے نسبت پر نازاں وفرحاں ہیں۔ ہائے! میں مرجاواں! گنہگار غلاموں کا یہ مقدر! کہ وہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جاں نثاروں کی تعریف میں لب کشا ہوں۔ میری روح قربان!

میرا جسم نثار! میرا قلب وجگر صدقے! میرا ہر ہر قطرۂ خون فدا! میری رگِ جاں فنا! میری آنکھیں نذرانہ! میرے کان، ناک، ہاتھ، پاؤں؛ بلکہ جسم کا رواں رواں حاضر! میرا ہر مضمون، ہر اقتباس، ہر جملہ، ہر سطر، ہر لفظ، ہر حرف اور ہر نقطہ اُن پاک طینت و پاکباز صحابۂ کرام کے نام جن کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

اے دشمنِ صحابہ! بول ذرا! تجھے کیوں انکار صحابہ کا؟
ہر حال میں تجھ سے پوچھے گا یہ تابعدار صحابہ کا
میری جان صحابہ کے حق میں، ارمان صحابہ کے حق میں
جنت کے سب دروازوں کے دربان صحابہ کے حق میں
دنیا کے سارے غیرت مند انسان صحابہ کے حق میں
اسلام صحابہ کے حق میں، ایمان صحابہ کے حق میں
مقداد، بلال، ابوذر، سلمان: صحابہ کے حق میں
فاطمہ، حسن، حسین، علی: صحابہ کے حق میں
قرآن صحابہ کے حق میں، رحمان صحابہ کے حق میں
گلشن کی بہار صحابہ ہیں، روشن مینار صحابہ ہیں
سینوں کے دل کی دھڑکن بس قرارِ صحابہ ہیں
کفار کی دُکھتی رگ رگ پہ چلتی تلوار صحابہ ہیں
وہ دیکھ لو آج بھی روضہ میں روضے کے چوکیدار صحابہ ہیں

یکے از خاکپائے جاں نثاران محمدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حق و باطل، صحیح و غلط، راستی و ناراستی، علم و جہل اور نور و ظلمت کے درمیان یوں تو بہت زیادہ فاصلہ ہے؛ مگر سنت و بدعت اور ہدایت و ضلالت کے درمیان خطِّ فاصل کھینچنا بسا اوقات نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے، اور جوں جوں زمانہ مشکاۃِ نبوت سے دور ہوتا جائے گا فتنوں کی کثرت کے باعث امتیاز مشکل ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ بہ مطابقِ حدیث ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت، ہدایت کو ضلالت اور ضلالت کو ہدایت سمجھنے والوں کی کثرت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

شکوک و شبہات کے اِس دلدل سے نکالنے والی رسّی وہ ہے جس کو قرآن کریم نے ''حزب اللہ'' کے تمغۂ فلاح سے نوازا ہے۔ تاویلاتِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ کے اِس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکالنے والا وہ طبقہ ہے جسے بہ موجبِ حدیثِ قدسی ''نجومِ ہدایت'' کہا جاتا ہے۔ گمراہی کی تیز و تند طوفانی موجوں میں گھِری کشتی کو ساحلِ ہدایت تک پہنچانے والی وہ جماعت ہے جسے ''اصحابِ محمدؐ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ: جب کبھی دین کے نام پر بے دینی اور ہدایت کے نام پر ضلالت کا بازار گرم ہوگا، تو یہی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اکسیر ترین نسخۂ کیمیا بن کر جلوہ گر ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی باطل نے سر اُبھارا، جب کبھی

ضلالت وغوایت نے پاؤں پسارنے چاہے، جب کبھی شرک وبدعت نے ڈیرے ڈالنے کا ارادہ کیا، جب کبھی الحاد نے پنجے گاڑنے کا منصوبہ بنایا، تو سب سے پہلے اِن ہی صحابۂ کرامؓ کے تقدُّس پر ہاتھ ڈالا، اِن کی امانت وتقویٰ کو داغدار کرنا چاہا، اِن کی راست بازی وصداقت پرستی پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی، اِن کی وفا شعاری وجاں سپاری کو مشکوک قرار دیا؛ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ، جب تک صحابۂ کرامؓ کی مقدّس جماعت سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑی ہے شریعت وسنت پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا؛ جب تک اِن کے روشن نقوش امت کے سامنے موجود ہیں دین کے نام پر تحریف کر کے گمراہی کی ظلمتیں نہیں پھیلائی جاسکتیں؛ جب تک ان کے اسوۂ حسنہ کا چراغ جلتا رہے گا کوئی طاقت اسلام کو گزند نہیں پہنچاسکتی۔

اِسی کے پیشِ نظر امّتِ مسلمہ میں روزِ اول سے صحابہؓ کو پڑھنے، سمجھنے اور اُن کے اُسوے کو اپنانے کا معمول رہا ہے، اور چودھویں صدی کے اِس ایمان سوز دور میں بھی یہ معمول مختلف شکلوں میں نظر نواز ہوتا رہتا ہے۔

امّت کے نوجوانوں کو صحابہؓ کے تابناک احوال اور اُن کی حیرت انگیز زندگیوں سے رُوشناس کرانے کے لیے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات میں پچھلے تین سال سے ''جنّتی صحابہ وصحابیاتؓ'' کے نام سے ''شعبۂ تقریر وتحریر'' کے ماتحت ''الدین'' کے خصوصی شمارے منظرِ عام پر لانے کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ پہلے سال ''عشرۂ مبشرہ'' یعنی وہ دس جنتی صحابہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ یک جنبشِ لب ایک ہی مجلس میں بہشت کی بشارت عنایت

فرمائی۔دوسرے سال ’’عشرون مبشّرون‘‘ یعنی عشرۂ مبشرہ کے علاوہ وہ ’’بیس جنّتی صحابہ‘‘ جنھیں انفرادی طور پر مختلف مواقع سے رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ’’تمغۂ جنت‘‘ سے نوازا۔تیسرے سال ’’پندرہ جنتی صحابیات‘‘ کے نام سے کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔چوں کہ انفرادی طور پر جنت کی بشارت پانے والوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعض صاحبزادیاں اور پاکباز بیویاں بھی شامل تھیں؛ اِس لیے جملہ بناتِ طاہرات وازواج مطہّرات کے احوال پر دو مستقل شمارے: ’’بناتِ طیبات‘‘ اور ’’ازواجِ مطہرات‘‘ کے نام سے شائع کیے گئے۔

اِمسال اس سلسلے کا چھٹا شمارہ ’’شعبۂ تقریر وتحریر‘‘ کے ماتحت ’’الدین‘‘ کے پلیٹ فارم سے چھپنے جارہا ہے۔اس شمارے کا مختصر پسِ منظر یہ ہے کہ: سالِ گذشتہ صحابہ کے احوال کی تلاش وجستجو کے دوران جامعہ کے کتب خانے سے ’’کاروانِ جنت‘‘ نامی ایک کتاب ہاتھ لگی،جس میں مذکورہ بالا صحابہ کے علاوہ مزید جنتی صحابہؓ کے نام اور اُن کے بشارت پانے کے واقعات مرقوم تھے؛ چناں چہ اِس کتاب کو سامنے رکھ کر یہ شمارہ سابقہ اصول وشرائط کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے؛ نیز تاریخ وسِیر کی دیگر معتبر کتب سے بھی بھرپور مدد لی گئی ہے۔اس کا نام اساتذہ کے مشورہ سے ’’اربعون مبشرون‘‘ ۔یعنی عشرۂ مبشرہ اور عشرون مبشرون کے علاوہ، وہ ’’چالیس جنتی صحابہؓ‘‘ جن کو لسانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جنت کا مژدۂ جاں فزا نصیب ہوا۔طے پایا ہے، اِن چالیس صحابہ کے علاوہ کچھ ایسے جنتی صحابہ بھی ہیں جن کے نام کی صراحت کتبِ حدیث وتاریخ میں نہیں ملتی، اُن کا بھی

ذکر مستقل ایک مضمون میں ''نامعلوم الاسم جنتی صحابہ'' کے نام سے کردیا گیا ہے۔

قطرے کو سمندر کی وسعت بخشنے والے اللہ رب العزت کی ذاتِ والا صفات سے امید ہے کہ، یہ سلسلہ تاریخ کے طلبہ کے لیے کسی انسائیکلو پیڈیا سے کم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑے بول سے اور شہرت ونامورَی کے ناپاک جذبے سے حفاظت فرمائے، اور ہمارے عزیزوں کی اِس کاوش کو امیدوں سے بڑھ کر مقبولِ عام وتام بنائے۔آمین

اِس موقع سے بندۂ ناچیز اپنا ذاتی فریضہ سمجھتا ہے کہ،وہ ''الدین'' کے سرپرست: سیدی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری ادام اللّٰہ فیوضھم علینا، مشفق وکرم فرما مہتمم صاحب حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ سملکی دامت برکاتہم، شعبۂ تقریر وتحریر کے روحِ رواں: استاذی المکرم حضرت اقدس مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہ، مراجع ومصادر کے لیے طلبۂ عزیز کا مرجع: برادرِ مکرم مفتی اویس صاحب گودھروی زید فیضہ، مفید مشوروں، دعاؤں اور حوصلہ افزائیوں سے نوازنے والے اساتذۂ کرام، کتابوں کے لیے تعاون کرنے والے کتب خانۂ جامعہ کے کارکنان وذمہ داران، خیرخواہوں، محسنوں اور ''الدین'' کے ذمہ دار طلبہ سمیت جملہ مقالہ نگار طلبہ کا شکریہ ادا کرے، کہ اِن سب حضرات کی مشترکہ محنت، جِدّ وجُہد، توجہات اور دعاؤں سے یہ خصوصی شمارہ تیار ہوکر زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ دامے، درمے، قدمے، سخنے؛ ہرقِسم کی اعانت کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، علم وعمل اور صلاح وتقویٰ سے

نوازے، مزید خدماتِ علمیہ ودینیہ کے لیے موفق فرمائے، اور ہمارے بہی خواہ اساتذۂ کرام اور اکابرین کے سایۂ شفقت کو بہ عافیت وسلامت تادیر ہم خُردوں کے سر پر قائم ودائم فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

کتبہ: معاذ بن عبدالرزاق چارولیہ

خادم: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل

۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ

بہ وقت: ۱۰:۳۰ دن

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

از قلم:
سلمان عارف کوکنی / یاسین یعقوب بورسدی

سوانحی خاکہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

نام: عبداللہ بن عمر۔

کنیت: ابوعبدالرحمٰن۔

ولادت: تقریباً نبوت کے پہلے سال مکۂ مکرمہ میں۔

قبیلہ: قریش کی شاخ بنوعدی۔

قبولِ اسلام: نبوت کے چھٹے سال۔

ہجرت: بارہ سال کی عمر میں والدِ محترم کے ساتھ مدینہ کی طرف۔

غزوات: بدر واحد کے علاوہ تمام غزوات۔

عہدِ خلافتِ راشدہ: انتشار سے پہلے تک جہاد، پھر گوشہ نشینی۔

حیات: عبدالملک بن مروان تک کا زمانہ۔

وفات: ۷۴ھ۔

عمر: ۸۴۔

نمازِ جنازہ: حجاج بن یوسف ثقفی۔

مدفن: مکے میں مہاجرین کا ''قبرستانِ فخ''۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سلمان عارف کوکنی / یاسین یعقوب بورسدی

خیالات کے قالین پر فرشتہ صفت انسانوں کی ایک نشست جمی ہوئی تھی، درمیان میں ایک چاند نما شخصیت جلوہ گو تھی اور ارد گرد ہالہ بنائے اصحاب کا جھرمٹ اس کعبۂ نور کا مستانہ وار طواف کر رہا تھا، یکا یک میری نگاہ ایک نوخیز نوجوان پر پڑی تو میں انگشت بدنداں رہ گیا؛ اس لیے کہ اس کے ہاتھ میں بہشتِ بریں کی سند تھی اور سر پر ''مطیع السنہ'' کا تاج، اس کے چہرے پر سنتِ رسول کی زرّیں کرنیں رقص کر رہی تھیں اور دامن سے علم وحکمت کا فوارہ ابل رہا تھا، اس کی آنکھوں میں ایک بجلی نما چمک تھی جو چشمِ تصور میں بڑے بڑے سلاطین وامرا کو مرعوب کیے جا رہی تھی، اس کی انگشتِ شہادت میں ایک زبردست طاقت تھی جو کبر ونخوت کے بتوں کو پاش پاش کیے دے رہی تھی، اس کا علم اس قدر مضبوط ومستحکم تھا کہ فقہِ مالکی کی بلند وبالا عمارت اسی کی بنیادوں پر کھڑی نظر آ رہی تھی، اس کے اوصاف میں وہ کشش وجاذبیت تھی کہ دشمنوں کی جبینیں بھی اس کے آستانے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

کچھ دیر تک تو میں ٹکٹکی باندھے یہ منظر دیکھتا رہا، پھر میں نے پلکوں سے تخیل کی دھول جھاڑی تو اپنے آپ کو حقائق کی دنیا میں پایا؛ لیکن اس مجسمۂ اخلاق کی زیارت کا شوق اتنا جوش مار رہا تھا کہ دوبارہ تصورات کے بُراق پر سوار ہو گیا اور اس کی تلاش وجستجو میں ماضی کی طرف دوڑ پڑا، تقریباً چودہ سو سال کا طویل سفر طے

کرنے کے بعد ایک شخص سے ملاقات ہوئی، جس میں میرے مطلوب کا عکس دکھائی دے رہا تھا، میں نے اس کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا کہ: یہ صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔

بابِ اول

کتابِ زندگی کے چند اوراق

پیدائش، خاندان، نام ونسب

حضرت عبداللہ بن عمرؓ قریش کی مشہور شاخ بنوعدی میں پیدا ہوئے، ولادت کا سنّ وسال کسی کتاب میں صراحتاً مذکور نہیں؛ البتہ تخمینے بتاتے ہیں کہ: آپؓ کی ولادت باسعادت سن نبوی ایک میں ہوئی ہوگی۔

آپؓ کا نام: عبداللہ اور کنیت: ابوعبدالرحمٰن تھی، والدِ محترم کا اسمِ گرامی: عمر بن خطابؓ اور والدۂ محترمہ کا نامِ نامی: زینبؓ تھا۔

والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزّٰی بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: زینب بنتِ مظعون بن حبیب بن وہب بن حذیفہ بن جمح بن عمرو بن حصین۔

والدین کا مختصر تعارف

آپ کے والد کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

نامِ نامی: عمر۔ کنیت: ابوحفص۔ والد کا نام: خطّاب۔ نسبت: قریشی، عدوی۔

ولادت: ہجرت سے چالیس سال پہلے۔ وفات: ۲۳ھ۔ نبوت کے پانچویں سال اور ایک قول کے مطابق چھٹے سال اسلام قبول کیا، آپ کے اسلام لانے سے اسلام اور مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی، اور حق و باطل کھل کر سامنے آگیا، اس لیے آپ کا لقب ''فاروق'' رکھا گیا۔ غزوات: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ کل عمر: ۶۳/سال۔ مدتِ خلافت: ساڑھے دس سال۔

(مزید تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: عشرۂ مبشرہ: ۲۲۵ تا ۲۸۳، ناشر: شعبۂ تقریر و تحریر، جامعہ ڈابھیل)

آپؓ کی والدۂ ماجدہ کا نام: زینب بنتِ مظعونؓ ہے، یہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی حقیقی بہن ہوتی ہے، ہجرت کرنے والی عورتوں میں سرِ فہرست ہے۔

قبولِ اسلام

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خونِ جگر سے اسلام کی شمع جلائی، مکہ کے شپرہ چشم کافر اس کے اجالے کی تاب نہ لاسکے، وہ لوگ خود بھی اس سے دور رہتے اور دوسروں کو بھی اس کے قریب نہ جانے دیتے تھے۔ اگر کوئی خوش قسمت انسان اس کے پاس جا کر اپنی تاریک زندگی کو روشن کر دیتا تو اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے اور مذہبِ اسلام کے مقتضیات پر عمل کرنے میں رکاوٹ بنتے تھے۔ ان مایوس کن اور ناگفتہ بہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی شکل میں ایک ایسا چمک دار اور کاٹ دار ہیرا اسلام کی جھولی میں ڈال دیا جس نے کفارِ مکہ کی شہ رگ کاٹ

کر ان مظلوموں کے دلوں میں یاس و امید کی روشنی بکھیر دی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی اپنے والدِ گرامی کے دوش بہ دوش نبوت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا۔ مؤرخین کے اندازے کے مطابق اس وقت ان کی عمر صرف ۵ / سال تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے والدِ محترم کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: جب میرے والد حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئے تو کسی ماہر خبر رساں کا پتہ پوچھا، لوگوں نے جمیل بن معمر کی رائے دی، ہم دونوں اس کے گھر گئے، آپؓ نے دو ٹوک لہجے میں گفتگو شروع فرمائی کہ: اے جمیل! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پرچم تلے آ گیا ہوں اور میں نے سینکڑوں بتوں کو چھوڑ کر اللہ کے دامنِ وحدانیت میں پناہ پکڑ لی ہے۔ اس خبرِ صاعقہ اثر کو سن کر وہ بدحواس ہو گیا اور خانۂ کعبہ کے دروازے پر آ کر ایک مخبوط الحواس شخص کی طرح زور زور سے چلانے لگا: ’’اے اہلِ مکہ! اے والیانِ کعبہ! عمر بے دین ہو گیا، عمر بے دین ہو گیا‘‘۔ اپنے اوپر لادینیت کی تہمت سن کر آپؓ آگ بگولہ ہو گئے اور فوراً اس کی تردید کی کہ: ’’میں بے دین نہیں؛ مسلمان ہو گیا ہوں‘‘۔

جمیل کی زبانی یہ اعلان سننا تھا کہ کفارِ مکہ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے اور آپؓ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ آپؓ نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور کافی دیر تک مزاحمت کرتے رہے، دریں اثنا آپؓ کے ماموں عاص بن وائل کا وہاں سے گذر ہوا، بھانجے کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک دیکھ کر اس کا دل موم کی طرح پگھل گیا اور اس نے آپؓ کو وثیقۂ امان دیتے ہوئے کہا: خبردار! میں نے اپنے

خواہرزادے کو امان دے دی ہے؛ لہٰذا کوئی شخص اس پر ہاتھ نہ اٹھائے۔تب جا کر ظالموں نے اپنے ہاتھ روک لیے اور آپؓ نے راحت کا سانس لیا۔اِس واقعہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایمانِ محکم اور ثابت قدمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے والد کو آنکھوں کے سامنے پیٹتا ہوا دیکھا؛ مگر ایمان ویقین میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔

اسلام لانے کے بعد خوف وہراس کے سائے

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: قبولِ اسلام کے بعد میرے والد پر ہر وقت حملے کے خطرات چھائے رہتے تھے، اعلانِ اسلام کے وقت صحنِ کعبہ میں بھی کافروں کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ دھکا مکّی اور ہاتھا پائی ہوتی رہی اور اکیلے حضرت عمرؓ لڑتے رہے، پھر جب تھک ہار کر بیٹھ گئے تو فرمایا: اگر ہم تین سو آدمی ہو گئے تو یا تو ہم تمہاری اِس سرزمین کو چھوڑ دیں گے یا تم ہمارے لیے اسے چھوڑ دو گے۔

خوف وہراس کا اتنا غلبہ تھا کہ کچھ دنوں تک حضرت عمرؓ جیسے جاں باز آدمی نے گھر سے باہر نکلنا کم کر دیا تھا۔

ایک مرتبہ کافروں کا ایک جتھا آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر کا محاصرہ کر کے جم گیا، خوب شور ہوتا رہا، ''مارو کاٹو'' کی آوازیں آتی رہیں، یہاں تک کہ ریشمی کپڑا پہنے ایک عمر رسیدہ رسیدہ شخص آیا، اس نے مجمع کے خطرناک عزائم دیکھ کر کہا کہ: اگر عمر اپنے دین سے پھر گیا تو کیا ہوا! میں اسے پناہ دیتا ہوں، اس کے یہ

کہتے ہی لوگ اِدھر اُدھر کھسک لیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ: یہ عاص بن وائل ہے۔

غیر معتبر روایات کی تردید

اس مقام پر بعض تاریخ نویسوں اور غیر معتبر راویوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اسلام لانے کا مستقل واقعہ بیان کیا ہے اور اس کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپؓ اپنے والد سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ بڑے شدّ و مد کے ساتھ ان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: یہ روایت بے سر و پا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس کا انکار کرتے تھے، اور عقل کی رو سے بھی یہ روایت غیر مستقیم معلوم ہوتی ہے؛ اس لیے کہ بخاری شریف میں حضرت ابنِ عمرؓ کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ: میرے والد نے اسلام قبول کیا تو میں چھوٹا بچہ تھا۔ ظاہر ہے، جو بچہ خود اپنے نفع و نقصان کی تشخیص نہیں کرسکتا؛ بھلا وہ حق و باطل کے درمیان تمیز کر کے کسی ایک کو قبول کرنے پر کس طرح قادر ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ آپؓ اپنے والدِ گرامی کی اتباع میں اسی طرح مسلمان ہوئے، جس طرح کہ دوسرے بچے اپنے خاندان کے بزرگوں اور سرپرستوں کے دوش بہ دوش غیر شعوری طور پر مسلمان ہوتے رہیں۔

ہجرت

حضرت عمرؓ جیسے زور آور اور پُر وجاہت شخص کے ساتھ کفارِ قریش نے جو ظالمانہ برتاؤ کیا، اس کو پڑھ کر آپ نے اندازہ کر ہی لیا ہوگا کہ دیگر مستضعفین اور

خاندانی نسبت وشرافت سے تہی دست ایمان والوں کو کس قدر کرب ناک اور درد انگیز اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا، ان ہی مصائب وشدائد سے دل برداشتہ ہوکر اہلِ ایمان نے خفیہ طور پر بہ حکمِ الٰہی مکہ سے مدینہ ہجرت کا سلسلہ شروع کیا، کافی عرصہ تک یہ سلسلہ برابر چلتا رہا؛ لیکن حضرت ابنِ عمرؓ نے والد کے ہمراہ علی الاعلان ہجرت کرکے اس سلسلہ کو توڑ دیا اور تاریخ کے سینے پر شجاعت وبسالت کا ایک نیا باب رقم کردیا۔ اُس وقت آپ کی عمرِ مبارک صرف ۱۲ / سال تھی۔

مواخات

ہجرت کرکے مدینۂ طیبہ جانے والوں کے لیے وہاں کی سرزمین بالکل نامانوس تھی، وطنِ مالوف کی محبت کو بالائے طاق رکھ کر وہاں پر ہمیشہ کے لیے رہائش کس طرح اختیار کی جائے یہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا؛ مگر دانائے سبل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عقدۂ گراں کُشا کو اپنی فراست کے ذریعے اِس طرح حل کردیا کہ ان غریب الوطن مہاجرین اور مدینہ کے باشندوں کو اخوت وبھائی چارگی کی لڑی میں پِرو دیا۔

صورتِ مواخات یہ تھی کہ: جو مسلمان ہجرت کرکے مدینہ پہنچتا اس کو ایک مقامی انصاری کے حوالے کردیا جاتا کہ جب تک مہاجر کی رہائش وسکونت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو اس کے گھر رہا کرے۔ اس ضابطے کے تحت حضرت ابنِ عمرؓ کس کے بھائی قرار پائے؟ اور ان کا قیام وطعام کس کے گھر رہا؟ اس کا صریح تذکرہ تو کسی جگہ نہیں ملا؛ لیکن حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ صغرِ سنی ہی میں ہجرت کی تھی، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، اس لیے اغلب یہی ہے کہ آپ کی

رہائش ان ہی کے ساتھ حضرت عتبان بن مالکؓ کے گھر رہی ہوگی۔

فوجی تربیت

مسلم شریف میں روایت ہے، حضرت ابنِ عمر کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اضمار کیے ہوئے گھوڑوں کو مقامِ حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک دوڑایا کرتے تھے، دونوں مقامات کا درمیانی فاصلہ چھ میل تھا اور جن گھوڑوں کو اضمار نہیں کیا گیا تھا، ان کو ثنیۃ الوداع سے مسجدِ بنوزُرَیق تک دوڑایا کرتے تھے یعنی صرف ایک میل۔ حضرت ابنِ عمرؓ کا بیان ہے کہ: میں بھی اس گھوڑ دوڑ میں شریک ہوتا تھا، اور ایک روایت میں حضرت عمرؓ نے یہ بیان کیا کہ: ایک مرتبہ میں گھوڑ دوڑ میں آگے آیا اور گھوڑا کود کر مجھ کو مسجد کے اندر تک لے گیا۔

بقیہ زندگی کا سفر اور موت

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مواخات والی تدبیر نے کم عمر عبداللہ کے دل میں دیارِ غریب کی ایسی انسیت ڈال دی کہ زندگی بھر وہیں کے ہوکر رہ گئے؛ صرف زندگی کے اخیری دور میں کچھ شر پسند عناصر نے جب اس بقعۂ مبارکہ پر پنجے گاڑے اور اپنے مسموم قدموں کے ذریعے وہاں کی زرخیز و پُرامن مٹی کو شوریدہ کرنا چاہا تو مجبوراً وہاں سے نکل کر مکۃ المکرمہ آئے۔

مکۂ مکرمہ میں حجاج سے چپقلش رہی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اسی چپقلش کے نتیجے میں حجاج نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنے نیزے کی انّی کو زہر میں بجھالے اور موقع ملتے ہی وہ انّی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیر پر رکھ دے، آپ

کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ اس شخص نے نیزے کی اَنّی پیر پر رکھ دی، زخم لگا اور زہر جسم میں سرایت کر گیا۔ (یہ واقعہ ''سیرت عبداللہ بن عمرؓ'' میں مرقوم ہے)۔

الغرض: ۷۴ھ میں تراسی یا چوراسی برس کی عمر پا کر جان جاں آفریں کے حوالے کی۔

آپؓ کی وفات کا سبب کیا ہوا؟ اس کو جاننے کے لیے تمہیدی طور پر اتنا سمجھ لیں کہ آپؓ سلطنتِ بنوامیہ کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کی ستم رانیوں پر کھلم کھلا اعتراض کرتے تھے اور اس کی غلط کاریوں پر برسرِ عام اس کی مخالفت کرتے تھے؛ اس لیے آپؓ اس کی آنکھوں کا کانٹا بن گئے۔ اسی نے اپنے کارندوں کے ذریعے آپ کو زخمی کرادیا اور یہی زخم آپؓ کی وفات کا سبب بنا۔

اتنی بات تو تمام راویوں کے اتفاق سے ثابت ہے؛ لیکن زخمی کرنے کا واقعہ کب اور کس طرح پیش آیا؟ اس سلسلے میں متعدد روایتیں منقول ہیں جن کو نمبر وار ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:

(۱) مستدرکِ حاکم کی روایت ہے کہ جب حجاج نے خانۂ کعبہ میں منجنیق نصب کر کے اس کے تقدّس کو پامال کیا اور اپنی وحشت و بربریت کا نشانہ بنا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر دیا، تو آپؓ سے تحمّل نہ ہوسکا اور برملا اس کی مخالفت کرنا شروع کر دی، حجاج پر آپؓ کی یہ روش بڑی گراں گذری اور اس نے ایک شامی کو حکم دے کر آپؓ کو زخمی کرادیا۔

(۲) ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ: حضرت ابنِ عمرؓ کو خلیفہ عبدالملک بن

مروان قدر کی نگاہوں سے دیکھتا اور ان کا خوب اکرام واعزاز کرتا تھا۔ایک دفعہ حج کے موقع سے اس نے اپنی قلَم رَو میں یہ فرمان جاری کیا کہ: تمام مناسکِ حج حضرت ابنِ عمرؓ کی ہدایت کے مطابق ادا کیے جائیں۔حجاج کو اپنے حریف کی یہ عزت ایک آنکھ نہ بھائی؛لیکن فرمانِ شاہی کی بنا پر مخالفت کا جگر بھی نہیں رکھتا تھا، لامحالہ ایک ہی شکل تھی کہ ان کو نقصان پہنچا کر اپنا دل ٹھنڈا کرلے؛اس لیے اس نے یہ ناپاک قدم اٹھایا۔

بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ حج کے دوران حجاج بن یوسف ثقفی کا خیال ولحاظ نہیں رکھتے تھے اور اس کا انتظار کیے بغیر عرفات اور دیگر مواقف سے آگے بڑھ جاتے تھے،اس سے ناراض ہو کر حجاج نے یہ منحوس حرکت کی۔

(۳) ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ: ایک روز حجاج نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا شروع کیا، اور اس کو اتنا طویل کیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا۔حضرت ابنِ عمرؓ غصہ میں بھرّ ائے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ: او دشمنِ خدا! آفتاب تیرا انتظار نہیں کرسکتا! اتنا سننا تھا کہ حجاج غصے میں آگیا اور کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں،آپؓ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ: تجھ کوتاہ بیں سے کچھ بعید نہیں۔

(۴) ابنِ سعد روایت کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حجاج نے دورانِ خطبہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ پر بھپتیاں کسیں اور ان پر یہ الزام دھرا کہ: نعوذ باللہ وہ کلام اللہ کے محرِّف تھے۔ایک جلیل القدر صحابی پر حرف زنی حضرت ابنِ عمرؓ کو کب گوارا تھی،فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بھرے مجمع میں اس کی تردید کرتے

ہوئے فرمایا: تونے دروغ گوئی اور افترا پردازی سے کام لیا ہے، نہ ابنِ زبیر میں یہ طاقت ہے کہ قرآنِ کریم میں تحریف کرے اور نہ تیری یہ مجال ہے کہ کلام اللہ میں قطع و برید کرے۔ حجاج کے کان میں یہ لہجہ بادل کی طرح گرجا اور بجلی بن کر اس پر گرا، اس کی رگیں جوشِ انتقام میں بھڑک اٹھیں؛ لیکن آپ کی ہر دلعزیزی کی بنا پر علانیہ کوئی کارروائی نہیں کرسکتا تھا؛ اس لیے خفیہ طور پر یہ بھیانک کام کروا ڈالا۔

(۵) ابنِ سعد نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حجاج کو خطبہ دیتے ہوئے شام ہوگئی، عصر کا وقت آیا تو حضرت ابنِ عمرؓ نے اس سے کہا کہ: اے خطیب! بس کر، نماز کا وقت ہوگیا، مسلسل تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا؛ مگر اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، چوتھی بار آپؓ نے بجائے اس کے؛ عوام الناس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ: اگر میں اٹھ جاؤں تو کیا تم لوگ اٹھنے کے لیے تیار ہوجاؤ گے؟ لوگوں نے بہ یک زبان آمادگی کا اظہار فرمایا، پھر آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور حجاج سے کہا: مجھے لگتا ہے کہ تمھیں نماز کی ضرورت نہیں ہے؟ اب کے بار حجاج خاموشی کے ساتھ منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ: ہم لوگ یہاں نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں؛ اِس لیے وقت پر نماز پڑھا دیا کرو، پھر جو چاہے بکتے رہو۔

یہ روایات متفقہ طور پر شہادت دیتی ہیں کہ حضرت ابنِ عمرؓ کو زخمی کرنے کا اصل محرّک اور سبب حجاج بن یوسف تھا۔ خود حضرت عبداللہؓ بھی اس حقیقت سے

بہ خوبی واقف تھے، اسی بنا پر بیماری کے زمانے میں جب وہ آپ کی عیادت کے لیے آیا اور انجان بنتے ہوئے کہنے لگا کہ: اگر مجھے مجرم کا پتہ چل جائے تو اس کی گردن اڑادوں، تو آپؓ نے فرمایا کہ: خاموش رہ! یہ سب تو نے کیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ: میں مجرم کو قتل کردیتا! اگر تو حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت نہ دیتا تو یہ واقعہ بھی پیش نہ آتا، یہ سن کر وہ خاموش ہوگیا۔

بہرحال! زمانے کی یہ ساری سختیاں بار بار حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو عہدِ نبوت کے امن وامان اور عدل وانصاف کی یاد دلاتی تھیں، کب تک یہ سب مظالم برداشت کرتے؛ بالآخر طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سختیاں قید کی سب سہہ گئی بلبل لیکن
اڑ گئی روح یہ کہہ کر کہ چمن یاد آیا

تدفین

آپؓ کی دلی آرزو تھی کہ شہرِ رسول مدینۂ منورہ میں پیوندِ خاک ہو، آپ نے اپنے بیٹے سالمؒ کو وصیت کی تھی کہ: میری وفات مکۂ مکرمہ میں ہو تب بھی مجھے حدودِ حرم کے باہر لے جا کر دفن کرنا؛ اس لیے کہ جس جگہ کو اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دیا ہے (ہجرت مراد ہے) وہاں پر دفن ہونا مجھے گوارا نہیں۔ سالم نے وصیت کے موافق آپؓ کی نعشِ مبارک کو باہر لے جانے کی کوشش کی؛ لیکن حجاج نے مداخلت کر کے ان کو روک دیا اور خود نمازِ جنازہ پڑھا کر ''فخِ مہاجرین'' نامی قبرستان میں دفن کر دیا۔

ذریعۂ معاش

شروع زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذریعۂ معاش کیا تھا؟ اس بارے میں مؤرخین کا قلم خاموش ہے؛ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی کثرت ہوگئی اور صحابۂ کرامؓ کے لیے ان کے رتبہ کے اعتبار سے وظائف مقرر ہوئے، تو آپؓ کا بھی ڈھائی یا ساڑھے تین ہزار وظیفہ طے پایا، یہی آپؓ کی آمدنی کا واحد ذریعہ تھا جس کے ذریعے اہل وعیال کا پیٹ پالا کرتے تھے۔

حلیہ

آپؓ کی شکل وصورت اپنے والد سے بہت ملتی جلتی تھی، قد دراز اور جسم بھاری بھرکم تھا، رنگ گندمی اور نورانیت لیے ہوئے تھا، زلفیں کندھوں پر لٹکی ہوئی رہتی تھیں، کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے، زرد خضاب استعمال فرماتے تھے، داڑھی ایک مشت کے بقدر تھی، مونچھیں اس قدر گہری کترواتے تھے کہ لبوں کی سفیدی نمایاں ہوجاتی تھی۔

ازواج واولاد

آپؓ راہِ خدا میں جہاد کرنے اور علم حاصل کرنے کے اس قدر شوقین تھے کہ دوسرے تمام شوق اس کے سامنے کافور کی طرح گھل جاتے تھے: اس لیے ابتدائً آپ نے ارادہ کیا تھا کہ نکاح نہیں کروں گا، حضرت حفصہؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ کو بلا کر کہا کہ: نکاح کرلو، اس سے تمھیں اولاد پیدا ہوگی، اگر وہ مرجائیں گی تو تمہارے لیے باعثِ اجر بنیں گی، اور اگر زندہ رہیں تو تمہارے لیے دعا کریں گی۔

آپؓ نے اس دوطرفہ فائدہ کو سن کر اپنا ارادہ فسخ کر دیا، اور متعدد عورتوں سے نکاح کیے، جن سے آپؓ کے یہاں ۱۲ / لڑکے اور ۴ / لڑکیاں پیدا ہوئیں، جن میں سے ابوبکر، ابوعبیدہ، واقد، عبداللہ، عمر، حفصہ اور سودہ آپ کی اہلیہ حضرت صفیہ بنتِ ابی عبید کے بطن سے اور عبدالرحمٰن آپ کی دوسری زوجہ حضرت امِ علقمہ محاربیہ کے بطن سے پیدا ہوئے، اس کے علاوہ سالم، عبیداللہ اور حمزہ، سریہ نامی امِ ولد اور زید، عائشہ، بلال، ابوسلمہ اور قلابہ دیگر باندیوں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مؤخرالذکر پانچ میں سے زید، عائشہ کی والدہ ایک ہے اور قلابہ و ابوسلمہ ماں شریک بھائی ہیں، صرف بلال تنہا رہ جاتے ہیں۔

حضرت صفیہ بنتِ ابوعبید کے مہر کی بابت نافع کی ایک روایت ملتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت صفیہ بنتِ ابوعبید سے چار سو درہم پر نکاح کیا تو انہوں نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ یہ مہر میرے لیے کافی نہیں ہے تو ان کے لیے آپ نے حضرت عمرؓ سے چھپ کر دو سو درہم کا اور اضافہ کیا۔

صاحبزادی کا نکاح

طبقات ابنِ سعد میں ہے: حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ طواف کر رہے تھے اور میں نے ان سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگ لیا، آپ نے بالکل خاموشی اختیار کر لی اور مجھے کوئی جواب نہ دیا، میرے جی میں آیا کہ اگر یہ مجھ سے راضی ہوتے تو جواب دیتے، خدا کی قسم! میں دوبارہ کبھی ان سے اس بارے میں بات نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت

ابنِ عمر مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے اور میں بعد۔ چناں چہ جب میں مسجدِ نبوی میں داخل ہوا تو میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور مرحباً کہا، علیک سلیک کے بعد پوچھا کہ: تم کب آئے؟ میں نے کہا کہ: بس! یہی میرے آنے کا وقت ہے، پھر فرمایا: تم نے ہم سے سودہ بنتِ عبد اللہ کے بارے میں تذکرہ کیا تھا، ہم طواف میں مشغول تھے اور اللہ عزّ وجلّ کو اپنی آنکھوں کے سامنے خیال کر رہے تھے، تمہیں اس جگہ کے علاوہ کہیں اور ملنا چاہیے تھا، میں نے معذرت چاہی تو فرمایا: خیر! اب تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے جواب دیا کہ: مجھے آج بھی پہلے زیادہ تمنّا ہے، چناں چہ فوراً آپ نے اپنے دونوں بیٹوں سالم اور عبد اللہ کو بلایا اور شادی کروادی۔

بابِ دوم

جہادی سفر کی سرگذشت

حضرت ابنِ عمرؓ کی اٹھان خاکِ عرب سے ہوئی تھی؛ اس لیے روزِ اول ہی سے شجاعت وبسالت کی تلوار ان کے پر تلے میں موجود تھی، اس کو حضرت عمرؓ جیسے غیور وشیر دل باپ نے سان پر چڑھایا، اور اسلام کے صیقل نے اس پر سے قومیت ووطنیت کا زنگ صاف کر دیا، یہ سب امور اس سرعت سے انجام پائے کہ بلوغ سے پہلے ہی وہ راہِ خدا میں لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

غزوۂ بدر

چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ کفار کے خلاف جنگ کا اعلان

کیا تو آپؓ نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر شرکت کی اجازت طلب کی، اُس وقت آپؓ کی عمر صرف ۱۳/ سال تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عادتِ شریفہ چوں کہ بچوں کے ساتھ لے جانے کی نہ تھی؛ اس لیے آپؓ کو بھی اجازت مرحمت نہ فرمائی، آپؓ نے حکمِ نبوی پر سرِ تسلیم خم کر دیا اور اگلی لڑائی کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ: جنگِ بدر کے لیے مجھے اور عبداللہ بن عمرؓ کو کمسن شمار کیا گیا۔

خود حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں جہاد کے لیے پیش کیا گیا، آپ نے مجھے چھوٹا سمجھا، جہاد میں لے جانے کے لیے قبول نہیں فرمایا، میرے اوپر کبھی بھی ایسی سخت رات نہیں گذری تھی، رنج کی وجہ سے ساری رات نیند نہیں آئی اور میں روتا ہی رہا؛ اس لیے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جہاد میں لے چلنے کے لیے منظور نہیں کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا دشمن

آپ کو بدر میں شرکت کی اجازت تو نہ مل سکی؛ مگر دشمنِ خدا کا انجام آپ نے دیکھ رکھا تھا، طبرانی میں روایت موجود ہے، خود حضرت ابنِ عمر فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں بدر کے کنارے چلا جا رہا تھا، اچانک ایک آدمی اپنی قبر سے نکلا، اس کی گردن میں زنجیر تھی، اس نے مجھے آواز دی: اے عبداللہ! مجھے پانی پلا، اے عبد اللہ! مجھے پانی پلا، اے اللہ کے بندے! مجھے پانی پلا۔ میں نہیں جانتا تھا اس بات کو کہ وہ میرا نام جانتا تھا یا عرب کے قاعدہ کے مطابق ’’اللہ کا بندہ‘‘ کہہ کر مجھے پکارتا

تھا، میں نے دیکھا کہ اسی وقت اسی قبر سے ایک دوسرا آدمی نکلا، اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا، اس نے مجھے آواز دی: اے عبداللہ! اسے پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے۔ پھر اسے تلوار سے مارا اور اسے لے کر اپنی قبر میں لوٹ گیا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جلدی جلدی آیا اور آپ کو صورتِ واقعہ کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اسے دیکھا؟ میں نے کہا: ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا دشمن ابوجہل ہے، قیامت تک اس کا یہی عذاب ہے۔

غزوۂ احد

پھر جب احد کے لیے ''علمِ جہاد'' بلند کیا گیا تو آپؓ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی، دوڑے دوڑے اس کے سائے میں آ کھڑے ہوئے؛ لیکن معیارِ عمر پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے اب کی بار بھی واپس کر دیے گئے۔

غزوۂ خندق

دو بار درخواست رد ہونے کے باوجود آپؓ کے حوصلے بوڑھے نہیں ہوئے؛ بلکہ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ ان میں پختگی آتی گئی؛ حتی کہ جب آپؓ سولہ برس کے ہو گئے اور خندق کا معرکہ سامنے آ کھڑا ہوا تو آپؓ نے حسبِ سابق رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی، اب کے نبیٔ کریم نے بہ خوشی اجازت مرحمت فرمائی، اس غزوے میں چوں کہ فریقین کے درمیان بہت بڑی کھائی حائل تھی؛ اس لیے باقاعدہ قتل وقتال کی نوبت کم آئی، تاہم آپؓ نے لشکرِ اسلامی کے ساتھ جبلِ سلع کی طرف نکل کر مجاہدینِ اسلام کی فہرست میں اپنا نام درج کروا دیا۔

سریۂ نجد

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نجد کی جانب ایک سریّہ روانہ فرمایا جس کے اندر میں بھی تھا، پس ہمارے حصے میں فی کس بارہ اونٹ آئے اور ایک اونٹ ہمیں مزید دیا گیا، یوں ہم میں سے ہر ایک تیرہ اونٹ لے کر واپس آیا۔

صلحِ حدیبیہ اور بیعتِ رضوان

اگلے سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمرے کے ارادہ سے مکّۂ مکرمہ کے لیے رختِ سفر باندھا، جاں نثار صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت ساتھ تھی، جس میں آپؓ بھی شامل ہوئے اور مکہ کے لیے نکل پڑے، بڑی آرزوؤں کے ساتھ یہ قافلہ منزل کی طرف رواں دواں تھا، جب حدیبیہ پہنچا تو اشرارِ قریش کی شرارت اور مزاحمت نے ساری تمناؤں کا خون کر دیا، اور سب کو وہیں رک جانا پڑا، حضرت عثمانؓ سفارت کے لیے بھیجے گئے تو شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ اُس موقع پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے جہاد وقتال پر بیعت لی جو ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے مشہور ہے، آپؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر کے لازوال شرف حاصل کیا؛ بلکہ اپنے والد سے بھی سبقت کر لی۔

دراصل واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عمرؓ نے آپؓ کو حکم دیا کہ فلاں انصاری کے پاس جا کر میرے لیے ایک گھوڑا لے آؤ؛ تاکہ جہاد میں کام آسکے، آپؓ ان انصاری کی تلاش وجستجو میں نکلے تو پتہ چلا کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہؓ سے بیعت لے

رہے ہیں، آپؓ جائے واقعہ پر پہنچ کر اس سعادتِ عظمٰی سے شرف یاب ہوئے، پھر گھوڑا لے کر حضرت عمرؓ کی جناب میں پیش کر دیا، اور واقعۂ بیعت کی بھی اطلاع کر دی، تب جا کر حضرت عمرؓ نے بیعت کی۔

غزوۂ خیبر

حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شانہ بہ شانہ خیبر کا قصد فرمایا اور خیبر کی سرسبز و شاداب زمین کو دشمنانِ خدا کے چنگل سے چھڑا لیا۔ اس عظیم فتح کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غنائمِ خیبر کو صحابہؓ کے درمیان تقسیم کیا، حضرت ابنِ عمرؓ کے حصے میں بھی کچھ کھجور کے درخت آئے، آپؓ نے ان کی کھجوریں اتنی کھائی کہ ایک مرتبہ کہنے لگے: ہم کھجوروں سے اس وقت تک آسودہ نہیں ہوئے تھے جب تک کہ خیبر فتح نہ ہوا، اس کے بعد ہمیں خوب کھجوریں ملیں، جنہیں کھا کر ہم سیر ہو گئے۔

اس غزوے میں آپؓ نے میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت لینے کے ساتھ ساتھ اپنے علمی شوق وطلب کا بھی لوہا منوایا، اور حلت وحرمت کے بعض احکام کو ۔ جو اسی مبارک غزوے میں زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صادر ہوئے تھے۔ اپنے سینہ میں جمع کر کے اور دوسروں تک پہنچا کر تاریخ رقم کر دی۔

سریۂ موتہ

جنگ بندی اور صلح کے زمانے میں ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعوتِ اسلام پر مشتمل ایک خط بصریٰ کے والی شرحبیل بن عمرو الغسانی کے نام لکھا اور حضرت

حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر اس کے پاس بھیجا، وہ محروم القسمت خط کا مضمون پڑھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد کو قتل کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع ملی تو غضبناک ہوئے اور اس سے انتقام لینے کے لیے ۳/ ہزار صحابہ کا ایک لشکر بصریٰ کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے، انہوں نے روانگی سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امیر متعین کرنے، دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات اور عین معرکۂ کارزار گرم ہونے کے وقت رونما ہونے والے حالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جن کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں قلمبند فرمایا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو لشکر کا امیر نامزد کیا کہ ایک شہید ہو تو دوسرا شخص جھنڈا لے کر دشمنوں کی صف میں گھس جائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو بہت سی جنگی ہدایات اور مفید مشوروں سے نواز کر روانہ فرمایا، ۳/ ہزار کا یہ لشکر بڑے جوش وخروش اور شوقِ شہادت میں مست ہو کر آگے بڑھا، رومیوں کو جب اس پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ عرب جنگجوؤں کو اس مختصر سی جماعت سے مقابلہ کے لیے تیار کیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب ان کی آمد کی خبر پہنچی تو ان کے قدم ڈگمگانے لگے؛ مگر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور ایک ایسی پُرجوش تقریر کی کہ سارے لشکر کے دل سے خوف فرو ہو گیا اور تازہ دم ہو کر دوبارہ منزل کی طرف محوِ خرام ہوا۔

قصہ مختصر! دونوں فوجیں موتہ نامی جگہ میں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں، ایک طرف دولاکھ کا لشکرِ جرار تھا اور دوسری طرف محض ۳/ ہزار کا دستہ؛ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور مقابلہ شروع کیا، لشکرِ اسلام کا جھنڈا سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ نے اٹھایا، جب وہ شہید ہوگئے تو حضرت جعفرؓ نے بڑھ کر اُسے اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیا، دشمن نے ان کے دائیں ہاتھ کو تن سے جدا کردیا تو فوراً بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، جب اُسے بھی کاٹ دیا گیا تو دونوں بازوؤں کے ذریعہ اُسے مضبوطی سے تھام لیا اور لڑتے رہے حتی کہ جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد میں ان کے پاس کھڑا ہوا تو ان کے جسم پر نیزے اور تلوار کے پچاس سے زیادہ زخم تھے جس میں ان کی پیٹھ پر ایک بھی نشان نہ تھا۔ اس وفاداری اور بہادری کا حضرت ابنِ عمرؓ کے قلب وجگر پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ جب کبھی ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ملاقات ہوتی تو ان کو اس طرح سلام کرتے: ”**السلام عليكم يا ابن ذي الجناحين**“ یعنی اے دو بازو والے کے بیٹے! السلام علیکم۔

حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے قیادت کی باگ ڈور سنبھالی اور شہید ہونے تک قتال میں مصروف رہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعین کردہ تینوں امرا کی شہادت کے کچھ دیر بعد حضرت خالد بن ولیدؓ امیر مقرر ہوئے، اس درمیانی وقفے میں اسلام فوج کے ایک حصے میں کچھ افراتفری مچ گئی اور حضرت ابنِ عمرؓ سمیت کچھ اور صحابہ میدانِ جنگ

چھوڑ کر مدینہ آ گئے، رات کا وقت تھا اندھیرا ہر طرف سائیں سائیں کر رہا تھا، ایمان واستقامت کے ان پہاڑوں کو اپنی اِس حرکت پر بڑی شرمندگی ہو رہی تھی؛ اس لیے راتوں رات مشورہ کرکے فیصلہ کیا گیا کہ رات مدینۂ منورہ میں گذاریں گے، اور آئندہ کل مجلسِ نبوی میں حاضر ہو کر عذر خواہی کریں گے، اگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے عذر کو قابلِ عفو سمجھا تو ٹھیک؛ ورنہ دوبارہ جا کر لشکر میں شامل ہو جائیں گے۔

چناں چہ فجر کی نماز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بلا کسی تردد اور لاگ لپٹ کے نہایت شرمندگی کے ساتھ صاف صاف کہہ دیا کہ: ”نحن الفرّارون“ ہم میدانِ جہاد سے بھاگ کر آئے ہیں۔ قربان جایئے! محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوتِ ضبط اور دانائی پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرفِ غلط کی طرح بھی ان کو کچھ نہ کہا؛ بلکہ ان کے دلوں پر سے مایوسی کی بدلیاں بھی ہٹا دیں اور حوصلوں کو مہمیز کرتے ہوئے فرمایا کہ: ”لا، بل أنتم کرّارون“ نہیں، تم تو پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو، اور تم میرے پاس اس لیے آئے ہو تاکہ تازہ دم ہو کر پوری قوت کے ساتھ ان پر واپس دھاوا بول دو۔ اس کریمانہ برتاؤ کو دیکھ کر اِن صحابہ کی باچھیں کھل گئیں اور مارے خوشی کے سب نے آپ کے دستِ بابرکت کو بوسہ دیا۔

عمرے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمرے کے جتنے اسفار ہوئے، اس میں بھی آپؓ شریک رہے ہیں۔ مجاہدؒ بیان کرتے ہیں کہ: میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجدِ نبوی

میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حجرۂ عائشہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، چناں چہ عروہ نے ان سے دریافت کیا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کتنی مرتبہ عمرہ کیا تھا؟ فرمایا: چار دفعہ۔ پھر ہم نے حضرت عائشہؓ کے مسواک کرنے کی آواز سنی تو عروہؒ نے پوچھا: اے ام المؤمنین! کیا آپ نے سن لیا جو ابوعبدالرحمٰن کہہ رہے ہیں؟ جواب عنایت ہوا: ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جتنے بھی عمرے کیے ان میں یہ خود بھی تو موجود رہے ہیں، ہاں! مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رجب میں ہرگز عمرہ نہیں کیا۔

فتحِ مکہ

یہودِ خیبر کو ان کی عہد شکنیوں اور غسّانیوں کو ان کی گستاخیوں کا سبق سکھا کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ کفارِ مکہ کو شرارت سوجھی، انھوں نے صلحِ حدیبیہ کے موقع سے طے پایا ہوا معاہدہ توڑ دیا، چناں چہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی ساری جہادی کوششوں کا رخ ان ہی کی طرف پھیر دیا، اور رمضان المبارک ۸ سنہ ھ میں تقریباً دس ہزار صحابہؓ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی شریکِ لشکر تھے، ایک سبک رفتار گھوڑا، ایک وزن دار نیزہ اور تن پوشی کی غرض سے ایک معمولی سی چادر ساتھ تھی، آپ پر عجیب حالات و کیفیات طاری تھیں، جوانی کا جادو سر چڑھ کو بول رہا تھا، بغض فی اللہ کا لاوا دِل میں جوش مار رہا تھا، جذبۂ انتقام کے مارے چہرے پر شعلے دہک رہے تھے، اسی حال میں مکۃ المکرمہ میں داخل ہوئے۔

لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جوں ہی ''لاتثریب علیکم الیوم و أنتم الطلقاء'' کہہ کر عام معافی کا اعلان کر دیا تو سارا غم و غصہ فرو ہو گیا، اور پورے جسم

میں رحمت وشفقت کی روح دوڑ گئی۔جس وقت حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانۂ کعبہ میں داخل ہورہے تھے اُس وقت آپؓ بھی ان کے پیچھے تھے، اور خدا کا کرشمہ دیکھیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، حضرت بلالؓ اور عثمان بن طلحہ شیبی کے بعد چوتھے نمبر پر آپؓ ہی کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے۔خود بیان فرماتے ہیں کہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے،کلید بردارِ کعبہ عثمان اور مؤذنِ رسول حضرت بلالؓ بھی جلو میں موجود تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر جناب عثمانؓ سے کنجیاں لیں، اور دروازہ کھول کر اولاً آپ داخل ہوئے، پھر یہ دونوں حضرات، اور ان تینوں کے بعد سب سے پہلے داخل ہونے والا میں تھا۔

سریۂ بنوجذیمہ

مکۂ مکرمہ کے قیام کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ایک جماعت قبیلۂ بنوجذیمہ کے پاس بھیجی۔مقصد یہ تھا کہ ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور فتحِ مکہ سے آگاہ کیا جائے، حضرت ابنِ عمرؓ بھی ایک فردِ فرید کی حیثیت سے اس جماعت کا جز بنے ہوئے تھے۔

اس سریہ کا واقعہ آپ خود بیان کرتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ذمہ دار بنا کر قبیلۂ بنوجذیمہ کے پاس بھیجا، انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے؛ لیکن وہ اچھی طرح "أسلمنا، أسلمنا" نہیں کہہ پا رہے تھے؛ اس لیے "صبأنا صبأنا" کہنا

شروع کر دیا۔ چوں کہ کفارِ مکہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے کو صابی (بے دین) کہا کرتے تھے؛ اس لیے حضرت خالدؓ نے سمجھا کہ یہ لوگ بھی بہ طورِ استہزا وتمسخر کے ایسا کہہ رہے ہیں، چناں چہ حکم دیا کہ: ان کو تہ تیغ کر دو اور جو بچے اُسے بیڑیوں میں جکڑ لو۔ جب کافی لوگ گرفتار کر لیے گئے تو ہم میں سے ہر ایک کے حوالے ایک ایک قیدی کر دیا اور دوسرے دن صبح یہ حکم جاری کیا کہ ہر شخص اپنی دسترس میں موجود قیدی کی گردن اڑا دے، میں نے کہا: بہ خدا! نہ میں اپنے ماتحت قیدی کا قتل کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اور ایسا کرے گا، اس پر باہم کچھ تلخ کلامی بھی ہوئی، بالآخر جب لوگ واپس لوٹے تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت خالدؓ کے طرزِ عمل کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: اے اللہ! اِس کام سے میں مکمل براءت کا اظہار کرتا ہوں جو خالد سے سرزد ہوا ہے۔

اس واقعہ سے آپؓ کی معاملہ فہمی کے ساتھ ساتھ احتیاط کی بھی غمازی ہوتی ہے کہ ذرا سا شک پیدا ہونے کی وجہ سے امیر الجیش حضرت خالدؓ سے بھی اختلافِ رائے کا اظہار کیا اور تلوار اپنی نیام ہی میں رکھی کہ کہیں مسلمان کا ناحق خون نہ بہہ جائے۔

غزوۂ حنین

ابھی مکۃ المکرمہ میں فتح وغلبہ کی شہنائیاں بج رہی تھیں کہ حنین کی طرف سے تیر وتفنگ کی گونج گرج سنائی دینے لگی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوکنا ہو گئے اور حقیقتِ حال معلوم کی، تو پتہ چلا کہ قبیلۂ ہوازن وثقیف مل کر مسلمانوں کی خلاف زبردست

تیاریاں کررہے ہیں، اور مکۂ مکرمہ کی طرف بڑھنے کا قصد رکھتے ہیں، یہ دونوں قبائل فنِ حرب میں طاق اور دلیری میں شہرۂ آفاق تھے؛ اس لیے ان سے لڑائی مول لینا کوئی آسان کام نہ تھا؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک آواز پر سب نے فتح وظفر کی پوشاک یک قلم اتار ڈالی، تیروکمان سنبھالی اور حنین پہنچ گئے، حضرت ابنِ عمرؓ نے بھی اپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کر کے لڑائی میں حصہ لیا اور دشمنانِ خدا کو شکست وہزیمت کے کڑوے گھونٹ پلائے۔

اس غزوے میں آپؓ نے کوئی خاص کارنامہ انجام دیا یا نہیں، اس بارے میں تاریخ کے صفحات خاموش نظر آتے ہیں، البتہ امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں آپؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب ہم غزوۂ حنین سے لوٹے تو حضرت عمرؓ نے اعتکاف کی نذر سے متعلق سوال کیا جو زمانۂ جاہلیت میں مانی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے پورا فرمانے کا حکم دیا۔

اس غزوے میں بہت سا مالِ غنیمت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ لگا جس میں غلام باندیاں، اونٹ بکریاں اور دیگر بہت سارا مال تھا، آپ نے اس کو غانمین کے درمیان تقسیم کردیا، حضرت عمرؓ کو ایک حسین وخوبصورت باندی ملی، انہوں نے حضرت ابنِ عمرؓ کی نذر کردی، آپ نے اس کو اپنے ننیہال بھیج دیا اور خود بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے تشریف لے گئے، ان کا ارادہ تھا کہ طواف وغیرہ سے فارغ ہوکر اپنے ننیہال چلے جائیں گے، پھر باندی سے حاجت پوری کرلیں گے، چناں چہ حسبِ ارادہ طواف کر کے مسجدِ حرام سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ

لوگ آپ کے انتظار میں کھڑے ہیں، وجہ دریافت کرنے پر جواب دیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کی رضامندی کے ساتھ فیصلہ کیا ہے کہ ہماری عورتیں اور بیٹے واپس کر دیے جائیں، اللہ کے رسول کا فیصلہ سننا تھا کہ سرِ تسلیم خم کر دیا اور فرمایا کہ: قبیلۂ بنوجمح کے ہاں جاؤ اور اپنے خاندان کی لڑکی لے جاؤ۔

غزوۂ طائف

غزوۂ حنین کے بعد آپ طائف کے محاصرے میں بھی پیش پیش رہے، یہ محاصرہ بڑا سخت تھا؛ لیکن نوشتۂ تقدیر کے بہ موجب مسلمانوں کو کامیابی نصیب نہ ہوئی، مجبوراً محاصرہ اٹھانا پڑا۔ آپؓ خود واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جب مسلمانوں کی کامیابی کے آثار نظر نہ آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: ان شاء اللہ! کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائیں گے۔ یہ ارشاد کچھ لوگوں پر گراں گذرا، انہوں نے عرض کیا کہ: بغیر فتح کیے ہوئے کیسے لوٹیں؟ آپؓ نے فرمایا: اچھا! کوئی حرج نہیں، کل پھر لڑو۔ چناں چہ دوسرے دن بھی صحابہؓ بڑے جوش وخروش سے لڑے؛ لیکن فتح کی بہ جائے زخموں کا تحفہ لے کر واپس ہوئے، آج پھر آپؐ نے وہی کل والا ارادہ ظاہر فرمایا تو سب لوگ بہ خوشی تیار ہو گئے، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکرا دیے۔

غزوۂ تبوک

تقریباً آٹھ سال کی مسلسل کوششوں اور بے پناہ قربانیوں کے بعد جب عرب کی طاغوتی عسکریت اور شیطانی جمعیت پارہ پارہ ہو کر بکھر گئی تو روم کے عیسائیوں

نے سر ابھارا اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے تقریباً ڈیڑھ لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل فوج تیار کی۔ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے ''نفیرِ عام'' کی صدا لگائی، طویل اور پُر مشقت سفر، زادو راحلہ کی کمی، سخت گرمی کا زمانہ، پھلوں کے پکنے کا موسم، دشمن کی ناقابلِ تسخیر قوت اور دیگر بہت سے مسائل درپیش تھے؛ لیکن حضرت ابنِ عمرؓ نے ان تمام رکاوٹوں سے قطع نظر کر کے اپنا نام غازیوں کی فہرست میں لکھوا دیا، لوگ آتے گئے اور لشکر تیار ہوتا گیا؛ حتی کہ ۳۰/ ہزار صحابہؓ کی جمعیت لے کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک پہنچے، جیسے ہی رومیوں کو لشکرِ اسلامی کے آنے کی اطلاع ملی، ان کے ارادوں میں زبردست بھونچال آ گیا اور وہ میدان میں آنے کی بھی ہمت نہ کر پائے۔ نتیجتاً مسلمانوں کو بغیر مقابلے کے واپس آنا پڑا۔

دورانِ سفر اس لشکر کا گذر مقامِ حجر سے ہوا جہاں ربِّ ذوالجلال کا عذاب نازل ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خشیتِ الٰہی کے ساتھ جلدی جلدی پار ہوجانے کا حکم دیا، چناں چہ حضرت ابنِ عمرؓ کا بیان ہے کہ: جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''حجر'' کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا: اُن لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہونا جنہوں نے (خدا اور رسول کی حکم عدولی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا ہے، مبادا! تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ جس میں یہ لوگ گرفتار ہوئے تھے، اور غلبۂ خوف سے روتے ہوئے گذر جانا۔

حجۃ الوداع

غزوۂ تبوک نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا آخری غزوہ تھا، اس کے

بعد آپ نے بہ حیثیت جہاد کے کوئی سفر نہیں فرمایا، ہاں! ۱۰ھ میں حج کے ارادے سے مکے کا سفر فرمایا، حضرت ابنِ عمرؓ بھی ہم رکاب تھے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا اور آخری حج تھا، اس لیے مناسکِ حج کا طریقہ سیکھنے کی تاکیدی ہدایت فرمائی تھی، صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو دائرۂ حفظ میں جمع کر لیا اور مناسب موقع پر لوگوں کے سامنے بیان کیا، حضرت ابنِ عمرؓ کا شمار بھی ان ہی خوش نصیبوں میں ہوتا ہے۔

دورِ صدیقی کے حالات

اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں بند ہوگئیں اور اُدھر مختلف فتنوں نے سر ابھارا، ان میں سب سے بڑا اور بھیانک فتنہ مسیلمہ کذاب کا تھا جس نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جیتے جی ہی نبوت کا دعویٰ کر کے اپنے پرچم تلے لوگوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب ایک بڑے علاقہ میں اس کا آوازہ پھیل چکا تھا اور تقریباً ۴۰ / ہزار لوگ اس کے ہم نوا بن چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے موقع کی نزاکت کو بھانپ کر ایک لشکر تشکیل دیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیرِ قیادت اسے مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔

یمامہ کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، گھمسان کا رَن پڑا، مخالف فوج کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ مسلمان سنبھل نہ پائے اور ان کی صفیں تتر بتر ہوگئیں، ایسے کٹھن موقع پر بھی حضرت ابنِ عمرؓ محاذ پر ڈٹے رہے، اور دشمنوں کے لشکر کے بالکل قریب جا کر شمشیر زنی کا مظاہرہ کیا، اور جب تک مسلمان فتح سے

ہمکنار نہ ہوئے، اپنی کارکردگی جاری رکھی۔

اس غزوے سے آپؓ تو صحیح سالم واپس ہوئے؛ لیکن آپ کے عمِّ محترم حضرت زید بن خطابؓ کام آگئے، اس پر آپؓ کے والد نے آپ کو ملامت کی کہ تو بھی اپنے چچا کی طرح شہید کیوں نہ ہوا؟ تو نے بڑھ کر زید سے پہلے ہی خلعتِ شہادت کیوں نہ پہن لیا؟ کیا عجیب بات ہے کہ زید نے تو اپنا عہد سچ کر دکھایا اور تو ابھی بھی زندہ ہے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ: میرے دل میں بھی شہادت کا شوق موجزن تھا؛ لیکن چوں کہ میں ذرا سا ہچکچایا؛ اس لیے اللہ نے چچا جان کو مقامِ شہادت پر فائز کر دیا۔

عہدِ فاروقی کے معرکوں میں شرکت

حضرت عمرؓ کے زریں عہدِ خلافت میں اسلام نے اپنے بال و پر خوب پھیلائے، مسلمان مجاہدین کے گھوڑے سرزمینِ عرب کے سارے بتوں کو روند کر قیصر وکسریٰ کی قلمرو میں داخل ہوگئے، اور وہاں کے باشندوں پر اسلام کی عظمت وسطوت کا سکہ جمانے لگے تو آپؓ کی بھی خواہش ہوئی کہ رزم گاہ کا رخ کریں، والد کے پاس آکر اجازت طلب کی، انھوں نے سر انکار میں ہلاتے ہوئے جواب دیا: مجھے خوف ہے کہ کہیں تم زنا میں مبتلا نہ ہوجاؤ۔ (تفصیلی واقعہ آگے آرہا ہے)

حضرت عمرؓ کا یہ حکمِ امتناعی ایک وقت تک کے لیے تھا جو بعد میں چل کر اجازت سے بدل گیا، آپؓ نے فارس وروم کی بعض معرکۃ الآرا اور فیصلہ کن جنگوں میں شرکت فرمائی، جیسا کہ بعض واقعات شہادت دیتے ہیں۔

چناں چہ معرکۂ نہاوند کے بارے میں آتا ہے کہ آپ اس لڑائی میں شرکت کے لیے گئے تو بیمار پڑ گئے۔ آپؓ کے لیے پیاز کو تاگے میں پرو کر دوا میں پکایا جاتا، جب پیاز کا مزہ مکمل طور پر اس دوا میں چڑھ جاتا تو اس کو نکال کر پھینک دیا جاتا اور خالص دوا آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی۔ اس پریشانی کے عالم میں بھی آپؓ نے میدانِ کارزار نہیں چھوڑا اور برابر مصروفِ جہاد رہے۔

معرکۂ جلولا اور مالِ غنیمت

اس کے علاوہ جلولا کی جنگ میں بھی شریک ہوئے، اور فتح کے بعد جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اس کی ایک بڑی مقدار ۴۰/ ہزار دراہم کے عوض خرید لی، اور اپنے والد کے حضور لے گئے، انہوں نے اچھوتے انداز میں سوال کیا: اے عبداللہ! اگر کل قیامت کے دن مجھے گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا گیا تو کیا تم میری خلاصی کا سبب بنو گے؟ آپؓ نے کہا: ابا حضور! کیوں نہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان تربیت کرتے ہوئے فرمایا کہ: لوگ تم کو اللہ کے رسول کا صحابی، امیر المؤمنین کا بیٹا اور ان کا سب سے چہیتا سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی چاہت ہوتی ہے کہ تمہارے لیے بھاؤ کو کم کردے اور اپنا سامان بہت کم داموں میں تمہارے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، یقیناً اس میں تمہیں فائدہ نظر آتا ہے؛ لیکن اب میں اس سے بہتر نفع عطا کروں گا، اتنا کہہ کر اپنی اہلیہ کے پاس گئے اور کہا کہ: اس میں سے ایک چیز بھی گھر سے باہر نہ نکالنا، انہوں نے کہا: بسر وچشم۔

اس کے بعد سات دن تک اس کو چھوڑے رکھا، آٹھویں دن تاجروں کو بلایا،

پھر آپؓ سے مخاطب ہوئے کہ: بیٹا! میں تو رعایا کا ذمہ دار ہوں؛ لہٰذا مجھ سے سوال ہوگا، اس کے بعد تاجروں کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور سارا مال چالیس لاکھ میں بیچ دیا، اس میں سے اسّی ہزار روپیے آپؓ کے ہاتھ میں تھما دیے اور بقیہ تین لاکھ دو ہزار حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس یہ کہہ کر بھیج دے کہ: اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دینا، اور اگر ان میں سے کوئی فوت ہو چکا ہو تو اس کا متعینہ حصہ اس کے وارث تک پہنچا دینا۔

یہودیوں کی جلاوطنی اور اس کا سبب

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے یہودِ بے بہبود کے ناپاک قدموں سے سرزمینِ عرب کو پاک کر دیا، اور انہیں خیبر کی زمین سے کھدیڑ کر ملکِ شام کی طرف جلاوطن کر دیا، اس خوشگوار انقلاب کا ظاہری سبب بھی حضرت ابنِ عمرؓ بنے، جیسا کہ خود انہوں نے بیان کیا ہے کہ: میں، زبیر اور مقداد بن اسود اپنی جائیداد کی خبر گیری کے لیے خیبر کی طرف روانہ ہوئے، جب وہاں پہنچے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی زمین میں چلا گیا، میں نے بھی اپنی مملوکہ زمین کا جائزہ لیا؛ حتی کہ جب رات ہوگئی تو میں اپنے بستر پر دراز ہو گیا، میں گہری نیند میں تھا کہ کسی نے آ کر مجھ پر حملہ کیا، جس کی وجہ سے میرے ہاتھوں کے جوڑ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔

جب صبح نے اپنی بساط کھول دی اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی تو میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو مدد کے لیے پکارا، وہ دوڑے دوڑے آئے اور مجھ سے

پوچھا کہ: کس بدبخت کی جرأت کہ اس نے تمہارے ساتھ یہ گھناؤنی حرکت کی؟ میں نے کہا: ظلمتِ شب کی وجہ سے مجھے پتہ نہ چل سکا، پھر انہوں نے میرا ہاتھ درست کیا اور مجھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لے گئے، وہ اپنے تجربات کی روشنی میں سمجھ گئے کہ یہ یہودیوں کی حرکت ہے، آناً فاناً لوگوں کو جمع کیا اور ان کے درمیان ایک زبردست تقریر فرما کر انہیں اپنے ارادہ سے آگاہ کیا، چناں چہ فرمایا: اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں یہودِ خیبر سے کہہ رکھا تھا کہ ہم جب چاہیں تمہیں جلاوطن کر سکتے ہیں، آج وہ وقت آپہنچا؛ اس لیے کہ ان بدباطنوں نے عبداللہ بن عمر کو نشانہ بنا کر ان کے ہاتھ کو نقصان پہنچایا، اور اس سے پہلے بھی وہ ایک انصاری کے ساتھ زیادتی کر چکے ہیں؛ لہٰذا میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ ان کو خیبر سے بھگا کر دم لوں گا۔ بالآخر انہوں نے خطۂ عرب کو یہودیوں سے پاک کر کے دکھایا۔

دورِ عثمانی کی جہادی سرگرمیاں

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ تختِ خلافت پر براجمان ہوئے، انہوں نے بھی کاروانِ جہاد کو آگے بڑھا کر حضرت عمرؓ کے منصوبوں کو پانی پہنچایا۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی اس عظیم الشان کارواں میں ایک رکنِ رکین کی حیثیت سے شامل رہے، آپ نے ۲۶ھ میں تیونس، الجزائر اور مراکش کی مہم میں شرکت فرمائی اور ۳۰ھ میں حضرت سعید بن عاص کی زیرِ قیادت خراسان وطبرستان کے معرکوں میں حصہ لیا۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری چھ سالوں میں اسلام کی آستین میں کچھ زہریلے سانپ درآئے جن کی وجہ سے مسلمانوں میں سخت انتشار پھیل گیا، حتی کہ ایک ایسی منحوس اور ناپاک جماعت وجود میں آئی جس نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر کے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور ان کو دھمکی دی کہ: آپ خلافت سے دست بردار ہوجاؤ؛ ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ ایسے پُرخطر حالات میں حضرت ابنِ عمرؓ نے خلیفۃ المسلمین کی حفاظت اور دفاع کے خاطر اپنی جان کو پیش کیا۔

اطاعت وجذبۂ جاں سپاری

چناں چہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ محاصرے کے سخت ترین ایام میں حضرت ابنِ عمرؓ حضرت عثمانؓ کے دولت کدے پر تشریف لے گئے، سلام کرنے کے بعد عرض کیا کہ: اے امیر المؤمنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا، میں نے آپؐ کی اطاعت وفرماں برداری کی، پھر مجھے ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ زندگی گذارنے کا موقع ملا، میں نے ان کا بھی کہا مانا، پھر مجھے اپنے والد حضرت عمرؓ کی صحبت میں رہنے کا زرّیں موقع ملا، میں نے ان کے ساتھ بھی پیمانِ وفا نباہ کر دکھایا اور بہ حیثیت ایک والد اور ایک خلیفہ کے ان کی خوب خدمت کی، اور اے امیر المؤمنین! آج میں آپ کی مدد ونصرت کے لیے حاضر ہوں؛ لہٰذا آپ مجھے جو بھی حکم دیں گے ان شاء اللہ میں اس پر عمل درآمد کروں گا۔ یہ جذبہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ: اے آلِ عمر! اللہ تم کو جزائے خیر دے، پھر دو مرتبہ یہ جملہ کہا: مجھے امت کا خون بہانے کی کوئی

ضرورت نہیں، مجھے امت کا خون بہانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان ہی ایامِ محاصرہ میں ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے آپ کو باغیوں کے ارادے سے آگاہ کیا اور اگلا قدم سنبھالنے کے سلسلے میں آپؓ سے رائے طلب کی، آپ نے حکیمانہ انداز میں دریافت کیا: آپ نے فرمایا: کیا آپ کو اس دنیائے فانی میں ہمیشہ رہنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، پوچھا: کیا یہ لوگ تمہارے ساتھ قتل سے بڑھ کر اور کوئی بدسلوکی کر سکتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، پوچھا: کیا جنت یا جہنم میں داخل کرنے کے سلسلے میں یہ تمہارے ذمہ دار بنیں گے؟ فرمایا: نہیں، کہنے لگے: جب ایسا ہے تو آپ اپنے جسم سے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ لبادۂ خلافت نہ اتارنا؛ اس لیے کہ یہ تو پرانی رسم چلی آرہی ہے، جب کبھی رعایا نے اپنے خلیفہ کو ناپسند کیا تو اس کو یا تو معزول کردیا یا قتل کردیا؛ لہٰذا آپ بلاخوف وخطر اپنے موقف پر جمے رہے۔

ابنِ سیرین کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دن گھر میں سات سو آدمی تھے، اگر حضرت عثمانؓ ان کو جنگ کی اجازت دیتے تو یہ باغیوں کو ان شاء اللہ مارتے اور ان کو مدینہ کے اطراف سے نکال کر باہر کردیتے، ان ہی لوگوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔

خانہ جنگیوں کی شروعات اور رزم گاہ سے دوری

حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے جذبۂ جہاد کو تسکین پہنچانے کے لیے کافروں کی

خوب گردن زدنی کی؛ لیکن کبھی کسی مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھ کو آلودہ نہ ہونے دیا، آپ کا مسلک ہی یہ تھا کہ مسلمان کا ایک قطرۂ لہو بھی نہ بہایا جائے خواہ اپنی عزّت وحکومت کو داؤ پر کیوں نہ لگانا پڑے، یہی وجہ ہے کہ جب یہودی سازشوں کی نحوست سے مسلمانوں کے مابین کشمکش شروع ہوگئی، اور مسلمان ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوگئے تو آپؓ نے شمشیر وسنان چھوڑ چھاڑ کر گوشۂ خمول میں پناہ پکڑ لی، اور کسی بھی خارجی فتنہ میں ملوث نہ ہوئے۔

کچھ لوگوں نے آپ کے پاس آکر درخواست بھی کی کہ: آپ امیر المؤمنین کے صاحبزادے ہیں، عہدۂ خلافت کو قبول کر لیجیے، ہم ابھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں؛ مگر آپؓ نے جواب دیا: جہاں تک ہو سکے میں اپنے لیے ایک پچھنے کے برابر بھی خون نہ بہنے دوں گا۔ نرم لب ولہجہ سے کام نہ نکلتا دیکھ کر وہ لوگ اپنی اصلیت پر آگئے اور آپ کو دھمکی دی کہ: اگر پس وپیش کیا تو آپ کی گردن اڑادیں گے، آپؓ ان کے تہدید آمیز لہجہ سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئے اور فتنہ وفساد سے اپنا دامن بچائے رکھا۔

دورِ حیدری

اسی مذہب ومسلک کی بنا پر آپؓ نے حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں پیش آنے والی جنگِ جمل وصفین میں کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا، اتنی بات تو طے شدہ ہے؛ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا آپؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کیا یا نہیں؟ حافظ ابنِ حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر

بیعتِ خلافت نہیں کی، آپ کا خیال یہ تھا کہ جب تک کسی شخص کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع نہ ہوجائے اُس وقت تک اس سے بیعت نہ کرنی چاہیے، اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت (قاتلینِ عثمان سے قصاص کے مطالبے کی بنیاد پر) مجمع علیہ نہ ہوسکی تھی؛ اس لیے اغلب یہی ہے کہ آپؓ نے ان کو خلیفہ تسلیم نہ کیا ہوگا۔

اس کے برخلاف مستدرکِ حاکم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مان لیا تھا اور باقاعدہ ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔

چناں چہ حاکمؒ، غسان بن عبد الحمید کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عمرؓ نے حضرت علیؓ کے دستِ بابرکت پر اس شرط کے ساتھ بیعت کی تھی کہ وہ خانہ جنگیوں میں ہرگز شریک نہ ہوں گے، حضرت علیؓ نے اس کو منظور فرما لیا تھا۔ روایتِ ہٰذا کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو میمون بن مہران نے بیان کیا ہے کہ: ایک شخص نے اختلافِ امت کے بارے میں حضرت ابنِ عمرؓ کی رائے معلوم کرنی چاہی، آپ نے جواب دیا کہ: میں اس سے دست کش ضرور رہا؛ لیکن حق کی موافقت میں لڑنا بہتر ہے۔

اس روایت کی ارجحیت پر ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں آپؓ کے نام پیغام بھیجا کہ: اے ابوعبد الرحمٰن! آپ کی شخصیت شامیوں کے مابین مسلّم ہے، خوش ہوجاؤ کہ میں نے تم کو ان پر گورنر بنا دیا ہے، آپؓ نے انکار کیا؛ لیکن حضرت علیؓ اپنی بات پر مُصر رہے، تو آپؓ نے اپنی

ہمشیرہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کا سہارا لیا کہ ان کی بات مان لیں گے؛ لیکن ان کے ارادے میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہ ہوا، آپؓ نے جب ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کی کیفیت دیکھی تو ایک رات چپکے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اُدھر حضرت علیؓ کو لوگوں نے بتایا کہ: وہ شام کے لیے نکل گئے تو انہوں نے آپؓ کے پیچھے قاصد بھیجا؛ لیکن حضرت حفصہؓ نے ان کو کہلا بھیجا کہ آپؓ ان کی تلاش مت کرو؛ اس لیے کہ وہ مکۂ مکرمہ کی طرف روانہ ہوچکے ہیں؛ تب جاکر حضرت علیؓ آپؓ کی تلاش سے رک گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان جنگوں میں کسی کا ساتھ نہیں دیا؛ لیکن حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دینے پر اواخرِ عمر میں اظہارِ تأسّف کیا کرتے تھے۔ بسا اوقات فرماتے تھے کہ: میں نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا؛ لیکن حق پر مقابلہ افضل ہے۔

عبداللہ بن حبیب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو کہنے لگے: میرے دل میں دنیا کی کوئی حسرت باقی نہیں رہی؛ مگر یہ کہ میں باغی گروہ سے کیوں نہیں لڑا۔

امارتِ معاویہؓ اور جہاد کی طرف واپسی

حضرت علیؓ کی شہادت کے تقریباً چھ ماہ بعد تمام مسلمان حضرت امیرِ معاویہؓ کے سائبانِ امارت تلے آکر جمع ہوگئے اور متفقہ طور پر ان کو امیر المؤمنین مان لیا، حضرت ابنِ عمرؓ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس عہد کے بعض معرکوں میں شریک بھی ہوئے۔

ابنِ اثیر لکھتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عمرؓ بھی ان سعادت مندوں کے زمرے میں شامل ہیں جنہوں نے دورِ معاویہ میں قسطنطینیہ کی مہم میں شریک ہوکر بشارتِ نبوی کا مصداق بننے کی کوشش کی تھی۔

دوبارہ شمشیر وسنان سے کنارہ کشی

حضرت معاویہؓ کی امارت تک تو آپؓ کو جہاں جس طرح موقع ملا، شریعت کی حدود میں رہ کر جہاد کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے، پھر جب ان کی وفات ہوگئی تو تفریق کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی، حکومت وسلطنت کے لیے باہم رسہ کشی شروع ہوگئی، اور مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے خون کو ارزاں سمجھنے لگے، اِس پُر آشوب صورتِ حال کو دیکھ کر آپؓ نے اپنی مجاہدانہ کوششوں کی بساط لپیٹ دی اور اس کے بعد موت تک کسی بھی جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

قارئینِ کرام! فاسد خون کو جسمِ انسانی سے اس طور پر جدا کردینا کہ صحیح خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلے کوئی آسان کام نہیں؛ لیکن پڑھیے اور سراہیے اس پاکباز ہستی کے اعتدال کو کہ زندگی بھر دشمنانِ خدا کا خون بہاتے رہے؛ لیکن کسی مسلمان کا خون نوکِ تلوار پر لگنے نہ دیا۔

بابِ سوم
مخزنِ علم کی گوشہ نوردی

پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے کا شوق حضرت ابنِ عمرؓ کی طبیعت میں پہلے سے ودیعت تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ورفاقت، آپ کی علمی مجالس میں

شرکت اور آپ کے ارشادات کو سن کر یاد کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا، آپ کی مقدور بھر کوشش ہوتی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی ارشاد چھوٹنے نہ پائے؛ اس لیے کسی وقت اگر مجلسِ نبوی کی حاضری رہ جاتی تو دیگر حاضرین صحابہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر فوت شدہ احادیث کا سماع کرتے۔ اس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جیتے جی اور وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ جیسے کبارِ صحابہ وصحابیات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور تمام سے استفادہ کر کے علومِ قرآن وحدیث کا ہمالیہ بن گئے۔

علمِ تفسیر سے شغف

حضرت ابنِ عمرؓ کو کلام اللہ سے خصوصی لگاؤ تھا، اس کی تلاوت کے لیے بیٹھتے تو چپ وراست سے بے خبر ہو جاتے، اور اس کے معانی میں غور وخوض کرنے لگتے تو اپنے مقام سے اتنا دور نکل جاتے کہ واپس آنا مشکل ہو جاتا۔ آپؓ کی دقتِ نظری، باریک بینی اور قرآن فہمی پر اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ آپؓ نے سورۂ بقرہ کی تفسیر سمجھنے میں ۱۴/ برس صرف کیے اور اس کے اندر موجود اسرار ونکات سے علیٰ وجہ الاتم واقفیت حاصل کر لی۔

اسی تدبّر وتفکّر کا اور فطری ذہانت کا نتیجہ تھا کہ جہاں تک بڑے بڑے صحابہؓ کے فہم کی رسائی نہ ہو پاتی وہاں تک آپؓ بہت جلد پہنچ جاتے۔ ایک مرتبہ کا ذکر

ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس جمی ہوئی تھی، ابوبکرؓ وعمرؓ جیسے جلیل القدر حضرات بھی بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از راہِ امتحان یہ سوال کیا کہ: {أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ، تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا} اس آیتِ کریمہ میں ''شجر'' سے کونسا درخت مراد ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں؟ پوری مجلس پر سکوت کی چادر بچھ گئی؛ حتی کہ حضرت ابوبکر وعمرؓ بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ حضرت ابنِ عمرؓ اولِ وہلے ہی میں اس کا مصداق سمجھ چکے تھے؛ لیکن اکابر صحابہؓ کی خاموشی میں اپنے جواب کو چھپا دیا، بالآخر نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ''کھجور کا درخت'' ارشاد ہوا۔

مجلس ختم ہونے کے بعد آپ نے پدرِ گرامی قدر کے حضور تذکرہ کیا کہ: میں سمجھ گیا تھا کہ اس میں کھجور کے درخت کی طرف اشارہ ہے؛ لیکن سب کی خاموشی پر میں بھی خاموش رہا، انہوں نے کہا: پسرِ من! اگر تم اُس وقت جواب دے دیتے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

آپؓ کو اس بات پر بھی کامل دست گاہ تھی کہ مختلف المعانی لفظ کا کوئی ایسا معنیٰ متعین کر دیتے جو تمام محتملات کو حاوی ہوتا، چناں چہ آیتِ کریمہ: {اَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ إلخ} کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یہاں ''دلوک'' کے معنیٰ ڈھلنے کے ہیں۔

واضح رہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ ''دلوک'' تین معنوں میں مستعمل ہیں:

۱) ڈھلنا۔ ۲) زرد ہونا۔ ۳) غروب ہونا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اول معنیٰ کو اختیار فرما کر بقیہ دو معنوں کو ضمناً شامل کرلیا، اس کی توضیح یہ ہے کہ ڈھلنے اور زوال ہونے کی تین منزلیں ہیں: ایک: متعارف جس میں سمتِ رأس سے زوال ہوتا ہے، یہ ظہر کا وقت ہے۔ دوسری: وہ جس میں سمتِ نظر سے زوال ہوتا ہے، یہ آفتاب کے زرد پڑنے کا وقت ہے جس میں عصر کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ تیسری: وہ جس میں سمتِ افق سے زوال ہوتا ہے، یہ غروبِ شمس کے وقت ہوتا ہے جو کہ مغرب کے وقت کا نقطۂ آغاز ہے۔

ایک شخص نے آیتِ کریمہ: {وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ} میں ''کنز'' کے معنیٰ دریافت کیے تو حضرت ابنِ عمرؓ نے ایسا جامع معنیٰ بتا دیا کہ سارے اعتراضات کا دفعیہ ہوگیا، فرمایا: ''کنز'' اس مال کو کہتے ہیں جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔ اس معنیٰ کے لحاظ سے ''لاینفقونها'' کا مفہوم صرف ''یکنزون'' سے ادا ہوجاتا ہے اور ''لاینفقونها'' سے مزید تاکید ہوجاتی ہے۔ نیز ''کنز'' کے لغوی معنیٰ پر بھی کوئی زد نہیں پڑتی؛ اس لیے کہ ''کنز'' کے لغوی معنیٰ ''دفینہ'' کے ہے اور ظاہر ہے کہ جب مال کی زکاۃ ادا نہ کی جائے گی تو وہ جمع ہوگا اور جمع بہ منزلۂ دفن کے ہیں؛ لہٰذا ''کنز'' کا ترجمہ۔ اس مال سے کرنا جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔ خلافِ لغت نہ ہوگا۔

تفسیر بالرائے پر تنبیہ

لغتِ قرآنیہ پر کامل دسترس کے ساتھ ساتھ آپؓ قرآنِ کریم کے مزاج اور

اصل منشا سے بھی حد درجہ واقفیت رکھتے تھے، اگر کوئی ظاہرِ آیت پر اعتماد کر کے تفسیر بالرائے کرتا تو بڑے شدّ ومدّ کے ساتھ اس کی تردید فرماتے اور آیتِ کریمہ کا حقیقی مفہوم واضح کرتے۔ جس زمانے میں مسلمان باہم دست وگریباں تھے، اُس زمانے میں ایک شخص نے دریافت کیا: فتنہ وفساد کے دور میں قتال کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ قرآنِ کریم کا حکم تو یہ ہے کہ: {قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ} یعنی فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قتال کرو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ فتنہ فساد کے دور میں بھی لڑتے رہنا چاہیے۔ اس کے کہنے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ آپؓ بھی آپسی خانہ جنگیوں میں شرکت کیا کرو، آپؓ نے جوش میں آکر کہا: تم آیت کا معنیٰ کیا سمجھو! یہاں پر قتال کا مطلب یہ نہیں کہ تم بادشاہت وحکومت کی غرض سے لڑو؛ بلکہ وہ قتال مراد ہے جو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا؛ اس لیے کہ ان کے دین میں داخل ہوکر کفر وشرک اختیار کرنا مسلمانوں کے لیے بڑا فتنہ تھا، اسی کے سدِّ باب کے لیے ربِّ کائنات نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں مکۂ مکرمہ میں زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی، اُس وقت دو آدمی آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: سب نام چیں حضرات دنیا سے رخصت ہوگئے، آپ تو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں، پھر میدان میں کیوں نہیں آتے؟ فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر رکھا ہے، مجھے ڈر ہے کہ میرے ہاتھ سے

کسی مسلمان کا خون نہ بہے، انہوں نے کہا کہ: قرآن ناطق ہے: {وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ} آپؓ نے برجستہ جواب دیا کہ: ہم لوگ قتال کرتے رہے؛ حتی کہ فتنہ باقی نہ رہا، اللہ کے دین کا بول بالا ہوگیا، تم لوگوں کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ فتنے کی آگ بھڑکے اور ماسوی اللہ کا نام بلند ہوجائے۔

ایک روایت میں جواب کی عبارت یوں آئی ہے کہ: یہ حکم اس وقت تھا جب کہ مسلمان مٹھی بھر تھے اور قلتِ تعداد کے سبب اپنے مذہب کا کھلم کھلا اعلان نہیں کرسکتے تھے، جب بھی اعلان کرتے تو کافروں کی ایذارسانیوں کا سامنا کرنا پڑتا، یہی وہ فتنہ تھا جس کو روکنے کے لیے قتال کرنے کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے، اب چوں کہ یہ فتنہ نہ رہا، اس لیے تمہاری یہ لڑائیاں اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتیں۔

ناسخ ومنسوخ کا علم

آپؓ کو ناسخ ومنسوخ کا بھی علم حاصل تھا جو کہ علمِ تفسیر کا جزوِ لاینفک ہے، اس علم کے بَل بوتے پر آیاتِ قرآنیہ پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ کردیتے۔
ایک دفعہ کسی نے یہ آیت پڑھی: {وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ} اور سوال کیا کہ: حضرت! اس آیتِ کریمہ میں ذخیرہ اندوزی کی مطلقاً مذمت بیان کی گئی ہے اور اس کے مرتکب کو عذابِ الیم کی ''بشارت'' سنائی گئی ہے، زکاۃ دینے کے باوجود یہ وعید کیوں؟ آپؓ نے جواب دیا: یہ آیت فرضیتِ زکاۃ سے پہلے کی ہے؛ لہٰذا زکاۃ والی آیات اس کے لیے ناسخ شمار ہوں گی۔

علمِ حدیث سے شغف

حضرت ابنِ عمرؓ ہمہ وقت آستانۂ نبوی پر حاضر رہتے، لسانِ نبوت سے نکلنے والی ہر بات سن کر ذہن کے خزینہ میں محفوظ کر لیتے، اور جسمِ رسالت سے صادر ہونے والے ایک ایک فعل کی تصویر کھینچ کر دماغ کے نگار خانہ میں آویزاں کر دیتے، اس فدائیانہ طریقۂ تعلیم کے نتیجے میں احادیثِ نبویہ کا بہت بڑا ذخیرہ آپؓ کے پاس جمع ہوگیا۔

اس کے علاوہ ایک اور راستہ حدیث جمع کرنے کا یہ بھی تھا کہ کسی دوسرے کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وفرامین سن کر یاد کر لیتے؛ لیکن اِس صورت میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کان میں پڑنے والی ہر بات کو بے دریغ حدیث نہ مان لیتے؛ بلکہ اس کی کھود کرید اور تلاش وجستجو میں لگ جاتے، کبھی راوی صحابی کے گھر کے چکر کاٹ کر اس کی تصدیق حاصل کر لیتے تو کبھی دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر اس کی اصل دریافت کرتے۔

ایک دفعہ کسی شخص نے ایسا مسئلہ بیان کیا جس سے آپؓ کے گوشِ مبارک ناآشنا تھے، فوراً نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر مہرِ تصدیق حاصل کی۔ ایک موقع پر کسی لیثی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونا چاندی کی ''بیعِ صرف'' کو صرف اُسی صورت میں جائز قرار دیا ہے جب کہ دونوں برابر سرابر ہو۔ آپؓ نے یہ حدیث پہلی مرتبہ سنی تھی؛ اس لیے حضرت ابوسعیدؓ کے پاس گئے اور ان کی زبانی تصدیق وصول کرنے کے بعد اس

پر اعتماد کیا۔ ان دو واقعات سے جہاں آپؓ کی احتیاط کا ثبوت ملتا ہے وہیں حدیث یاد کرنے کا شوق بھی عیاں ہو جاتا ہے۔

روایت بیانی میں احتیاط

روایات لینے کے معاملے میں آپؓ جس قدر محتاط تھے اس سے کئی زیادہ روایات بیان کرنے میں محتاط تھے، آپؓ کو یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ جنابِ نبوت میں کسی غلط بات کا انتساب نہ ہو، اس لیے اکثر تو حدیث بیانی سے بہت گریز کرتے۔

مجاہدؒ کا بیان ہے کہ: مدینۂ منورہ کے ایک راستے میں میری حضرت ابنِ عمرؓ سے ملاقات ہوئی، میں ان کے ساتھ ہو لیا اور کافی دیر تک ساتھ ہی رہا، اس وقفے میں انہوں نے مجھ سے صرف ایک حدیث بیان کی۔

اس سے بڑھ کر امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ: میں ایک سال تک حضرت ابنِ عمرؓ کے دامنِ صحبت سے وابستہ رہا، اس طویل عرصے میں ان کی زبانی ایک بھی حدیث نہیں سنی، اور اگر کبھی بیان کرتے تو الفاظ کی بھی مکمل رعایت فرماتے اور آخر میں "أو کما قال علیه السلام" بھی کہہ دیتے؛ تاکہ لاعلمی میں کوئی لفظی تغیّر در آیا ہو تو اس کی تلافی ہو سکے۔ اس حزم واحتیاط کی شاگردان بھی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

ایک مرتبہ محمد بن علیؒ کہنے لگے: صحابۂ کرام کی جماعت میں حضرت ابنِ عمرؓ سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا۔

ابو جعفرؒ کہا کرتے تھے کہ حضرت ابنِ عمرؓ احادیثِ نبویہ میں کمی بیشی سے بہت ڈرتے تھے۔

سعیدؒ نے اپنے والد کی زبانی سنا تھا کہ روایت بیانی میں ابنِ عمرؓ سے زیادہ محتاط میری نگاہ سے کوئی نہیں گذرا۔

تعدادِ مرویات اور شاگردان

اس احتیاط اور خوف کے باوجود آپؓ کا شمار ''مکثرینِ حدیث'' کی صف میں ہوتا ہے (یعنی وہ صحابہ جو ایک ہزار یا اس سے زائد احادیث کے راوی ہیں) آپؓ کی کل مرویات کی تعداد ۱۶۳۰/ بتائی جاتی ہے جن میں سے ۱۷۰/ متفق علیہ ہیں، ۸۱/ میں امام بخاریؒ اور ۳۱/ میں امام مسلم منفرد ہیں۔

محلِ تعجب یہ ہے کہ آپؓ نے اتنی ڈھیر ساری روایات کس طرح بیان کر ڈالی؟ لیکن واضح رہے کہ آپؓ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ کتمانِ علم کے گناہ سے بھی واقف تھے، وارثِ رسول ہونے کے تئیں اپنے اوپر واجب ہونے والی ذمہ داریوں سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس لیے آپؓ نے مدینۂ منورہ میں اپنا حلقۂ درس جمایا تھا، اور ابنِ شہاب زہریؒ کے بہ قول تقریباً ۶۰/ سال تک وہاں قرآن و حدیث کے جام پلاتے رہے، اطرافِ عالم کے ہزاروں لوگوں نے وہاں جا کر اپنے ظرف بھرے اور اپنی علمی پیاس بجھائی۔

علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں آپؓ کے شاگردوں اور آپؓ سے روایت اخذ کرنے والوں کی لمبی فہرست لکھی ہے جن میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) بلال (۲) حمزہ (۳) زید (۴) سالم (۵) عبداللہ (۶) عبید اللہ، یہ سب آپؓ کے صاحبزادے ہیں۔ (۷) ابوبکر (۸) محمد (۹) عبد اللہ (۱۰) حفص

(۱۱)عبداللہ، اول الذکر تین پوتے ہیں اور بقیہ دو بھتیجے۔ (۱۲)نافع (۱۳)اسلم، یہ دونوں غلام تھے۔ (۱۴)زید (۱۵)خالد (۱۶)عروہ (۱۷)ابنِ زبیر (۱۸)موسیٰ بن طلحہ (۱۹)ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (۲۰)عامر بن سعد (۲۱)حمید بن عبدالرحمٰن (۲۲)سعید بن مسیب (۲۳)عون بن عبداللہ (۲۴)قاسم (۲۵)محمد بن ابوبکر (۲۶)مصعب بن سعد (۲۷)ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری (۲۸)انس بن سیرین (۲۹)بسر بن سعید (۳۰)بکر بن عبداللہ المزنی (۳۱)ثابت البنانی (۳۲)جبلہ بن سحیم (۳۳)حرملہ (۳۴)حکیم بن مینا (۳۵)حکیم ابن ابو جرہ (۳۶)حمید بن عبدالرحمٰن حمیری (۳۷)زہرہ بن معبد (۳۸)سالم بن ابوالجعد (۳۹)زید بن جبیر (۴۰)سعید بن حارث (۴۱)سعید بن عمرو (۴۲)طاؤس (۴۳)عطا (۴۴)عکرمہ (۴۵)مجاہد (۴۶)سعید بن جبیر (۴۷)عکرمہ بن خالد مخزومی (۴۸)عبداللہ بن ابوملیکہ (۴۹)عبداللہ بن کیسان (۵۰)عبداللہ بن مقسم (۵۱)علی بن عبداللہ البارقی۔

روایت بیانی کے متعدد طرق

آپؓ نے حلقۂ درس سجانے پر اکتفا نہیں فرمایا؛ بلکہ جب کبھی موقع ملا بادل بن کر دوسروں کے آنگن میں گئے اور احادیثِ نبویہ کی بارش برسائی۔

زید بن اسلم اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: وہ حضرت ابنِ عمرؓ کے ہمراہ مطیع بن عبداللہ کے دولت کدے پر تشریف لے گئے، انہوں نے بڑی گرم جوشی سے دونوں کا استقبال کیا اور ان کے لیے بہترین فرش بچھالیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ

نے ارشاد فرمایا: میں اِس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے روگردانی کی وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل وحجت نہ ہوگی (جس کے ذریعے عذر پیش کرسکے) اور جو شخص جماعت سے الگ ہوکر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علاوہ ازیں حج کے زمانے میں چہار دانگِ عالم سے آئے ہوئے حجاجِ کرام کے قافلوں سے بہ نفسِ نفیس جاکر ملتے، ان کے سوالات کا جواب دیتے اور ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک ارشادات سناتے، اس طرزِ تبلیغ کا خصوصی فائدہ یہ ہوتا کہ بہت کم عرصہ میں احادیثِ نبویہ کے انوارات عالم وجہاں میں پھیل جاتے۔

فرامینِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بیان کرنے کا ایک اور طریقہ یہ بھی تھا کہ جہاں کہیں کوئی منکر یا خلافِ اولیٰ بات نظر آتی تو اس پر سختی سے نکیر فرماتے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث سنا کر صحیح راہ کی تعیین کرتے۔ چناں چہ حضرت علی بن عبدالرحمٰنؒ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نماز میں کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے مجھے دیکھ لیا، نماز سے فراغت کے بعد بلا کر تنبیہ کردی کہ بہ حالتِ نماز یہ عبث دھندے نہ کیا کرو؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس طرح نماز ادا فرماتے تھے، اسی طرح نماز پڑھا کرو، اس کے بعد خود ہی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقۂ نماز بتایا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سعید بن یسارؓ اور حضرت ابنِ عمرؓ مکہ کی طرف

محوِ سفر تھے، عشا کا وقت الوداعی گھنٹی بجا رہا تھا، آسمان بانہیں پھیلائے صبحِ صادق کے استقبال کے لیے تیار تھا، حضرت سعیدؓ کی نمازِ وتر باقی تھی، وہ سواری سے اترے اور نماز ادا کی، پھر سوار ہو کر حضرت ابنِ عمرؓ سے جا ملے، آپؓ نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ: وتر کی نماز پڑھنے کے لیے رک گیا تھا، آپؓ نے متنبہ کرتے ہوئے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات تمہارے لیے نمونہ نہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ضرور ہے، آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اونٹ کی پشت پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

آپؓ کی زبانِ حال سے بھی سینکڑوں لوگوں نے علومِ نبوت کو اخذ کیا اور کئی ایک حدیثیں سیکھیں، آپؓ کے اصحاب واخلاف کی جماعت اس بات پر شاہدِ عدل ہے کہ آپؓ نے جس طرح زبانِ قال کے ذریعے حدیثیں بیان فرمائیں اسی طرح زبانِ حال کے ذریعے بھی بہت ساری روایتیں بتائیں۔

غرض یہ کہ آپؓ نے مختلف پیرایۂ بیان اور متعدد طریقوں کے ذریعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات لوگوں تک پہنچائے جس کی بہ دولت آپؓ کی مرویات حدِ کثرت کو پار کر گئیں اور آپ راویانِ حدیث صحابہ کے ''طبقۂ اولیٰ'' میں شمار کیے گئے۔

فقہ میں مہارت

آپؓ کو فقہ پر یدِ طولیٰ حاصل تھا، آپؓ کا شمار صفِ اول کے ''فقہائے صحابہ'' میں ہوتا ہے، آپؓ کی فقہی بصیرت اور قوتِ اجتہاد واستنباط پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے، عوام تو عوام خواص؛ حتی کہ کبارِ ائمۂ فقہ بھی مشکل مسائل میں آپؓ کا

دروازہ کھٹکھٹاتے اور اپنے سوال کا تشفی بخش جواب لے کر واپس ہوتے۔ جلیل القدر فقیہ حضرت سعید بن جبیرؒ بیان کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مجھ سے لعان کے متعلق سوال کیا گیا؛ مجھ کو جواب معلوم نہ تھا، میں سیدھا حضرت ابنِ عمرؓ کے پاس گیا اور گھڑی بھر میں جواب لے کر واپس آ گیا۔

فتویٰ بیانی کا طریقہ

آپؓ کا منہجِ افتا یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ یا قضیہ آپ کے سامنے پیش ہوتا تو اس کی صورت پر گہری نظر ڈالتے اور فہم وتدبّر کے ذریعے اس کا مکمل احاطہ کر لیتے، پھر کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا حل تلاش فرماتے، اگر مل جاتا تو بہترین پیرائے میں جواب دے کر مستفتی کا دل جیت لیتے اور اگر تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل جاتا تو بڑی باریک بینی کے ساتھ اس کو میزانِ قیاس پر پرکھتے اور بہترین جواب نکال کر سائل کے کشکول میں ڈال دیتے۔

اپنے اس طریقۂ کار کو اپنانے کی دوسروں کو بھی دعوت دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ بصرہ کے مفتی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ملاقات ہوئی تو ان کو یہی ہدایت فرمائی کہ تم بصرہ کے مفتی ہو، لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی روشنی میں فتویٰ دیا کرو۔

فتویٰ بیانی میں احتیاط

نگاہوں کی دقّت ووسعت کے باوجود احتیاط فی الفتاویٰ کا یہ عالم تھا کہ امام طاؤسؒ کے بہ قول: جب حضرت ابنِ عمرؓ کی خدمت میں کوئی ایسا مسئلہ آتا جس

کے بارے میں نصوصِ شریعہ خاموش ہوں تو سائل سے کہہ دیتے: اگر اجازت دو تو قیاس کر کے بتلا دوں؟ اس کے بعد قیاس کر کے جواب عنایت فرماتے؛ لیکن ساتھ میں یہ بھی کہہ دیتے کہ: یہ میرا قیاس ہے۔ اسی احتیاط کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابنِ عبد البرؒ رقم طراز ہیں کہ: حضرت ابنِ عمرؓ اپنے فتوؤں اور اعمال میں نہایت محتاط تھے، خوب سوچ سمجھ کر کہنے کرنے والے تھے۔

بسا اوقات کسی مسئلہ کا جواب آپ کے علم میں نہ ہوتا تو بلا جھجک "لاأدري" کہہ دیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جو آپ کے علم میں نہیں تھا، فوراً کہہ دیا: مجھے نہیں معلوم! سائل کو اس صاف بیانی پر بڑا تعجب ہوا، کہنے لگا: ابنِ عمر بھی کیا خوب شخص ہے! جو بات معلوم نہ تھی اس کے بارے میں دور از کار تاویلات کا سہارا نہ لیا؛ بلکہ صاف طور پر اپنی لاعلمی ظاہر کی۔

عقبہ بن مسلم فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے کوئی سوال پوچھا: آپؓ کو جواب معلوم نہ تھا، فرمایا: میں نہیں جانتا، کیا جواب طلبی میں اصرار کر کے تم میری پشت کو جہنم کا پُل بنانا چاہتے ہو کہ ابنِ عمرؓ نے مجھے ایسا ایسا فتویٰ دیا۔

آپؓ کا یہ طرزِ عمل اور شدتِ احتیاط مفسرِ امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تعجب خیز معلوم ہوتی تھی، فرماتے تھے کہ: مجھ کو ابنِ عمر پر تعجب ہوتا ہے جس چیز کے بارے میں ان کو ذرا برابر بھی شک ہوتا ہے اس کو بیان نہیں کرتے اور بے چارے مستفتی کو نامراد واپس کر دیتے ہیں۔

عقبہ بن مسلمؒ نے بیان کیا ہے کہ: میں حضرت ابنِ عمرؓ کے ساتھ چونتیس ماہ

تک رہا، بہت سی مرتبہ آپ سے پوچھا گیا تو آپ کہہ دیتے تھے کہ: میں نہیں جانتا، پھر میری طرف التفات کرتے اور فرماتے: کیا تو جانتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ: ہماری پشتوں کو جہنم کا پُل بنا دیں۔

غلطی سے رجوع کا جذبہ

حضرت ابنِ عمرؓ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسئلہ بتانے میں غلطی ہو جاتی تو بلا چوں وچرا اس سے رجوع کر لیتے اور سائل کو صحیح فتوے سے مطلع کر دیتے۔ ایک مرتبہ عبد الرحمٰن بن ابو ہریرہؓ نے استفسار کیا کہ آبی مردار (مچھلی وغیرہ) کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ آپؓ نے عدمِ جواز کا حکم سنا دیا، بعد میں قرآنِ کریم کی آیات میں غور کیا تو یہ آیتِ کریمہ نظر نواز ہوئی {أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ} (تمہارے لیے بحری جانوروں کا شکار کرنا اور کھانا حلال کیا گیا ہے، یہ تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے) اُسی وقت حضرت عبد الرحمٰن کے نام پیغام بھیجا کہ: آبی مردار کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

شعبۂ افتا میں آپ کا مقام

آپؓ کا شمار ان سات صحابہ کی فہرست میں ہوتا ہے جن کے فتاوے ہزاروں کی تعداد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ جمہور علما کے نزدیک اس طبقے میں صرف سات صحابہ داخل ہیں: حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

عنہم ۔ ان سات بزرگوں میں بھی صرف چار: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ موجودہ فقہِ اسلامی کے بیشتر حصے کی بنیاد ان کے فتاویٰ پر قائم ہوئی اور یہ سب فقیہ الامت کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ابنِ قیم جوزیؒ لکھتے ہیں کہ: ابنِ عمرؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے۔ علامہ ابنِ حزم کا بیان ہے کہ: اگر ان بزرگوں کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے کئی ضخیم جلدیں مرتّب ہوسکتی ہیں۔

فتویٰ بیانی میں آپؓ کی بلندی و رفعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو فتویٰ بیان کرتے لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ قبول کرتے، بڑے بڑے فقہا بھی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردیتے اور اس کے خلاف کسی قسم کی رائے زنی نہ کرتے؛ بلکہ یہ کہتے کہ: جس نے ابنِ عمرؓ کے قول کو اختیار کرلیا اس نے تلاش و جستجو کے لیے کچھ نہیں چھوڑا (مطلب یہ ہے کہ آپؓ کی بات بہت تحقیقی ہوتی ہے)۔

مشہور تابعی حضرت ابنِ شہاب زہریؒ نے تو اپنے شاگرد حضرت امام مالکؒ کو باقاعدہ ہدایت کی تھی کہ حضرت ابنِ عمرؓ کے مقابلے میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا، حضرت امام مالکؒ نے استاذ کی نصیحت کو پلے باندھ لیا اور آپؓ ہی کے فتاویٰ پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی۔

کچھ فتوے

حضرت ابنِ عمرؓ کے فتاویٰ کا احصا تو ممکن نہیں، بطورِ نمونہ مشتے از خروارے

ذیل میں چند فتاوے نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) ایک شخص نے حاملہ عورت کی نسبت دریافت کیا کہ: اگر اس کو روزہ رکھنے میں تکلیف ہورہی ہو یا نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ روزہ رکھے یا چھوڑ دے؟ فرمایا: نہ رکھے، اور ہر روزے کے عوض ایک مُد گیہوں فقرا میں تقسیم کر دے۔

آپؓ نے در اصل آیتِ کریمہ: {وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ} سے استدلال کیا کہ یہاں "یطیقونہ" سے پہلے "لا" محذوف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہو ان کے لیے گنجائش ہے کہ فدیہ دے کر عہدہ برآں ہوجائے، آپؓ اس آیت کو حاملۂ مرضعہ اور سال خوردہ بوڑھوں کے حق میں معمول بہا سمجھتے تھے۔

(۲) آپؓ عورتوں کے استعمالی زیورات میں وجوبِ زکاۃ کے قائل نہ تھے۔اسی بنا پر روایات میں آتا ہے کہ آپؓ اپنی لڑکیوں کو زیورات پہناتے تھے اوران کی زکاۃ ادانہیں کرتے تھے۔

(۳) سدھائے ہوئے کتے کو آلہ بنا کر جس جانور کا شکار کیا جاتا ہے اُس کی حلّت منصوص ہے؛ البتہ شرائط کے حوالے سے فقہائے کرام کے مابین بہت اختلاف ہے،آپؓ کا رجحان یہ تھا کہ اگر کتے نے جانور کا شکار کیا اوراس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا تواس کا کھانا جائز ہے خواہ مردہ ملے یا زندہ۔

(۴) آپؓ کا مسلک یہ تھا کہ اگر غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کر لی تو

وہ طلاق دینے نہ دینے کے سلسلے میں خود مختار رہے گا۔

(۵) ایک شخص نے پوچھا کہ: ابوعبدالرحمٰن! میں نے بیوی کو طلاق تفویض کی تھی، اس نے اپنے اوپر طلاق واقع کردی، آپ کا کیا خیال ہے: طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ فرمایا: عورت نے جو کچھ کیا اس کا اثر مرتّب ہوگیا (یعنی طلاق واقع ہوگئی) سائل نے بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ: کچھ آسانی پیدا کردیجیے، آپؓ نے فرمایا: سختی پیدا کرنے والا میں نہیں؛ تم خود ہو۔

(۶) سود کے معاملے میں آپؓ پُرعزم وحزم اور نہایت سخت تھے، اگر ربا کا خفیف سا شائبہ بھی نکل آتا تو عدمِ جواز کا فتویٰ صادر فرمادیتے۔ ایک مرتبہ ایک سنار نے دریافت کیا: میں سونے میں کاریگری کرکے متعدد چیزیں بناتا ہوں اور اس سے زیادہ وزنی سونے کے بدلہ فروخت کرتا ہوں، یہ زیادتی میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ آپؓ نے منع فرمایا، سنار بار بار پوچھتا رہا کہ کسی وقت جائز کہہ دے؛ مگر آپؓ سرِ انکار ہلاتے رہے، آخر میں ارشاد فرمایا: دینار سے دینار اور درہم سے درہم کا تبادلہ ہوتو کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونی چاہیے، مجھ سے اس کا عہد لیا گیا ہے اور میں بھی تم سے عہد لیتا ہوں۔

بابِ چہارم

گلدستۂ اخلاق کے کچھ پھول

بطحا کی سنگلاخ پہاڑیوں سے اخلاقِ حسنہ کا جو دریا پھوٹ نکلا تھا، اس کی طلسماتی لہریں ساحل پر بیٹھنے والوں کو مسحور کردیتی تھیں جس خوش نصیب کو ایک دفعہ

بھی اس کے سنہرے پانی سے وضو کرنے کا شرف ملا، اس کا باطن تمام رذائل اور گندگیوں سے پاک ہوکر شیشہ کی طرح صاف ہوگیا،جس سعادت مند نے لمحہ بھر کے لیے اس کے کنارے بیٹھ کر ہواخوری کی، اس کے دل کی کیاریاں محاسن ومحامد کے متنوع پھولوں سے سج گئیں، ایسے پُرتاثیر دریا میں حضرت ابنِ عمرؓ کم وبیش ۲۲ / سال تک غوطے لگاتے رہے، اور اخلاق وکمالات کے ایسے ایسے گوہروں سے اپنی پیشانی کو سجایا کہ آج بھی ان کی چمک گم گشتگانِ راہ کے لیے نشانِ منزل بنی ہوئی ہے۔ذیل میں آپ کی کچھ امتیازی خصلتوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

خشیتِ الٰہی

آپؓ کے دل میں خشیتِ ایزدی کا گراں مایہ خزانہ ودیعت تھا، خدا کے تصور اور آخرت کا فکر آپ کے ذہن ودماغ پر سوار رہتا تھا، جب ربِّ ذوالجلال کا ذکر چھڑتا تو آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے، اس کی عظمت وجلال کے مارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے، برزخ کی تاریکیوں اور دوزخ کی سختیوں کا بیان ہوتا تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑتا۔

ایک مرتبہ بڑے مزے سے قرآنِ کریم کی تلاوت کررہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے: {اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ} تو آواز بند ہوگئی اور بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔

ایک مرتبہ {فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ}کو پڑھ کر اس قدر روئے کہ گھگھی بندھ گئی اور ڈاڑھی تک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

حضرت نافعؒ آپؓ کے خوفِ خدا کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ایک دن حضرت ابنِ عمرؓ خانۂ کعبہ میں سر بہ سجود ہو کر کہہ رہے تھے کہ: خدایا! تو خوب جانتا ہے کہ میں مزاحمت کر کے دنیوی عہدہ و منصب حاصل کر سکتا تھا، صرف تیرے خوف سے میں اس کام سے باز رہا۔

خوفِ خداوندی کا ہی نتیجہ تھا کہ اپنے آپ کو شہادت (گواہی) کی جگہوں سے دور رکھتے۔ اگر کسی کام میں شرک کی ہلکی سی بو بھی محسوس کرتے تو اس کو ترک کر دیتے، چناں چہ مروان نے اپنے زمانۂ خلافت میں جگہ جگہ جو سنگِ میل نصب کرائے تھے ان کی طرف رخ کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے؛ اس لیے کہ اس سے پتھر کی پرستش کا شبہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ میں مروہ پہاڑ پر ملاقات ہوئی ان دونوں سے ایک دوسرے سے باتیں کیں، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص چلے گئے اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیٹھے رہے جو رو رہے تھے، ان سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ: اے عبدالرحمٰن! تمھیں کس چیز نے رُلایا، جواب دیا: اس نے یعنی عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے، انھوں نے دعوے سے کہا ہے کہ: انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے: جو شخص اس کے دل میں رائی کے دانے کی برابر تکبر ہوگا اللہ اس کو چہرہ کے بل جہنم میں ڈال دے گا۔

کھانے پینے کے تعلق سے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو اس کے استعمال سے گریز

کرتے، ککڑی اور تربوز صرف اس وجہ سے نہ کھاتے کہ ان کی کاشت میں گندی کھاد استعمال کی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ کسی کے یہاں سے سرکہ ہدیہ میں آیا، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ کھجور کا بنا ہوا ہے تو فوراً بہا دیا کہ کہیں نشے کی کیفیت نہ پیدا ہوگئی ہو۔

ایک مرتبہ بازا سے گذر رہے تھے، وہاں ایک دودھاری بکری بِک رہی تھی، آپؓ کی نظر اس پر پڑی تو آپ کو بھا گئی، غلام کو حکم دیا کہ: بکری خرید لو۔ غلام نے مناسب دام دے کر اُسے خرید لیا، آپؓ افطار میں دودھ پینا پسند کرتے تھے؛ اس لیے اسی بکری کا دودھ افطار کے وقت آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپؓ اُسے دیکھ کے فرمانے لگے: یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور یہ غلام میں نے اپنی والدہ پر صدقہ کر دیا ہے؛ لہٰذا اس دودھ کو اٹھا لو، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

جس کام کے جواز وعدمِ جواز کے سلسلے میں صحابۂ کرام کے مابین اختلاف ہوتا اُس کو اپنے لیے جائز نہ سمجھتے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت رافع بن خدیجؓ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے مسئلہ بیان کیا کہ کھیتوں کا کرایہ لینا جائز نہیں۔ شدہ شدہ یہ بات آپؓ کے کانوں تک پہنچی، آپؓ کو بہ خوبی معلوم تھا کہ عہدِ رسالت میں بہت سارے صحابہؓ اس پر عمل کیا کرتے تھے، شارع علیہ السلام نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تھی، نیز خلفائے راشدین کے زمانے میں کھیتوں پر لگان لینے

کا طریقہ امت میں رائج تھا؛ اس لیے حضرت رافعؓ کے پاس جا کر اس خبر کی تصدیق چاہی، انہوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپؓ نے اپنے اس دیرینہ عمل کو ترک کر دیا اور محض اس احتمال کی بنا پر لگان لینے سے رک گئے کہ شاید آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرما دی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔

ایک دفعہ آپؓ کے صاحبزادے کچھ گنگنا رہے تھے، ان کی آواز آپؓ کے کانوں میں پڑی تو فوراً منع فرما دیا، حالاں کہ غنا (نفسِ اشعار گانا) کا مسئلہ صحابہ کے مابین مختلف فیہ تھا، کچھ صحابہ اس کے جواز کے بھی قائل تھے؛ لیکن احتیاط کے پیشِ نظر اس عمل کو بھی آپؓ نے ناپسند فرمایا۔

لباس کے سلسلے میں بھی نہایت سادہ مزاج اور محتاط واقع ہوئے تھے، فاخرانہ زرق برق لباس سے اس لیے اجتناب کرتے کہ کہیں دل میں تکبر پیدا نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے بیش قیمت ہروی کپڑا نذرانے کے طور پر پیش کیا، آپؓ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس کے پہننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں؛ لیکن غرور و تکبر کا اندیشہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا۔

منقش فرش اور دھاری دار چادروں پر بیٹھنے سے بھی احتراز کرتے، ایک مرتبہ کہیں دعوت تھی، میزبان کے گھر میں گل دار فرش بچھا ہوا تھا، آپؓ کو اس پر بیٹھنے میں تردد ہوا؛ لیکن میزبان کی دل جوئی اور استجابتِ دعوت کا حق بھی ادا کرنا تھا؛ اس لیے کھانا لانے سے پہلے کچھ دیر کے لیے بیٹھ گئے، پھر جب کھانا حاضر کیا گیا تو یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ: دعوت قبول کرنا ایک حق ہے؛ لیکن آج میرا

روزہ ہے۔

دیکھیے! اس جگہ کوئی دیباوحریر کی چادر یاسیم وزر سے رنگاہوافرش نہ تھا کہ بیٹھنا حرام ہو؛ مگر آپؓ کی محتاط طبیعت نے اس کو بھی گوارانہ فرمایا کہ کسی نقش دارفرش پر بیٹھ کرتشبہ بالاغنیا اختیار کرے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ بہ حالتِ احرام پیش آیا، ہوایوں کہ آپؓ کو سخت سردی لگی، خدام کو حکم دیا کہ مجھے چادر اڑھادو، انھوں نے جلدی جلدی میں ایک گُل بوٹوں سے سجی ہوئی چادر اڑھادی، اُس وقت آپؓ پر نیند کا غلبہ تھا؛ اس لیے کچھ پتہ نہ چل سکا، کچھ دیر بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ جو چادر اوڑھے ہوئے ہیں اس پر ریشم کے گل بوٹے کڑھے ہوئے ہیں، آپؓ نے اس کو تن سے جدا کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ: یہ گُل بوٹے نہ ہوتے تو میں بلاتأمل استعمال کرلیتا۔

حبّ فی اللہ وبغض فی اللہ

حبِّ الٰہی آپؓ کی رگ رگ میں رچی بسی تھی، حضرت ابوبردہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ابنِ عمر کے پہلو میں نماز پڑھی، جس وقت وہ سجدے میں گئے، میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں تجھے تمام چیزوں سے محبوب رکھتا ہوں اور ہر چیز سے زیادہ تجھ سے ڈرتا ہوں۔ اے اللہ! تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے، میں ہرگز مجرموں کا پشت پناہ نہ ہوں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کو تمام ’’بیماریوں کا مداوا‘‘ اور سارے ’’دردوں کا درماں‘‘ سمجھتے تھے اور مخلوق کی محبت کو ’’زہرِ ہلاہل‘‘ قرار دیتے تھے۔ ہاں! کوئی انسان دین وشریعت کا پابند ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے

احکامات پر مکمل کاربند ہوتا اس کو گلے لگا لیتے اور بے انتہا شفقت و پیار کرتے۔ چناں چہ جس غلام میں عبادت وریاضت کا ذوق پاتے اُسے پروانۂ حریت دے کر روانہ کردیتے، کچھ احباب نے مشورہ دیا کہ: آپ غلاموں کو اس طرح اندھا دھند آزاد نہ کیا کریں؛ اس لیے کہ یہ بڑے شاطر و عیار ہیں، محض آزادی حاصل کرنے کے لیے پارسائی کا جھوٹ موٹ لبادہ اوڑھ لیتے ہیں اور اپنے آپ کو ذکر و عبادت کا شوقین جتاتے ہیں، آپؓ نے جواب دیا: "من خدعنا الله انخدعنا له"، جو شخص اللہ کے نام پر دھوکا دے اس کا دھوکا کھانے کے لیے ہم تیار ہیں۔

اس کے برعکس جس کو احکاماتِ الٰہیہ اور احادیثِ نبویہ سے اعراض کرتا دیکھتے، اس کے اعمال سے سخت نفرت کرتے اور اس کا منہ تک دیکھنا گوارا نہ کرتے، اس ترکِ تعلق میں بھی اللہ کی ہی محبت کارفرما ہوتی۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی ارشاد سنایا تو صاحبزادے نے کوئی بے تکی بات کہہ ڈالی جس سے صورتاً حدیث پر اشکال ہو رہا تھا، اس پر اتنے چراغ پا ہو گئے کہ اس کو اپنی نگاہ سے دفع کر دیا، اور قسم کھائی کہ: اب کبھی تجھ سے بات نہیں کروں گا۔

اگر کوئی خلیفہ یا امیر خدا کی چراگاہ میں قدم رکھتا اور دین میں کتر و بیونت کرنے لگتا تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اس کی اطاعت سے دست بردار ہو جاتے، حجاج بن یوسف کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا کہ جب تک وہ وقت پر نماز پڑھاتا رہا اس کی اقتدا میں نماز ادا کرتے رہے، پھر جب وہ تاخیر پر اتر آیا تو اس کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔

عبادت وریاضت

اللہ تعالیٰ کی محبت نے آپؓ کے اندروہ روح ڈالی جوآپؓ کے دل کو ہروقت یادِالٰہی سے زندہ کیے رکھتی تھی، آپؓ شب وروز کے اکثر اوقات نماز ودعامیں گذار دیتے، آپؓ کا قلب اللہ کی عظمت کے خیال اوراس کی یاد سے پل بھر کے لیے بھی غافل نہ ہوتا۔

رات کے اول حصہ میں مصلّے پر کھڑے ہوکراپنے رب کے ساتھ راز ونیاز میں مست ہوجاتے، جب صبحِ صادق کا اُجالا آسمان پرآنے لگتا اورافق پر روشنی پھیلنے لگتی تو اپنے خادم حضرت نافعؒ سے دریافت کرتے کہ: صبح کی سفیدی نمودار ہوئی؟ اگروہ ہامی بھرتے تونماز کا سلسلہ روک کراللہ کے حضور تضرّع والحاح کے ساتھ دعامیں لگ جاتے۔ اوراگر ''ناں'' میں جواب دیتے توبہ دستور نماز میں مصروف رہتے۔

محمد بن زیداپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عمرؓ رات کی پانچ مختلف گھڑیوں میں بیدارہوکرنماز پڑھا کرتے تھے۔

ابنِ سعد نے آپ کا روزمرّہ کا یہ معمول بیان کیاہے کہ: آپ مسجدِ نبوی سے دن چڑھتے نکلتے، بازارکی ضروریات پوری کرتے، پھرنماز پڑھ کرگھرتشریف لے جاتے۔

ابوغالب فرماتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عمرؓ مکۂ مکرمہ میں ہمارے گھرٹھہرے اورساری رات تہجد پڑھتے۔ ایک مرتبہ صبحِ صادق سے ذرادیر پہلے مجھ سے کہنے لگے کہ: ابوغالب! تم نماز پڑھنے کیوں نہیں کھڑے ہوئے اگرچہ تہائی قرآن کیوں

نہ ہو؟ میں نے عرض کیا کہ: صبح قریب آگئی ہے میں تہائی قرآن کیسے پڑھ سکتا ہوں؟ فرمایا: بےشک سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔

نیز آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ نماز بڑی اچھی چیز ہے، اسلام لانے کے بعد جب بھی میں نے کوئی نماز پڑھی تو یہ امید رکھی کہ یہ نماز گناہوں کا کفارہ بنے گی۔

تلاوتِ قرآن سے بڑا شغف تھا، اکثر ایک رات میں پورا قرآنِ کریم ختم کر دیتے تھے۔

محمد بن سیرین راوی ہے کہ: رات میں جب کبھی آپؓ کی آنکھ کھل جاتی تو وضو کر کے نماز میں مشغول ہو جاتے۔

واسع بن حیّانؒ نے فرمایا کہ: حضرت ابنِ عمرؓ جب نماز پڑھتے تھے تو اس بات کو محبوب سمجھتے تھے کہ ان کا ہر عضو قبلہ کی طرف متوجہ ہو، یہاں تک کہ اپنے انگوٹھوں تک کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھتے تھے۔

طاؤس نے فرمایا کہ: میں نے کسی نمازی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسا قبلہ کا استقبال کرنے میں سخت نہیں پایا، یہ اپنے چہرے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں اور اپنے دونوں قدموں سے قبلہ کا استقبال کرتے تھے۔

آپؓ کی نفل عبادتوں میں روزہ اور حج کا ذکر بھی بہ کثرت ملتا ہے، بیشتر ایام روزے کی حالت میں رہتے، ہر سال بلا ناغہ حج کے لیے تشریف لے جاتے، جس سال حجاج و ابن زبیرؓ کے مابین جنگ چھڑ گئی، مسجدِ حرام میں کشت وخون کا بازار گرم ہوا اور امن وامان کے سارے نقشے خوف وہراس سے بدل گئے، اُس سال

بھی حج ترک نہیں فرمایا۔

عباداتِ اصلیہ میں کامل انہماک کے ساتھ ساتھ بالواسطہ عبادتیں بھی بڑے شوق ورغبت سے انجام دیتے، ان میں بھی ہمیشہ عزیمت کا پہلو غالب رکھتے، چناں چہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے، گھر ہی سے وضو کر کے نکلتے اور ہلکے ہلکے قدموں کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوتے؛ تاکہ اجر وثواب میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

ابنِ سعد لکھتے ہیں کہ: زید بن عبد اللہ شیبانیؒ نے بیان کیا کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا، جب وہ نماز کے لیے چلتے تو اتنا آہستہ چلتے کہ اگر چیونٹی ان کے ساتھ چلتی تو تو یہی کہتا کہ یہ چیونٹی سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپؓ کا پورا وجودِ با مسعود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ڈھلا ہوا تھا، دل کے جزیرے پر عشقِ نبوی کا راج قائم تھا، آنکھوں کے حلقہ میں زیارتِ نبوی کا شوق تمکّن پذیر تھا، کانوں میں جوامع الکلم سننے کی آرزو آویزے کی طرح معلق تھی۔ اسی شوق وآرزو کو تسکین پہنچانے کے لیے اکثر اوقات آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے اور مسجدِ نبوی میں بہ کثرت آتے جاتے۔

ایک مرتبہ خود اپنے شوق ومحبت کو بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ: بسا اوقات میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پُرنور چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہتا، حتی کہ الفت ومحبت کے پرنالے بہہ پڑتے اور زبان پر بے اختیار یہ شعر آجاتا:

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه		ثمال اليتامىٰ عصمة للأرامل

وہ اتنا حسین ہے کہ بادل بھی اس کے چہرے سے سیرابی حاصل کرتے ہیں، وہ یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

ایک راوی فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کیا ہو اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوئے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر جب ان تمناؤں کی تکمیل کا دروازہ بند ہو گیا تو اس قدر ملول ورنجیدہ ہوئے کہ آخری عمر تک نہ مکان بنایا نہ باغ لگایا؛ بلکہ روضۂ اقدس پر حاضری اور سلام پیش کر کے دلِ مضطر کو سہارنے کا معمول بنا لیا۔ طبقات ابنِ سعد میں لکھا ہے کہ: وفاتِ نبوی کے بعد جب کسی سفر کے لیے جاتے تو واپسی پر روضۂ اقدس پر حاضری دیتے اور صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے۔

محبت وآشفتگی کا دائرہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے متجاوز ہو کر آپ سے متعلق تمام اشیا تک پھیلا ہوا تھا۔ بہت سی مرتبہ آپ بڑے جذبے اور فخر اور شوقِ فراواں سے فرماتے کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کو چومنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ: انہوں نے اپنا ہاتھ منبر پر اس جگہ لگایا جہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے، پھر ہاتھ کو اپنے چہرے پر رکھ لیا۔

حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ: کوئی اونٹنی کسی جنگل میں اپنے گم شدہ بچے کو اتنی

تلاش نہیں کر سکتی جتنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کو تلاش کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ اہلِ بیت سے عقیدت مندانہ سلوک و برتاؤ کرتے، ان کی تعظیم وتکریم ضروری گردانتے، ان کے فضائل ومناقب سنا سنا کر لوگوں کو ان کی عزت کرنے پر ابھارتے، ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔

چناں چہ جب آپ کو پتہ چلا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا سفر شروع کردیا تو آپ کو خدشہ ہوا کہ کہیں کوفہ والے اپنی دیرینہ تاریخ دہرا کر ان کے ساتھ دغا بازی نہ کریں۔ اس خیال کا آنا تھا کہ ان کے نشاناتِ قدم پر چل پڑے اور تقریباً تین دن کے فاصلہ پر ان کو پالیا، علیک سلیک کے بعد پوچھا کہ: کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا: عراق جا رہا ہوں، یہ اہلِ عراق کے دعوت نامے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ: آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیجیے؛ لیکن انہوں نے انکار کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا حوالہ دے کر کہا: ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ کو دنیا وآخرت کے درمیان اختیار دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کو اختیار فرمایا، اور دنیا کی طرف بالکل توجہ نہیں کی، اور تم تو جگر گوشۂ رسول ہو، بہ خدا! تم میں سے کوئی بھی شخص دنیا دار نہیں بنے گا، اور اللہ ربّ العزت بھی دنیا سے دور رکھ کر تمہارے حق میں وہ چیز مقدر فرمائے گا جو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس بات پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی اور اپنے ارادے پر کاربند رہے، آپ رضی اللہ عنہ اس سفر کے برے عواقب کو کھلی آنکھوں دیکھ کر ان کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے؛ لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنے عزم میں غیر متزلزل ہے

اور کسی حال میں ماننے کو تیار نہیں ہے تو ان کو گلے لگایا اور زار وقطار رونے لگے، پھر لڑکھڑائی آواز کے ساتھ دعا دی کہ: ”استودعک اللہ من قتیل“۔

آپؓ کو مدینۃ الرسول سے بھی بے حد انسیت تھی، اشد ضرورت کے بغیر وہاں سے باہر نہ نکلتے اور اپنے متوسلین کو بھی اجازت نہ دیتے۔ ایک غلام نے تنگئ معاش کی شکایت کر کے مدینہ سے باہر جانے کی اجازت چاہی، تو حکمت کے ساتھ اس کو ٹال دیا اور فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا میں روزِ قیامت اس کی سفارش کروں گا۔

اتباعِ سنّت

حبِّ رسول کا نقطۂ ابتدا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا صدقِ دل سے اعتراف کیا جائے، جب کہ منتہائے ارتقا یہ ہے کہ ہر قول وفعل میں اسوۂ نبوی سے روشنی حاصل کی جائے، حتیٰ کہ جو امور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عادت کے طور پر صادر ہوئے ہیں ان میں بھی آپؐ کی چال چلنے کا اہتمام کیا جائے۔ یہ نادر صفت جس وضاحت کے ساتھ حضرت ابنِ عمرؓ کے آئینۂ حیات میں دکھائی دیتی ہے کسی اَور کی زندگی میں کم ہی نظر آتی ہے، آپؓ کے یہاں اتباعِ سنّت کا شدید اہتمام ہوتا تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو قول یا فعل آپؓ کے علم میں آجاتا اس کو گلے کا ہار بنالیتے اور موت تک پہنے رکھتے۔

اپنا حال خود بیان کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو معاہدہ کیا آج تک اس کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ اس میں تبدیلی سے کام لیا۔

مسلم شریف کی روایت ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب سے گذرا، میرا تہہ بند کسی قدر لٹک رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبد اللہ! اپنا تہہ بند اٹھاؤ، میں نے کچھ اٹھایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اور اونچا کرو، میں نے اور اونچا کیا، اس کے بعد میں دانستہ تہہ بند کو اونچا رکھتا تھا، بعض لوگوں نے ان سے پوچھا کہ: کہاں تک اونچا؟ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا: نصف پنڈلیوں تک۔

آپ کے شاگرد نافع نے آپ کے کمالِ اتباعِ سنت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ: اگر اِس زمانے میں ابنِ عمرؓ ہوتے تو تم ان کو شدت کے ساتھ سنتِ نبویہ پر عمل کرتا دیکھ کر دیوانہ اور پاگل کہتے۔ یحییٰ بن یحییٰ اس احتمال کو بہ صورتِ یقین پیش کرتے ہیں کہ: میں نے اپنے مشائخ کی زبانی یہ بات سن رکھی ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت ابنِ عمرؓ کے عشقِ رسول کی کیفیت دیکھ کر انہیں مجنون کہنا شروع کر دیا تھا۔

نماز کی ایک نہایت مقبول تکبیر

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: ”اللّٰہ أکبر کبیرا والحمد للّٰہ حمدًا کثیرا وسبحان اللّٰہ بکرۃ وأصیلا“، اللہ سب سے بڑا ہے بہت بڑا، اور اللہ کے لیے حمد ہے بہت زیادہ اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نماز کے بعد) فرمایا: یہ الفاظ کون کہہ رہا تھا؟ اس شخص نے عرض کیا: حضور! میں، آپ نے فرمایا: مجھے اس پر تعجب ہوا (اور مسرت ہوئی)

اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے جب سے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے اس کو نہیں چھوڑا۔

آپؓ کی تمام عبادتیں اپنے مالہ وماعلیہ سمیت اتباعِ سنت کے دلکش رنگ میں ڈوبی رہتیں، کسی عبادت کا کوئی جز بھی نورِ سنت سے بے بہرہ نہ رہتا، جب حج کے لیے تشریف لے جاتے تو حجۃ الوداع کا صحیفہ کھول دیتے اور اپنی ہر حرکت وسکون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حرکت وسکون میں ڈھالتے چلے جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن مقامات پر نزولِ اجلال فرمایا تھا ٹھیک وہیں خیمہ زن ہوتے، جن راستوں سے چل کر گئے تھے انہیں پر سے گذرتے، جن جگہوں پر اتر کر نماز ادا فرمائی تھی وہیں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گذر گئے	جی چاہتا ہے کہ چوم لے ان کے نقشِ قدم

چناں چہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذوالحلیفہ میں رک کر نماز پڑھی تھی آپؓ بھی وہیں پر نماز پڑھتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے مقامِ بطحا میں ٹھہر کر کچھ دیر آرام فرمایا تھا، آپؓ کا بھی معمولِ مبارک یہ تھا کہ دخولِ مکہ سے پہلے بطحا میں دراز ہوجاتے، پھر اٹھ کر اگلا سفر مکمل فرماتے۔

علاوہ ازیں یوم الترویہ کو احرام کھولتے اور کعبہ کے ارکانِ اربعہ میں سے صرف رکنِ یمانی کو چھوڑ دیتے، ان سب میں بھی اتباعِ سنت پیشِ نظر رہتی۔

کثیر بن جمھان نے دورانِ سعی آپؓ کو صفا ومروہ کے درمیان چل کر سعی

کرتے دیکھا، سبب دریافت کرنے پر آپ نے جواب دیا کہ: اگر میں دوڑ کر چکر لگاؤں تب بھی عاملِ سنت قرار پاؤں؛ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوڑ کر سعی کرتے دیکھا ہے، اور اگر میں چل کر سعی کروں تو بھی متبعِ رسول بنوں؛ اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس جگہ پر چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے، اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں؛ اس لیے دوسری سنت کو اختیار کر رہا ہوں۔

ایک مرتبہ پانی طلب کیا، کسی نے شیشہ کے جام میں پیش کیا تو اپنے ہاتھ کھینچ لیے، جب دوبارہ لکڑی کے پیالے میں پانی لایا گیا تب نوش فرمایا۔ اس کے بعد وضو کے لیے برتن مانگا تو آفتابہ لایا گیا، تو اس کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع میں لوٹے سے وضو فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ مسجدِ قباء جانا ہوتا تو پیدل ہی تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ عبد اللہ بن قیس بن مخرمہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو چلتے ہوئے دیکھا، وہ خود اپنے خچر پر سوار تھے، جیسے ہی آپ رضی اللہ عنہ پر نگاہ پڑی، ادباً نیچے اتر گئے اور درخواست کی کہ: چچا جان! آپ سوار ہو جائیے، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے! اگر میں سواری پر بیٹھ کر یہاں آنا چاہتا تو مجھے سواری ضرور ملتی؛ لیکن چوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس مسجد کی طرف پیدل آتے جاتے دیکھا ہے؛ اس لیے میں بھی یہاں پیدل ہی آنا جانا پسند کرتا ہوں، یہ مختصر سا جواب دے کر آپ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سوار ہونے سے انکار کر دیا۔

عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرت سے متعلقہ سنتوں پر بھی پابندی سے عمل کرتے، اگر کوئی شخص دعوتِ طعام دیتا تو اس کے ساتھ کھانے میں شرکت فرماتے۔

تعجب تو یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں بھی اس کے گھر جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت زندہ کرتے۔

آپؓ کی وضع قطع میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس نظر آتا تھا۔کھانے پینے اور پہننے کی جن چیزوں پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہرِ استحباب لگا دیتے اس کو تادمِ حیات تھامے رکھتے، آپؓ کا لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح قمیص، ازار اور سیاہ یا سفید عمامہ پر مشتمل تھا، ازار نصف ساق تک ہوتی تھی، ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ابنِ عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نصف پنڈلی تک تہبند باندھتے تھے۔

عام معمول سادہ اور کم قیمت لباس پہننے کا تھا؛ لیکن چوں کہ دو مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے دیکھا تھا، اس سنت کو ادا کرنے کی غرض سے کبھی کبھار قیمتی جوڑا بھی پہن لیتے۔ چناں چہ نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ: بسا اوقات میں نے ابنِ عمرؓ کے جسمِ مبارک پر ۵۰۰ یا اس سے زیادہ درہم کا جوڑا بھی دیکھا ہے۔

اتباعِ سنت میں چپل جوتے پہن لیا کرتے تھے، مہر لگانے کے لیے انگوٹھی بھی بنا رکھی تھی، جس پر ’’عبداللہ بن عمرؓ‘‘ کندہ تھا؛ لیکن اس کو پہنتے نہ تھے؛ مہر وغیرہ کے لیے استعمال کرتے تھے۔خوشبو آپؓ کو بے حد مرغوب تھی۔ رنگوں میں زرد رنگ پسند تھا؛ کیوں کہ بقول ابنِ سعد: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ رنگ پسند تھا۔

آپؓ کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو افعال طبعاً صادر ہوئے ہیں جن کو عام طور پر درخورِ اعتنا نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی وہ شرعاً مطلوب ہوتے ہیں،

ان میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کا التزام فرماتے۔ ایک مرتبہ کہیں سفر پر جارہے تھے، اچانک سواری کی لگام کھینچ لی اور اتر کر قریب میں کھڑے ایک درخت کی آڑ میں چلے گئے، کچھ دیر قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے کی سی شکل بنائی، پھر واپس سواری کے پاس گئے اور ارشاد فرمایا: مجھے استنجا کا تقاضا نہ تھا؛ لیکن میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار اس درخت کی اوٹ میں استنجا کیا تھا؛ اس لیے میں نے بھی آپ کے عمل کی صورت اختیار فرمائی۔

اسی طرح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے سائے میں آرام فرمایا تھا، آپ ؓ اس درخت کو پانی اور کھاد ڈالتے تھے اور اس کے برگ وبار کا خیال رکھتے تھے، تاکہ اس کے سائے میں لیٹ کر سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے کا موقع ملتا رہے۔

خط لکھنے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بسملہ کے بعد پہلے اپنا نام لکھتے، پھر مکتوب الیہ کا، اگرچہ خلفائے بنوامیہ نے عہدِ نبوت سے چلے آرہے اس طریقے کو تبدیل کردیا تھا اور اپنی قلم رَو میں اس طرز کو رواج دیا تھا کہ اگر خلیفہ کے نام خط لکھنے کی ضرورت پیش آئے تو پہلے خلیفہ کا نام لکھا جائے گا، پھر خط نویس کا؛ لیکن آپ ؓ نے جب خلیفہ کے نام بیعت نامہ لکھا تو اس اصول کی قطعاً پروا نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں سابقہ طریقہ کے مطابق لکھا:

"من عبداللہ بن عمر إلیٰ عبدالملک بن مروان"۔

عشقِ نبوی کی آشفتہ سری کا نقطۂ انتہا یہ تھا کہ جو واقعات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہ طور آزمائش کے پیش آئے، ان کی مشابہت کا بھی موقع تلاش کرتے

رہتے۔ مروی ہے کہ حضرت ابنِ زبیرؓ اور حجاج کے درمیان جب جنگ چھڑ گئی اور حالات کا پانسہ یکسر پلٹ گیا تو کچھ لوگوں نے آپ سے درخواست کی کہ امسال سفرِ حج موقوف کردیجیے، ورنہ خواہ مخواہ روک دیے جاؤ گے، آپؓ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، اگر کسی نے روک لیا تو اسی طرح رک جاؤں گا جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے روکنے سے رک گئے تھے، اور اگر کسی نے رکاوٹ نہ ڈالی تو سعی وطواف کر کے اپنا عمرہ پورا کروں گا۔

یاد رہے کہ صلحِ حدیبیہ کا موقع بھی خوف وہراس کا تھا اور یہ بھی، اِس موقع پر بھی آپؓ نے عمرے کی نیت صرف اس لیے کی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صلحِ حدیبیہ کے وقت عمرے کا قصد فرمایا تھا۔

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

صحابۂ کرامؓ سے محبت وعقیدت ایمان کا جزوِ لاینفک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کا لازمی تقاضا ہے، آپؓ میں بھی یہ وصف علیٰ وجہ الاتم موجود تھا، کسی صحابی کی برائی سننا آپ بالکل پسند نہیں فرماتے تھے؛ بلکہ برائی کرنے والے کو دوٹوک جواب دے کر خاموش کر دیتے۔ ایک دفعہ حجاج نے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت ابنِ زبیرؓ کے دامن پر کیچڑ اچھالنا چاہا تو اس کو برسرِ عام اس طرح ٹوکا کہ وہ دم بہ خود رہ گیا۔

ایک دفعہ ایک مصری حج کی غرض سے مکہ آیا، اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے ہیں، اس نے دریافت کیا کہ: کون ہیں؟ تو کہا گیا: اہلِ قریش،

پوچھا کہ: ان میں شیخ کون ہے؟ کہا گیا کہ: عبداللہ بن عمرؓ، اس جواب پر اس نے روئے سخن آپؓ کی طرف کیا اور عرض کیا کہ: میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، آپ نے اجازت دے دی، اس نے حضرت عثمانؓ پر اعتراضات شروع کیے، کہنے لگا: کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان نے غزوۂ احد کے موقع پر راہِ فرار اختیار کیا تھا، غزوۂ بدر میں شرکت سے تخلّف کیا تھا، صلح حدیبیہ کے موقع پر ''بیعتِ رضوان'' کے شرف سے محروم رہا تھا؟ حضرت ابنِ عمرؓ اس کی تمام باتوں پر خاموشی کے ساتھ سر ہلاتے رہے، جب وہ فارغ ہوگیا تو آپ نے فرمایا: اب میں تجھے ان تمام باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں: جہاں تک غزوۂ احد کے موقع پر ان کے فرار ہونے کی بات ہے تو اس بارے میں تجھے لب کشائی کی گنجائش نہیں؛ اس لیے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معافی کا پروانہ دے دیا ہے، اور بدر میں اس لیے شریک نہ ہوسکے کہ ان کی اہلیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی لختِ جگر حضرت رقیّہؓ اس وقت مرض الوفات میں تھی اور وہ بحکمِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ان کی خدمت کی غرض سے رکے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ان کو یہ مژدۂ جاں فزا بھی سنایا تھا کہ تمہیں بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے کو ملا ہے، اور بیعتِ رضوان کے وقت غیر حاضری میں آپ کا کوئی قصور نہیں؛ اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خود انہیں اپنا قاصد بنا کر مکہ بھیجا تھا اور ان کے جانے کے بعد ہنگامی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بیعت لینی پڑی؛ اس لیے گو ان کو شرکت کا موقع تو نہ مل سکا؛ لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

کہ: یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر اس کو اپنے بائیں ہاتھ کے ساتھ ملا لیا اور ارشاد فرمایا: یہ ہاتھ بھی عثمان کے لیے ہے۔

اس مفصل تقریر کے ذریعے آپؓ نے اس کے شبہات کا ازالہ کر دیا اور اخیر میں اس کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ: اس کو لے کر چلا جا، اب میں تیرے ساتھ ہوں۔

ایک دفعہ کسی نے حضرت علیؓ و عثمانؓ کے بارے میں آپؓ کی رائے معلوم کرنا چاہی تو آپ نے جواباً کہا کہ: اللہ تعالیٰ تجھے قبیح بنا دے، تو دو شخصیتوں کے بارے میں مجھ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ میں ان میں سے ایک کو کم اور دوسرے کو اس سے زیادہ رُتبہ دوں؛ حالاں کہ میں ان دونوں سے کم تر ہوں۔

بنو امیہ کے دورِ سلطنت میں جب حجاج ظالم نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کر کے ان کی نعش سولی پر لٹکا دی تو آپؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور کہا: اے خبیب! تم پر سلام ہو۔ خدا کی قسم! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ خدا کی قسم! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ خدا کی قسم! کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ (کہ اس جھمیلے میں نہ پڑو، لوگ عین وقت پر دغا دے جاتے ہیں اور درہم و دینار کے عوض بِک جاتے ہیں) خدا کی قسم! میں تم کو ایک روزہ دار نمازی اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے کے سوا کچھ نہیں سمجھتا تھا۔

دنیا سے بے رغبتی اور سادہ مزاجی

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی تربیت اور مزاج بنانے میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا دخل

رہا ہے اور اسی کی برکت سے دنیا سے بے رغبتی آپ کے دل میں رچ بس گئی تھی۔

چناں چہ آپؓ بیان کرتے ہیں کہ: ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے، آپ انصار کے کسی باغ میں تشریف لے گئے اور کھجور چننا اور کھانا شروع کیا اور مجھ سے فرمایا: اے ابنِ عمر! تمھیں کیا ہوا کہ تم نہیں کھاتے؟ میں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! مجھے خواہش نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لیکن مجھے تو اس کی خواہش ہے اور یہ چوتھی صبح ہے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا ہے، اگر میں چاہوں تو اللہ پاک سے دعا کروں کہ وہ مجھے قیصر وکسریٰ جیسا ملک دے دے، اے ابنِ عمر! تیرا کیا حال ہوگا جب کہ تم ایسی قوم میں باقی رہوگے جو اپنے سال بھر کا رزق ڈھانپ کر رکھیں گے اور یقین کمزور پڑ جائے گا! (حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں) بس خدا کی قسم! ابھی وہاں سے نکلے نہیں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی: {وکأین من دابة لاتحمل رزقها، الله يرزقها و اياكم وهو السميع العليم} (العنکبوت) اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے اللہ ہی ان کو (مقدر کی) روزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی، اور وہ سب کچھ سنتا ہے سب کچھ جانتا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک نے مجھے دنیا جمع کرنے اور خواہشات کے اتباع کا حکم نہیں دیا، جس آدمی نے دنیا کو باقی زندگی کے لیے جوڑا (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) حیات اللہ عزّ وجل کے ہاتھ میں ہے، سن لو کہ میں ایک دینار اور ایک درہم کو بھی جمع نہیں کرتا اور کل کے لیے رزق چھپا کر نہیں رکھتا۔

اسی تربیت وذہن سازی کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت ابنِ عمرؓ کا فقر وفاقہ سے بڑا

گہرا اور مضبوط رشتہ ہو گیا، آپؓ کے گھر "الفقر فخري" کے نعرے لگا کرتے تھے، سادگی وقناعت کی لذت سے آپؓ کا دل بہت پہلے واقف ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں پر فتوحات کے دروازے کھلے اور فارس وروم کی زمینیں اپنے خزانے اگل اگل کران کی جھولیوں میں ڈالنے لگیں اُس زمانے میں بھی آپؓ نے فقر ومسکنت کو طاقِ نسیاں نہیں کیا؛ بلکہ بہ دستور اسے سر کا تاج بنائے رکھا۔

آپ کے ہم عصر صحابہ بھی اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ دنیا کی بو قلمونیوں اور دراہم ودنانیر کی چمک دمک نے حضرت ابنِ عمرؓ پر چنداں اثر نہیں کیا۔ حضرت جابرؓ فرمایا کرتے تھے: ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کو دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو، سوائے حضرت ابنِ عمرؓ کے کہ ان کا دامن کبھی دنیا کی غلاظت سے آلودہ نہیں ہوا۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آپؓ کبھی بھی دنیا کی زلفوں میں گرفتار نہ ہوئے اور نہ اس کے حسن وجمال سے دھوکا کھایا، دنیا بھیس بدل بدل کر آپ کے پاس آئی، کبھی مال ودولت کا پشتارہ پیٹھ پر لادے ہوئے حاضر ہوئی تو کبھی عہدہ ومنصب کی سوغات لے کر؛ لیکن آپؓ نے کبھی اس کو ایک آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا؛ بلکہ دھکے مار مار کر اس کو نکال باہر کیا۔

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ: میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے گھر کے ساز وسامان کا جائزہ لیا تو فرش اور بستر ملا کر بھی اس کی قیمت سو درہم تک نہیں پہنچتی تھی۔

حضرت امیرِ معاویہؓ کے زمانۂ خلافت کا واقعہ ہے، حضرت عمرو بن عاصؓ

یزید کی ولی عہدی کی بابت رائے معلوم کرنے کے لیے آپؓ کے پاس آئے اور عرض کیا: آپ خلیفۂ ثانی کے خلف الرشید ہیں، ان کی صلاحیتوں سے آپ کو وافر حصہ ملا ہے، تو پھر کیوں نہ ہم آپ کے بابرکت ہاتھوں پر بیعتِ خلافت کرلیں، خصوصاً جب کہ لوگ آپ کو خلیفہ تسلیم کرنے پر متفق ہیں؟ آپؓ نے پوچھا: کیا سب مسلمان تیار ہیں؟ کہا کہ: ہاں! باستثنائے چند تمام لوگ آمادہ ہیں، آپؓ نے ارشاد فرمایا: اگر تین لوگ بھی مجھ سے بیعت کرنے پر راضی نہ ہوتو مجھے مسندِ خلافت پر بیٹھنا گوارا نہیں۔

حضرت عمرو بن عاصؓ بڑے ذہین وفطین شخص تھے، اِس تمہیدی گفتگو سے اندازہ لگالیا کہ حضرت ابنِ عمرؓ تیر وتلوار نہیں اٹھائیں گے، اس کے بعد اپنا اصل مدعا بیان کیا کہ: پھر آپ اُس شخص سے بیعت کیوں نہیں کرتے جس پر سب متفق ہیں، اس کے عوض ہم آپ کو اتنی جاگیریں اور مال ومتاع دیں گے کہ آپ کو نہیں؛ آپ کی نسلوں کو بھی کفایت کرے گا۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت ابنِ عمرؓ آپے سے باہر ہوگئے اور فرطِ غضب میں کہا: تمہاری یہ مجال کہ مجھے لالچ دینے لگے، ابھی اِسی وقت میری نگاہ سے دفع ہوجاؤ اور پھر کبھی اپنی صورت نہ بتانا، دنیا کے کھوٹے سکوں کے بدلے میں اپنا دین فروخت نہیں کرسکتا۔ میری تمنا تو یہ ہے کہ اس حال میں دنیا سے جاؤں کہ یہاں کی زیب وزینت اور آرائش وآسائش سے بالکل مرعوب ومتأثر نہ ہوں۔

اسی نوع کا ایک واقعہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بھی پیش آیا کہ کچھ

لوگوں نے آپؓ کو دھمکی دی کہ آپ کو عہدۂ خلافت قبول کرنا پڑے گا؛ ورنہ ہم آپ کو سخت گزند پہنچائیں گے، آپؓ ان کی دھمکی سے بالکل متاثر نہ ہوئے اور صاف طور پر منع فرما دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے فرمایا کہ: جاؤ اور قاضی بن کر لوگوں کے درمیان فیصلے کرو، آپ نے جواب دیا کہ: امیر المؤمنین! مجھے اس کام سے معذور رکھیے، میں نہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اور نہ دو شخصوں کی امامت کرتا ہوں؛ کیوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک جاہل جس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، دوسرا عالم جو دنیا کی طرف مائل ہو، اس کا مستقر بھی جہنم ہے، تیسرا جو اجتہاد کرتا ہے اس کے لیے نہ عذاب ہے اور نہ ثواب۔ حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہارے والد بھی تو قاضی تھے اور فیصلے کرتے تھے، امیر المؤمنین کا اصرار دیکھ کر آپ نے عرض کیا کہ: امیر المؤمنین! مجھے معاف رکھیے، کیا آپ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا کہ جس نے خدا کی پناہ مانگی اس نے پناہ کی جگہ پناہ مانگی؛ اس لیے خدارا! مجھے کہیں کا عامل و قاضی نہ بنایئے گا۔

آپؓ کی دنیا دشمنی پر وہ واقعہ بھی دلیل ہے جس کو حضرت سفیان ثوریؒ نے امام شعبیؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک روز قریشی نوجوان حرمِ کعبہ میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ ہم میں کا ہر ایک رکنِ یمانی کو پکڑ کر خوب عاجزی و لجاجت کا مظاہرہ کرے گا اور ربِّ کائنات کے سامنے دست بہ دعا ہو کر

اپنی سب سے بڑی آرزو مانگے گا۔

چناں چہ پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اٹھے اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: خدایا! تو عظیم ہے، تجھ سے عظیم چیز کا سوال کیا جاتا ہے، میں تجھ سے تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبی اور تیری بزرگی کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اُس وقت تک زندہ رکھ جب تک خطۂ حجاز میری زیرِ سلطنت نہ آجائے۔

اس کے بعد ان کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ نے دامنِ سوال پھیلا کر کہا: الٰہی! تو اس محفلِ کن فکاں اور اس میں موجود تمام مخلوقات کا تنہا خالق و مالک ہے، ہر چیز بالآخر تیری ہی طرف لوٹتی ہے، میں تجھ سے تیری لازوال قدرت۔جس کے تحت عالم وجہاں کا مستحکم نظام چل رہا ہے۔کے وسیلے سوال سے کرتا ہوں کہ مجھے اُس وقت تک موت نہ دے جب تک کہ میں عراق کا والی نہ بن جاؤں، اور فلاں عورت سے میرا نکاح نہ ہوجائے۔

تیسرے نمبر پر عبدالملک بن مروان نے دعا مانگی: اے مالکِ ارض وسما! میں تجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتا ہوں جس کو تیرے وفا شعار اور اطاعت گذار بندوں نے طلب کیا ہے، میں تجھ سے تیری کبریائی تیری مخلوقات اور اہلِ حرم کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے اس وقت تک نہ اٹھا جب تک کہ مشرق ومغرب پر میری حکومت قائم نہ ہوجائے اور جو شخص سرتابی کر کے میرے خلاف علمِ بغاوت بلند کرے اس کا سر نہ کچل ڈالوں۔

اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اٹھے اور انتہائی آہ وزاری اور حضوریٔ قلب

کے ساتھ دعا شروع فرمائی: اے رب العالمین! تو رحمٰن ورحیم ہے، میں تجھ سے تیری اس رحمت کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں جو تیرے غصہ پر غالب ہے کہ روزِ جزا مجھے رسوا نہ فرمانا، اور مجھے جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرما۔

اس واقعے سے بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کا یقین اور آخرت کی تیاری کی فکر آپؓ پر کس قدر سوار تھی کہ صرف اور صرف آخرت ہی کی بھلائی طلب فرمائی۔

آپؓ کی زندگی تکلّفات اور تصنّعات سے بالکل پاک تھی، سادگی خاص شیوہ تھا، دولت کی ریل پیل کے باوجود طرزِ رہائش انتہائی درویشانہ تھا، آپؓ کے مکان میں نہ سامانِ آرائش تھا اور نہ اسبابِ آسائش؛ بلکہ بہ قدرِ کفاف چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

میمون بن مہران کا بیان گذر چکا ہے کہ: میں نے حضرت ابنِ عمرؓ کے کل اثاثِ بیت کا تخمینہ لگایا تو وہ سو درہم سے زیادہ کا نہ تھا، آپؓ لباس بھی سادہ سیدھا پہنتے، سدِّ رمق کھانے پر اکتفا کرتے۔

ابو نعیم نے ''حلیۃ الاولیا'' میں لکھا ہے کہ: حضرت عبد اللہ ابنِ عمرؓ مہینے میں گوشت ہمیشہ نہیں کھاتے تھے؛ مگر جب مسافر ہوں یا رمضان ہو تو کھاتے تھے۔

نافع فرماتے ہیں کہ: مہینہ گذر جاتا، گوشت کی بوٹی نہ چکھتے اور یوں ہی رہ جاتے۔

ایک دفعہ ایک عزیز نے آپ کے سامنے جوارش (چورن) رکھ دیا، پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اس سے ہاضمہ میں مدد ملتی ہے، ارشاد فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ میں نے کئی مہینوں سے شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا ہے۔

آپؓ کا دسترخوان بھی سادگی اور بے تکلّفی کا مظہر ہوتا، بسا اوقات ایک برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا اور سب اہل وعیال اس کے اِرد گرد بیٹھ کر تناول فرماتے۔ اگر کوئی مہمان گھر آجاتا تو ماحضر اس کے سامنے رکھ دیا جاتا، دعوت وغیرہ میں کوئی پُر تکلّف انتظام نہیں کیا جاتا تھا۔

نافع کا بیان ہے کہ: ایک روز اونٹنی ذبح کی اور مجھ سے کہا: اہلِ مدینہ کو بلالاؤ، میں نے عرض کیا: سالن کے ساتھ روٹی تو ہے نہیں، پھر کس چیز کے کھانے کی دعوت دے رہے ہیں؟ فرمایا: اللہ تمہیں بخش دے، گوشت اور شوربا کافی ہے، جس کا جی چاہے گا کھالے گا؛ ورنہ اٹھ کر چلا جائے گا۔

سخاوت وفیاضی

دنیا سے بے رغبتی اور مال ودولت کی نفرت نے آپؓ کو حاتمِ دوراں بنادیا تھا، روپیے پیسوں کی حیثیت آپؓ کے نزدیک ہاتھ کے میل سے زیادہ نہ تھی، آپؓ کا عمل یہ تھا کہ جو بھی مال آتا اس کو ایک ہاتھ سے قبول فرما کر دوسرے ہاتھ سے راہِ خدا میں فقرا ومساکین پر لُٹا دیتے۔ خود بہ قدرِ ضرورت کھاتے اور دوسروں کو جی بھر کر کھلاتے، خود بھوکا رہنا گوارا کر لیتے؛ لیکن اوروں کی بھکمری برداشت نہ کر پاتے۔ اس فیاضی اور رحم دلی کی وجہ سے آپؓ فقرا کی امیدوں کا مرکز بن گئے تھے، آپؓ کے گھر غریبوں کا تانتا بندھا رہتا، ضرورت مندوں کے قافلے جوق در جوق آپ کے پاس آتے اور دادِ سخاوت دے کر چلے جاتے۔ جس راستے سے آپؓ مسجد آتے جاتے اس پر بھی مساکین اور تنگ دست لوگ ٹولے جما کر بیٹھے

رہتے، آپؓ نماز پڑھ کر باہر نکلتے تو سب کو اپنے ساتھ لے لیتے اور گھر میں پکا ہوا کھانا کھلا دیتے۔ غربا و مساکین کا اتنا خیال رکھتے کہ اپنی حالت بھی یاد نہ رہتی جس کی وجہ سے طبیعت میں ضعف اور لاغری پیدا ہوگئی تھی۔

ایک مرتبہ ابنِ مطیع آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپؓ نہایت نحیف اور کمزور ہو چکے ہیں، آپؓ کی بیوی سے شکایت کی کہ شاید آپ ان کا خیال نہیں رکھتیں، دیکھو! کتنے کمزور ہو گئے ہیں، انہوں نے دفاع کیا کہ یہ سب ان کی غریب پروری اور مسکین نوازی کا خمیازہ ہے، میں ان کی خدمت میں ایک دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کرتی اور ان کے خورد ونوش کا بے حد خیال رکھتی ہوں؛ لیکن وہ ہے کہ ہمیشہ اپنا کھانا دوسروں کو کھلاتے ہیں اور خود کچھ نہیں کھاتے۔

ایک مرتبہ خود آپؓ سے کہنے لگی کہ: جو کھانا میں آپ کے لیے پکاتی ہوں وہ غریبوں کی نذر کر دیتے ہو اور خود فاقوں پر فاقے اٹھائے جاتے ہو! آپؓ پر بیوی کے اس شکوے کا ذرا بھی اثر نہ ہوا اور آپ بہ دستور اپنی ڈگر پر چلتے رہے، آخر ایک دن تنگ آکر اہلیہ نے بہت سارا کھانا بنایا اور پہلے سے فقرا کے گھر بھیج دیا، ساتھ ہی یہ پیغام بھی دے دیا کہ: راستے میں نہ بیٹھا کریں، اگر وہ بلائیں تب بھی نہ آئیں۔ حضرت ابنِ عمرؓ حسبِ معمول مسجد سے باہر نکلے تو دیکھا کہ خلافِ عادت کوئی فقیر نظر نہیں آرہا ہے، اس صورتِ حال سے سخت تشویش میں پڑ گئے، گھر آکر تحقیق کی تو حقیقتِ حال کا علم ہوا، پھر کیا تھا؟ طیش میں آگئے اور کہا: کیا تم یہ چاہتی ہو کہ مساکین میرے دسترخوان پر نہ ہو اور میں رات کو کچھ نہ کھاؤں! چناں چہ ایسا

ہی ہوا کہ اُس رات ایک لقمہ کو بھی ہاتھ نہیں لگایا اور بھوکے پیٹ سو گئے۔

ابوبکر بن حفص کی روایت ہے کہ: آپ اُس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ ان کے دستر خوان پر یتیم نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ مچھلی کھانے کی رغبت ظاہر فرمائی، بیوی نے بڑے اہتمام سے مچھلی بھونی اور آپؓ کے سامنے خوان میں رکھ دی۔ اسی اثنا میں ایک گداگر نے آواز لگائی، آپ نے حکم دیا کہ: فقیر کو دے دو، بیوی نے عذر پیش کیا کہ: آپ ہی تناول فرمالیں، آپؓ نے اصرار کیا کہ تم دے آؤ، میری یہی چاہت ہے؛ مگر وہ بھی ضد پر اڑی رہی اور مچھلی کے عوض نقدی دے کر فقیر کو واپس کر دیا، جب اس فقیر کا کاسہ پیسوں سے لد گیا تب جاکر آپؓ نے مچھلی کھائی۔

ایک دفعہ بیمار پڑ گئے، آپ کے لیے کچھ انگور خریدے گئے، ابھی ایک دانہ بھی نہ کھایا تھا کہ ایک محتاج نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپؓ نے فوری حکم دیا کہ: سارے انگور اس کے حوالے کر دو، آس پاس بیٹھے لوگوں نے اطمینان دلانا چاہا کہ یہ انگور آپ کھالو، ہم دوسرے خرید کر اس کو دے دیں گے، آپؓ نے ایک نہ مانی مجبوراً وہی انگور دے دیے گئے، آپ کے کسی شاگرد نے پھر قیمت ادا کر کے وہی انگور اس فقیر سے دوبارہ خرید کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیے، ابھی آپ نے انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہی فقیر پھر دروازے پر آپہنچا، اس کی صدا سن کر حضرت ابنِ عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ: انگور بھی اس کو دے دو اور پیسے بھی واپس نہ لینا۔

ایک دن راستے سے گذر رہے تھے، ایک کھجور کہیں سے عنایت ہوئی؛ لیکن

منہ میں ڈالنے سے پہلے ہی ایک سائل کا وہاں سے گذر ہوا تو وہ کھجور اسی کے حوالے کردی۔

سخاوت کا یہ سلسلہ سفر وحضر میں یکساں طور پر جاری رہتا۔طبقات میں لکھا ہے کہ ابوجعفر قاریؒ فرماتے ہیں: میں حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کے ساتھ مکۂ معظّمہ سے مدینۂ طیبہ کے لیے نکلا، حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کے پاس ثرید کا ایک بڑا پیالہ تھا، اس پیالے پر ان کے بیٹے ان کے ساتھی اور جو کوئی بھی آتا جمع ہوجاتا اور کھاتا، یہاں تک کہ ان میں سے بعض (جگہ کی تنگی کی وجہ سے) کھڑے ہوکر کھاتے، حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کے ساتھ ان کا ایک اونٹ تھا، اس پر چمڑے کے دوتوشہ دان تھے، جونبیذ اور پانی سے بھرے ہوئے تھے، ہر آدمی کے لیے اس نبیذ کے ستو کا ایک بڑا پیالہ ملتا جس سے وہ پیٹ بھرتا اور اس کی کوکھ نکل آتی۔

حضرت ایوب بن وائل فرماتے ہیں کہ: میں مدینہ آیا تو مجھ سے حضرت ابنِ عمر کے ایک پڑوسی نے بیان کیا کہ: ایک مرتبہ حضرت ابنِ عمر کے پاس چار ہزار درہم حضرت معاویہؓ کے پاس سے اور چار ہزار درہم ایک اور آدمی کے پاس سے اور دو ہزار درہم ایک تیسرے آدمی کے پاس سے آئے اور کئی چادریں آئیں۔ حضرت ابنِ عمرؓ بازار آئے؛ تاکہ اپنی اونٹنی کے لیے ایک درہم کا ادھار چارا خریدے اور مجھے معلوم تھا کہ ان کے پاس اتنا مال آیا ہے، میں اُن کی جاریہ (باندی) کے پاس گیا اور اس سے کہا: میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور مجھے بہت خوشی ہوگی اگر تو مجھ سے سچ سچ کہہ دے، میں نے اس سے پوچھا کہ: کیا

یہ بات صحیح نہیں کہ چار ہزار تو حضرت معاویہؓ کی جانب سے آئے اور چار ہزار ایک اور آدمی کے پاس سے اور دو ہزار ایک اور آدمی کے پاس سے آئے، اور چادریں بھی آئیں، جاریہ نے جواب دیا کہ: ہاں! بے شک یہ سب چیزیں آئیں، میں نے جاریہ سے کہا کہ: ابھی میں نے ابنِ عمر کو دیکھا کہ اونٹ کے لیے ایک درہم کا ادھار چارا خرید رہے ہیں! تب جاریہ نے کہا: اوہ! صبح ہونے سے پہلے ہی سارے دراہم تقسیم کر چکے تھے اور اس کے بعد چادریں لی، اسے اپنی پشت پر ڈالا اور چلے گئے، کچھ دیر کے بعد ایک چادر کو منہ پر ڈال کر واپس آ گئے، وہ پڑوسی کہتا ہے کہ یہ سارا ماجرا سن کر میں بھاگا بھاگا تاجروں کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا: اے تاجروں کی جماعت! تم دنیا کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ ابنِ عمر کے پاس گذشتہ رات دس ہزار کھرے درہم آئے، آج صبح وہ اپنی سواری کے لیے ایک درہم کا چارا ادھار طلب کر رہے تھے!!

حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ: ایک ہی وقت میں دو دو تین تین ہزار خرچ کرنا، آپؓ کا عام معمول تھا؛ لیکن بعض اوقات بیس بیس اور تیس تیس ہزار بھی یک مشت لُٹا دیتے۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ آپؓ کے پاس ایک ہزار کی رقم آئی، آپؓ دونوں ہاتھ بھر بھر کر سائلین کی جھولی میں ڈالنے لگے، حتی کہ اسی مجلس میں ساری رقم ختم ہو گئی، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تقسیم ہو چکنے کے بعد پہنچے، ان کو بھی نامراد نہیں لوٹایا؛ بلکہ پہلے جن کو مال دیا تھا ان سے قرض لے کر بعد والوں کے بھی ہاتھ بھر دیے۔

خبردار! کوئی ناہنجار آپؓ کے اس عمل کو خارج از شریعت قرار نہ دیں؛ اس لیے کہ آپ کے سارے صدقات کا مصرف صرف وہی لوگ تھے جو نادار وقلاّش ہونے کے ساتھ ساتھ آپؓ کی ہمدردی وغم خواری کے واقعتاً حقدار بھی تھے، آپؓ کا دسترخوان ان ہی لوگوں کے لیے چنا جاتا تھا جن کے پیٹ بھوک کے مارے پیٹھ سے جا لگتے ہو، جیسا کہ تاریخ نگاروں نے تصریح کی ہے کہ آپؓ جب دسترخوان پر بیٹھتے اور کوئی خوش پوش مرفّہ الحال شخص دکھائی دیتا تو اس کی طرف التفات نہ کرتے، یہاں تک کہ آپ کے بھائی وغیرہ اس کو کھانے پر بلاتے۔ کچھ دیر کے بعد کسی تنگدست اور بھوکے کا گذر وہاں سے ہوتا تو اس کو آواز دے کر بلاتے اور اپنے رشتہ داروں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے: یہ لوگ شکم سیر اشخاص کو بلاتے ہیں اور جو لوگ کھانے کے محتاج ہوتے ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔

آیتِ کریمہ {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} کے مقتضی پر بھی پورے طور پر کاربند تھے، جس چیز کی محبت دل میں گھر کر جاتی اس کو راہِ خدا میں خرچ کر دیتے۔ آپؓ کو ایک لونڈی سے محبت تھی، اس کو آزاد کرکے اپنے ایک غلام سے اس کا نکاح کرا دیا، بعد میں چل کر اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس سے بھی بے انتہا پیار کرتے اور فرماتے کہ: اس سے کسی کی خوشبو آرہی ہے۔

ایک اور باندی سے بھی آپؓ کو لگاؤ تھا اس کو بھی اللہ کے نام پر آزاد کر دیا، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ}۔

ایک مرتبہ سفرِ حج کے لیے بہترین اونٹنی خریدی، اس کی چال بہت پسند آئی

فوراً حکم دیا کہ اس پر سے سامان اتار دو، اور قربانی کے اونٹوں میں شامل کر دو۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نجدۂ حرورہ کے خارجی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اونٹوں کو لوٹ کر لے بھاگے، کچھ عرصے کے بعد اونٹوں کا چرواہا آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ: آقا! اونٹوں میں ثواب کی نیت کر لیجیے، خارجی انہیں بھگا لے گئے، آپ نے دریافت فرمایا: سبحان اللہ! خارجی اونٹوں کا پورا ریوڑ لے گئے اور تجھے آزاد چھوڑ دیا؟ غلام نے عرض کیا: جی نہیں، مجھے بھی گرفتار کر کے لے گئے تھے؛ مگر میں موقع دیکھ کر ان کے ہاں سے بھاگ آیا، آپ نے پوچھا کہ: تجھے کس چیز نے ان کے پاس سے بھاگنے اور میرے پاس آنے پر ابھارا؟ عرض کیا: آپ مجھے ان سے زیادہ محبوب ہیں، یہ سن کر آپ نے اس سے کہا کہ: اُس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، کیا میں تجھے ان سے زیادہ محبوب ہوں؟ غلام نے قسم کھا کر اس کا اقرار کیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرطِ مسرّت سے فرمایا: تب تو میں ان اونٹوں کے ساتھ تجھ میں بھی ثواب کی نیت کرتا ہوں اور اس کو آزاد کر دیا۔ کچھ دن کے بعد ایک شخص آپ کے پاس بھاگا بھاگا آیا کہ فلاں اونٹنی جو آپ کو بہت زیادہ محبوب و پسندیدہ تھی، جسے خارجی بھگا لے گئے تھے، بازار میں بیچی جا رہی ہے، کیا آپ کو اس کے خریدنے میں رغبت ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے میری چادر دو۔ کھڑے ہوئے، چادر کندھے پر ڈالی اور پھر کچھ سوچ کر دوبارہ بیٹھ گئے اور چادر اتار کر رکھ دی اور فرمایا: میں نے تو اونٹنی میں ثواب کی نیت کر لی تھی اب اس کو دوبارہ طلب نہیں کروں گا۔

ایک مرتبہ احباب کے ساتھ مدینہ کے نواحی علاقے میں تشریف لے گئے، جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھا، عین اسی وقت ایک چرواہا اپنی بکریاں چراتے چراتے اُدھر آ نکلا، اور بلند آواز سے سلام کیا، آپؓ نے جواب دے کر کھانے کے لیے مدعو کیا، اس نے عذر کیا کہ: میرا روزہ ہے، آپؓ نے تعجب سے پوچھا: اس چلچلاتی دھوپ میں روزہ؟ اس نے جواب دیا: میں اپنے ''ایامِ خالیہ'' کو وصول کر رہا ہوں، آپؓ سمجھ گئے کہ کوئی صالح آدمی ہے؛ اس لیے بہ طور امتحان کے پوچھا کہ: ہمیں بکریوں کی ضرورت ہے، کیا تم اپنی یہ بکریاں دے سکتے ہو؟ اس کے عوض ہم تمھیں نقد قیمت بھی دیں گے اور افطار کے لیے گوشت بھی، اس نے کہا: یہ بکریاں میرے آقا کی ہیں، اس کی اجازت کے بغیر میں ان میں تصرف نہیں کرسکتا، آپؓ نے فرمایا: اس جنگل وبیابان میں تمھیں کون دیکھ رہا ہے؟ بکریاں ہمارے حوالے کردو، اور کوئی بہانہ گھڑ کر آقا کے عتاب سے بچ جانا، اس نے ایک سرد آہ بھری اور آسمان کی طرف انگلیاں اٹھا کر ''**فأین اللہ فأین اللہ**'' کی رٹ لگاتا ہوا چل دیا۔

اس امانت داری اور تقوے کو دیکھ کر آپؓ کے دل میں اس کی محبت ایسی رچ بس گئی کہ مدینہ واپسی کے بعد اس کے آقا سے ملاقات کی اور بکریوں سمیت اُسے خرید کر آزاد کردیا، اور تمام بکریاں بھی ہدیتاً عنایت فرمائیں، اور جب بھی اس واقعے کا ذکر فرماتے تو روتے جاتے اور تعجب کے ساتھ اس جملے کا تکرار فرماتے جاتے کہ: ایک چرواہا کہتا ہے: ''**فأین اللہ فأین اللہ**''۔

اختلافِ امّت سے اجتناب

آپؓ انتہائی صلح پسند اور امن دوست تھے، اختلاف وانتشار سے طبعاً نفرت کرتے تھے، اسی لیے جب امتِ مسلمہ میں اختلافات کا لاوا پھٹ پڑا، اور مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے مدِّ مقابل استعمال ہونے لگیں، تو آپؓ نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک گوشہ میں پناہ پکڑ لی اور جو لوگ اس میں ملوث ہوئے ان کے بارے میں کڑھنا شروع کیا۔

ایک مرتبہ راستہ پر کچھ گنگناتے ہوئے چل رہے تھے، حضرت براء آپ کے پیچھے تھے، انہوں نے گنگناہٹ پر کان دھرا تو سنائی دیا کہ آپؓ یہ کہہ رہے ہیں: ہائے افسوس! ہائے مصیبت! مسلمان کندھوں پر تلواریں رکھے آپس میں کٹ مرتے ہیں اور مجھ سے کہتے کہ ابنِ عمر! لاؤ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

خانہ جنگی کے زمانے میں آپؓ کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں نفرت اور انتشار کی چنگاری دبی ہوتی وہاں سے خاموشی کے ساتھ گذر جاتے کہ کہیں شعلۂ جوالہ نہ بن جائے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضرت امیرِ معاویہؓ نے دعویٰ کیا کہ: منصبِ خلافت کا ہم سے زیادہ حقدار کون ہے؟ مجھ سے رہا نہ گیا اور خیال آیا کہ جواب دے دوں کہ تم سے زیادہ استحقاق اُس شخص کا ہے جس نے تمہیں اور تمہارے والد کو مارا تھا، معاً یہ خدشہ بھی آدھمکا کہ اِس طرح جواب دینے سے تو اختلاف کی آگ کو ہوا ملے گی اور اس کے شرارے مزید بھڑکیں گے؛ اس لیے چپی سادھ لی۔

اس کے برعکس مصالحت آفریں اور امن وامان کا پیغام لے کر آنے والے

معاہدوں پر بلا تأمل دستخط کر دیتے اور اُس وقت کسی عہدے یا منصب کے ہاتھ سے نکلنے کی ذرا بھی پروانہ کرتے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ: جو شخص ”حي علی الصلاۃ“ کی ندا لگا کر مجھے نماز کی دعوت دیتا ہے تو میں فوراً قبول کر لیتا ہوں اور جو ”حي علی الفلاح“ کہہ کر مجھے کامیابی کی طرف بلاتا ہے تو میں لبیک کہہ کر اس کی طرف لپکتا ہوں؛ لیکن جو شخص ”حي علیٰ قتل أخیک المسلم و أخذ مال“ کی پکار بلند کر کے مجھے مسلمان بھائی کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنے پر ابھارتا ہے میں اس کی پکار پر کان نہیں دھرتا۔

ایک روز کسی نے کہا کہ: اگر آپ خلافت کے امیدوار بنتے تو دو شخص بھی آپ کی خلافت میں اختلاف نہ کرتے، آپؓ نے جواب دیا: میں تو اس بات کو بھی ناپسند سمجھتا ہوں کہ ایک شخص میرے حق میں رائے دے اور دوسرا اس کی مخالفت کرے۔

آپؓ کی اسی فطری صلح پسندی کا نتیجہ تھا کہ باوجود تمام امورِ سلطنت سے کنارہ کشی کے جب حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت امیرِ معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے اختلافات کے رفع کے لیے قدم اٹھایا اور مجلسِ تحکیم کا انعقاد کیا تو آپؓ بھی جائے واقعہ پر تشریف لے گئے؛ تاکہ مصالحت کی کوششوں میں کچھ حصہ لگ جائے، آپؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی، حضرت عبدالرحمٰن بن عبدِ یغوث زہریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے کبارِ صحابہ بھی وہاں موجود تھے، جب دونوں حکموں کی نگاہ ان حضرات پر پڑی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر مستحقِ

خلافت کوئی نظر نہیں آیا، چناں چہ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ سے زیادہ خلافت کا کوئی حقدار دکھائی نہیں دیتا، اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا: ہم بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

اسی طرح جب حضرت معاویہؓ وحسنؓ کے مابین دومۃ الجندل کے مقام پر معاہدۂ صلح طے پایا تو حضرت حفصہؓ نے آپ کو اس میں شریک ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ: تمہارے لیے مناسب نہیں کہ امتِ مسلمہ کے مابین طے شدہ سمجھوتے سے پیچھے رہو، اس معاملے میں شرکت سے اگرچہ تمہارا کوئی فائدہ نہیں، مگر پھر بھی تم کو شریک رہنا چاہیے؛ اس لیے کہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور اس کا امکان ہے کہ تمہارا علیحدہ رہنا ان کے درمیان مزید اختلاف پیدا کردے۔ آپؓ اس سنہرے موقع کو کب ہاتھ سے گنوا سکتے تھے! وہاں حاضر ہوئے اور امن پسندی کا ثبوت دیا۔

آپؓ کو علم تھا کہ منیٰ میں قیام کے دوران عصر کی نماز قصر کر کے پڑھی جائے گی؛ اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا؛ لیکن حضرت عثمانؓ کا عمل اس کے برعکس تھا، وہ بہ جائے قصر کے اتمام کیا کرتے تھے۔ آپؓ جب ان کے ساتھ ہوتے تو اختلاف سے بچنے کے لیے اپنا مذہب چھوڑ کر اتمام کر لیتے۔ ہاں! تنہا ہونے کی صورت میں اہتمام سے قصر کرتے۔

آپؓ خود تو خلافت کے جھمیلوں میں نہ پڑتے؛ لیکن جو شخص بھی خلیفہ نامزد ہوتا اس کے ہاتھ پر بلا چوں وچرا بیعت کر لیتے، اس کے پیچھے نماز ادا کرتے اور

اس کے عاملین کو زکاۃ بھی ادا کرتے، ان تمام کاموں سے آپؓ کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ امت میں کوئی نیا فتنہ یا فرقہ سر نہ ابھارے۔ یزید کی بیعت کے موقع پر اس مقصد کا صراحتاً اظہار بھی کر دیا تھا کہ باہمی اختلافات اور فتنہ فساد سے بچنے کے لیے میں نے بیعت کی ہے، اگر اس میں بھلائی ہے تو ہمارے لیے سرمایۂ فرحت ثابت ہوگا، اور اگر برائی ہے تو ہم صبر کے گھونٹ پینے پر بھی راضی ہیں۔

خود حضرت امیرِ معاویہؓ بھی آپ کی اس امن پسند اور صلح جو طبیعت سے واقف تھے؛ اس لیے اپنے صاحبزادے کو یہی وصیت کی تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بلا وجہ الجھنا، وہ عبادت گذار، دنیا سے بیزار اور امن کے پرستار ہیں، جب سب لوگ بیعت کرلیں گے تو وہ بھی جماعت کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

اس خلوصِ نیت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید سے برأت کا اعلان کر دیا اور فسخِ بیعت کا سلسلہ جنگل کی آگ کی طرح ان کے درمیان پھیل گیا تو آپؓ نے ہنگامی طور پر اپنے اہل وعیال کو بلا کر فرمایا کہ: میں نے یزید کے ہاتھ پر خدا ورسول کے لیے بیعت کی ہے، میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر دھوکے باز کے سامنے ایک ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جو اس کی فریب کاری کا نشان ہوگا، اور سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اس طور پر شرک کیا جائے کہ کسی شخص کے ہاتھ پر خدا ورسول کے لیے بیعت کر کے اس کو فسخ کر دیا جائے۔ اس کے بعد فیصلہ کن لہجہ میں کہا: خبردار! تم میں سے کوئی شخص اپنی بیعت نہ توڑے، اگر کسی نے بیعت توڑ ڈالی

تو میرے اور اس کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

حضرت عبداللہ بن دینار کا بیان ہے کہ: میں حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ کے پاس موجود تھا جب لوگ عبدالملک بن مروان یعنی اس کے باپ مروان بن حکم کے مرنے کے بعد اسے بادشاہ تسلیم کرلیا۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے اسے خط لکھا: میں اللہ کے بندے عبدالملک امیر المؤمنین کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا اقرار کرتا ہوں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق جہاں تک مجھ سے ہوسکا اور میرے لڑکوں نے بھی ایسا ہی اقرار کیا ہے۔

علمی اختلافات اور بحثا بحثی میں بھی زیادہ دلچسپی نہ لیتے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی جس طرح مسئلہ سنتے اسی کے موافق عمل درآمد کرتے؛ لیکن اگر کسی صحابی کا عمل اس کے برخلاف ہوتا تو اس کی تردید نہ کرتے اور فرماتے کہ: ''الخلاف منکر'' یعنی اختلاف ناپسندیدہ ہے۔

تواضع وانکساری

آپؓ تواضع وانکساری اور عاجزی وبے نفسی کے پتلے تھے، آپ کے قول وعمل میں تواضع اور خاکساری کے اثرات نمایاں تھے، امیر وغریب اور چھوٹے بڑے کے درمیان فرق کیے بغیر ہر ایک کو سلام کرنے میں پہل کرتے، اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔ بازار میں صرف اس لیے تشریف لے جاتے کہ ابتدا بالسلام کا اجر وثواب حاصل کریں اور کبر ونخوت کے گرد وغبار

سے پاک رہیں۔آپؓ کے مصاحبِ خاص حضرت طفیل بن کعبؓ کی شہادت ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ بازار جا کر ہر ایک کو سلام کرتے تھے،ایک دن میں نے پوچھا: آپ کچھ لین دین تو کرتے نہیں اور نہ ہی کسی دکان پر بیٹھتے ہیں،تو پھر روزانہ بازار جانے کا کیا مقصد؟ فرمایا: لوگوں کو سلام کرنا۔

فقرا ومساکین کے ساتھ نشست وبرخاست رکھتے تھے، اُن مجالس میں شرکت کرنے سے گریز کرتے ، جہاں لوگ آپ کے لیے تعظیماً کھڑے ہوتے ہو، اگر اتفاقاً وہاں سے گذر ہوتا اور لوگ کھڑے ہوجاتے تو ان کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کردیتے۔

اپنے شاگردوں کی خدمت میں بھی جھینپ محسوس نہ کرتے۔مجاہدؒ کا بیان ہے کہ: میں حضرت ابنِ عمرؓ کے ساتھ سفر میں ہوتا تو وہ اپنے کام خود ہی انجام دیا کرتے تھے،اس پر مستزاد یہ کہ میرے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے ،اگر مجھے سوار ہونے کی حاجت ہوتی تو اونٹ کا پاؤں دبا کر میرے لیے سوار ہونا آسان کردیتے۔

مجاہدؒ ہی کا بیان ہے کہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ جو کام خود کر سکتے تھے وہ دوسروں سے نہ کراتے؛حتی کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے تھے، گھر بھی اپنے ہاتھ سے بناتے تھے۔خود فرماتے تھے کہ: میں نے بلا کسی اعانت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا تھا۔

اپنے غلاموں کو بھی قابلِ احترام سمجھتے ان کے ساتھ آزادوں کا سا سلوک کرتے ،خط وغیرہ میں ان سے پہلے اپنا نام لکھنے کی اجازت نہ دیتے،ان کو باقاعدہ

یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی مجھے لکھیں، پہلے اپنا نام لکھیں، پھر میرا۔

آپؓ کو خودسرائی سے بہت زیادہ نفرت تھی، اگر کوئی شخص منہ پر تعریف کرتا یا تعریف کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتا تو ایسا جواب دیتے کہ وہ دوبارہ اس طرح کرنے کی جرأت نہ کر پاتا۔ ایک دن کسی مداح نے آپؓ کے سامنے تعریف کی تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: منہ پر (سامنے) تعریف کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈال دیا کرو۔

ایک دفعہ ایک عقیدت مند نے دریافت کیا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: جو تم کہو، اس نے کہا: آپ ''سبط'' بھی ہو اور ''وسط'' بھی، آپؓ نے فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: سبحان اللہ! ''سبط'' تو بنو اسرائیل تھے اور ''وسط'' امتِ محمدیہ ہے، ہم قبیلۂ مضر کے درمیانی لوگ ہیں، جو کوئی اس سے زیادہ رتبہ ہمیں دیتا ہے وہ سراسر جھوٹا ہے۔

نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ سے کہا: اے لوگوں میں سے بھلے! یا یوں کہا کہ: اے لوگوں میں سے بھلے کے بیٹے! تو حضرت عبداللہ ابنِ عمرؓ نے فرمایا کہ: نہ تو میں لوگوں سے زیادہ بھلا ہوں اور نہ لوگوں میں سے بھلے کا بیٹا؛ لیکن میں اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اللہ سے امید لگائے ہوئے ہوں اور اللہ سے ڈرتا بھی ہوں، خدا کی قسم! تم ایک آدمی کی مدح کے پیچھے پڑے رہو گے اور اسے تباہ کر کے چھوڑو گے۔

حق گوئی و بے باکی

آپؓ انتہائی راست گو اور حق پسند تھے، اظہارِ حق کے بارے میں نہ جابروں

کے ظلم وجور سے گھبراتے اور نہ ملامت گروں کی لعنت وملامت کو خاطر میں لاتے، بادشاہوں کا مصنوعی رعب ودبدبہ، جلاّدوں کی چمکتی ہوئی تلواریں اور دربارِ سلطنت کا ہیبت ناک منظر آپؓ کی زبان میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ پیدا نہ کر پاتا، جو بات حق ہوتی اس کو بیان کر کے ہی دم لیتے، اسی زبانِ حق گو کے ذریعے بنوامیہ کے بڑے بڑے امرا کا غرور خاک میں ملا دیا، بالخصوص حجاج بن یوسف کی خوں آشام تلوار تلے حق وصداقت کے ترانے اِس ہمت وجرأت سے گائے کہ اس کا جینا دو بھر ہو گیا۔ آخر میں تھک ہار کر اس نے آپؓ کے قتل کی سازش رچی جیسا کہ وفات کے ضمن میں تفصیل سے آچکا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ

اس جرأت وبے باکی کو دراصل اُس جذبۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے تقویت ملی تھی جو قسامِ ازل نے آپ کو عنفوانِ شباب ہی سے دے رکھا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی فراست وبصیرت کے ذریعے اس کو جان لیا تھا؛ اس لیے جب کبھی ضرورت پیش آتی اس کو بروئے کار لانے کی ترغیب دیتے۔

چناں چہ مسندِ احمد میں واقعہ لکھا ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مربد (کھجور سکھانے اور شراب بنانے کی جگہیں) کی طرف روانہ ہوئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ساتھ ہو لیے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے داہنی طرف چلنے لگے، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی ان سے آ ملے تو آپؓ ان کے ادب واحترام میں پیچھے ہٹ گئے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بائیں طرف چلنا شروع کیا،

ابھی کچھ ہی چلے تھے کہ سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آکر اس کارواں میں شامل ہوگئے، آپ رضی اللہ عنہ اپنے والد کی تعظیم میں پیچھے کو ہوگئے اور ان کو بائیں طرف چلنے کا موقع دیا، اس کے بعد یہ چاروں حضرات آگے بڑھتے رہے؛ حتی کہ مربد پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ: وہ تمام شراب کے مَشک لے آؤ جو یہاں پر ہے اور چھری ساتھ لے آنا، جب یہ سب حاضرِ خدمت کر دیا گیا تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواں سال ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ان کو پھاڑ کر ساری شراب بہا دو، پھر ارشاد فرمایا: شراب، شراب پینے والے، خرید وفروخت کرنے والے، اٹھا کر لے جانے والے اور جس کے پاس لے جایا جا رہا ہے وہ، انگور وغیرہ سے نچوڑ کر نکالنے نکلوانے والے اور اس کو بیچ کر قیمت کھانے والے پر میری طرف سے لعنت ہے۔

مسندِ احمد ہی میں مزید تفصیل یوں منقول ہے کہ: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو چھری لانے اور اس کو دھار کرنے کا حکم دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی، پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ چھری اُن ہی کے ہاتھوں تھما دی اور فرمایا کہ: کل صبح سویرے میرے پاس لے آنا، دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو لے کر مدینہ کے بازاروں میں گئے، جہاں شام سے منگوائی ہوئی شراب کے مشک رکھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے چھری لی اور اپنے دستِ بابرکت سے ان مشکیزوں کو پھاڑ دیا۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر نظرِ انتخاب ڈالی اور نوخیز ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرما کر چھری انہیں عنایت کر دی کہ تمام بازاروں کا چکر لگاؤ، جہاں

کہیں شراب کا مشکیزہ نظر آئے پھاڑ ڈالو۔ اور دیگر صحابہ کو بھی حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ مدینہ کے دیگر بازاروں میں جائیں اور شراب بہانے میں ان کی مدد کریں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں ہر بازار میں گیا اور سارے مشکیزوں کو پھاڑ کر بہا آیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ابتداءً حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے؛ لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کو ٹوکتے رہے؛ مگر جب وہ نہ مانا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔

ایک مرتبہ حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو احمق کہا، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ: تو خود احمق ہے اور لوگوں پر بلائے آسمانی ہے۔

یہاں آپ کی حق گوئی کا ایک اور واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ: تختِ خلافت پر ایک اموی سلطان براجمان تھا، زمامِ اقتدار بنوامیہ کے ہاتھوں میں تھی، بنو ہاشم اور اہلِ بیتِ رسول کے خلاف نفرتیں پھیلائی جارہی تھیں، ان کی تحقیر واہانت کے موضوع پر باقاعدہ مجلسوں کا انعقاد کیا جارہا تھا، ایسے مخالف ماحول میں عراق کا ایک باشندہ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا: مچھر کے خون کا کفارہ کیا ہے؟ آپؓ نے پوچھا: تم کہاں سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: عراق سے، آپؓ نے فرمایا کہ: دیکھو! یہ شخص مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھ رہا ہے، حالاں کہ ان ظالموں نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دھوکا دے کر بے دردی سے شہید کیا، جن کی تعریف میں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: یہ دونوں (حسن وحسینؓ) میرے گلشنِ دنیا کے دو پھول ہیں۔

ظاہر میں اس واقعہ سے آپؓ کی جرأت وبے باکی کا کوئی خاص ثبوت نہیں ملتا؛ لیکن جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہ بھی بڑے جگر گردے کا کام معلوم ہوتا ہے۔

استغنا وخودداری

اس شیر دلی اور بلند ہمتی کے پیچھے جو عنصر کارفرما تھا وہ تھا استغنا وخودداری، آپؓ نے بادشاہوں اور امرائے سلطنت کے خزانوں سے کوئی غرض وابستہ نہ رکھی، اور نہ ان کے مال ودولت کی طرف کبھی نظرِ غلط اٹھا کر دیکھا؛ بلکہ ان کی طرف سے آنے والی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

ایک مرتبہ حضرت امیرِ معاویہؓ نے آپؓ کی خدمت میں ایک لاکھ کی خطیر رقم بھیجی، آپؓ نے اس کو لینے سے صاف انکار کردیا، اسی طرح کسی موقع پر عبد العزیز بن ہارون نے آپ کو خط لکھا کہ: کوئی حاجت وضرورت ہو تو مجھے اطلاع کردینا، آپؓ نے جوابی خط لکھا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: اپنے دست نگروں کا خیال رکھو، اوپر کا یعنی دینے والا ہاتھ نیچے کے یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے، میں تیرے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا؛ لیکن اُس مال کو واپس بھی نہیں کرتا جو مجھے اللہ نے اشرافِ نفس کے بغیر عطا کیا ہے۔

عوام الناس سے کچھ مانگنا تو درکنار قرض لینا بھی گوارا نہ کرتے، اگر کبھی

شدتِ احتیاج کی بنا پر یہ قدم اٹھانا ہوتا تو ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ رقم زیادہ دے دیتے؛ تاکہ بہ ظاہر سوال کا جو دھبہ لگا تھا وہ بھی دھل جائے۔

عطا کہتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضرت ابنِ عمرؓ نے مجھ سے دو ہزار درہم قرض لیے، جب ادائیگی کا موقع آیا تو دو سو درہم زیادہ دیے، میں نے واپس کرنا چاہا تو فرمایا کہ: وہ تمہارے لیے ہیں۔

اسی طریقے سے ایک مرتبہ کسی صاحب سے کچھ قرضہ مانگا، انہوں نے تھوڑے کم درجہ کے درہم پیش کیے؛ لیکن آپؓ نے واپسی کے وقت کھرے اور عمدہ درہم دے کر اس پر احسان کیا، اس نے کہا بھی کہ یہ درہم میرے درہموں سے زیادہ عمدہ ہیں، فرمایا: ہاں! میں نے عمداً ایسا کیا ہے۔

استقامت و پامردی

آپؓ کے آہنی قدموں میں وہ ثباتِ اور جماؤ تھا کہ حوادثات کا سیلِ تند اور انقلاب کا بگولہ بھی ان میں ذرا برابر لرزہ پیدا نہ کرسکا، جس عمل کو اختیار کیا اس پر ہمالیہ کی طرح جمے رہے۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے آپؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اگر عبداللہ راتوں کو نماز پڑھنے لگے تو کتنا بہتر ہوگا؟ آپؓ کو علم ہوا تو فوراً عمل کرنا شروع کردیا، اور تا دمِ آخر اس پر قائم رہے، جن لوگوں نے آپؓ کو قریب سے دیکھا تھا اور آپؓ کی پوری زندگی کا مطالعہ کیا تھا، وہ اس بات کا علی الاعلان اعتراف کرتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں آپ کا جو طرزِ معیشت تھا

موت تک اسی سے وابستہ رہے۔

حضرت ابوحذیفہؓ کہا کرتے تھے کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، سوائے حضرت عمر اور ان کے صاحبزادے عبداللہ کے کہ وہ اپنے پرانے ڈھپ پر قائم ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں جو حالت وکیفیت ہوتی تھی اس کے سب سے بڑے محافظ حضرت ابنِ عمرؓ ہیں۔

والدِ بزرگوار کی خدمت، صلہ رحمی

آپؓ اپنے والدین کا خوب ادب واحترام کرتے، ان کے حقوق کا مکمل پاس ولحاظ رکھتے، خصوصاً والدِ بزرگوار کی تو بے حد تعظیم کرتے، ان کے سامنے چلنا خلافِ ادب قرار دیتے، ان کے سامنے لب کشائی نہ کرتے۔

بیوی بچوں پر ان کے حقوق مقدم رکھتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے کسی اہلیہ کے متعلق حکم دیا کہ: اس کو طلاق دے دو، آپؓ نے ذرا بھی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا؛ حالاں کہ وہ آپ کو بہت زیادہ محبوب تھی؛ البتہ صرف مشورہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میری زوجیت میں ایک عورت ہے جس سے میں حد درجہ پیار کرتا ہوں؛ لیکن میرے والد کو اس کے طور وطریق نہیں بھاتے؛ اس لیے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کو طلاق دے دو، اے اللہ رسول! اب میں کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے عبداللہ! والد کی چاہت کے مطابق طلاق دے دو، حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ سنتے ہی آپؓ نے اپنی خواہش کو والد کی خواہش سے تحلیل کر دیا اور بیوی کو طلاق دے کر جدا کر دیا۔

واضح رہے کہ یہ حکم حضرت عمرؓ کے ساتھ خاص تھا؛ ورنہ بلا کسی شرعی عذر کے محض والدین کی ایما پر اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز نہیں۔

والدِ گرامی کے اعزہ واقارب اور دوست احباب کا بھی خیال رکھتے۔ ایک مرتبہ سواری پر بیٹھ کر کہیں جا رہے تھے، ابنِ دینارؒ بھی ہم رکاب تھے۔ راستے میں ایک بدو سے ملاقات ہوئی، آپؓ نے اُسے سلام کیا، پھر نیچے اترے اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو عنایت فرمایا۔ اس دریا دلی پر ابنِ دینار کو بڑا تعجب ہوا، کہنے لگے: یہ لوگ معمولی چیز سے بھی خوش ہو جاتے ہیں، اتنا قیمتی سامان دینے کی کیا ضرورت تھی؟ آپؓ نے فرمایا کہ: اس کے والد میرے والد کے دوست تھے اور میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے۔

اسی طرح اگر والدِ محترم کی طرف سے کوئی تحفہ آجاتا تو خوش دلی سے قبول فرماتے اور ان کا شکریہ ادا کرتے، اسی طرح رشتے دار کا خیال رکھتے، ایک مرتبہ آپؓ کی پھوبھی حضرت رملہؓ نے دوسو درہم ہدیہ میں دیے، آپؓ نے قبول کر کے سر آنکھوں پر رکھے اور دعا دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والدِ محترم کی وفات کے وقت سائے کی طرح آپ کے پاس رہے، وصیت سے لے کر سیدہ امّاں عائشہؓ سے حجرۂ رسول میں

تدفین کی اجازت تک کے جملہ امور حضرت ابنِ عمرؓ ہی کے واسطے سے پایۂ تکمیل کو پہنچے، یہاں تک کہ وفات کے وقت حضرت عمرؓ کا سر آپ ہی کی ران پر تھا، بالکل اخیری وقت میں حضرت عمرؓ نے کہا: میرا سر زمین پر رکھ دو، بیٹے نے عرض کیا: ابا جان! اس میں کیا حرج ہے کہ آپ کا سر میری ران پر رہے؟ تعمیلِ ارشاد نہ ہوتے دیکھ کر سخت لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: میرا سر زمین پر رکھ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: جوں ہی میں نے آپ کا سر زمین پر رکھا تو آپ اپنے رخسار زمین پر ملتے ہوئے رونے لگے اور کہنے لگے: ہائے میری خرابی و بربادی! میرا کیا ہوگا، اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہ کیا تو۔

خلقِ خدا پر شفقت

آپؓ یتیموں کے کفیل، غریبوں کے والی، بے سہاروں کے آسرا، رہ گذروں کے دست گیر اور نالہ کشوں کے دادرس تھے، آپ کا دستِ شفقت غمزدوں کے دل کو تسکین پہنچاتا، مصیبت کے مارے ہوؤں کی مرہم پٹی کرتا اور زمانے کے ستائے ہوؤں کی اشک شوئی کرتا، غلاموں کے ساتھ تو آپؓ کا برتاؤ اپنائیت سے لبریز ہوتا، ان کو اپنے خاندان کا ایک فرد خیال کرتے، اپنے بال بچوں کی طرح ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے؛ حتی کہ اپنے دسترخوان پر بٹھا کر انہیں کھانا کھلاتے۔

ایک مرتبہ ان کو کھانا کھلانے میں دیر ہوگئی، آپؓ کو علم ہوا تو سخت برہم ہوئے اور خانساماں کو حکم دیا کہ اسی وقت ان کے لیے دسترخوان بچھا دو؛ اس لیے کہ انسان کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ اپنے غلاموں کے خورد و نوش پر توجہ نہ دے۔

غلام کو سینے سے لگایا

حلیۃ الاولیاء میں ہے، ابوجعفر قاریؒ فرماتے ہیں کہ: مجھ کو میرے آقا نے حکم دیا کہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سفر میں نکلوں اوران کی خدمت کروں، ابو جعفر کہتے ہیں کہ: جس پانی کے کنارے حضرت ابنِ عمرؓ اترتے وہاں کے رہنے والوں کو بلاتے، ان کے ساتھ کھانا کھانے اوران کو کھلاتے، ان کے بڑے بڑے لڑکے بھی داخل ہوتے اور ساتھ کھاتے، کسی آدمی کے پلّہ دولقمہ اور کسی کے پلّہ تین لقمے پڑتے۔ دورانِ سفر آپ جحفہ میں اترے، لوگ جمع ہوئے، ایک حبشی غلام ننگا آیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو بھی بلایا، اس غلام نے کہا: مجھے کوئی جگہ نہیں ملتی، لوگ تو بہت بھیڑ لگا کر جمع ہوئے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹے اور اس غلام کو اپنے سینے سے لگایا۔

غلاموں کو نہ زدوکوب کرتے اور نہ لعن طعن۔ سالم کا بیان ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ نے کبھی کسی غلام پر لعنت نہیں بھیجی۔ ایک مرتبہ ”العن“ کہنے ہی جارہے تھے کہ زبان کھینچ لی اور فرمایا: میں ایسی غلط بات کہنے جارہا تھا جس کا کہنا میرے لیے جائز نہ تھا۔ تاہم اگر کبھی شدتِ غصب کی وجہ سے کوئی نازیبا جملہ یا حرکت سرزد ہوجاتی تو افسوس کے مارے بطور تلافی اس کو آزاد کر دیتے۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر غلام آزاد کر دیتے تھے، اگر غلام عابد زاہد نظر آتا تو بھی اس کو آزاد کر دیتے۔ اِس طرح آپؓ نے اپنی زندگی میں تقریباً ایک ہزار یا اس سے

زیادہ غلاموں کو آزاد کیا۔

حلم وبردباری

آپ رضی اللہ عنہ صبر وشکیب کا مجسمہ اور حلم وبردباری کے پیکر تھے، اپنی قوتِ برداشت کے بل بوتے پر بڑی بڑی مصیبت کو ریزہ ریزہ کر چھوڑتے، اور عفو ودرگذر کے ہتھیار سے جانی دشمنوں کو بھی رام کر دیتے، مخالفین کی قولی یا فعلی ایذاؤں کا جواب آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صرف اور صرف خاموشی تھا، جو آپ کو گالی دیتا یا عار دلاتا، اس کو بھی اُف تک نہ کہتے۔

ایک مرتبہ کسی منہ پھٹ نے آپ رضی اللہ عنہ پر گالیوں کی بوچھار کردی، اور آپ کے خاندان پر خوب کیچڑ اچھالا، آپ رضی اللہ عنہ خاموشی کے ساتھ سب کچھ سنتے رہے، اخیر میں صرف اتنا کہہ دیا کہ: بھائی! ہم لوگ عالی نسب ہیں۔

ایک بدتمیز نے آکر کہا کہ: آپ سے بڑا شر انگیز اور فتنہ پرداز امتِ محمدیہ میں کوئی نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نہ اس پر غصہ ہوئے اور نہ کوئی بدلہ لیا؛ بلکہ صرف یہ کہا کہ: واللہ! نہ میں نے مسلمانوں کا خون بہایا، نہ ان کی جماعت میں اختلاف ڈالا اور نہ ان کی طاقت کو منتشر کیا۔

فراست ودانائی اور صبر وحکمت

ذکاوت ودانائی اور فراست ودور اندیشی آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد سے میراث میں ملی تھی، بڑی سے بڑی اور پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں آپ رضی اللہ عنہ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، جس جگہ پہنچ کر اوروں کے قدم ڈگمگا جاتے وہاں آپ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما جاتا،

چناں چہ حضرت عمرؓ کی جانشینی کا جب مسئلہ کھڑا ہوا تو حضرت حفصہؓ نے آپؓ کو بتایا کہ: والدِ محترم اپنا کوئی نائب اور جانشین مقرر کرنے کے روادار نہیں ہے، بالفرض خلیفہ نامزد کیے بغیر اگر ان کا انتقال ہوگیا تو اگلے دن مسلمانوں کے حق میں سخت سے سخت تر ثابت ہوسکتے ہیں؛ لہٰذا تم سمجھا بجھا کر ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ جاتے جاتے اپنا نائب مقرر کردے، آپؓ آمادہ ہوگئے۔

آگے خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: والدِ بزرگوار سے مسئلۂ نیابت کے موضوع پر تبادلۂ خیال کرنے پر میں آمادہ تو ہوگیا، اور دوڑے دوڑے ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوا؛ مگر خوف کے مارے ایسا لگ رہا تھا کہ پہاڑ اٹھا رہا ہوں، قصہ مختصر! انہوں نے مجھ سے لوگوں کے حالات پوچھے اور میں نے تسلّی بخش احوال سنا دیے۔ کافی دیر بعد جب گھبراہٹ فرو ہوگئی اور ہم دونوں کے مابین بے تکلّفی کا سماں بندھ گیا تو میں نے عرض کیا: لوگ آپ کے متعلق چہ می گوئیاں کر رہے ہیں کہ آپ اپنا جانشین مقرر کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں؟ آپ ہی بتا دیجیے! اگر کوئی گلہ بان اپنے اونٹوں اور بکریوں کا ریوڑ چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آئے تو کیا وہ ریوڑ صحیح سلامت رہے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہے، اگر تم ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئے تو ان کا آپسی اتحاد ٹوٹ جائے گا اور ایک عظیم فساد برپا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کو یہ معقول استدلال بہت پسند آیا، کچھ دیر سوچ کر بولے کہ: اس عملے کا نگہبان خود اللہ تعالیٰ ہے، وہ اپنے بندوں کو ضائع نہ ہونے دے گا۔ جہاں

تک بات جانشین مقرر کرنے کی ہے تو اگر میں کسی کو جانشین نہ بناؤں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ رسول اللہ کا عملِ مبارک تھا اور اگر بنادوں تب بھی کوئی حرج نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسی طرح کیا تھا۔ یہ جملہ سن کر آپؓ نے حضرت عمرؓ کے ارادے کو بھانپ لیا اور سمجھ گئے کہ میرے ہمنوا نہیں ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ انہوں نے کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کی بجائے یہ ذمہ داری اکابر صحابہؓ کے کاندھوں پر ڈال دی۔

حضرت ابنِ عمرؓ بڑے صائب الرائے تھے، صحابہؓ کی جماعت میں آپ کی رائے کو امتیازی مقام حاصل تھا، حضرت زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ: اصابتِ رائے میں حضرت ابنِ عمرؓ ہم سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت ابنِ عمرؓ نے وفات کے وقت جو شوریٰ بنائی تھی ان کو تاکید کی تھی کہ عبداللہ سے رائے دریافت کرنا؛ لیکن اس کو خلیفہ نہ بنانا۔

صبر وحکمت کا ایک نمونہ درجِ ذیل روایت سے ملتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے حجاج کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، اس نے ایک ایسی بات بیان کی جو مجھے اچھی نہ لگی، میں نے ارادہ کیا کہ اس پر رد کروں؛ لیکن مجھے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول یاد آ گیا ''مؤمن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے''، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا: یارسول اللہ! آدمی اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ایسی بلا ومصیبت سے چھیڑ خانی کرے جس کی

اس میں طاقت نہ ہو۔

آپؓ کو حکمت و دانائی سے وافر حصہ ملا تھا، آپؓ کے کلام سے ایسی پُر حکمت اور دانائی کی باتیں مترشح ہوتیں جو طویل طویل خطبوں پر بھاری ہو جاتیں۔ ذیل میں آپ کے چند زریں اقوال کو درج کیا جاتا ہے:

(۱) سب سے آسان نیکی خندہ پیشانی اور شیریں کلامی ہے۔

(۲) علم تلاش کرو، چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔

(۳) دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے سے پہلے اپنے عیوب پر نظر ڈالو۔

(۴) جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو اسی طرح غصہ بھی پی جایا کرو۔

(۵) بندہ خواہ خدا کے نزدیک کتنا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو؛ مگر جب اس کو دنیا کا کچھ حصہ مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے۔

(۶) آدمی اُس وقت اہلِ علم کی جماعت میں شمار ہونے کے قابل ہوگا، جب وہ اپنے سے بلند آدمی پر حسد نہیں کرے گا، اپنے سے کم تر کو حقیر نہ جانے گا، اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا۔

(۷) اخلاق خراب ہوں گے تو ایمان بھی خراب ہوگا۔

(۸) گناہ کرنا چاہتے ہو تو وہ جگہ تلاش کرو جہاں اللہ موجود نہ ہو۔

(۹) عبادت کی لذت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تنہائی ڈھونڈو، دوستوں اور واقف کاروں سے علاحدگی اختیار کرو؛ مگر یہ اس وقت جب کہ روزی تلاش کر چکو اور اہل و عیال کو میٹھی نیند سونے کا موقع دے چکو۔

یہ تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے وہ نبوی اخلاق اور ملکوتی صفات جنہوں نے آپؓ کو لوگوں کی محبتوں کا مرکز اور عقیدتوں کا محور بنا رکھا تھا، جب گھر سے نکلتے تو قدم قدم پر لوگ سلام کرتے، ایک مرتبہ تحدیث بالنعمت کے طور پر اپنے شاگرد حضرت مجاہدؒ سے کہنے لگے کہ: لوگ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ سونے چاندی کے ڈھیروں سے بھی اسے خریدا نہیں جاسکتا۔

اس عقیدت و نیاز مندی کے سلسلے محض سلام ودعا پر منتہی نہ تھے؛ بلکہ علمی استفادے تک پھیلتے چلے جاتے تھے، طالبانِ علوم کشاں کشاں آپ کے پاس چلے آتے اور آپؓ کے علم وفضل سے مستفیض ہوتے، نیز یہ بھی دعا کرتے کہ: خدایا! ابنِ عمرؓ کی عمر دراز فرما اور جب تک ہماری جان میں جان ہے ان کے علوم سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرما۔

بیٹے کی تربیت میں والدِ گرامی کا کردار

اس باب کے آخر میں اس حقیقت کا انکشاف بھی بے جا نہ ہوگا کہ آپؓ کی شخصیت کی تعمیر میں آپؓ کے نبض شناس والد کا بڑا دخل رہا ہے، وہ آپ کی خاص تربیت فرماتے تھے، ان کی کوشش ہوتی تھی کہ میرے لڑکے کو میری وجہ سے کوئی زائد نفع نہ ہونے پائے، صاحبزادگی کا زعم پیدا نہ ہوجائے؛ اس لیے بہت سی مرتبہ ان کے جائز حقوق میں بھی تربیت کے خاطر کمی کردیتے تھے، ناجائز فائدہ اٹھانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں بنتا ہے۔

خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے

ہجرت کرنے والوں کے لیے چار ہزار درہم سالانہ وظیفہ چار قسطوں میں مقرر فرمایا اور میرا ساڑھے تین ہزار درہم، آپ سے کہا گیا کہ یہ بھی تو مہاجرین میں سے ہیں، پھر اس کا وظیفہ کیوں گھٹایا گیا؟ فرمایا کہ: اس نے اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کی تھی؛ لہٰذا یہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتا جنھوں نے تنہا ہجرت کی تھی۔ یہ روایت بخاری میں مذکور ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت اسلم، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ حضرت ابنِ عمرؓ کے وظیفے سے زیادہ مقرر کر رکھا تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والدِ محترم سے عرض کیا کہ: آپ نے اسامہ کو مجھ سے زیادہ کیوں دیا؟ خدا کی قسم! کسی جنگ میں وہ مجھ سے سبقت نہیں لے گئے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا: یہ اس لیے کہ اسامہ کے والد زید تمہارے باپ سے (یعنی مجھ سے) بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تھے اور اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے زیادہ محبوب تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب پر ترجیح دی۔

روایت میں ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ اور حضرت مقدادؓ کے درمیان کوئی جھگڑا ہوگیا، حضرت عبداللہؓ نے اُن کو کچھ برا بھلا کہا، حضرت مقدادؓ نے اُن کے والد سے شکایت کرڈالی تو حضرت عمرؓ نے نذر مان لی کہ ان کی زبان ضرور کاٹیں گے، جب حضرت عبداللہؓ کو اپنے والد کی جانب سے اس بات کا خطرہ ہوا تو اکابر صحابہؓ کو اپنے والد کے پاس سفارش کے لیے بھیجا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو؛

تا کہ میں اس کی زبان کاٹوں اور تا کہ یہ طریقہ بن جائے اور میرے بعد والا اس پر عمل کرے۔ جب کوئی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی کو گالی دیتا ہوا پایا جائے گا اس کی زبان ضرور کاٹی جائے گی۔

ابنِ ماجہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ آپؓ کے پاس آئے جب کہ آپؓ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ کو آپ نے صدرِ مجلس میں جگہ دی، انہوں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بسم اللہ پڑھی، پہلا لقمہ اٹھایا اس کے بعد دوسرا، پھر فرمایا: مجھے چکنائی والے کھانے کا مزہ محسوس ہو رہا ہے؛ لیکن وہ چکنائی گوشت کی نہیں، حضرت عبداللہؓ نے کہا: امیر المؤمنین! میں بازار عمدہ گوشت کی تلاش میں گیا تھا؛ تا کہ خرید لاؤں، عمدہ گوشت گراں دیکھا تو میں نے ایک درہم کا بودا گوشت خریدا اور اس کے لیے ایک درہم کا گھی۔ میرا خیال تھا کہ ہم میں سے ایک ایک کے حصہ میں ایک ایک ہڈی پڑ جائے گی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس یہ دونوں چیزیں جب کبھی جمع ہوئی ہیں ان میں سے ایک کو کھایا ہے اور دوسری کو صدقہ کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اس وقت آپ کھا لیجیے، آئندہ اب سے جب کبھی یہ دونوں چیزیں میرے پاس جمع ہوں گی میں ایسا ہی کروں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں؛ میں نہیں کھا سکتا۔

حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک اونٹ خریدا اور اسے چراگاہ میں چھوڑ آیا، جب وہ موٹا ہو گیا تو میں اسے لے کر مدینہ میں آیا، حضرت عمرؓ بازار میں داخل ہوئے، دیکھا کہ ایک موٹا اونٹ ہے، پوچھا: یہ اونٹ کس کا ہے؟ آپ

سے بیان کیا گیا کہ: عبداللہ بن عمرؓ کا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہنا شروع کیا کہ: عبداللہ بن عمرؓ کے کیا کہنے! واہ واہ امیر المؤمنین کا بیٹا ہے! بلاؤ اسے! میں بھاگا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: اے امیر المؤمنین! کیا بات ہے؟ پوچھا: یہ اونٹ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ اونٹ میں نے خریدا تھا اور اس کو چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور چراگاہ میں بھیجنے سے میرا مقصد وہی تھا جو تمام مسلمانوں کا ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: لوگوں نے کہا ہوگا امیر المؤمنین کے بیٹے کا اونٹ چراؤ، امیر المؤمنین کے بیٹے کے اونٹ کو پانی پلاؤ؛ لہٰذا اے عبداللہ! اس اونٹ کو بیچو، اپنا اصل مال لو اور منافع سارا مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردو۔

بابِ پنجم

فضائل ومناقب کے تمغے

حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنی عمر کا چوتھائی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ورفاقت میں گذارا، یہ شرفِ صحابیت ہی آپؓ کی فضیلت اور اظہارِ رفعت کے لیے کافی تھا، چہ جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مواقع پر آپؓ کے متعلق خصوصی فضائل بھی ارشاد فرمائے۔ صحیح بخاری میں واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ عنفوانِ شباب میں اکثر وبیشتر سونے کے لیے مسجد جایا کرتے تھے۔

فتحِ مکہ کے سفر کے دوران آپ ایک مقام پر ٹھہرے اور اپنے گھوڑے کو گھاس کاٹ کاٹ کر دینے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ کی نظر پڑی تو تعریف کرتے

ہوئے فرمایا: عبداللہ تو اچھے آدمی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے میرے لیے ایسا تکیہ ڈال دیا جس کا بھراؤ کھجور کی چھال سے تھا، مگر میں اس پر بیٹھا نہیں، وہ میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا۔

حضرت عمرو بن دینار نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک سفر میں وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے اور وہ حضرت عمرؓ کے ایک سرکش اونٹ پر سوار تھے جو بار بار نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی سے آگے بڑھ جاتا تھا، پس والدِ محترم نے فرمایا کہ: اے عبداللہ! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ اونٹ مجھے بیچ دو، حضرت عمرؓ عرض گذار ہوئے کہ: یہ آپ ہی کا ہے، آپ نے اُسے خرید لیا، پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عبداللہ! یہ تمہارا ہے، اس کا جو چاہو کرو۔

آپؓ کی فضیلت پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کے معاصر صحابہ اور تابعین بھی آپ کے فضل وکمال کے معترف تھے، آپؓ کی بلندیٔ مرتبت کے قائل تھے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ: عہدِ رسالت کی حالت وکیفیت کا عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ پابند کوئی نہ رہا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے تھے کہ: میں کسی کے متعلق جنّتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابنِ عمر ہیں۔ حضرت سلمہ بن عبد الرحمٰن فرماتے تھے کہ: ابنِ عمر کی وفات کے بعد ان کی نظیر نہیں مل سکی، وہ فضیلت

میں اپنے والد کے قریب تھے۔

جنت کی بشارت

آپؓ کی فضیلت پر اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپؓ کو دنیا ہی میں جنت کا مژدہ سنا دیا اور ساتھ ساتھ یہ خوشخبری بھی سنائی کہ ان کو بہشت میں بھی اپنے والدِ محترم کی معیت نصیب ہوگی۔

سیر اعلام النبلاء میں اس اجمال کی تفصیل یوں آئی ہے کہ ایک دفعہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کھجور کے باغ میں جلوہ افروز تھے، اتنے میں آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ آئے اور داخلے کی اجازت چاہی، آپ نے ساتھ موجود صحابہ سے کہا کہ: ان کو اجازت دے دو، اور یہ بشارت بھی سنا دو کہ تمہیں جنت نصیب ہوگی، کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ آئے، ان کے ساتھ ہی وہی سلوک کیا گیا، پھر حضرت عثمانؓ نے اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: ان کی بھی جنت کی سند دے دو، اور خداوندِ قدوس کا یہ محکم فیصلہ بھی گوش گذار کر دو کہ عنقریب تم پر ایک مصیبت آن پڑے گی، اس بات کو سن کر حضرت عثمانؓ پر گریہ وخندہ کی ملی جلی کیفیت طاری ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب دیکھا کہ آج ابرِ رحمت بڑی تیزی سے برس رہا ہے اور زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے انعامات کے پھول جھڑ رہے ہیں تو موقع کو غنیمت پا کر اپنا دامن بھی پھیلا دیا اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میرا کیا حال ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ: تم بھی اپنے والد کے ہمراہ جنت سے بہرہ ور ہوں گے۔

مسلم شریف میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں جو شخص خواب دیکھتا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کر دیتا تھا، میرے دل میں بھی یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو بیان کروں، اُس زمانہ میں، میں نوجوان لڑکا اور مجرد تھا اور مسجد میں سویا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا دو فرشتوں نے مجھ کو پکڑ لیا اور مجھ کو آگ کی طرف لے جا رہے ہیں، دیکھا تو آگ کنویں کی من کی طرح تھی اور جس طرح کنویں کے من پر دو لکڑیاں چرخی کے لیے کھڑی ہوتی ہیں اسی طرح کی لکڑیاں آگ کی من پر بھی ہے اور آگ کے اندر بہت سے آدمی تھے جن کو میں جانتا ہوں، یہ دیکھ کر میں نے ''أعوذ بالله من النار، ''أعوذ بالله من النار، ''أعوذ بالله من النار''، (آگ سے خدا کی پناہ طلب کرتا ہوں) پڑھنا شروع کیا، پھر ان فرشتوں سے جو مجھے پکڑ کر لے گئے تھے ایک اور فرشتہ آ کر ملا اور اس فرشتے نے مجھ سے کہا: تم ڈرو نہیں۔

میں نے اس خواب کو حفصہ سے بیان کیا اور حفصہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عبد اللہ بہترین آدمی ہے، کاش! وہ رات کو نماز پڑھا کرتا۔ سالم راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔

اسی کے قریب ایک اور خواب بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سناتے ہیں کہ: میں نے خواب میں دیکھا: میرے ہاتھ میں مخمل کا ایک ٹکڑا ہے، بہشت میں جس جگہ جانا چاہتا ہوں اس کی طرف اشارہ کرتا ہوں تو وہ مجھے لے کر اڑتا ہے اور اس جگہ لے

جاتا ہے۔میں نے اس خواب کا ذکر اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ ؓ سے کیا، انہوں نے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیرا بھائی نیکوکار شخص ہے یا فرمایا: عبداللہ نیکوکار شخص ہے۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر ''دخول الجنة في المنام''کا عنوان باندھا ہے، ''علمِ تعبیر الرؤیا'' کے مطابق بہشت میں داخل ہونے کے خواب کو ایک بشارت کی حیثیت حاصل ہے۔امام ابنِ سیرین فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دیکھے کہ وہ بہشت میں داخل ہوا ہے تو یقیناً وہ اس میں داخل ہوگا اور یہ اس کے لیے بشارت ہے، یہاں تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمادی۔

پیغام

حاصلِ کلام بس اتنا کہ ربِ منّان کی خصوصی عنایت اور اعمالِ حسنہ پر مواظبت کے ذریعے حضرت ابنِ عمرؓ نے بارگاہِ خداوندی سے رضامندی کا پروانہ حاصل کیا اور اعلامِ امّت کی زبانی اپنی فضیلتوں کا لوہا منوا کر اس دنیا سے کوچ فرما گئے، آپؓ تو پیوندِ خاک ہوگئے؛ لیکن اوصاف اور کمالات کی جھنڈیاں آسمان کی چوٹی پر آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ لہرا رہی ہیں، ان تمام کو اٹھالانا تو ہما شما کے بس کی بات نہیں؛ لیکن اس کی نقل کرنا ضرور ممکن ہے؛ بشرطیکہ ہم جمود و تعطّل کی یخ بستہ ہواؤں پر روک لگائیں، غفلت و سہل انگاری کے برفیلے تودوں کو اپنے عزائم کی تپش سے پگھلائیں اور اپنے اندر شاہین کا جگر اور عقاب کی سی قوتِ پرواز کا جذبہ پیدا کریں۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا		آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مصادر و مراجع

(۱) بخاری
(۲) مسلم
(۳) مشکوٰۃ شریف
(۴) موطا امام ملک
(۵) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب
(٦) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
(۷) الاصابہ فی تمییز الصحابہ
(۸) طبقات ابنِ سعد
(۹) تذکرۃ الحفاظ
(۱۰) سیر اعلام النبلاء
(۱۱) صفوۃ الصفوۃ
(۱۲) سیر الصحابہ
(۱۳) فضائلِ اعمال
(۱۴) عبداللہ بن عمر (دار القلم، دمشق)
(۱۵) سیرتِ عبداللہ بن عمر
(١٦) کاروانِ جنت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

از قلم:
نعمان یوسف احمد آبادی/ ثوبان یونس بمبوی

سوانحی خاکہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

نام: معاذ بن جبل۔

قبیلہ: قبیلۂ خزرج کا خاندان ادی بن سعد۔

کنیت: ابوعبدالرحمٰن (بیٹے کی طرف منسوب)۔

اسلام: ہجرتِ نبوی سے بہت پہلے۔

عمر بوقتِ اسلام: ۱۸/ سال۔

اولاد: حضرت عبدالرحمٰن۔

تعلیم: مذہبی، اخلاقی، علمی، عملی ہر قسم کی تعلیم سے بہرہ ور تھے۔

غزوات: بدر سے تبوک تک ہر غزوہ میں شرکت۔

ابتدائی مشاغل: حفظِ قرآن، امامت در مسجدِ بنوسلمہ۔

زندگی کے دور: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافتِ فاروقی تک کا زمانہ پایا۔

دورِ خلافت کے مشاغل: سفرِ شام، سفرِ حمص، مجلسِ ملکی کے ممبر، افواجِ شام کی سپہ سالاری۔

کل عمر مبارک: ۳۶/ سال۔

وفات: سنہ ۱۸ھ، طاعونِ عمواس میں۔

تدفین: اردن کے قریب مشہور شہر بیسان۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت معاذ بن جبلؓ

نعمان یوسف احمد آبادی/ ثوبان یونس بمبوی

جب نبوت کا آفتاب غروب ہوا تو وہ اپنے پیچھے ایسے ستارے چھوڑ گیا جن کی روشنی میں چلنے والا مسافر کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا، وہ کبھی نہ کبھی اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ جاتا ہے، اور کیوں نہ ہو؛ خود خالقِ کائنات نے ان کو ''آسمانِ ہدایت کے ستارے'' ارشاد فرمایا ہے۔ حدیثِ قدسی میں مذکور ہے: اے محمد! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں، تمام ستاروں میں نور ہے؛ لیکن بعض ستارے دوسروں سے زیادہ روشن ہے۔

ان ستاروں میں سے ایک ستارہ حضرت معاذ بن جبلؓ بھی ہیں، کون معاذ؟ جس نے عین جوانی میں دینِ اسلام کو اپنے گلے سے لگایا، جس نے اسلام سے سرشار ہونے کے بعد مدینۂ طیبہ کے گھر گھر سے بتوں کو نکال پھینکنے کی تحریک چلائی۔ جس کے بارے میں فرمانِ رسول ہے: ''خلوا القرآن من أربعة: ابن مسعود رضی اللہ عنہ وأبي، ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وسالم مولیٰ أبي حذیفة رضی اللہ عنہ'' (قرآنِ حکیم کا علم ان چار اشخاص سے حاصل کرو: عبد اللہ ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ)، جس کے رگ و ریشے میں علم ہی علم ہو، جس کی فقہی بصیرت کی شہادت دیتے ہوئے لسانِ فاروقی پکار اٹھتی ہے: ''من أراد الفقه فلیأت معاذا''۔ (جو دینی مسائل سیکھنا چاہتا ہو وہ معاذ ابن جبل کے

پاس چلا جائے) جس کی زندگی حبِّ رسول، جوشِ ایمان، شغفِ قرآن، شوقِ علم، جہاد فی سبیل اللہ، زہد وتقویٰ، صداقت وامانت، جود وسخا اور تفقہ فی الدین جیسے نمایاں ابواب سے بھری پڑی ہو، جسے ''امام الفقہاء، کنز العلماء اور عالمِ ربانی'' جیسے بہترین القاب سے نوازا گیا ہو۔ آیئے! تاریخ کے دریچوں سے اِس مقدس انسان کی حیاتِ طیبہ پر نظر ڈال کر اپنے لیے فلاح و بہبود کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

نام، نسب اور خاندان

آپ کا نام: معاذ، اور کنیت: ابوعبد الرحمٰن تھی، مدینۂ طیبہ کے مشہور ومعروف قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ ادیّ بن سعد سے آپ کا تعلق تھا، ''امام الفقہاء، کنز العلماء اور عالمِ ربانی'' آپ کے القاب ہیں۔ آپ کے والد کا نام: جبل تھا۔ والد کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یہ ہے: معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن ادیّ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن یزید بن جشم بن خزرج اکبر۔ آپ کی والدۂ محترمہ کا نام نامی اسمِ گرامی: ہند بنتِ سہل تھا، یہ قبیلۂ جہینہ سے تعلق رکھتی تھی، آپ رضی اللہ عنہ کے ننیہال والے مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان موجود بحرِ احمر کے ساحل کے قریب رہتے تھے۔

(معاذ بن جبل (عربی): ۱۳، دار القلم، دمشق)

یثرب میں اسلام کی شعائیں پھیلنے سے قبل ہی آپ کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ سعد بن علی کے دو بیٹے تھے: سلمہ اور ادیّ، سلمہ کی نسل سے بنو سلمہ ہے جن میں حضرت ابوقتادہ، جابر بن عبد اللہ، کعب بن مالک، عبد اللہ بن عمرو بن حرام

مشہور صحابہ رضی اللہ عنہم گزرے ہیں، ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں کو اس خاندان سے انتساب تھا؛ لیکن سلمہ کے بھائی ادیؔ کی نسل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے وقت صرف ایک فرزند تھا جس کی وفات پر خاندانِ ادیؔ کا چراغ ہمیشہ کے لیے گُل ہوگیا۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۳۹)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا گھر

بنواُدیؔ کے مکانات بنوسلمہ کے پڑوس میں واقع تھے، مسجدِ قبلتین ۔ جو تحویلِ قبلہ کے باعث اسلامی تاریخ میں ممتاز مقام کی حامل ہے۔ یہیں واقع تھی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا گھر بھی یہیں تھا۔ (جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۵۸۱)

نشو ونما

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ولادت کے کچھ عرصہ کے بعد جب آپ کے والد جبل کا انتقال ہوگیا تو آپ کی والدہ نے بنوسلمہ کے ایک آدمی جدّ بن قیس کے ساتھ دوسرا نکاح کیا جس کی بنا پر آپ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ساتھ اس کے گھر رہنے لگے اور وہیں پرورش پائی۔

جدّ بن قیس بنوسلمہ کے معزّز و برتر لوگوں میں شمار ہوتا تھا، لیکن یہ برتری ہضم نہ ہوسکی، بعد میں جا کر کھلے ہوئے منافقین میں اس کا شمار ہونے لگا تھا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جدّ بن قیس سے فرمایا: کیا تم اس جنگ میں شریک رہوگے؟ تو جدّ بن قیس کہنے لگا کہ: اے اللہ کے نبی! آپ مجھے جنگ میں شرکت سے معذور رکھو اور مجھے فتنہ میں مت ڈالو؛ اس لیے کہ بہ خدا!

میرے خاندان کے لوگ جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ عورتوں سے محبت رکھنے والا کوئی نہیں ہے، اور مجھے خوف ہے کہ اگر میں تبوک میں بنو اصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو صبر نہیں کر پاؤں گا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چہرۂ انور کو اس سے پھیر لیا اور اسے شریکِ جہاد نہ ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

علانیہ نفاق کے علاوہ اس میں دوسری خامی یہ تھی کہ یہ بہت بڑا بخیل تھا، خود اس کے قبیلے بنو سلمہ کے لوگ اس کو ''بخیل'' کہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو سلمہ سے ان کے سردار کے بارے میں پوچھا کہ: تمہارا سردار کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: جد بن قیس ہے جو بڑا بخیل ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بخل سے بڑھ کر کونسی بیماری ہوسکتی ہے۔

خدا کی شانِ ربوبیت تو دیکھیے کہ جدّ بن قیس جو منافق تھا، بخیل تھا، اس کے آنگن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسے دینِ اسلام کے داعی، موحّد ومتوکّل، رسول اللہ کے عاشق، علم کے حریص، مجاہد فی سبیل اللہ، فرمانِ نبوّت پر اپنی جان قربان کرنے والے، علم وسخاوت کے بحرِ ناپیدا کنار اور فقہِ اسلامی کے ایک بڑے مجتہد نے پرورش پائی، سچ ہے: ''یخرج المیت من الحي''۔

(معاذ بن جبل: ۱۴-۱۵، دار القلم دمشق)

قبولِ اسلام اور بیعتِ عقبہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فطرتِ سلیم سے نوازا تھا، چناں چہ مبلّغِ اول حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب مدینۂ منورہ پہنچے اور دینِ اسلام کی تبلیغ

واشاعت میں دن رات ایک کر دیا تو مدینہ کے در و بام اسلامی تعلیمات اور اس کی دعوت سے گونجنے لگے۔ یہ دعوتی صدا جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے گوشِ باہوش سے ٹکرائی تو آپ بغیر کسی کی پروا کیے عین عنفوانِ شباب میں کلمۂ طیبہ پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، اس وقت آپ اپنی عمر کے اٹھارہویں زینہ پر قدم رنجہ فرما چکے تھے۔

نبوت کے تیرہویں سال جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ عازمِ مکّہ ہوئے تو مدینۂ منورہ کی ایک قدسی صفات جماعت بھی ان کے ہمراہ ہوگئی، جن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے، پچھتر نفوس پر مشتمل یہ چھوٹی سی جماعت ایک رات عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئی اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو کر مشرف ہوئی۔ بعد میں یہی چند نفوسِ قدسی مدینہ پہنچ کر تبلیغِ اسلام میں پوری تندہی کے ساتھ مصروف ہو گئے اور رفتہ رفتہ اسلام کی شعائیں مدینہ میں پھیلنے لگیں۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۳۲)

جوشِ ایمانی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اُس وقت حوصلے تازہ اور ارادے مستحکم تھے، جوش وجذبے سے معمور اٹھارہ سال کے اس بے باک نوجوان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ مدینہ کے ہر گھر سے کس طرح بتوں کو نکال پھینکے اور مدینہ کا ہر فرد کیسے کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکل کر نورِ اسلام سے بہرہ ور ہو سکے۔ چناں چہ آپ ہی کے خاندان کی ایک شاخ بنو سلمہ کے کچھ نوجوانوں نے ہمت

کر کے اس کارِ عظیم کا بیڑا اٹھایا۔ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ ان سرفروشانِ اسلام اور عاشقانِ خیر الانام میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔

تاریخ کے سینے سے ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے: بنوسلمہ کے اکثر گھرانے دینِ اسلام کی روشنی سے منوّر ہو چکے تھے؛ لیکن معدودے چند گھرانے اب بھی ایسے تھے جو ابھی اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے کے لیے آمادہ نہ تھے، خود بنوسلمہ کے سردار عمرو بن جموح کو بتوں سے بے انتہا محبت تھی، انہوں نے خاص اپنے لیے ایک لکڑی کا بت خوبصورتی سے تراش کر بنوایا تھا، جس کا وہ خوب خیال رکھتے تھے اور صبح وشام اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر بنوسلمہ کے نوجوانوں نے عمرو بن جموح کو بت پرستی سے نکالنے کے لیے یہ کام کیا کہ جب وہ رات کو سو گئے تو ان کے گھر گئے اور ان کے بت کو شہر کے باہر نجاست وغلاظت میں پھینک دیا، جب صبح ہوئی تو وہ بڑے پریشان ہوئے اور اس کی تلاش میں نکلے بالآخر اسے گندگی اور بری جگہ پا کر سخت برہم ہوئے؛ مگر کس کو الزام دیتے، چپ چاپ اسے اٹھا کر اپنے گھر لے آئے، دھو کر خوشبو وغیرہ لگا کر اچھی طرح اسی پرانی جگہ پر رکھ دیا؛ مگر دوسرے دن بھی یہی معاملہ پیش آیا۔

جب ایسا بار بار ہونے لگا تو انہوں نے ایک رات زچ ہو کر بت کے گلے میں تلوار لٹکائی اور کہا کہ: میں نہیں جانتا کہ کون تیرے ساتھ یہ گستاخی کرتا ہے، اب تو خود اپنی حفاظت کر۔ اس رات پھر حضرت معاذ بن جبل اور ان کے ساتھی آئے

اور بت کو ایک مردہ کتے کے ساتھ باندھ کر نجاست سے بھرے ہوئے ایک کنویں میں الٹا لٹکا دیا، صبح حسبِ معمول جب وہ بیدار ہوئے تو نہ بت تھا نہ اس کی تلوار، خواہی نہ خواہی تلاش کے لیے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا بت مرے ہوئے کتے کے ساتھ نہایت غلیظ کنویں میں الٹا لٹکا ہوا ہے، یہ منظر دیکھ کر انہیں بت پرستی سے سخت نفرت ہوگئی اور گھر آ کر اسلام کی دولتِ عظمیٰ سے بہرہ یاب ہوئے۔

یہ تو ایک واقعہ تھا جو تاریخ کے سینہ میں محفوظ رہ گیا؛ ورنہ خدا جانے ایسے کتنے لوگ ہوں گے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی محنت سے کفر کی تپتی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزیں ہوئے۔ ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق سے نقل کیا ہے کہ: اس کارِ عظیم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ، حضرت ثعلبہ بن غنمہ رضی اللہ عنہ اور خود عمرو بن جموح کے فرزند حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ (حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے حالات پڑھنے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: بیس جنتی صحابہ از ص: ۵۷۵ تا ص: ۶۰۵، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

یہودیوں کو دعوتِ اسلام دینا

اپنے قبیلے سے فارغ ہو جانے کے بعد بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے جوشِ ایمان میں سرِ مو فرق نہیں آیا؛ بلکہ آپ کے دل میں ایمانی جوش وجذبہ اور بھڑک اٹھا کہ جس طرح مدینہ کے کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق بن گئے اسی طرح مدینہ میں مقیم یہودی بھی آستانۂ نبوی پر جھک جائے اور اسلام کی بیش بہا دولت سے سرفراز ہو جائے۔

چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ بنو سلمہ کے ایک فرد حضرت بِشر بن براء رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر

یہودیوں کے پاس گئے، یہودی رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے خوب بیان کرتے تھے؛ لیکن جب رب تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رشد وہدایت عطا کر کے مبعوث فرمایا تو وہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرنے لگے، اور تورات میں مذکورہ اوصاف کا بھی انکار کرنے لگے، یہ دوغلی پالیسی اور کھلی منافقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوسکی، چناں چہ ان کے مجمع میں پہنچ کر پورے جوش وولولے کے ساتھ دعوت کی صدا بلند کی اور انہیں غیرت دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''او یہودیو! جب ہم کافر تھے، ہمارا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا، اُس وقت تو تم ہمارے خلاف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے مدد طلب کرتے تھے، ہمیں بتلاتے تھے کہ وہ مبعوث ہو چکے ہیں اور تم ہمارے سامنے ان کے اوصاف کا خوب تذکرہ کرتے تھے، اب تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ان کو ماننے سے انکار کرتے ہو، تم اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردو، مسلمان ہوجاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ''۔

اس پر سَلاَّم بن مُشْکَم نامی یہودی کہنے لگا: ''جو چیزیں ہم جانتے تھے اور جس چیز کا ہم تذکرہ کرتے تھے وہ تو ان میں موجود نہیں ہیں''۔ اس طرح سفید جھوٹ بول کر یہودیوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دعوت ٹھکرا دی؛ بلکہ اپنی عاقبت برباد کردی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی بدبخت کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: {وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ} (البقرة: ۸۹)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اس (تورات) کی تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے، (تو ان کا طرزِ عمل دیکھو!) باوجود یہ کہ یہ خود شروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے: مگر جب وہ چیز آ گئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا، تو اس کا انکار کر بیٹھے، پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر۔

ابنِ ہشام فرماتے ہیں کہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے تورات میں مذکور بعض چیزوں کے متعلق دریافت کیا تو یہودیوں نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا، چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی اس بدترین خیانت کے متعلق بھی یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: {إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ} (البقرة: ۱۵۹)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔

ہجرت کے بعد ایک اور مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ یہودیوں کو دینِ اسلام کی دعوت دینے کے لیے گئے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی، اس کی ترغیب دی، اور اللہ کی غیرت وسزا سے ڈرایا؛ لیکن وہ اپنی ضد پر ڈٹے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کا انکار کردیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ نے جب ان کا سرکش رویہ اور دوغلا کردار دیکھا تو کہنے لگے: ''اللہ سے ڈرو، خدا کی قسم! تمہیں معلوم ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور تم ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان کا تذکرہ ہمارے سامنے کیا کرتے تھے، اور ان کے اوصاف وکمالات کو بیان کرتے تھے۔

اس پر رافع بن حریملہ اور وہب بن یہوذا کہنے لگے کہ: کبھی ہم نے اپنی زبان سے یہ باتیں کہی ہی نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد نہ کوئی کتاب اتاری ہے اور نہ کوئی نبی بھیجا۔ ان ناعاقبت اندیش یہودیوں کی تکذیب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت اتاری: {یٰأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ، وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ} (المائدة: ۱۹) ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد رکی ہوئی تھی، تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوشخبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے)

ڈرانے والا، لو اب تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ (معاذ بن جبل: ۲۱-۲۳، دار القلم دمشق)

ایمانی غیرت

حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ چند صحابۂ کرام حلقہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے جن میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ وغیرہم تھے، اتنے میں قیس بن مطالبہ وہاں آیا اور کہنے لگا: یہ قبیلۂ اوس وخزرج والے عرب ہیں، معزز و بڑے لوگ ہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کے لیے کھڑے ہوئے ہیں یہ تو ٹھیک ہے؛ لیکن یہ جو عجمی ہیں، بدّو، بے حیثیت وفقیر لوگ ہمیشہ اس کی حمایت ونصرت کرتے ہیں، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو اس سے کیا سروکار؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ سننا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی غیرتِ ایمانی جوش میں آ گئی، کھڑے ہوئے اور اس کا گریبان پکڑ کر تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور پورا واقعہ کہہ سنایا۔

اس پر ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور بدل گیا، آپ مسجد تشریف لے گئے اور لوگوں کو جمع کیا، جب سارے لوگ آ گئے تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک رب ایک ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے) اور باپ بھی ایک ہے (حضرت آدم علیہ السلام) اور دین بھی ایک ہے (اسلام) غور سے سنو! یہ عربیت نہ تمہاری ماں ہے اور نہ تمہارا باپ، یہ تو ایک زبان ہے؛ لہٰذا جو بھی عربی زبان میں بات کرنے لگ جائے وہ خود عربی شمار ہوگا۔

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سو قصّے: ۶۳)

تعلیم

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکے کو الوداع کہہ کر مدینہ فروکش ہوئے تو یثرب ''مدینۃ النبی'' بن گیا، اور جاں نثار پروانوں کا مجمع چراغِ نبوت پر جان چھڑکنے لگا۔ چناں چہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی اِس عرصہ میں سائے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے، شب وروز خدمتِ اقدس میں صَرف ہوتے، آپ رضی اللہ عنہ کو آستانۂ نبوی سے تھوڑی دیر کی جدائی بھی بڑی شاق گذرتی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن اور احکامِ اسلام کا علم حاصل کیا، یہاں تک کہ آپ کا شمار اصحابِ رسول میں کتاب اللہ کے بڑے قاریوں اور شریعتِ خداوندی کے بلند پایہ عالموں میں ہونے لگا۔ (زندگیاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی:۵۹۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہجرت کے بعد ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے قرآنِ کریم پڑھائیے، تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عبداللہ! انہیں پڑھاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جتنا مجھے قرآن یاد تھا میں نے سب ان کو پڑھا دیا۔ (معاذ بن جبل:۲۵، دار القلم دمشق)

مواخات و بھائی چارگی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف آوری کے بعد مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات و بھائی چارگی کا رشتہ قائم کیا؛ تاکہ وطن سے دوری اور رشتہ داروں کے بُعد کا خیال نہ آئے اور اپنے مشن میں یکسوئی کے ساتھ لگے رہے۔ اِس عظیم وبے

مثالی نظام کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آپ کا دینی بھائی بنایا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو انہیں حضرت معاذؓ ہی نے اپنے پاس ٹھہرایا تھا، خدا کی قدرت دیکھئے کہ ان دونوں بھائیوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا تفقّہ فی الدین عطا فرمایا کہ: ایک ''امام الفقہاء'' کے لقب سے مشہور ہوا اور دوسرا ''فقیہ الامت'' کے لقب سے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۳۵)

رشتۂ مواخات قائم کرنے کے بعد دونوں بھائی اکثر و بیشتر ساتھ ہی رہتے تھے، حضرت معاذؓ نے ہجرت سے پہلے جتنا قرآن شریف نازل ہوا تھا وہ حضرت ابنِ مسعودؓ سے باقاعدہ سیکھا، مزید برآں دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر جو قرآنِ حکیم نازل ہوتا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیکھتے اور یاد کیا کرتے تھے۔

(معاذ بن جبل: ۲۵، دار القلم دمشق)

سفر و حضر میں فیضانِ نبوی سے فیض یاب ہونا

حضرت معاذ بن جبلؓ علم کے رسیا اور نہایت حریص تھے، سفر و حضر میں جہاں کہیں آپؓ کو موقع ملتا، آپؓ اسے غنیمت جان کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استفسار کا سلسلہ شروع کر دیتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی یہ طلب دیکھ کر خوش ہوتے اور فرماتے: اے معاذ! مجھے یقین تھا کہ اتنا اہم اور انوکھا سوال تم ہی پوچھو گے۔

مسندِ احمد بن حنبلؒ میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے، صبح کا

وقت ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد عشّاقِ رسول سوار ہو کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ چوں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر سو نہیں پائے تھے اِس بنا پر اپنی سواریوں پر اونگھنے اور جھونکے مارنے لگے، جس کے باعث ان کی سواریاں اِدھر اُدھر چرنے لگیں اور منتشر ہوگئیں۔ میری اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چرتے چرتے چلتی جارہی تھی کہ اچانک میری سواری نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے ساتھ ٹھوکر کھائی، میری آنکھ کھل گئی، میں نے اس کو لگام کھینچ کر روکنا چاہا؛ لیکن وہ قابو میں نہ آئی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بدکنے لگی، آپ نے اپنے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا تو مجھے اپنے قریب پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دی: اے معاذ! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب آجاؤ، میں قریب ہوگیا، آپ نے پھر ارشاد فرمایا: اور قریب آجاؤ، میں آپ کے اتنے قریب ہوگیا کہ میری اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری مل گئی، رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ لوگ مجھ سے اتنے پیچھے ہوں گے، تو میں نے کہا: یارسول اللہ! کچھ لوگ سو رہے ہیں جس کی بنا پر ان کی سواریاں چرنے وغیرہ میں مشغول ہو کر منتشر ہوگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا: میں بھی اونگھ رہا تھا۔

میں نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہیں اور آپ کے ارد گرد کوئی اور ہے بھی نہیں، تو میں نے اس کو غنیمت جانا اور کہا: یارسول اللہ! آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو چاہو پوچھو، میں نے عرض

کیا: یا نبی اللہ! آپ مجھے کوئی ایسا کام بتا دیجیے جو مجھے جنت میں لے جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: واہ واہ! تم نے بڑی اچھی بات پوچھی ہے، آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا، اور پھر فرمایا: ہاں! جس کے لیے اللہ بھلائی کا ارادہ کرے اس کے لیے کچھ اتنی مشکل بات بھی نہیں۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ: کوئی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے نہیں فرمائی جس کو آپ نے تین بار نہ دہرائی ہو اِس خیال سے کہ میں آپ کے ارشاد کو اچھی طرح یاد کرلوں۔

چوں کہ آپ کو خوف بھی لگا رہتا تھا کہ کہیں اور لوگ خلل انداز نہ ہو؛ کیوں کہ شمعِ نبوت کے اردگرد ہر وقت پروانوں کا ہجوم رہتا تھا۔ چناں چہ اسی روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آگے فرماتے ہیں کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابھی فرما ہی رہے تھے کہ کچھ لوگ آتے دکھائی دیے، مجھ کو خوف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توجہ میری طرف سے منعطف نہ ہوجائے، میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ: فلاں بات جو آپ نے فرمائی تھی اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ چناں چہ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو بیان فرمایا کہ: اللہ اور یومِ آخرت پر یقین رکھو، نماز پڑھا کرو، اللہ کی عبادت کیا کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، یہاں تک کہ اسی حال میں تمہاری موت آجائے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میرے لیے تین بار یہی جملے ارشاد فرمائے۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: معاذ! اگر تم چاہو تو میں تم کو دین کا سب سے بڑا عمل بتاؤں، جو ان سب کی جڑ ہے؟ میں نے کہا: میرے ماں باپ

آپ پر قربان! ضرور بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک لہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اور جس عمل سے دین کی بندش مضبوط رہتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے، اور اعمالِ دین میں سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے، مجھے اِس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک لوگ نماز نہ پڑھیں، زکوٰۃ نہ دیں اور اِس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب انہوں نے اِن باتوں پر عمل کرلیا تو خود بھی بچ گئے اور اپنی جان و مال کو بھی بچالیا۔

اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کوئی چہرہ (عمل کرتے ہوئے) متغیر نہیں ہوا اور کوئی قدم سفر کرتے کرتے غبار آلود نہیں ہوا، کسی ایسے عمل میں جس کا مقصد درجاتِ جنت ہوں فرض نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کے برابر، اور نہ بندے کے میزانِ عمل میں کوئی نیکی اتنی وزنی ثابت ہوئی جتنی کہ اس کا جانور جہاد فی سبیل اللہ میں مرگیا یا یہ کہ اس نے کسی کو راہِ خدا میں دے ڈالا۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۲۳۸-۲۳۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے محبت

ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ: مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ جب یہ بات آپ رضی اللہ عنہ کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی تو آپ پھولے نہ سمائے اور بے اختیار بول پڑے: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ

پر قربان! مجھے بھی آپ سے اتنی محبت ہے کہ میرے سامنے دنیا کی ہر شئ ہیچ ہیں۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا تو میں تمہیں ایک عمل بتاتا ہوں، اس کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا، کبھی نہ بھولنا: "رب أعني علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک"، اے اللہ! اپنا شکر، ذکر اور اپنی عبادت اچھی طرح ادا کرنے کے لیے میری مدد فرما۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے نبی! میں ہمیشہ اس پر عمل کروں گا اور لوگوں کو بھی بتاؤں گا۔

مسندِ احمد میں مذکور ہے اس وصیت کا اثر یہ ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے تلمیذِ خاص ابوعبداللہ صنابحی کو یہ دعا پڑھنے کی وصیت کی، صنابحی نے اپنے شاگرد ابوعبدالرحمٰن حبلی کو اور حبلی نے عقبہ بن مسلم کو اس پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی۔

(سیر الصحابہ: ۵/ ۱۶۳-۱۶۴)

بسا اوقات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت وشفقت فرماتے ہوئے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا ردیف بنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اونٹنی پر آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "یا معاذ بن جبل!" آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے اشتیاق سے عرض کیا: "لبیک وسعدیک یا رسول اللہ!" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح تین مرتبہ پکارا اور حضرت معاذ اسی عاشقانہ انداز میں جواب دیتے رہے، بالآخر سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدقِ دل سے کلمۂ توحید پڑھے اس پر دوزخ حرام ہوجاتی ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری دے دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

ہوا: نہیں؛ ورنہ تو لوگ نیک اعمال کرنا چھوڑ دیں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا علمی ذوق وشوق دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان سے سوال فرماتے اور خود ہی جواب دیتے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوڑے یا عصا کے ذریعے ان کی پشت پر آہستہ سے ٹھوکر دی اور فرمایا: کیا جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ پھر کچھ دیر بعد دوبارہ دریافت کیا کہ: اے معاذ! تم جانتے ہو کہ بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، ارشاد فرمایا: اللہ اپنے عبادت گذار بندوں کو جنت میں داخل کرلے، جو لوگ بھی اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو عذاب دیں گے۔ عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو یہ بشارت سنادوں کہ وہ سن کر خوش ہوجائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، ایسا کرنے سے وہ سست ہوجائیں گے اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ومسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بعد میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وفات سے کچھ دیر پہلے اس حدیث کو بیان کیا تھا جس کا قصہ ان ہی اوراق میں آپ کی وفات کے ذیل میں آرہا ہے۔

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سحابِ لطف وکرم ہر آن ہر لمحہ آپ پر برستا رہتا تھا اور آپ دن رات، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے فیضانِ نبوی سے خوب خوب فیض یاب

ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دوازے پر کھڑا دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ: کیا میں تمہیں جنت کا ایک دروازہ بتاؤں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے بصد اشتیاق عرض کیا: ضرور ارشاد ہو اے اللہ کے رسول! فرمایا: "**لا حول ولا قوۃ إلا باللہ**" پڑھ لیا کرو۔ (سیر الصحابہ: ۵/۱۴۱)

ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے، اثنائے راہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں کیں وہ یہ ہیں: اے معاذ! صدقہ گناہوں کی آگ پر پانی چھڑکنے کا کام دیتا ہے، اسی طرح پچھلی رات کی نماز (تہجد) گناہوں کو زائل کر دیتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کر فرمایا: اس کو روکو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جو کچھ ہماری زبان سے نکلتا ہے کیا اس کا بھی حساب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! بہت سے لوگ اپنی زبان کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۵۸)

شوقِ طلبِ علم

آپ ماقبل میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ علم حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، کبھی انہیں کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور اگر آپ تشریف فرما نہ ہوتے تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں دور دور تک نکل جاتے۔

چناں چہ ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ درِ اقدس پر حاضر ہوئے، معلوم ہوا کہ آپ کہیں

تشریف لے گئے ہیں، تلاش میں نکل پڑے اور راستہ میں ہر کس و ناکس سے پوچھتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہیں دیکھا؟

الغرض! تلاشِ بسیار کے بعد ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر آگئے، دیکھا کہ آپ نماز میں مصروف ہیں، آپ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں کھڑے ہوگئے، اتفاقاً اُس دن آپ نے کافی دیر تک نماز ادا فرمائی، فارغ ہوئے تو دریافت کیا: آپ نے اتنی لمبی نماز ادا کی؟ فرمایا: ترغیب وترہیب کی نماز تھی، میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا جس میں دو قبول کر لی گئی اور ایک رد کی گئی، میں نے یہ دعا کی تھی کہ: میری امّت غرق ہونے سے بچ جائے اور کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے، یہ دو درخواست تو منظور کر لی گئی، اور ایک خواہش یہ تھی کہ مسلمانوں میں آپسی اختلاف نہ ہو تو اس کو رد کر دیا گیا۔

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ! سب سے افضل ایمان کونسا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے لیے پسند کرنا وہی سب کے لیے پسند کرنا اور جو اپنے لیے برا سمجھنا وہی سب کے لیے برا سمجھنا۔

یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ذوق وشوق کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، ورنہ بیسیوں واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ کی فطرت وطبیعت ہی تلاش اور کرید کی

عادی بن چکی تھی۔

ایک اور واقعہ اسی قسم کا ملاحظہ فرمائیں:

ایک شخص نے رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاص مسئلہ دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جواب مرحمت فرمایا، وہ جواب ایک عام آدمی کے لیے بالکل واضح اور کافی تھا؛ لیکن اس کے باوجود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا، پوچھا: یا نبی اللہ! یہ حکم اس شخص کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں عام ہے۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۵۷)

ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں شام یا یمن گئے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں، ان سے دریافت کیا: تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے جواباً کہا: ہم سے پہلے نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ پورا واقعہ کہہ سنایا اور پوچھا: یا نبی اللہ! کیا ہم آپ کو سجدہ کر سکتے ہیں؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے ارشاد فرمایا: نہیں، ہرگز نہیں، انہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر ڈالی اور اب اپنے نبیوں پر تہمت لگاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس طرح سلام کرنے کا حکم دیا ہے: "**السلام علیکم**" اور یہی اہلِ جنت کا طریقہ ہے۔ اگر ربِ ذوالجلال کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی گنجائش ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

آپ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں

سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا شمار ان عظیم المرتبت صحابۂ کرام میں ہوتا ہے جن کو علم و فضل کے اعتبار سے اساطینِ امّت اور اصحابِ علم میں شمار کیا جاتا ہے، آپ سالہا سال تک نبوّت کے سرچشمۂ فیض سے سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں براہِ راست سیراب ہوتے رہے، خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہی مسندِ ارشاد پر متمکن ہو چکے تھے اور خود دانائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ''تفقہ فی الدین اور معرفتِ الٰہی'' پر خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا: اے معاذ! صبح کیسی گذری؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میری صبح ایمان کے ساتھ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر قول کا ایک مصداق ہوتا ہے، تمہارے اس قول کا مصداق کیا ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری کوئی صبح ایسی نہیں گذری جس میں مجھے یہ خیال نہ ہوا ہو کہ میں شام نہ کرسکوں گا اور میری کوئی شام ایسی نہیں گذری جس میں مجھے یہ خیال نہ ہوا ہو کہ میں صبح نہ کرسکوں گا اور کوئی قدم میں نے ایسا نہیں رکھا جس میں مجھے یہ خیال نہ ہوا ہو کہ دوسرا قدم نہ رکھ سکوں گا،

اور ہر وقت میرے دل و دماغ پر حشر کا تصور چھایا رہتا ہے، گویا کہ میں ان تمام امّتوں کی طرف دیکھ رہا ہوں جو گھٹنوں کے بَل بیٹھی ہوئی ہیں اور جنہیں ان کے اعمال نامے کی طرف بلایا جارہا ہے اور ان کے ساتھ ان کے نبی ہیں اور ان امّتوں کے ساتھ ان کے وہ بت ہیں جن کی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے؛ گویا میں اہلِ جنت کے ثواب کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا: تب تو تو معرفت کو پہنچ گیا، بس! اسی پر جما رہ۔

حضرت معاذ بن جبلؓ عہدِ رسالت میں ہی قرآن حفظ کر چکے تھے اور علومِ قرآن میں ان کو کمال درجہ کی دسترس حاصل تھی۔ صحیح بخاری میں فرمانِ نبوت ہے: ”خلوا القرآن من أربعة من ابن مسعود و أبيّ و معاذ بن جبل و سالم مولیٰ أبي حذیفة“، قرآن مجید چار آدمیوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔

ایک اور حدیث میں ہے: قیامت کے دن حضرت معاذ بن جبلؓ علما کے امام ہوں گے۔ اسی حدیث کی بنا پر انہیں ”امام العلماء“ کہا جاتا ہے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۵۴-۳۵۵)

حضرت انسؓ سے مرفوعاً منقول ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ارحم أمتي بأمتي أبو بكر، وأشدهم في دين الله عمر، وأصدقهم حياء عثمان، وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ، وأفرضهم زيد، ولكل أمة وأمين هٰذه الأمة أبو عبيدة بن الجرّاح“۔

میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین میں سب سے زیادہ سخت عمر ہے، سب سے زیادہ حیادار عثمان ہے، حلال وحرام کوسب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبل ہے، علمِ وراثت کا سب سے بڑھ کر ماہر زید بن ثابت ہے، ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اوراس امّت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے۔ (حکمران صحابہ:۵۱۹)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”یحش یوم القیامة بین یدي العلماء نبذة“، معاذ قیامت کے دن ایک تیر پھینکنے کا فاصلہ علما سے آگے آگے رہ کر قیادت فرمائیں گے۔ (کاروانِ جنت:۶۹)

آپ کا علمی مقام صحابہؓ کی نظر میں

حضرت عمرؓ ان کے بارے میں فرماتے تھے: ”عجزت النساء أن یلدن مثل معاذ“، عوتیں معاذ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا تھا: ”لو لا معاذ لھلک عمر“، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے شام کے سفر کے موقع سے جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”من أراد الفقه فلیأت معاذا“، جو دینی مسائل سیکھنا چاہتا ہو وہ معاذ بن جبلؓ کی خدمت میں حاضری دیا کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک حضرت معاذؓ ”عقلائے امت“ میں سے تھے۔ (چالیس جاں نثار:۳۵۵)

ابوادریس خولانیؒ ایک مرتبہ جامعِ دمشق میں گئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان بیٹھا ہے اوراس کے اردگرد لوگ جمع ہیں، جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ان کو تسلّی بخش جواب دیتا ہے، انہوں نے پوچھا کہ: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں۔

ابوادریس خولانیؒ فرماتے ہیں کہ: دوسرے دن پھر صبح جب میں مسجد گیا تو وہاں حضرت معاذ بن جبلؓ نماز میں مشغول تھے، میں ان کے انتظار میں بیٹھا رہا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، سلام کیا اور کہا کہ: اے معاذ! خدا کی قسم! میں تم سے اللہ کے خاطر محبت کرتا ہوں، آپؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے لیے؟ میں نے کہا: جی ہاں! اللہ کے لیے، پھر آپؓ نے یہی پوچھا اور میں نے پھر وہی جواب دیا، تو آپؓ نے میری چادر پکڑ کر اپنی طرف مجھ کو کھینچا اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب دو آدمی میری خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں، صرف میرے لیے آپس میں نشست و برخاست رکھتے ہیں، خالص میری رضا کے خاطر مال خرچ کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لیے آپس میں ملاقات وزیارت کرتے ہیں تو میں ان دونوں کو اپنی چادرِ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہوں۔ (طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۲۳)

ابومسلم خولانی جامعِ حمص میں آئے تو دیکھا کہ ایک حلقہ قائم ہے، جس میں ۳۲/ صحابہؓ موجود ہیں، تمام کے تمام سنِ کہولت کو پہنچ چکے ہیں، ان کے درمیان ایک نوجوان بھی ہیں، جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے تو یہ جہاں دیدہ صحابہ اسی

نوجوان سے فیصلہ کراتے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نوجوان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

شہر بن حوشب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہوتے تو رعب وہیبت کا یہ عالم ہوتا کہ صحابہ گفتگو کرنے سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف دیکھتے رہتے اور پھر موقع پا کر ادب کے ساتھ کچھ عرض کرتے۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے درس وافادہ کا سلسلہ مدینہ سے حمص ودمشق تک پھیلا ہوا تھا، شہروں کی جامع مسجد درسگاہ کا کام دیتی تھیں، آپ مختلف شہروں میں دورہ کرتے تھے اور جہاں جاتے فیض وبرکت کا سرچشمہ جاری ہوجاتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: دنیا میں صرف تین عالم ہیں، جن میں سے ایک شام میں اقامت پذیر ہیں۔ علما فرماتے ہیں کہ: یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ تھا۔

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ آپ کو فرد نہیں؛ بلکہ ایک ''امّت'' کہا کرتے تھے، ان معنوں میں کہ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تھے، لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے۔ (سیر الصحابہ:۵/ ۱۶۰)

امامت کی خدمت انجام دینا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل ان ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی نہ صرف امامت کے منصب پر فائز ہوچکے تھے؛ بلکہ اس میدان

میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائیاں بھی نصیب ہوئیں۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بنو سلمہ کے لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے، ایک دن انہوں نے عشا کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھنا شروع کی، ایک آدمی جو دن بھر سخت کام کرنے کی وجہ سے تھکا ہوا تھا، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی اتنی لمبی قرأت کی وجہ سے علیحدہ ہوکر نماز پڑھ لی اور چل پڑا، جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو ناراض ہوئے اور اسی ناراضگی کے عالم میں ان کے منہ سے نکل گیا کہ: یہ شخص منافق ہے۔ ان صاحب کو یہ جملہ سخت ناگوار گذرا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ: اے اللہ کے رسول! ہم محنت کش لوگ ہیں، دن بھر ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں، اونٹوں کے ذریعہ پانی بھرتے ہیں، اس بنا پر تھک جاتے ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عشا کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی، میں اتنی لانبی قرأت کا متحمل نہ تھا؛ اس لیے میں نے علیحدہ ہوکر اپنی نماز پڑھ لی، اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے میرے متعلق کہا کہ: میں منافق ہوں۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوئے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت بارگاہِ نبوی میں حاضر تھے، آپ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "یا معاذ! أفتّان أنت"، اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کروگے؟ اس کے بعد فرمایا: صرف "والشمس وضحٰها" اور "سبح اسم ربک" جیسی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو؛ کیوں کہ تمہارے پیچھے بوڑھے، ضعیف اور

حاجت والے سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، تم کو ان کا خیال کرنا چاہیے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۵۷)

آپ رضی اللہ عنہ کا ایک عمل جو ہمیشہ کے لیے اسوہ قرار پایا

آغازِ اسلام میں جو لوگ دیر سے مسجد میں پہنچتے اور ان کی رکعتیں چھوٹ جاتیں تو وہ لوگوں سے بذریعۂ اشارہ معلوم کر لیتے کہ کتنی رکعتیں ہوئیں؟ نمازی اشارے کے ذریعہ جواب دیتے تو یہ حضرات اپنی چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پہلے ادا کرتے، پھر اس کے بعد جماعت میں شریک ہو کر نماز ختم کرتے۔

ایک دن رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اُس وقت مسجد میں آئے جب لوگ قعدے میں تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مروجہ طریقے کے خلاف جماعت میں شریک ہو کر قعدہ میں بیٹھ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی باقی ماندہ رکعتیں پوری کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنی نماز کو مکمل کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو ارشاد فرمایا: **"قد سن لکم فھکذا فاصنعوا"**، معاذ نے تمہارے لیے ایک اچھا طریقہ نکالا ہے، آئندہ تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو۔ اِس طرح آپ رضی اللہ عنہ کا یہی عمل اسوہ قرار پایا اور رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے واجب العمل ٹھہرا اور تب سے لے کر آج تک امت اسی پر عمل پیرا ہے۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۶۱)

غزوات میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی شرکت

جب غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر سے لے

کر غزوۂ تبوک تک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ جہاں آپ ایک جید عالم تھے وہیں راہِ حق کے ایک سرفروش مجاہد بھی تھے، آپ نے ہر معرکے میں کمال درجہ کی جرأت و بسالت اور شجاعت و استقامت کا مظاہرہ کیا اور ثابت کردیا کہ علم و فضل کے ساتھ آپ میدانِ رزم کے بھی شہسوار ہیں۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار:۳۳۶)

آپ رضی اللہ عنہ کو مکے کا امیر بنانا

علامہ ابنِ سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ۸ ھ میں فتحِ مکہ کے بعد جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین کے لیے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقتی طور پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مکہ کا معلّم بنایا، وہ اہلِ مکّہ کو دینی مسائل سکھاتے اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے، حنین اور طائف سے فارغ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا لیا، اور ان کی جگہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کی امارت پر مامور فرمایا۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار:۳۳۶)

یمن کا حاکم مقرر کرنا

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو بعض نومسلم رؤسائے یمن کی طرف سے ایک سفارتی وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور گذارش کی کہ اپنا کوئی نمائندہ یمن کی امارت پر مامور فرمائے جو کافروں میں تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دینی مسائل بھی سکھائے اور ملک کا نظم ونسق بھی چلائے۔

اس اہم خدمت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ انتخاب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر

پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا بھیجا اور فرمایا کہ: میں تم کو یمن کا حاکم مقرر کرنا چاہتا ہوں۔

امتحان

اگر چہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی قابلیت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا اطمینان تھا؛ تاہم امتحان لے لینا مناسب سمجھا، چناں چہ بغرضِ امتحان سوال ہوا: اے معاذ! وہاں تمہیں گونا گوں مسائل سے سابقہ پڑے گا، اچھا! بتاؤ: جب تمہارے پاس کوئی قضیہ یا حادثہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کروگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر اس میں نہ ملے تو؟ عرض کیا: سنّتِ رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اگر اس میں کچھ نہ ملے تو؟ کہا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جوابات سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور ان کے سینہ پر اپنا دستِ مبارک مار کر ارشاد فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔

اہلِ یمن کے نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحریر نامہ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ یمن کے نام ایک فرمان لکھوایا جس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رتبے کی طرف اشارہ ہے: ”إنيبعثت لكم خير أهلي“، میں نے اپنے لوگوں میں سے بہترین آدمی کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ معاذ بن جبل اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، صدقات اور جزیہ کی رقمیں ان کے پاس جمع کرانا اور ان کو راضی رکھنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناراض ہوجائیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آپ رضی اللہ عنہ کو نصیحت

یمن روانگی کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں، ان نصائح کی ہر ہر سطر سے محبت وشفقت کا دریا امنڈتا محسوس ہوتا ہے، ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف سے اپنائیت ومودّت کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں، ہم یہاں متفرق کتابوں سے وہ ساری نصیحتیں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: اے معاذ! ملک والوں سے نرم سلوک کرنا، سختی نہ کرنا، لوگوں کو بشارتیں دینا، متنفّر نہ کر دینا، باہم مل کر کام کرنا۔ تم کو وہاں ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑے گا جو پہلے سے کسی مذہب کے پیروکار ہیں، جب ان کے پاس پہنچو تو پہلے ان کو توحید ورسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو قبول کرلیں تو کہنا: اللہ نے تم پر رات دن میں پانچ نمازیں بھی فرض کی ہیں۔ جب وہ ان کو تسلیم کرلیں تو انہیں بتانا کہ: تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، یہ تمہارے امیروں سے لے کر تمہارے غریبوں کو دی جائے گی۔ جب وہ زکوٰۃ دینا بھی منظور کرلیں تو چن چن کر اچھی چیز نہ لے لینا۔ مظلوموں کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، عیش وعشرت سے ہمیشہ اجتناب کرنا؛ کیوں کہ اللہ کے بندے عیش وتنعّم کے دلدادہ نہیں ہوتے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۳۹-۳۴۰)

مسندِ احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان آٹھ باتوں کی وصیت فرمائی تھیں: (۱) شرک سے اپنے آپ کو کبھی آلودہ نہ کرنا خواہ اس

کے لیے کوئی تمہیں قتل ہی کر دے یا آگ میں جھونک دے (۲) والدین کو ہرگز نقصان اور گزند نہ پہنچانا، خواہ وہ تمہیں تمہارے اہل وعیال اور مال ومتاع سے علیحدہ اور محروم ہی کیوں نہ کر دیں (۳) فرض نماز جان بوجھ کر کبھی ترک نہ کرنا؛ کیوں کہ جو شخص بالقصد نماز ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ذمہ داری اور کفالت سے بری ہوجاتا ہے (۴) شراب نہ پینا کہ یہ تمام بدکاریوں کی جڑ ہے، (۵) گناہوں سے بچنا کہ گناہوں میں مبتلا انسان غضبِ الٰہی کا شکار ہوجاتا ہے (۶) میدانِ جہاد سے کبھی نہ بھاگنا، اگرچہ تمام لشکر خاک وخون میں آلودہ ہوجائے اور موت سامنے کھڑی ہو (۷) علالت اور بیماری میں صبر واستقلال سے کام لینا (۸) اپنی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، ان کو ادب سکھانا اور خدا کا خوف دلانا۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۵۹)

اس کے علاوہ چند اور متفرق نصیحتیں کیں جو مندرجۂ ذیل ہیں: اے معاذ! اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہنا، سچ بات کہنا، وعدہ خلافی نہ کرنا، امانت کی ادائیگی کا پورا خیال رکھنا اور خیانت نہ کرنا، یتیموں پر رحم کرنا، پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنا، اپنے غصے پر قابو رکھنا، اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا، سلام پھیلانا، نرمی سے بات کرنا، قرآن میں تفکّر وتدبّر کرتے رہنا، آخرت سے محبت رکھنا، حساب وکتاب سے ڈرتے رہنا، زیادہ امیدیں مت رکھنا اور اچھے اعمال کرتے رہنا۔

اے معاذ! ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنا۔ جب علانیہ گناہ صادر ہوجائے تو فوری طور پر علانیہ توبہ کر لینا اور خفیہ طور پر گناہ ہوجائے تو خفیہ طور

پر توبہ کر لینا۔ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، مریضوں کی عیادت و تیمار داری کرتے رہنا، بیواؤں اور کمزوروں کی ضرورتیں پوری کرنا، فقرا اور مساکین کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا۔ حق بات کہنا، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرنا، اور جو عمل بھی کرے اخلاص سے کرنا؛ اس لیے کہ اخلاص والا تھوڑا عمل بھی تجھے کافی ہوجائے گا۔ (معاذ بن جبل: ۵۸، دار القلم دمشق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو پانچ چیزوں کی تاکید فرمائی تھی اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ: جو ان پر عمل کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ضامن ہوں گے: (۱) مریض کی عیادت کرنا (۲) جنازہ کے ساتھ جانا (۳) جہاد کے لیے نکلنا (۴) حاکم کی تعزیر یا توقیر کے لیے جانا (۵) گھر میں بیٹھ رہنا جس میں وہ تمام لوگوں سے محفوظ ہوجائے اور دنیا اس سے سلامت رہے۔

اخلاقی تعلیم ان الفاظ میں دی: معاذ! ہر برائی کے پیچھے نیکی کر لیا کرو، نیکی اس کو مٹا دے گی، اور لوگوں کے سامنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا کرو۔

اجتماعی زندگی کی تلقین اس طرح کی کہ: انسان کا بھیڑیا شیطان ہے، جس طرح بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے، اسی طرح شیطان اس انسان پر قابو پالیتا ہے جو جماعت سے الگ ہوجاتا ہے، خبردار! خبردار! متفرق نہ ہونا، جماعت کے ساتھ رہنا۔

اشاعتِ اسلام کے متعلق فرمایا: معاذ! اگر تم ایک مشرک کو بھی مسلمان بنالو تو تمہارے لیے دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۴۳)

جانبِ یمن روانگی

یمن روانگی کے وقت یہ حال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی لگام پکڑ کر آگے چل رہے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار بار بار آپ کی خدمت میں عرض کرتے رہے کہ یارسول اللہ! آپ سوار ہوجائیں یا کم از کم لگام نہ پکڑیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انکار فرماتے رہے اور ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اسی دوران آپس میں گفتگو ہوتی رہی، دلِ مغموم کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نصیحتیں بھی کرتے جارہے تھے، آنکھیں آنسوؤں سے اشکبار تھیں، حبیب ومحبوب کی جدائیگی کا یہ عجیب منظر کہ حبیب محبوب سے جدا نہیں ہونا چاہتا اور محبوب کو حبیب کی فرقت پسند نہیں؛ لیکن پھر بھی بادلِ ناخواستہ دینِ الٰہی کی اشاعت کے لیے اپنی تمناؤں اور آرزؤوں کا خون کیا جارہا ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اونٹنی کے ساتھ پیادہ پا چل رہے تھے اور باہم گفتگو کرتے جارہے تھے، ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ: معاذ! تم پر قرض بہت ہے، میری طرف سے تمھیں اجازت ہے کہ اگر کوئی ہدیہ وغیرہ دے تو اسے قبول کرلینا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آخری وصیت

جس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے اور وہ اپنا پیر رکاب میں رکھے ہوئے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو سب سے آخری وصیت کی تھی کہ: ''معاذ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا''۔ (طبقات بن سعد: ۳/۱۲۱)

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کا وقت بالکل قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغموم لب ولہجہ میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ ارشاد فرمایا: معاذ! شاید آئندہ ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو سکے، جب مدینہ آؤ گے تو میری بجائے میری قبر پاؤ گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ان کلمات کو سننا تھا کہ وقتی جدائی پر مفارقت کی ایسی چوٹ لگی کہ ضبط کا سارا بندھن ٹوٹ گیا اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ معصوم بچہ کی طرح بے تحاشا زار وقطار رونے لگے۔ اس پر سید الانام پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادیدۂ نم فرمایا: معاذ! روؤ نہیں، رونا اچھی بات نہیں، یہ تو شیطانی حرکت ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سچے عاشقِ زار کو تسلی دیتے ہوئے اپنے رب سے ان کے لیے بہترین دعا فرمائی: ”**حفظک اللہ من بین یدیک ومن خلفک وعن یمینک وعن شمالک ومن فوقک ومن تحتک ووراء غمک وشرور الإنس والجن**“۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے اور انسانی وجناتی شرارتوں سے مکمل حفاظت فرمائے، اور تمہیں ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھے۔

مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بڑی حسرت سے مدینۂ منورہ پر نظر ڈالی اور کہا: الٰہی! میں اہلِ تقویٰ کو دوست رکھتا ہوں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو میں روانہ ہو گیا، کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں، میں حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے

معاذ! میری اجازت کے بغیر کوئی بھی چیز نہ لینا؛ اس لیے کہ یہ خیانت ہوگی اور خیانت کرنے والے کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: {وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ} اور جس نے خیانت کی ہوگی وہ قیامت کے دن خیانت والی چیز لے کر حاضر ہوگا۔ (حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۳)

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نصیحت کا کتنا لحاظ فرماتے تھے اس کا اندازہ درجِ ذیل روایت سے ہوتا ہے:

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہمارے علاقے میں تشریف لائے، تو ہمارے بڑوں نے ان سے کہا کہ: اگر آپ ارشاد فرمائیں تو ان پتھروں اور لکڑیوں کو جمع کر کے آپ کے لیے ایک مسجد بنا دیں، انہوں نے فرمایا: مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں قیامت کے دن اس مسجد کو اپنی پشت پر اٹھانے کا مجھے مکلف نہ بنا دیا جائے۔

یمن میں یُمن

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن تشریف لے جانے لگے تو ظاہری شان وشوکت، حشم وخدم سے ان کا قافلہ بالکل خالی تھا، اسلام وایمان کا نور چہرۂ انور پر چمک رہا تھا، زبان سے تکبیر وتحمید کے مقدس نغمے پھوٹ رہے تھے، جسے ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر اہلِ یمن کے کانوں تک پہنچا رہے تھے۔ غرض اس شان وشوکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد پہنچا تو قصرِ کفر کی بنیادیں ہل گئیں اور کفرستانِ یمن نعرۂ توحید سے گونج اٹھا۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۴۶)

پہلا قضیہ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کیا، آپ وہاں پہنچے اور لوگوں کے درمیان آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں۔

خطبے کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے تکیہ پیش کیا کہ بیٹھ جاؤ، اتنے میں ایک آدمی آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا جو پہلے یہودی تھا، پھر مسلمان ہوگیا؛ لیکن بعد میں پھر مرتد ہوگیا، اسے دیکھتے ہی آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا، اور غیرتِ ایمانی جوش میں آگئی، کہنے لگے: جب تک اس آدمی کو قتل نہیں کیا جائے گا وہاں تک نہیں بیٹھوں گا، چناں چہ اسے قتل کیا گیا اور اس کے بعد آپ بیٹھ گئے۔

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۳)

یمن میں قیام اور ذمہ داریاں

بعض روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اقصائے یمن کا امیر بنایا جس کا صدر مقام جند تھا اور یمن ادنیٰ یا یمنِ زیریں کی امارت پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اس میں زبید اور ساحل کے علاقے موجود تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کو پانچ حصوں پر تقسیم فرمایا تھا: صنعاء، کندہ، حضرموت، جند اور زبید، اور ان پر پانچ امیر مقرر کیے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جند میں رہتے تھے، خالد بن سعید رضی اللہ عنہ صنعاء میں سکونت پذیر تھے، حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کندہ میں قیام پذیر تھے، حضرت زیاد بن

لبید حضر موت میں اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ زبید اور ساحل میں مقیم تھے۔

یہ سب اصحاب اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار تھے یا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر الصحابہ میں لکھا ہے کہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مستقر ''جند'' یمن کا صدر مقام تھا، اور دوسرے علاقوں کے عمّال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھے، وہ اپنے اپنے علاقوں سے صدقات اور جزیے کی رقم وصول کر کے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کرتے تھے جو خزانہ یا بیت المال کے نگراں تھے، اور دوسرے علاقوں کے عمّال کے فیصلوں کی جانچ پڑتال بھی کیا کرتے تھے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے ''بدر البدور'' میں لکھا ہے کہ: شرائعِ اسلام کی تعلیم اور قرآنِ مجید کی عام تدریس، مقدماتِ عامہ کی نگرانی اور جملہ عمّالِ یمن کے اموال کی فراہمی بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہی سے متعلق تھی۔

مختلف روایات کو پیشِ نظر رکھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں تک تحصیلِ صدقات، خزانہ (بیت المال) اور قضاء کا تعلق ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سارے ملک (یمن) کے حاکمِ اعلیٰ تھے، ان کے علاوہ باقی امور میں دوسرے عمّال خود مختار تھے۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۴۰-۳۴۱)

یمن کے قیام کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے روپیہ سے تجارت کی اور اس سے جو منافع حاصل ہوئے اس سے اپنا قرض ادا کیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہر قضیے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ہی

فیصلہ صادر کیا کرتے تھے، اپنی من مانی نہ کرتے تھے، مؤرّخ طبری کا بیان ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات، جزیہ، غنیمت، خمس وغیرہ کے بارے میں مفصل ہدایات لکھوا کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی تھیں، اور آپ ان ہی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ: ایک دفعہ آپ کی خدمت میں مویشیوں کی زکاۃ وصول کرنے کا معاملہ پیش کیا گیا، اس شخص کے پاس تیس سے کم گائیں تھیں، آپ نے فرمایا: مجھے دربارِ رسالت سے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ تیس گایوں پر ایک بچہ زکاۃ میں وصول کرنا ہے؛ لہٰذا جب تک میں دربارِ رسالت سے دریافت نہ کرلوں کچھ وصول نہیں کروں گا۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے گورنر کی حیثیت سے کوئی من مانی نہیں کی۔

ایک مرتبہ ایک بُڑھیا عورت اپنے بارہ لڑکوں کے ساتھ آئیں، اس کے بڑھاپے اور ضعف کا یہ عالم تھا کہ اس کے بیٹوں نے اس کے بازو پکڑے ہوئے تھے، اس نے پوچھا: اے معاذ! آپ کو یہاں کا حاکم کس نے بنایا؟ کس کے حکم پر آپ یہاں آئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا ہے۔

اس عورت نے کہا کہ: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: جو پوچھنا چاہتی ہو پوچھو، بُڑھیا نے عرض کیا: اچھا! یہ بتلایئے کہ شوہر کا بیوی پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: حتی الامکان اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کرنی چاہیے، اس عورت نے کہا: ان

لڑکوں کا باپ بہت بوڑھا ہو گیا ہے، میں اس کا حق کیسے ادا کروں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب ارشاد فرمایا کہ: تم ان کے حق اور خدمات سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتیں، اگر جذام نے ان کا گوشت پھاڑ دیا ہو اور اس میں سے خون اور پیپ بہہ رہا ہو اور تم اپنا منہ اس میں لگا دو پھر بھی ان کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۴۷)

حکمران اور رعایا کے جو تعلقات اسلام نے بیان کیے ہیں ان کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے ، فیصلوں میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے کہ رعایا۔ چاہے وہ کسی بھی مذہب سے متعلق ہو۔ کی بالکل حق تلفی نہ ہو۔ ایک یہودی فوت ہو گیا، اس کا صرف ایک بھائی تھا، جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، دیگر ورثا چاہتے تھے کہ اس کو میراث نہ ملے، جب یہ معاملہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش کیا گیا، تو آپ نے بھائی کو ورثہ دلوایا۔ (حکمرانِ صحابہ: ۵۳۵)

قیامِ یمن کے دوران نماز میں پیر پھیلانا

یمن کے دورِ امارت کا ذکر ہے کہ ایک روز حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ دورانِ نماز آپ نے اپنے پیر پھیلا دیے، لوگوں نے آپ کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے اپنے پیر پھیلا دیے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے بہت اچھا کام کیا؛ لیکن آئندہ یہ کام مت کرنا؛ میں نے اس لیے اپنے پیر پھیلائے تھے کہ میرے پیر میں تکلیف ہے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۲۲)

ماتحت عمّال کی نگرانی اور سادگی

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے ماتحت عمّال کے علاقوں کا دورہ کرتے تھے، ان کے

فیصلوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ضرورت کے وقت خود مقدمے کی سماعت بھی فرماتے تھے، چناں چہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے علاقے میں جا کر ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ چوں کہ آپ دورہ میں نہایت سادگی کے ساتھ خیموں میں قیام فرماتے تھے، چناں چہ یہاں بھی آپ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا اور آپ اس میں فروکش ہوئے اور اس کے قریب ہی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ایک خیمہ میں مقیم ہوئے۔

(سیر الصحابہ: ۵ / ۱۴۸)

یمن سے واپسی اور آزمائش

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں بحیثیتِ گورنر دو برس رہے، اس کے بعد ۱۱ سنہ ھ میں اپنی مرضی سے مستعفی ہونے کے لیے مدینۂ منورہ واپس آئے، انہیں کسی نے معزول نہیں کیا تھا، مدینۂ طیبہ واپسی کے وقت ان کے پاس وافر مقدار میں مال موجود تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے لوٹ کر مدینہ پہنچے اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس مال ومتاع کی کثرت دیکھی تو ان سے کہا کہ: اے معاذ! یہ سارا مال ودولت بیت المال میں جمع کروا دو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب مجھے یمن بھیجا تھا اس وقت تجارت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، اسی کے نتیجہ میں میرے پاس اتنی زیادہ فراوانی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے براہِ راست ان سے کچھ تعارض نہیں کیا؛ مگر وہیں سے دربارِ

صدیقی میں حاضر ہوئے اور کہا: اے خلیفۃ الرسول! معاذ کے پاس جو مال ہے اسے لے لینا چاہیے اور بیت المال میں جمع کر دینا چاہیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: ابنِ خطاب! مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بطورِ خاص ان کے مقروض ہونے کی وجہ سے انہیں خصوصی اجازت عطا فرما رکھی تھی، اسی تجارت کی بنا پر وہ اتنے خوشحال ہیں، میں ان سے کیسے یہ مال واپس لے سکتا ہوں؟ مجھے ان کو اس سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

دن کو تو یہ بات آئی گئی ہوگئی؛ مگر جب رات کو حضرت معاذؓ نیند کی آغوش میں چلے گئے، تو ایک خواب دیکھا کہ وہ پانی کے حوض میں غرق ہو رہے ہیں اور حضرت عمرؓ نے انہیں ڈوبنے سے بچایا اور ان کو باہر نکالا۔ آپؓ بہت حیران وششدر ہوئے، گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی، خواب کی تعبیر سوچنا شروع کی، تو دل میں یہ بات آئی کہ مجھے یہ سارا مال ودولت بیت المال میں جمع کر دینا چاہیے، چناں چہ علی الصباح حضرت عمرؓ کے یہاں تشریف لے گئے اور انہیں اپنا خواب سنا کر اپنے خیال کا اظہار کیا۔

یہاں سے دونوں سیدنا ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مال ودولت یہاں تک کہ اپنا کوڑا بھی جمع کر لینے کی درخواست کی؛ لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لینے سے معذرت کر دی اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو تجارت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جس کے سبب تمہیں یہ فراوانی حاصل ہوئی ہے، یہ سارا کا سارا مال تمہارا ہے، تمہیں اس کو اپنے تصرفات میں لانے کا پورا حق

حاصل ہے؛ لہٰذا اسے آپ لے جائیں۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ: اے معاذ! یہ مال اپنے پاس رکھ لو، یہ آپ کے لیے حلال ہے۔

یمن سے لائے ہوئے غلام آزاد کر دیے

اسی قسم کا ایک اور واقعہ اعمش شفیق کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے واپس تشریف لائے تو مکۂ معظّمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ غلام تھے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: اے معاذ! یہ غلام کہاں سے آئے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اہلِ یمن نے مجھے بطورِ ہدیہ دیے ہوئے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اسے خلیفۃ الرسول کے پاس جا کر بیت المال میں جمع کروادو۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہ بات بہت ناگوار گذری، چناں چہ آپ نے جمع کرانے سے انکار کر دیا؛ لیکن تائیدِ غیبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل رہی، رات کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ: انہیں آگ میں ڈھکیلا جا رہا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں باہر کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ جب دامنِ شب چاک ہوا، روشنی کی سیمیں چادر افق پر پھیلنے لگیں تو دوڑے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: مجھے آپ کی بات منظور ہے، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام غلام لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ: اسے جمع کرلو۔

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جمع کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کہا کہ: یہ ان کی ذاتی ملکیت ہیں، میں اس میں سے کچھ نہیں لوں گا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ: ٹھیک

ہے، آپ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

رکھنے کو تو آپ نے یہ غلام رکھ لیے؛ مگر دل اس پر آمادہ نہ تھا، بالآخر ایک روز ان سب کو پروانۂ آزادی عطا کر دیا، جس کا مختصر پس منظر کچھ یوں ہے کہ:

ایک مرتبہ علی الصباح تمام غلام بارگاہِ ایزدی میں سر بسجود تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ: کس کے لیے نماز پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ: ہم صرف اُس اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو ہمارا خالق و مالک ہے۔ یہ بات سن کر آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ: تم سب کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے خاطر آزاد کر دیا۔

(حکمران صحابہ: ۵۲۵-۵۲۷)

جہادِ شام میں آپ کی شرکت

پہلے گذر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قیامِ یمن کے دوران ہی رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا، مدینۂ منورہ میں جب آپ رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری ہوئی اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو یہاں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا تھا، آپ کے لیے آسمان ساکن تھا، زمین سہمی پڑی تھی، سورج اپنی چمک دمک چھوڑ کر ماند پڑا ہوا تھا، چاند اپنی چاندنی کھو چکا تھا، ستارے بے نور ہو چکے تھے اور کیوں نہ ہوتا وہ عظیم ہستی ہی نہ رہی جس کے رخِ انور کے دیدار سے کائنات کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا؛ بلکہ یہاں رہنا سوہانِ روح بنتا جا رہا تھا، یادوں کے نشتر ہر روز زخم لگاتے رہتے تھے، اور ہر صبح مزارِ رسول دیکھتے ہی یہ آواز کانوں سے ٹکراتی تھی کہ: معاذ! یہ تمہاری ہماری آخری ملاقات ہے، اب کے بعد شاید تم دوبارہ ہمیں نہ

دیکھ پاؤ گے۔غرض یہ کہ کسی لمحہ دلِ مجروح کو قرار نہ آتا۔

چناں چہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مدینۂ طیبہ کو الوداع کہا اور عازمِ شام ہوئے، جہاں ایوانِ باطل سے معرکہ آرائی کا آغاز ہو چکا تھا، آپ رضی اللہ عنہ بھی مجاہدین کی صف میں شامل ہوگئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ مع اپنے اہل وعیال کے اردن میں قیام پذیر ہوئے اور وہیں سے اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے۔

مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہوئے اور فلسطین کے کچھ معرکوں میں بہادری وجواں مردی کا ثبوت دیا۔

جنگِ اجنادین کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہ میمنہ کے افسر تھے، آپ نے جنگ چھڑنے سے قبل مسلمانوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا کہ: ''اے لوگو! سامنے اگرچہ لشکرِ جرار ہے؛ لیکن تم گھبرانا مت، ان شاء اللہ آج اللہ ہمیں فتح سے ضرور سرفراز کرے گا۔تم اپنی جانوں کو اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالو، اگر تم ثابت قدمی سے لڑتے رہے تو اس ملک میں دار الاسلام کی بنیاد پڑ جائے گی اور تم اللہ کی خوشنودی اور اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہرو گے''۔

دونوں صفیں آمنے سامنے ہوئیں، میدانِ کارزار گرم ہوا، گھمسان کا رَن پڑنے لگا، مسلمان رومیوں کے لشکر میں گھس گئے، تلواروں نے اپنا کام کیا، نیزوں نے پیاس بجھائی، شیرانِ اسلام بڑی جاں بازی سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی، اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے بھی

نہایت پامردی اور شجاعت کا مظاہرہ فرمایا۔

جنگِ دمشق

جب مسلمان جنگِ اجنادین سے فارغ ہوئے تو دمشق کا محاصرہ کیا، اثنائے محاصرہ انہیں یہ خبر ملی کہ شاہِ روم ہرقل نے اپنے ایک فوجی ورنجار کو بڑی تعداد میں لشکر لے کر اہلِ دمشق کی مدد ونصرت کے لیے بھیجا، اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کو ہمراہ لے کر ورنجار کے مقابلہ کے لیے نکلے، اس جماعت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اس موقع پر بھی آپ رضی اللہ عنہ نے میمنہ کی سالاری کے فرائض انجام دیے تھے۔

جنگ کا آغاز ہوا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے میمنہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیں، دوسری طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دشمنوں پر بجلی بن کر گرے، ایرانی صفوں کو چیرتے، دشمنوں کو کاٹتے، للکارتے لشکر کے قلب میں جا پہنچے اور بے دریغ قتل کرنے لگے، اس طوفانی حملے نے بہت جلد دشمن کے قدم اکھاڑ دیے اور مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح نصیب ہوئی، یہ لڑائی ''یوم مرج الصفر'' کے نام سے مشہور ہے، اس سے فارغ ہو کر مسلمان پھر دمشق آ گئے اور محاصرہ کو اور سخت کر دیا۔ اسی محاصرے کے دوران ۲۲ / جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳ھ میں خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات اور عہدِ فاروقی کا آغاز

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد کے ذریعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام خلیفۂ اول

صدیقِ اکبرؓ کے دنیائے فانی سے کوچ کر جانے کا پیغام بھیجا، آپؓ نے اس قاصد کی موجودگی میں حضرت معاذؓ کو بلوایا اور انہیں یہ دردناک پیغام سنایا، سنتے ہی حضرت معاذؓ کے منہ سے نکلا "إنا للہ و إنا إلیہ راجعون" پھر قاصد سے پوچھا کہ: مسلمانوں نے کس کو اپنا امیر منتخب کیا؟ قاصد نے کہا: حضرت ابوبکرؓ اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو بنا کر تشریف لے گئے تھے، میں اور تمام مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر آپؓ بہت خوش ہوئے، مارے فرحت کے چہرہ تمتمانے لگا اور فرمایا کہ: مسلمانوں نے بہت ہی اچھا کام کیا ہے کہ عمر فاروق کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔

پھر قاصد نے حضرت عمرؓ کی طرف سے چند اکابر صحابہؓ کا حال دریافت کیا، حضرت ابوعبیدہؓ جواب دیتے رہے، جب حضرت معاذ بن جبلؓ کے متعلق قاصد نے پوچھا: تو امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیتے ہوئے ان کے متعلق تاریخی جملے ارشاد فرمائے کہ معاذ کا حال تو تم دیکھ ہی رہے ہو جس قدر ان کی عمر دراز ہو رہی ہے اسی قدر دنیا سے بے رغبتی بڑھتی جا رہی ہے اور آخرت کا اشتیاق زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔

اخیر میں حضرت ابوعبیدہ و معاذ رضی اللہ عنہما دونوں نے اپنی طرف سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کو مشترکہ خط لکھ بھیجا جس میں تحریر تھا کہ: ہمیں امید ہے کہ آپ دوست و دشمن، امیر و غریب، لاغر و توانا، معزز و حقیر سب کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور منصفانہ فیصلے کریں گے، ہمیشہ رضائے الٰہی کو مطمحِ نظر

رکھیں گے اور خوفِ خدا سے کام لیں گے۔

قاصد رخصت ہوا، تو مسلمانوں نے دمشق کے محاصرہ کو اور سخت کر دیا، بالآخر خوں ریز جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

مشترکہ خط امیر المؤمنین ثانی کے نام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وحضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جو خطوط حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام بھیجے تھے ان میں سے ایک خط کا تذکرہ ابو نعیم اصفہانی نے کیا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درجِ ذیل خط لکھا:

سلام علیک اُمابعد!

اے امیر المؤمنین! ہم نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، آپ کا معاملہ بڑا اہم ہے، آپ کو اس امتِ محمدیہ کا حاکم بنایا گیا ہے، آپ کے پاس شریف وشریر اور دوست ودشمن ہر طرح کے لوگ آئیں گے، ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا، قیامت کے دن آپ کا کیا حال ہوگا اس کی فکر کرتے رہنا، ہم آپ کو اس یومِ محشر سے ڈراتے ہیں جس دن چہرے جھکے ہوئے ہوں گے، کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے، اس دن اللہ اپنی شانِ کبریائی کی وجہ سے لوگوں پر غالب آجائے گا، تمام دوسری حجتیں منقطع ہوجائیں گی، لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہوکر کھڑے ہوں گے، اس کی رحمت کے امیدوار ہوں گے، اس کے عذاب سے ڈر رہے ہوں گے۔ ہمیں تو یہ بات بتلائی گئی ہے کہ اخیری زمانہ میں ایسا وقت بھی آئے گا کہ لوگ بظاہر تو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں گے؛ لیکن باطنی اعتبار سے ایک

دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ہم نے آپ کو یہ خط دل کی گہرائی سے جذبۂ خیر خواہی میں لکھا ہے، ہماری اس سے کوئی دنیوی غرض نہیں ہے، **و السلام علیک**

امیر المؤمنین کا جوابی خط

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو جواب دیتے ہوئے لکھا: **سلام علیکما، أما بعد!**

تمہارا خط مجھے موصول ہوا جس میں فلاں فلاں باتوں کا تذکرہ تھا، اس میں تم نے لکھا کہ قیامت کے دن تمہارا کیا حال ہوگا اس کی فکر کرتے رہنا، تو اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا عمر کے پاس اور کوئی طاقت وقوت نہ ہوگی، تم نے مجھے لکھا اور مجھے اس سے ڈرایا جس سے اگلی امتّوں کو بھی ڈرایا گیا تھا، اور یہ بات تو پہلے سے چلی آرہی ہے کہ لوگوں کی موت سے زمانہ ادلتا بدلتا رہتا ہے، رات اور دن کی آمد ورفت ہر امرِ بعید کو قریب کردیتی ہے، ہر نئی چیز کو پرانی کردیتی ہے اور ہر مقررہ وقت کو لے آتی ہے، یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانہ یعنی جنت وجہنم میں پہنچ جاتے ہیں، تم نے مجھے لکھا اور مجھے ڈرایا کہ: اس امت کے اخیری زمانہ میں ایسا معاملہ پیش آئے گا کہ لوگ ظاہری طور پر ایک دوسرے کے بھائی نظر آئیں گے اور باطنی اعتبار سے ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، تم ایسے لوگ نہیں ہو، یہ وہ زمانہ بھی نہیں ہے اور وہ تو ایسا پُرفتن دور ہوگا جس میں دنیا کی رغبت اور آخرت کی دوری کا ظہور ہوگا، لوگ اپنے دنیوی مفادات کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھیں گے۔تم نے مجھے بہترین نصیحتیں کی ہیں، اسی طرح مجھے خط لکھتے رہنا؛ اس

لیے کہ مجھے تمہاری رائے اور مشوروں کی ضرورت ہے۔ **والسلام علیکما۔**

(معاذ بن جبل: ۳۴، ۳۵، ۳۶ دار القلم دمشق)

معرکۂ فحل، بے باک سفارت اور بے نظیر شجاعت

دمشق کی شکستِ فاش نے رومیوں کو اور زیادہ برہم کر دیا تھا اور وہ انتقام لینے کے لیے باؤلے ہو گئے تھے، چناں چہ انہوں نے اردن کے شہر ''بیسان'' میں زور وشور سے تیاری شروع کر دی اِدھر مسلمانوں نے بھی تیاری کی اور ان کے سامنے مقامِ ''فحل'' پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ دیکھ کر رومیوں نے ''فحل اور بیسان'' کی نہروں اور نالوں کے بند توڑ دیے جس سے پورے علاقے میں پانی ہی پانی ہو گیا، اور انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ہم اب محفوظ ہو گئے ہیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ: تم ہمارے شہر کو چھوڑ کر چلے جاؤ؛ ورنہ تم میں سے کوئی بھی یہاں سے بچ کر نہیں جا سکے گا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہلا بھیجا کہ: یہ دھرتی خدا کی ہے وہ جسے چاہے عزت وذلّت دیتا ہے، اگر ہمارا تم سے مقابلہ ہوا تو ہم ہی ان شاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ رومیوں نے مسلمانوں کا یہ عزم واستقلال، ثبات واستقامت اور حوصلہ دیکھا تو انہوں نے خود ہی اپنی ہار تسلیم کر لی اور صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے، چناں چہ انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس آپ اپنا کوئی سفیر بھیجیے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کارِ عظیم کے لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تجویز فرمایا۔

رومیوں نے مسلمان قاصد کو مرعوب کرنے کے لیے ایک کشادہ ووسیع جگہ

میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ دربار سجایا، اس میں عمدہ عمدہ قالین اور زرق برق فرش بچھائے جس سے آنکھیں خیرہ ہورہی تھیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بغیر تکلّف کے نہایت سادہ لباس وانداز میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر تشریف لے گئے، دربار کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اترے، ایک رومی افسر آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ: تم اپنا گھوڑا مجھے دے دو اور ہمارے سردار کے پاس پہنچ جاؤ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اُن بہترین قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھنا گناہ سمجھتا ہوں جو غریبوں پر ظلم کرکے حاصل کیے گئے ہیں، یہ چیزیں دنیا کی زیب وزینت ہیں، خدا نے ہمیں اس دنیا کی رنگا رنگی سے بچنے کا حکم دیا ہے، یہ سب دھوکا ہے، سب فنا ہوجانے والا ہے، یہ اسراف اور تکبر کا ذریعہ ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے؛ اس لیے میں زمین ہی پر بیٹھوں گا''، یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔

رومی کہنے لگے: ''اگر آپ دربار میں بیٹھتے تو یہ آپ کے لیے عزّت وشرف کا باعث ہوتا؛ لیکن افسوس! آپ کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں ہے اور آپ غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ سن کر آپ جلال میں آگئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر بھرپور جوش وجذبہ سے کہنے لگے: ''تم جس اعزاز اور شرف کی طرف مجھ کو بلا رہے ہو وہ تم نے اپنی قوم پر ظلم کرکے حاصل کیا ہے، یہ عزّت وشرف تمہیں ہی مبارک ہو، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، تم کہتے ہو کہ میں غلاموں کی طرح زمین پر بیٹھ گیا تو میں حقیقت میں اللہ کا غلام ہوں اور جو اللہ کے لیے تواضع وانکساری اختیار کرتا ہے اللہ اسے پسند کرتا ہے''۔

رومی آپ کی باتیں سن کر حیران ہو گئے اور پوچھا: کیا مسلمانوں میں آپ ہی سب سے افضل ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ”معاذ اللہ! میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا شمار سب سے برے لوگوں میں نہ ہو“۔ رومیوں نے ان سے پوچھا: تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو اور ہم سے کیا چاہتے ہو؟ حبش کا ملک تم سے قریب ہے، تم نے اس پر حملہ نہیں کیا، ایران پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہے، تم نے اُدھر کا رخ بھی نہیں کیا اور ہمارے یہاں چڑھ آئے ہو، تمھیں معلوم نہیں کہ ہمارے لشکر کی تعداد کتنی زیادہ ہے، ہم تمھیں پیس کر رکھ دیں گے اور تمھارا وجود ہی ختم ہو جائے گا، نیز جب تم ہمارے نبی اور کتاب کو حق مانتے ہو تو پھر ہم سے کیوں لڑائی کر رہے ہو؟

آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی لغو باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا: ”سب سے پہلے میں تمھیں دینِ اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم کو یہ منظور نہ ہو تو جزیہ ادا کرو، اگر تم اس کو بھی ماننے سے انکار کرتے ہو تو ہمارے تمھارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ اگر تم کو اپنی لاتعداد فوج پر بڑا ناز ہے تو ہمیں قلّت و کثرت کی کوئی پروا نہیں ہیں، ہمیں اپنی طاقت وقوت پر بھروسہ نہیں؛ بلکہ ہمارا بھروسہ تو اس خدائے وحدہٗ لاشریک لہ پر ہے جس نے کئی مرتبہ چھوٹی سی ٹکڑی کو لشکرِ جرّار پر فتح دی ہے۔

تم یہ کہتے ہو کہ: تمھارا بادشاہ تمھارے مال وجان کا مالک ہے؛ لیکن ہم نے جس کو اپنا امیر بنایا ہے وہ ہمارے جیسا ہی ایک آدمی ہے، وہ جب تک اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق چلے گا تب تک ہم اسے اپنا حاکم وسردار تسلیم کریں گے؛ لیکن اگر وہ اس کے خلاف کرے گا تو ہم اسے معزول کر دیں گے، یہاں تک کہ

اگر وہ چوری کرے گا تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالیں گے، زنا کرے گا تو اس پر بھی حد جاری کریں گے، نہ وہ ہم سے چھپ کر دیتا ہے اور نہ اپنے آپ کو ہم سے بڑھ کر سمجھتا ہے، وہ مالِ غنیمت میں حد سے زیادہ حصہ بھی نہیں لے سکتا، ہم تمہارے نبی کو برحق تو مانتے ہیں؛ لیکن تمہاری طرح ان کو خدا کا بیٹا نہیں کہتے، تم خدا کے بارے میں جو نازیبا بات کہتے ہو وہ اس سے پاک ہے، نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا''۔

رومیوں نے حضرت معاذؓ کی یہ بات سن کر کہا: بلقاء کا علاقہ اور اردن کا وہ حصّہ جو تمہارے ملک سے متصل ہے وہ لے لو اور ہمارے ملک سے نکل کر ایران چلے جاؤ۔ حضرت معاذؓ نے ان کی اس پیش کش کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ اس کے بعد رومیوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے براہِ راست رابطہ کیا اور پہلی پیش کش پر یہ اضافہ کیا کہ اسلامی فوج کے ہر فرد کو دو دو اشرفیاں دی جائیں گی، حضرت ابوعبیدہؓ نے بھی اس کو ٹھکرا دیا۔

چناں چہ فریقین نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں، ذوقعدہ سنہ ۱۴ھ میں دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا جس میں عیسائیوں کو سخت ہزیمت ہوئی، آپؓ اس موقع پر بھی میمنہ کے افسر تھے اور یہاں پر بھی بڑی دلیری اور شجاعت کا ثبوت دیا۔

ثابت بن سہل بن سعد کہتے ہیں کہ: معرکۂ فحل کے دن حضرت معاذؓ کی تلوار رومیوں کے سرتن سے جدا کر رہی تھی، جس وقت آپ میمنہ والے حصہ میں لڑ

رہے تھے رومیوں کی جماعت مسلمانوں کے لشکر پر چھا گئی، یہ دیکھ کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک ٹکڑی کو لے کر سینہ سپر ہو گئے اور لوگوں کو للکارتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ مدد و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور ایمان کی وجہ سے تمہاری تائید کی ہے، پس تم اللہ کے دین کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم کو جما دے گا اور جان لو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور ان بت پرست کافروں کے خلاف تمہارا مددگار ہے۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الأخیار: ۴/ ۱۱۸)

جنگِ یرموک، جیسا باپ ویسا بیٹا

مسلمانوں کی ان مسلسل فتوحات کو دیکھ کر دشمن کے ہوش اڑ گئے اور انہوں نے بہت بڑی تعداد میں ایک لشکر اکٹھا کیا جو سراپا ہتھیاروں سے لیس تھا۔ ان کے اس اجتماع کی خبر مسلمانوں کے امیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے اہلِ رائے صحابہ سے مشورہ لیا، کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ شام کے تمام علاقوں کو خالی کر کے ساری فوجیں عرب کی سرحد پر چلی جائیں اور جب دار الخلافہ سے کمک آجائے، اس کے بعد دشمنوں کے مقابل ہوجائے؛ لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے اس سے جداگانہ تھی، وہ فرماتے تھے کہ ان فتح شدہ شہروں کو خالی کرنا گویا اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے؛ اس لیے کہ اگر ہم اپنا قبضہ ہٹالیں گے تو رومی دوبارہ قابض ہوجائیں گے اور ان کو نئے سرے سے فتح کرنا مشکل ترین کام ہوگا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی رائے بہت پسند آئی۔ اسی کے مطابق حضرت ابو

عبیدہ نے صرف تیس چالیس ہزار مجاہدوں کو ان کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔

رجب ۱۵ھ میں یرموک کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور ایسی خوں ریز جنگ ہوئی کہ کبھی آسمان نے اس کا مشاہدہ نہ کیا ہوگا، اس جنگ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ میمنہ کے افسر تھے اور شروع سے اخیر تک بڑی جاں بازی اور استقلال کے ساتھ لڑے۔ والدِ گرامی میں شجاعت وجواں مردی کا جو گراں مایہ جوہر تھا، لائق وفائق بیٹا بھی اسی جوہر سے سرشار تھا، دیکھا گیا کہ صاحبزادہ عبد الرحمٰن بھی آپ کے دوش بدوش پہلو بہ پہلو دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ ''الفاروق'' میں رقم طراز ہے کہ: ایک مرتبہ عیسائیوں نے ایسا حملہ کیا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا جس سے میمنہ میں انتشار پھیلنے لگا، کچھ لوگ پیٹھ دکھاتے ہوئے بھاگے، میمنہ کے افسر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے لشکر کو للکارا، اور گرجتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے بندو! ان لوگوں نے تم پر سخت حملہ کردیا ہے، اگر تم صدقِ دل سے اور ثابت قدمی کے ساتھ ان کا مقابلہ کروگے تو تم ان کو شکست دے سکتے ہو۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے اترے اور فرمایا کہ: جو شخص میرے گھوڑے پر سوار ہوکر جنگ کرنا چاہے وہ اسے لے لے اور خود پیدل دستوں کے ساتھ چل پڑے، چناں چہ ان کے بیٹے عبد الرحمٰن جو ابھی بالغ ہوئے تھے وہ جست لگا کر گھوڑے پر سوار ہوگئے اور کہا: اے ابا جان! مجھے امید ہے کہ میں پیادہ کے بجائے ایک عظیم شہسوار رہوں اور اے ابا جان! آپ سوار ہونے کی نسبت ایک ماہر

پیادہ سپاہی ہیں اور جب یہ سپاہی ومجاہد آپ کو صابر ومحافظ پائیں گے تو وہ خود صبر کریں گے اور محافظ ہو جائیں گے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ: اے میرے جگر کے ٹکڑے! اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق عطا فرمائے۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۱۱۹)

بیت المقدس کا محاصرہ

اسلامی لشکر نے یکے بعد دیگرے شہروں پر پرچمِ اسلام لہرا کر بیت المقدس کا رخ کیا اور اس کا محاصرہ کرلیا، کچھ مدت کے بعد اہلِ شہر نے خود ہی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ: ہم صلح کرنا چاہتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ مسلمانوں کا خلیفہ یہاں آئے۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مشورہ کے لیے اردن سے بلا بھیجا، آپ رضی اللہ عنہ نے یہ رائے پیش کی کہ پہلے ان سے صلح کا پختہ عہد لے لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لے اور یہ لوگ پھر جائیں۔ چناں چہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے پختہ عہد لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ یہاں تشریف لائیں۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور دونوں فریق کے درمیان معاہدۂ صلح طے پایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط اور شام وفلسطین کے لیے روانگی

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے گورنر حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا کہ: ''اے امیر المؤمنین! باشندگانِ شام کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، اب ان کے لیے کچھ ایسے افراد کی ضرورت ہے جو انہیں قرآنِ مجید کی تعلیم دیں اور دینی احکام سکھلائیں، آپ اس سلسلہ میں

ہماری مدد فرمائیے۔

حضرت عمرؓ نے ان پانچ صحابۂ کرام ۔جنہوں نے عہدِ نبوت میں ہی ''جمعِ قرآن'' کی خدمت انجام دی تھی۔ کو بلوایا، ان کے نام یہ ہیں: حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو درداءؓ، جب یہ پانچوں حضرات آ گئے تو آپؓ نے ان سے فرمایا کہ: شام میں رہائش پذیر مسلمانوں نے مجھ سے کچھ ایسے اصحابِ علم کی خدمات طلب کی ہیں، جو انہیں قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم دیں، میں تم میں سے تین اشخاص کو اس کام کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، اگر آپ لوگ چاہیں تو قرعہ اندازی کر لیں یا میں خود ہی تین کو اپنی رائے سے بھیج دوں؟ ان حضرات نے عرض کیا کہ: اے امیر المؤمنین! اس معاملہ میں قرعہ اندازی کی کیا ضرورت ہے؟ ابو ایوب انصاری تو بہت زیادہ ضعیف ہو چکے ہیں اور ابی بن کعب اکثر وبیشتر بیمار رہتے ہیں اور رہے ہم تین تو ہم اس خدمت کی انجام دہی کے لیے تیار ہیں۔

ان کا جواب سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم لوگ تعلیم کا آغاز حمص سے کرنا، جب تم لوگوں کو وہاں کا ماحول ٹھیک ٹھاک لگے تو وہاں تم میں سے ایک آدمی رہ جائے، دوسرا دمشق چلے جائے اور تیسرا فلسطین روانہ ہو جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے تینوں بااختیار منصفانِ حق شناس پہلے حمص پہنچے، وہاں کچھ دن قیام کے بعد حضرت عبادہ بن صامتؓ ٹھہر گئے، حضرت ابو درداءؓ نے دمشق کی راہ لی اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے فلسطین کے لیے رختِ سفر

باندھا۔(زندگیاں صحابہ کی: ۶۰۳)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی جانشینی

سنہ ۱۸ھ میں مصر اور شام میں طاعون کی خوفناک وبا پھوٹ پڑی جسے تاریخ میں ''طاعونِ عمواس'' کہا جاتا ہے، اس میں کئی ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، حضرت واقدیؒ فرماتے ہیں: ۲۵۰۰۰/صحابہ تھے اور بقولِ بعض ۳۰۰۰۰/ تھے۔(معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ: ۳۶ دارالقلم، دمشق)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خود اس مرض میں مبتلا ہوئے، جب ان کے مرض نے شدت اختیار کی تو انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔

مسندِ احمد ابن حنبل میں ہے کہ مرض الوفات میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا کہ: ''اے لوگو! یہ وبا تمہارے پروردگار کی رحمت، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اور تم سے پہلے لوگوں کی موت ہے اور اب ابو عبیدہ بھی اس سعادت سے حصہ پا رہا ہے''۔

ابھی خطبہ جاری تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا، انہوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، ابھی تو نماز سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے بے انتہا محبت اور بے حد لگاؤ تھا؛ اس لیے آپ کو بہت شدید صدمہ پہنچا، مارے غم واندوہ کے آپ نڈھال ہو گئے، جب کچھ ڈھارس بندھی تو ہمّت کر کے مسلمانوں کو جمع کیا اور درجِ ذیل تاریخی خطبہ دیا:

’’لوگو! گناہوں سے توبہ کرو، جو بندہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کو بخش دیتا ہے، جو شخص مقروض ہو وہ اپنا قرض ادا کردے؛ کیوں کہ قرض آخرت میں مصیبت کا ذریعہ ہے، جو شخص اپنے کسی بھائی سے ناراض ہو تو اسے معاف کردے؛ اس لیے کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن تک سلام وکلام بند رکھے۔

مسلمانو! تم میں اب وہ شخص نہ رہا جو اخلاق ومحاسن کے لحاظ سے بے نظیر تھا، وہ سب سے زیادہ درگذر کرنے والا تھا، خیر خواہ تھا، اس کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا کرو، اب تمہیں اس جیسا امیر نہیں ملے گا‘‘۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ اور ضحاک ابن قیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ان کو سپردِ خاک کیا۔

طاعون کے دوران خطبہ اور دعا

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ منصبِ سپہ سالاری پر فائز ہوئے تو حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: اس طاعون والی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ بہت سخت برہم ہوئے اور وہی بات دہرائی جو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی کہ: ’’یہ وبا تمہارے پروردگار کی رحمت، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اور تم سے پہلے لوگوں کی موت ہے‘‘۔ مسندِ احمد ابن حنبل میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمان شام کو فتح کر لیں گے، پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کردے گی، جو

اس میں مرے گا وہ شہید ہوگا اور اس کا نامۂ اعمال گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے تو یہ رحمت میرے گھر بھیج اور مجھ کو بھی اس سعادتِ عظمیٰ سے نواز دے۔

دار القلم دمشق سے چھپی کتاب ''معاذ بن جبل'' میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: آدمی کے لیے فتنوں کے ظاہر ہونے، مرتد ہو جانے، کسی کو ناحق قتل کرنے، باغی بننے اور آدمی کو یہی پتہ نہ ہو کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا یا اس بات کا علم نہ ہو کہ آیا وہ حق پر ہے یا باطل پر، ان تمام چیزوں سے پہلے مر جانا بہتر ہے۔

(معاذ بن جبل: ٣٧، دار القلم دمشق)

عبد الرحمٰن بن غنم بیان کرتے ہیں کہ: شام میں طاعون کی بیماری پھیل گئی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! یہ طاعون کی بیماری عذاب ہے، یہاں سے وادیوں اور گھاٹیوں کی طرف بھاگ جاؤ''۔ یہ بات حضرت شرحبیل بن حسنہ نے سنی تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے جوتے ہاتھ میں پکڑے بھاگے بھاگے آئے اور کہا: میں رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہوں، سنو! یہ بیماری عذاب نہیں؛ بلکہ تمہارے رب کی رحمت ہے، تمہارے نبی کی پیشین گوئی ہے، تم سے پہلے بہت سے صالحین اس بیماری کی لپیٹ میں آکر اللہ کو پیارے ہوئے۔

یہ بات جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سنی تو یہ دعا کی: ''اللھم اجعل نصیب آل معاذ''، الٰہی! یہ آلِ معاذ کو نصیب فرما۔ (حکمران صحابہ: ٥٢٩)

صاحبزادہ عبدالرحمٰن کی وفات

خطبے سے فارغ ہونے کے بعد جب خیمہ میں آئے تو اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی نصیحت کی جو اس وبائے عام میں مبتلا تھے: اے بیٹے! یہ خدا کی طرف سے ہے، اس میں سراپا رحمت ہی رحمت ہے، اس کے بارے میں تم ذرا بھی شش و پنج اور تذبذب میں مت رہنا۔ بیٹے کے دل میں بھی وہی جوش وجذبہ انگڑائیاں لے رہا تھا؛ اس لیے بلاتردد برجستہ جواب دیا کہ: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابرین میں پائیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۵۲)

آپ رضی اللہ عنہ کی دو بیویوں کی وفات

بیٹے کی وفات سے قبل آپ رضی اللہ عنہ کی دو بیویوں کا بھی اسی ''طاعونِ عمواس'' میں انتقال ہو چکا تھا۔

مرض کی ابتدا اور خوفِ آخرت

اہل وعیال کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ بالکل تنہا ہو گئے، اور پھر رفتہ رفتہ اس طاعون نے آپ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے شکنجے میں کَس لیا، اس موذی بیماری کے آثار پہلے دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت پر ظاہر ہوئے، وہاں ایک پھوڑا نکلا، جس میں ناقابلِ برداشت درد وتکلیف ہوتی تھی، درد کی شدت کے باوجود آپ اس پر راضی تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''دنیا کی ساری نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے''۔

گاہے گاہے شدتِ درد کی وجہ سے غشی بھی طاری ہو جاتی تھی، جب افاقہ ہوتا تو فرماتے: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے بے انتہا محبت رکھتا ہوں؛ اس لیے مجھ کو اپنے غم میں غمگین کر''۔ پھر بے ہوش ہو جاتے، جب ہوش آتا تو ایسے ہی کلمات دہراتے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ اس مرض میں کثرت سے رویا کرتے تھے، لوگ تسلی دیتے ہوئے کہتے بھی کہ: اے معاذ! آپ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں،، مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، آپ کا سینہ قرآن کا مخزن ہے، اس کے سوا آپ دوسرے فضائل ومناقب سے آراستہ وپیراستہ ہیں، رونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: میں نہ تو موت کے ڈر سے روتا ہوں اور نہ دنیا کے چھوٹنے کا مجھے غم ہے، میں اس لیے رو رہا ہوں کہ معلوم نہیں آخرت میں میرا کیا حال ہوگا؟۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دو شاگردوں کا رونا

آپ رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ اور یزید بن عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے پاس کھڑے رو رہے تھے، آپ نے پوچھا: تم کیوں رو رہے ہو؟ ہم نے جواب دیا کہ: ہم اُس علم پر روتے ہیں جو آپ کے ساتھ چل بسے گا، آپ نے فرمایا: رؤو نہیں، علم اور ایمان قیامت تک باقی رہیں گے، یہ دونوں ختم ہونے والے نہیں ہیں، جو اس کی تلاش میں رہے گا وہ اس کو پالے گا، میرے بعد تم عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء، سلمان فارسی اور عبداللہ بن

سلام کے پاس جانا اور اکتسابِ فیض کرنا۔

وفاتِ حسرت آیات

جس دن وفات ہوئی اس سے اگلی رات کو بے چین تھے، بار بار دریافت کرتے کہ: صبح ہوئی؟ لوگ کہتے: ابھی صبح نہیں ہوئی، جب رات گذر گئی تو انہیں بتایا گیا کہ: اب صبح ہوگئی ہے، تو فرمایا: ''میں اُس رات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جس کی صبح جہنم کی طرف لے جاوے، مرحبا اے موت مرحبا! تو اس دوست کے پاس آئی جو فاقہ کی حالت میں ہے، اے میرے پیارے اللہ! بے شک میں پہلے آپ سے ڈرتا تھا؛ مگر آج میں آپ سے مغفرت و رحمت کی امید رکھتا ہوں''۔

وفات کے وقت بار بار اس ترانے کو پڑھتے تھے: **''مرحبا بالموت مرحبا زائر! جاء بعد غیاب، وحبیب وفد علیٰ شوق''**، خوش آمدید موت کو خوش آمدید! طویل فرقت کے بعد ملاقاتی آیا ہے، اور محبوب بڑی تمناؤں کے بعد ملا ہے۔

آسمان کی طرف نظر اٹھائے ہوئے فرمانے لگے: ''اے میرے معبود! تو بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے دنیا اور اس کی زندگی کو اس لیے نہیں چاہا تھا کہ اس میں باغات لگاؤں اور نہریں جاری کروں؛ بلکہ میں نے تو صرف اس لیے چاہا تھا کہ گرمیوں کی دوپہر میں بھوک پیاس کی شدت برداشت کروں، کٹھن حالات کی سختیاں جھیلوں اور ذکر و تعلیم کی مجالس میں علما کے سامنے زانوئے تلمذ طے کروں، خدایا! تو نفسِ مؤمنہ کی طرح میری جان اپنے سایۂ عاطفت میں لے لے''۔ (زندگیاں صحابہ کی: ۶۰۴)

اس کے بعد روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی، "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون"۔

تدفین

وفات کے وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ۳۶/ سال تھی، وفات بھی نہایت مبارک خطے میں ہوئی، بیت المقدس اور دمشق کے درمیان غور نامی ایک صوبہ میں بیسان ایک مشہور شہر تھا، جو شہر اردن کے قریب واقع تھا، اسی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ۱۸ سنہ ھ کے کسی مہینے میں وفات پائی، شہر کے مشرقی طرف وہ مقدس مقام واقع تھا جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے، مدفن کے لیے وہی مقام تجویز ہوا اور نعش مبارک وہیں سپردِ خاک کی گئی۔

(سیر الصحابہ: ۵/ ۱۵۴)

حسنِ اتفاق دیکھئے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ وفات پائی جہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تھے، آپ نے عمر بھی اتنی ہی پائی جتنی حضرت عیسیٰ کی تھی، اسی لیے سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: جس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم کو آسمان پر اٹھایا تھا اس وقت ان کی عمر مبارک ۳۶/ برس تھی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر بھی ۳۶/ برس تھی۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۲۶)

آپ رضی اللہ عنہ سے منقول روایتیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سلطنتِ علم کے بے تاج بادشاہ تھے، اور کیوں نہ ہوتے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اکتسابِ فیض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے

نہیں دیا، آپ رضی اللہ عنہ جس طرح فقہ میں ایک پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے اسی طرح حدیث میں بھی نہایت اونچے مقام پر تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی انہیں تعلیم دیا کرتے تھے؛ لیکن ان سب کے باوجود آپ حدیث بیان کرنے سے از حد پرہیز فرماتے تھے۔اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سے صرف ۱۵۷ / روایتیں مروی ہیں جن میں دو حدیثوں پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت حضرت جابر بن عبد اللہ اور کچھ لوگ پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا کہ: پردہ اٹھاؤ، میں ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جسے میں نے صرف اس لیے بیان نہیں کیا تھا کہ لوگ سست ہوجائیں گے اور اعمال وغیرہ چھوڑ دیں گے، اس کے بعد آپ نے یہ حدیث بیان کی کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدقِ دل سے کلمۂ توحید پڑھے اس پر دوزخ حرام ہوجاتی ہے۔

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرنا

اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک بہت بڑا طبقہ آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کرتا ہے، ان کے اسمائے گرامی مندرجۂ ذیل ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ، ابو لیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ، ابو الطفیل رضی اللہ عنہ۔

آپ کے شاگردان

بہت سے نامور لوگوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، ان میں سے

کچھ تلامذۂ خاص کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ابنِ عدی، ابنِ ابی اوفیٰ اشعری، عبد الرحمٰن بن سمرہ بعثی، جابر بن انس، ابوثعلبہ خشنی، جابر بن سمرہ السوائی، عبد الرحمٰن ابن غنم، ابومسلم خولانی، ابوعبداللہ صنابجی، ابووائل، مسروق، جنادہ بن ابی امیہ، ابو ادریس خولانی، جبیر بن نفیر، اسلم مولیٰ حضرت عمر، اسود بن ہلال، اسود بن یزید، عبد اللہ بن مالک بن ابی الاسحم۔ ابونعیم الجیشانی نے قرآنِ کریم حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس پڑھا جو اصل یمن ہی کے باشندہ تھے؛ لیکن بعد میں مصر میں سکونت اختیار کی تھی۔ عاصم بن حمید السکونی، ابوبحریۃ السکونی، مالک بن یخامر، ابووائل، قیس بن ابی حازم، یزید بن عمیرہ اور رجاء بن حَیوَہ نے چند احادیثِ مرسلات آپؓ سے نقل کی ہے۔ (معاذ بن جبل: ۹۳، دار القلم دمشق)

حلیۂ مبارکہ

اہلِ سیر نے حضرت معاذؓ کے حسنِ ظاہری کی بے حد تعریف کی ہے، آپ کا رنگ سپید، چہرہ روشن، قد دراز، آنکھیں بڑی بڑی اور سرگیں، ابرو پیوستہ، بال گھنگھریالے، دانت صاف اور چمکدار۔ بات کرتے تو دانتوں کی چمک ظاہر ہوتی جسے ان کے عقیدت مند نور اور موتی سے تعبیر کرتے، آواز بہت پیاری اور گفتگو نہایت شیریں تھی۔ حسنِ ظاہر کے لحاظ سے آپؓ تمام صحابہ میں ممتاز تھے، آپ ایسے حسین وجمیل نوجوان تھے کہ دیکھنے والوں کی آنکھوں کے راستے اتر کر دل میں گھر کر جاتے تھے، جو آپ کی مجلس میں بیٹھتا آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا۔

(سیر الصحابہ: ۵/ ۱۵۵)

یزید ابن قُطیب کا بیان ہے کہ: میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا، میں نے وہاں دیکھا کہ ایک نوجوان کے گرد لوگوں کا بہت بڑا مجمع اکٹھا ہے جس کے بال گھنگھریالے ہیں، جب وہ بولتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کے منہ سے روشنی نکل رہی ہے اور موتی جھڑ رہے ہیں، میں نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا: معاذ بن جبل۔ (حکمران صحابہ: ۵۲۷)

ازواج واولاد

عمومی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا ذکر کتبِ تاریخ میں ملتا ہے جس کا نام عبدالرحمٰن تھا، تاہم ابن الجوزیؒ نے اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: آپ کے تین صاحبزادے تھے: عبدالرحمٰن، امِ عبداللہ اور ایک تیسرا لڑکا بھی تھا؛ لیکن اس کا نام نہیں ہے۔

آپ کی بیویوں کا مفصل تذکرہ نہیں مل سکا؛ البتہ اتنا معلوم ہوا کہ طاعونِ عمواس میں آپ کی دو بیویوں کا انتقال ہوا تھا، ان بیویوں کے درمیان آپ خوب عدل وانصاف کا معاملہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ یحییٰ ابن سعید قطان کا بیان ہے کہ: اگر ایک کی باری ہوتی تو دوسرے کے گھر پانی تک نہ پیتے، نہ وضو فرماتے۔ جب طاعونِ عمواس میں دونوں بیویوں کا انتقال ہوگیا تو اس وقت صحابہ کثرت سے اس بیماری میں شہید ہورہے تھے جس کے باعث ایک ہی گڑھے میں متعدد لوگوں کو دفن کیا جاتا تھا جب ان دو بیویوں کو ایک گڑھے میں دفن کرنے کا موقع آیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے قرعہ اندازی کروائی کہ دو میں سے کس کو پہلے قبر میں اتارا

جائے۔(صفۃ الصفوۃ:۱/۲۲۱-۲۲۲)

آپ اپنی بیویوں کی دینی تربیت بھی فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت معاذؓ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ بیٹھے سیب کھا رہے تھے، اسی اثنا میں وہاں سے آپؓ کا ایک غلام گذرا، آپؓ کی بیوی نے غلام کو وہ سیب دیا جس کو پہلے بیوی نے خود کھایا ہوا تھا اس پر آپؓ نے اپنی بیوی کی سرزنش فرمائی۔(طبقات ابنِ سعد:۳/۱۲۳)

اوصاف وکمالات

حبِ رسول، جوشِ ایمان، شغفِ قرآن وحدیث، شوقِ علم، جہاد فی سبیل اللہ، زہد وتقویٰ، اتباعِ سنت، صداقت شعاری، اصابتِ رائے، جود وسخا، تعلیم وتعلّم، تفقہ فی الدین اور شوقِ تبلیغ جیسے نمایاں اوصاف سے آپ مالا مال تھے۔

حق گوئی

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالکؓ اپنے تساہل کی بنا پر شریک نہ ہوسکے، دورانِ سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ: کعب ابن مالک کیوں نہیں آئے؟ تو بنوسلمہ کے ایک صاحب نے ان کی مالی آسودگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ: انہیں دو چادروں نے اور اپنے پہلو کی طرف دیکھنے نے روک دیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ بھی وہیں موجود تھے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! کعب بھلے آدمی ہیں، ہمیں ان کی طرف سے سوائے اچھائی کے کچھ معلوم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر سکوت فرمایا۔ یہ واقعہ حضرت معاذؓ

کی نیک نفسی اور حق گوئی پر دال ہے۔(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار:۳۴۷)

سراپا صداقت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنا

ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی؛ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس میں کچھ شک ہوا، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ بات کہی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **”صدق معاذ، صدق معاذ، صدق معاذ“**، معاذ نے سچ کہا، معاذ نے سچ کہا، معاذ نے سچ کہا۔

زہد وتقویٰ

شروع میں گذر چکا ہے کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات کی وصولیابی کے وقت ہدیہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی؛ مگر بعد میں آپ نے اس خصوصی رعایت کو چھوڑ کر آخرت کو ترجیح دی اور زہد وتقویٰ والی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب میں صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، آپ نے صدقات وغیرہ وصول کرکے اسے شریعت کے مطابق تقسیم کردیا، کچھ بھی باقی نہ رکھا، جب واپس آئے تو ان کی گردن میں وہی ٹاٹ تھا جو وہ بیٹھنے کے لیے لے گئے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے جب آپ کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا: وہ مال کہاں ہے جو تم نے حاصل کیا تھا؟ دوسرے عامل تو اپنے گھر والوں کے لیے کچھ نہ کچھ لاتے

ہیں تم کیوں خالی ہاتھ آئے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑے اطمینان وسکون سے جواب دیا: میرے ساتھ ایک نگران تھا جو میری سخت نگرانی کرتا تھا۔ آپ کی بیوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو آپ کو بڑے امین سمجھتے تھے، آخر اب کیا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تم پر ایک نگران مقرر کردیا۔

بعد میں ان کی اہلیہ نے براہِ راست یا اپنی رشتہ دار عورتوں کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق شکایت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بلوایا اور کہا: اے معاذ! یہ تمہاری اہلیہ کیا کہہ رہی ہے؛ حالاں کہ میں نے تم پر کوئی نگران مقرر نہیں کیا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے امیر المؤمنین! میرا اللہ مجھ کو دیکھ رہا تھا وہی تو میرا نگران تھا، میں اپنی بیوی سے اور کیا معذرت کرتا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت ہنسے اور کچھ مال بھی عنایت فرمایا کہ: اس سے اپنی اہلیہ کی دلجوئی کرلینا۔

جود وسخا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بڑے فیّاض تھے، کبھی کوئی مانگنے والا آپ کے ہاں سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا، ہر کسی کو کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے راستہ میں اتنا مال نچھاور کرتے تھے کہ ایک وقت آپ پر ایسا آیا کہ آپ کی اکثر ملکیت قرض میں بک گئی، اس کے باوجود آپ مال لُٹایا کرتے تھے جس کے نتیجہ میں آپ اور مقروض ہوگئے، کچھ دنوں بعد قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کردیا تو آپ نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ قرض خواہوں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے خدمتِ اقدس

میں حاضر ہو کر اپنا سارا حال کہہ سنایا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہ کی اس حالت کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا مطالبہ چھوڑ دے گا اللہ اس پر رحم کرے گا۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں نے اپنا اپنا قرض معاف کر دیا؛ لیکن اب بھی کچھ لوگ ذاتی وجوہات کی بنا پر اپنے مطالبے پر قائم رہے، ابن الجوزی نے صفۃ الصفوۃ ۱: / ۲۲۲ میں اس کی صراحت کی ہے کہ یہ بقیہ قرض خواہ یہودی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بقیہ جائیداد قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کر دی؛ لیکن قرض جائیداد سے بہت زیادہ تھا، اس بنا پر قرض اب بھی باقی رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا: اس پر اکتفا کرو اور اسی کو لے جاؤ۔

اب آپ رضی اللہ عنہ بالکل مفلس ہو چکے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! گھبراؤ نہیں، اللہ تمہیں اس کا بہتر اجر عطا کرے گا اور تمہارے لیے کوئی اچھی صورت پیدا کرے گا۔

عبدالرحمٰن بن سعید بن یربوع، مالک الدار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار اپنے ایک غلام کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ: یہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ، وہاں کچھ دیر ٹھہرنا اور دیکھنا کہ وہ کیا کرتے ہیں، غلام دینار لے کر وہاں گیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: یہ امیر المؤمنین نے بھیجے ہیں، وصول کر لیجیے، آپ نے امیر المؤمنین کو دعائیں دیں اور کنیز کو بلا کر کہا کہ: یہ لے جاؤ، اور فلاں فلاں میں اتنے اتنے تقسیم

کرآؤ، وہ حکم بجالاتے ہوئے تمام دینار تقسیم کرآئی۔ غلام حضرت عمرؓ کے پاس واپس آیا اور جو کچھ دیکھا تھا اس کی اطلاع کردی۔

پھر اسی مقدار میں دینار غلام کے سپرد کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ: اب یہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس لے جاؤ، اور دیکھو وہ کیا کرتے ہیں، پھر مجھے اطلاع کرنا۔ غلام دینار لے کر حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس پہنچا، اور ان کی خدمت میں دینار پیش کیے، انہوں نے قبول کرتے ہوئے امیر المؤمنین کو دعائیں دیں۔ اور کنیز کو بلا کر حکم دیا کہ یہ دینار فلاں فلاں گھر میں تقسیم کرآؤ، اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے گھروں میں تقسیم کرنا شروع کردیا، بیوی نے سنا تو کہا: بخدا! ہم بھی ضرورت مند ہیں، ہمیں اس میں سے کچھ دیجیے، اس وقت تک تھیلی میں صرف دو دینار بچے تھے، چناں چہ وہ دو بیوی کو دے دیے۔

غلام نے یہ سارا منظر بھی امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو بتا دیا، آپ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا: "**إنهم إخوة بعضهم من بعض**"، یہ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (حکمران صحابہ: ۵۲۸)

ذہانت وفطانت اور اصابتِ رائے

آپؓ بڑے زیرک وصائب الرائے تھے، آپ کی ذہانت وفطانت کے کیا کہنے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مواقع پر آپ کی رائے کو پسند کیا۔ علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سلطنت کے اہم معاملات میں جن صحابہ سے مشورہ لیتے تھے ان میں حضرت معاذؓ بھی شامل تھے۔

عہدِ صدیقی کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے باقاعدہ مجلسِ شوریٰ کی بنیاد ڈالی جس کے ایک رکنِ رکین حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (سیر الصحابہ:۵/ ۱۵۲)

آپ رضی اللہ عنہ کی جامعیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی خوبی دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بیک وقت مختلف کاموں اور گوناگوں فرائض کے انجام دینے کی قابلیت پیدا ہوگئی تھی، یہی حضرت معاذ مفتیٔ شرع بھی تھے، مجلسِ ملکی کے ممبر بھی، جامعِ حمص میں قرآن وحدیث کے معلّم بھی تھے، اور صوبۂ یمن کے گورنر بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ صوبہ سلطنت کا سب سے بڑا صوبہ تھا، گویا بیک وقت حاکمِ شہر بھی، اسلام کے مفسر و مبلّغ بھی اور میدانِ جنگ میں غازی وشجاع اور مجاہد بھی۔ (سیر الصحابہ:۵/ ۱۵۰)

منصبِ افتا پر فائز ہونا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں افتا کی بنیاد ڈالنا چاہی، آپ نے اس عظیم کام کے لیے مہاجرین وانصار کے جن بڑے بڑے اصحاب کو طلب فرمایا، ان میں حضرت معاذ بن جبل بھی تھے۔ (سیر الصحابہ:۵/ ۱۵۹)

محمد بن سہل بن ابی حثمہ اپنے والد (سہل رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں تین مہاجر اور تین انصاری صحابہ فتوے دیتے تھے، مہاجرین میں سے عمر، عثمان، علی اور انصار میں سے ابی بن کعب، معاذ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مفتی تھے۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا:۵/ ۱۲۴)

طبقات ابنِ سعد میں حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی میں اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ کے مفتی تھے۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۵/ ۱۲۰)

حبِّ رسول

حبِّ الٰہی کے بعد حبِّ رسول کا درجہ ہے، جس طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حبِّ الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن تھے، اسی طرح آپ حبِّ رسول میں بھی مستغرق تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادنیٰ درجہ کی غیبوبت بھی گوارا نہ تھی، اگر کچھ دیر کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے درمیان نہ پاتے تو بے تابانہ آپ کی تلاش میں نکل پڑتے۔

چناں چہ کسی موقع پر سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے، آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، کچھ دیر کے بعد آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں سے اٹھ کر کہیں گئے، تھوڑی دیر بعد جب آپ واپس نہ آئے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی ہوئی، بہت بے چین ہوئے، شام تک انتظار کرتے رہے؛ لیکن جب آپ کی تشریف آوری نہ ہوئی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر آپ کی تلاش میں نکل پڑے، اسی دوران راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھائی دیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ کا حال دریافت فرمایا: اے معاذ! تمہارا کیا حال ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے نبی! آج آپ ہم میں تشریف فرما نہ تھے؛ اس لیے ہمیں یہ خدشہ ہوا کہ خدانخواستہ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی؟ اس بنا پر ہم آپ کو

تلاش کرتے ہوئے یہاں نکل آئے ہیں۔ (سیر الصحابہ: ۵ / ۱۶۳)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر بے تحاشا رونا

سنہ ۱۶ ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاہدۂ صلح طے کرنے کے لیے بیت المقدس تشریف لے گئے، بات چیت طے ہوجانے کے بعد جب مسلمان پہلی مرتبہ مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہوئے تو نماز کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دینے کی خواہش ظاہر کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں تو عہد کرچکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد کبھی بھی کسی کے لیے اذان نہیں دوں گا؛ لیکن آج آپ کی خواہش ہے تو صرف آپ کی خواہش اور آپ کے حکم کی تعمیل میں اذان دوں گا، اور آپ کے ارشاد کو بجالاؤں گا۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینا شروع کیا تو تمام صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک زمانہ یاد آگیا اور وہی شب وروز وہی محبوب کا سراپا ان کے دل ودماغ میں گردش کرنے لگا، اور سبھی لوگ آپ کی یاد میں زار وقطار رونے لگے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد نے آہ وسسکیاں بھرنے پر مجبور کردیا۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ اتنا دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے کہ آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

(سیر الصحابہ: ۵ / ۱۶۴)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور شیطان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے شیطان کو پکڑنے والا قصہ سنانے کی فرمائش کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے صدقہ کی کھجوریں دیں، میں نے وہ کھجوریں اپنے گھر لا کر رکھ دیں؛ لیکن مجھے ان میں روزانہ کمی نظر آتی تھی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: یہ سب شیطان کی کارستانی ہے، تم رات کے وقت اس کا انتظار کرو، وہ ضرور آئے گا۔

چناں چہ میں رات کے وقت اس کی گھات لگا کر بیٹھ گیا، اسی اثنا میں شیطان آیا اور ہیئت بدل کر دروازہ کے سوراخ سے داخل ہوا اور کھجور لینے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا، تو اس نے کہا: میں آئندہ کبھی نہیں آؤں گا، چناں چہ اس وعدے پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔

صبح میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا واقعہ کہہ سنایا، آپ نے فرمایا: وہ آج بھی آئے گا، میں رات کے وقت اس کا انتظار کرنے لگا، وہ دوسری رات بھی آیا، میں نے پکڑ لیا؛ مگر پھر اس کے نہ آنے والے وعدے پر اسے چھوڑ دیا، اسی طرح وہ تیسری رات بھی آیا، تو میں نے اس سے کہا: آج میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، تو اس سے قبل بھی دو مرتبہ وعدہ کر چکا ہے۔

اس نے کہا کہ: میں عیالدار ہوں، نصیبین (ملکِ شام میں ایک جگہ ہے) سے آتا ہوں، میرے پاس کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے؛ اس لیے میں یہاں آتا ہوں، حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل مدینہ میں رہتا تھا، آپ کی بعثت کے بعد سے جب یہ دو آیتیں: آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں نازل ہوئیں تب سے ہم وہاں جا کر رہنے لگے ہیں، اور جس گھر میں بھی یہ دو آیتیں پڑھی جاتی

ہیں شیطان تین دن تک اس گھر میں نہیں آتا اس کے بعد میں نے اسے چھوڑ دیا۔

علی الصباح میں حاضرِ خدمت ہوا اور پورا واقعہ کہہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس مرتبہ اس نے سچ بات کہی ہے، اس کے بعد کھجوروں میں کمی ہونا بند ہوگیا۔ (حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۸۹)

تبلیغ و نصیحت

مبدأ فیض سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دعوت و تبلیغ، نصح و خیر خواہی کا جذبہ بھی نہایت فراوانی کے ساتھ عطا ہوا تھا، آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کبھی کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرتے تھے، آپ کے پُر تاثیر ارشادات سن کر سامعین کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہ دیں۔

ذیل میں اس کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام گئے وہاں دیکھا کہ لوگ وتر نہیں پڑھتے ہیں، اس وقت حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے حاکم تھے، ان سے دریافت کیا کہ: یہ لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے؟ اتفاق یہ ہوا کہ انہیں خود اس بات کا علم نہ تھا، انہوں نے پوچھا: کیا وتر واجب ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اثبات میں جواب دیا۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۱۶۴)

ایک مرتبہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''بیٹا! جب تو کوئی نماز پڑھے تو اس طرح پڑھ جیسے تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور اس کے بعد کبھی یہاں نہیں آئے گا۔ بیٹا! اچھی طرح سمجھ لے کہ مؤمن دو نیکیوں کے درمیان مرتا ہے، ایک وہ جس کو موت سے پہلے کیا ہے، دوسری وہ جس کو مؤخر کیا ہے (صدقۂ جاریہ)''۔

کسی موقع پر ایک شخص نے عرض کیا: حضرت! مجھے کوئی نصیحت کیجیے، آپ نے فرمایا: ''روزہ بھی رکھ اور افطار بھی کر، نماز بھی پڑھ اور سو بھی، رزق بھی کھا اور گناہوں سے بھی بچ، اس بات کی کوشش کر کہ تیرا خاتمہ اسلام پر ہو اور اپنے آپ کو مظلوم کی بد دعا سے بچا''۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۳۶۴)

ابو ادریس خولانی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''تمہارے بعد ایسے فتنے وجود پذیر ہوں گے جس میں مال کی بہتات ہوگی اور قرآن اس قدر عام ہوجائے گا کہ اس کو مؤمن ومنافق چھوٹا بڑا سب پڑھیں گے، اور ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ میں ان کے سامنے قرآن پڑھتا ہوں؛ لیکن وہ اس پر جم کر میری اتباع نہیں کرتے، اور میرا خیال نہیں ہے کہ وہ اس پر جم کر میری اتباع کرے؛ حتی کہ میں ملمع سازی کر کے اس کے سامنے کچھ نیا پیش کروں، پس تم بدعات ومحدثات سے بچو؛ اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور میں تم کو اس بات سے ڈراتا ہوں کہ کبھی کبھی عقلمند ودانا آدمی بھی پھسل جاتا ہے اور اس سے غلطی کا صدور ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ شیطان کہتا ہے کہ: میں کبھی کبھی حکیم آدمی کے من سے گمراہی کی بات کہلوا دیتا ہوں اور کبھی کبھی منافق انسان بھی حق بات کہہ دیتا ہے، پس تم حق بات ہی کو قبول کرو؛ اس لیے کہ حق میں ایک نور پنہاں ہوتا ہے''۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، ہمیں معلوم نہیں کہ کیا حکیم بھی گمراہی کی بات کہہ سکتا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں! وہ ایسی گمراہی کی بات ہوگی جس کو تم سمجھ نہ سکو گے اور تم پوچھو گے کہ یہ

کیا ہے؟ لیکن اس کی یہ غلطی تمہیں اس کے علوم ومعارف سے استفادہ کرنے سے نہ روکے؛ اس لیے کہ ممکن ہے وہ حق بات کی طرف رجوع کرلیوے''۔

ابوادریس خولانیؒ ایک اور موقع سے فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت معاذؓ نے فرمایا: ''تمہارا اُٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگا جو حدیث میں غور وخوض کرتے ہوں گے، جب تم انہیں غفلت کرتے ہوئے دیکھو تو اپنے رب کی طرف خوب متوجہ ہوجاؤ''۔

اسود بن ہلال کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ہم حضرت معاذؓ کے ہمراہ تھے، آپ نے فرمایا: ''آؤ! ہم کچھ دیر بیٹھ کر ایمان کو تازہ کریں''۔

اشعث بن سلیم کہتے ہیں کہ: میں نے رجاء بن حَیوَہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مرتبہ کہنے لگے: ''تم کو تنگی اور فقر وفاقہ کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑا؛ لیکن تم نے صبر سے کام لیا اور اب عنقریب خوشحال ومالداری کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جائے گی اور مجھے تم پر سب سے زیادہ عورتوں کے فتنہ کا خوف ہے جب کہ وہ سونے کے کنگن پہننے لگے اور شام اور یمن کی عمدہ عمدہ چادریں (لباس) پہننے لگے، پس وہ مالداروں کا پیچھا کرے گی اور فقیر کو ان چیزوں کا مکلف بنائے گی جو ان کے پاس نہیں ہے''۔

محمد بن سیرین سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ: ایک آدمی اپنے کچھ دوست واحباب کے ساتھ حضرت معاذؓ کی خدمت میں آتا، آپ کو سلام کرتا اور چلا جاتا، آپؓ نے ایک مرتبہ فرمایا: ''میں تجھ کو دو باتوں کی وصیت کرتا ہوں، اگر تو ان کو

محفوظ رکھے گا تو تو محفوظ رہے گا، اس میں ایک نصیحت یہ تھی کہ تجھے دنیا اور آخرت دونوں کی ضرورت ہے؛ لیکن تو اپنی آخرت کا زیادہ محتاج ہے، پس تو اپنی دنیا پر آخرت کو ترجیح دے، یہاں تک کہ وہ تیرے لیے اچھا انتظام کر دیوے اور جہاں کہیں تو رہے وہ تیرے ساتھ ہو"۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۲۳، ۲۲۴)

جمعِ قرآن کی عظیم خدمت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگ آپس میں مسابقت وفخر کی باتیں کر رہے تھے، قبیلۂ اوس والے کہہ رہے تھے کہ غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بن راہب ہم ہی میں سے ہیں، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جن کی وفات سے ربِّ ذوالجلال کا عرش حرکت میں آیا وہ بھی ہم ہی میں سے ہیں، حضرت عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ جن کی حفاظت شہد کی مکھیوں اور تتلیوں نے کی تھی وہ بھی ہمارے ہی خاندان سے ہیں اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جن کے اکیلے کی شہادت دو آدمیوں کی گواہی کے برابر شمار کی گئی وہ بھی ہمارے اپنے ہی ہیں۔

قبیلۂ خزرج والوں نے ان سب کے جواب میں صرف ایک ہی جملہ کہا کہ: ہمارے خاندان میں چار ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں قرآن کو جمع کیا تھا، وہ چار یہ ہیں: زید بن ثابت، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور ابوزید رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

تفقّہانہ شان

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور فطری ذہانت وشوق نے آپ کے علم وتفقّہ میں

چار چاند لگا رکھے تھے، زندگی میں بیسیوں مواقع پر آپ کی تفقّہانہ شان کا ظہور ہوتا رہا، ذیل میں چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

ایک مرتبہ یہ پیچیدہ صورت پیش آئی کہ ایک حاملہ عورت کا شوہر دو برس غائب رہا، لوگوں کو شک وشبہ ہوا کہ اس کا آدمی تو دو برس غائب تھا، یہاں موجود نہیں تھا، اس کے باوجود یہ حاملہ کیسے ہوئی؟ بہرحال انہوں نے دربارِ خلافت میں یہ بات پیش کی تو امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، حضرت معاذؓ بھی دربارِ خلافت میں شریکِ مجلس تھے، آپؓ نے کہا: امیر المؤمنین! اس عورت کو رجم کرنے کا آپ کو بلاشبہ حق ہے؛ لیکن بچہ کو رجم کرنے کا کیا مطلب؟ وہ بے قصور ہے۔ حضرت عمرؓ نے رجم کو مؤخر کر دیا اور فرمایا: وضعِ حمل کے بعد رجم کیا جائے گا، بچہ کی ولادت ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایسا کرنا کہ بچہ کامل طور پر باپ کے مشابہ نکلا، باپ نے جب دیکھا تو قسم کھا کر کہا کہ: یہ بچہ تو میرا ہے، حضرت عمرؓ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل پڑے کہ: **"عجزت النساء أن یلدْنَ مثلَ معاذ"**، معاذ جیسا شخص پیدا کرنے سے عورتیں عاجز ہیں۔ (سیر الصحابہ: ۵/۱۶۱-۱۶۲)

نماز اور روزہ کے تین دور انہوں نے جس طرح قائم کیے تھے وہ بھی آپ کے تفقّہ پر شاہدِ عدل ہے، اسی بنا پر ان کے اجتہادات جہاں دوسرے صحابہؓ سے مختلف تھے وہاں صحت اور یقین بھی ان ہی کو حاصل تھا۔

جماع کی ایک صورتِ خاص میں صحابۂ کرامؓ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ بھی

نہایت متردّد تھے؛ مگر عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تردید نہ کر سکتے تھے؛ لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے اختلاف تھا، آخر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے لیے خوشخبری ہو جو اللہ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرے؛ کیوں کہ اسے ہر کلمہ کے بدلے ستّر ہزار نیکیاں ملیں گی، اور ان میں سے ہر نیکی دس گنا ہوگی اور اس کے علاوہ مزید بھی اللہ کے ہاں اسے ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! اور جو مال خرچ کرے تو کتنا اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خرچ کرنے پر بھی اتنا ہی اجر ضرور ملے گا۔

حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: خرچ کا ثواب تو سات سو گنا ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آپ کی سمجھ میں کمی ہے، یہ ثواب تو اس وقت ملتا ہے جب آدمی خود اپنے گھر میں ٹھہرا ہوا ہو اور غزوے میں نہ گیا ہو اور دوسروں پر خرچ کیا ہو، جب آدمی خود غزوے میں جا کر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنی رحمت کے وہ خزانے چھپا رکھے ہیں جن تک بندوں کا علم نہیں پہنچ سکتا اور نہ بندے ان کو بیان کر سکتے ہیں، یہی لوگ اللہ کی جماعت میں سے ہیں اور اللہ کی جماعت غالب آ کر رہتی ہے۔

(حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۷۶-۷۷)

محمد بن سہل بن ابی حثمہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: جن

چھ افراد کا فتویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں چلتا تھا ان میں سے تین مہاجر ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب۔ اور تین انصار ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ (حکمران صحابہ:۵۲۲)

باہمی گفتگو میں معمولاتِ قرآنیہ کا چرچہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ: آپ قرآنِ کریم کی تلاوت کس طرح کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ: نماز کے دوران کبھی کھڑے، کبھی بیٹھ کر اور کبھی سواری پر، اس طرح میں وقفے وقفے سے تلاوت کرتا رہتا ہوں، میری بات سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں سوتے اور بیدار ہوتے وقت ثواب کی نیت کر لیتا ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مجھ پر فضیلت حاصل تھی۔ (حکمران صحابہ:۵۲۱)

ادب کا اہتمام

حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب سے اسلام قبول کیا ہے تب سے آج تک میں نے کبھی اپنی داہنی طرف نہیں تھوکا۔ (حکمران صحابہ:۵۲۷)

خوفِ خدا

ابوقلابہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: ایک روز

حضرت عمرؓ حضرت معاذؓ کے پاس سے گذرے، دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، دریافت کیا کہ: آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''إن أدنى الرياء شرک وأحب العبيد إلى الله الاتقياء الاخفياء الذين إذا غابوا لم يفتقدوا وإذا شهدوا لم يعرفوا أولئک مصابيح العلم وأئمة الهدىٰ''، اس بات میں ذرا برابر شک نہیں کہ ادنیٰ ساریا بھی شرک ہے، اللہ متقیوں اور گوشہ نشینوں سے محبت فرماتے ہیں، وہ جب غائب ہوتے ہیں تو یادوں سے محو نہیں ہوتے اور جب وہ موجود ہوتے ہیں تو پہچانے نہیں جاتے، وہی علم کے چراغ اور ہدایت کے امام ہیں۔ (حکمران صحابہ: ۵۳۰-۵۳۱)

بہترین آدمی

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نعم الرجل أبو بكر، نعم الرجل عمر، نعم الرجل معاذ بن جبل''۔ ابوبکر کیا ہی بہتر آدمی ہیں، عمر کیا ہی بہتر آدمی ہیں اور معاذ بن جبل کیا ہی بہتر آدمی ہے۔

(حکمران صحابہ: ۵۲۱)

خلافت کے مستحق

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے ارشاد فرمایا: اگر معاذ بن جبلؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلیفہ نامزد کر دیتا، پھر اپنے رب کے پاس پہنچتا، میرا رب مجھ سے پوچھتا کہ: امتِ محمدیہ کا کس کو خلیفہ نامزد کیا ہے؟ میں جواب میں کہتا: میں نے معاذ بن جبلؓ کو خلیفہ نامزد کیا ہے؛ کیوں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ

فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''معاذ بن جبل قیامت کے دن علما کا امام ہوگا، ''لو کان معاذ بن جبل حیا ولیته، ثم قدمت علیٰ ربي عز وجل، فسألني: من ولیت علیٰ أمة محمد؟ لقلت: ولیت علیهم معاذ بن جبل بعد أن سمعت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: ''معاذ بن جبل إمام العلماء یوم القیامة''۔

پیغام

آج بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہماری نوخیز نسل تمام تر خوبیوں سے تہی دامن ہے، ان جوانانِ اسلام کا رجحان نفسانی خواہشات کی تکمیل کی طرف روز افزوں بڑھتا چلا جارہا ہے، وہ اپنے اکابر واسلاف کو آیڈیل ونمونہ بنانے کے بجائے زمانے کے فاسق وفاجر کو اپنا رہنما جان کر ان ہی کی غلط روش پر چل پڑے ہیں۔

نئی نسل کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح ہم نوجوان ہیں، ہمارے جیسے کتنے نوجوان ایسے گذرے ہیں جنھوں نے اپنی جوانی کو غنیمت جان کر اسے وصول کیا اور اسے اللہ اور اس کے رسول کی چاہت کے مطابق گذارا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس مقدس جماعت کے سرخیل ہیں جنھوں نے اپنی ۳۶/ سال کی قلیل مدت میں ایسے ایسے نمایاں کارنامے انجام دیے کہ آج تک تاریخ کے ماتھے پر ان کا نام جھومر بن کر جگمگا رہا ہے۔

کاش! ہم بھی کچھ کر گذرنے کا ارادہ کرلے، کاش! ہمارے نوجوان بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرح زندگی گذارے؛ بلکہ گزارنے کا ارادہ کرلے تو اس امت کو اس کا کھویا ہوا وقار اور اس کی عظمتِ رفتہ دوبارہ ہاتھ لگ سکتی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ

از قلم:
محمد اطہر محمد اسماعیل بمبوی/ عبدالکریم عبدالرزاق بستوی

سوانحی خاکہ

حضرت سلمان فارسیؓ

نام: مابہ (مجوسی نام)، سلمان (اسلامی نام)۔

کنیت: ابوعبداللہ۔

نسبی تعلق: اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے۔

زوجہ: بقیرہؓ۔

اولاد: تین بیٹیاں۔

قبولِ اسلام: ہجرت کے کچھ عرصہ بعد۔

مواخات: حضرت ابودرداءؓ سے۔

غزوات: غزوۂ خندق اور دیگر غزوات۔

خدمت: مدائن کی گورنری۔

عمر شریف: ۲۵۰ / سال۔

وفات: سنہ ۳۵ھ، بعہدِ خلافتِ عثمانی۔

نمازِ جنازہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔

تدفین: مدائن۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سلمان فارسیؓ

محمد اطہر محمد اسماعیل بمبوی/ عبدالکریم عبدالرزاق بستوی

اسلامی تاریخ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بہت سی خصوصیات کے باعث ممتاز ونمایاں رہیں، ان خصوصی اوصاف میں سے ایک صفت: حق کو پانے کے لیے ان کا جذبۂ دروں اور اس کے لیے بے پناہ قربانیاں ہیں۔

یوں تو تمام ہی صحابۂ کرامؓ اس وصف کے حامل تھے؛ مگر حق کی تلاش، جستجو اور دریافت و یافت میں جن صحابۂ کرامؓ کو فوقیت حاصل رہی ہے، ان میں فارس کے رہنے والے حضرت سلمان فارسیؓ بھی ہیں۔ ان اوراق میں آپ ہی کی حیاتِ طیبہ کے احوال قارئین کے حضور پیش کرنے کی طالبِ علمانہ کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ فکری وعملی ارتداد کے اِس بھیانک دور میں ایمان وایقان اور دین ومذہب کی قدر دانی اور اس پر ثابت قدمی کا سبق لیا اور دیا جا سکے۔

نام ونسب اور خاندان

نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، مجوسی نام ''مابہ'' تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ''سلمان'' رکھا گیا، فطری شرافت اور طبعی سلامت کے باعث بارگاہِ نبوت سے ''سلمان الخیر'' کا لقب پایا، اور ابوعبداللہ کنیت قرار پائی۔ سلسلۂ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے: مابہ ابن بوذخشان بن مورسلان بن یہیوان بن فیروز بن سہرک۔ (سیر الصحابہ: ٣/٨٦)

حلیہ

حضرت سلمانؓ دراز قامت تھے، پنڈلیاں لمبی اور بدن پر کثرت سے بال تھے، گھٹے ہوئے بدن، گھنے بال، لمبے کان والے، سلیم الفطرت اور انتہائی ذہین آدمی تھے۔ (حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے:۱۹)

کنبہ

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ: حضرت سلمانؓ کی تین بیٹیاں تھیں: ایک اصفہان میں اور دو مصر میں بیاہی گئیں، پسماندگان میں آپ کی بیوہ حضرت بقیرہؓ بھی موجود تھیں۔ (حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے:۱۹)

قبل از اسلام

فارس کے شہر اصفہان کے علاقے ''جیّ'' کے باشندے وہاں کے رئیسوں میں سے ''بوذخشان'' نامی رئیس کو بہت چاہتے تھے، جو ایک انتہائی مالدار اور ہر قسم کی قائدانہ صفات سے متصف شخص تھا، اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی، اس کی تمنا تھی کہ کوئی بچہ پیدا ہو جو اس کے مال و دولت اور تخت کا وارث بن سکے؛ مگر کئی شادیوں کے باوجود اس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد بوذخشان ''رَامَہُرمُز'' نامی شہر میں گیا، وہاں اس نے ایک عورت دیکھی، جو بیوہ مگر انتہائی مالدار تھی، سلسلہ جنبانی کا آغاز ہوا، دونوں طرف سے شادی پر رضامندی کا اظہار ہوا اور شادی ہوگئی۔

پہلے خاوند سے اس عورت کے ہاں ایک ''مابہ'' نامی بچہ تھا، بوذخشان اپنی

بیوی اور بچہ کو لے کر ''جیّ'' نامی آبائی علاقے میں آ گیا۔ بوذخشان کو اس بچے سے بے حد محبت تھی، حتی کہ وہ اس کو اپنا ہی بیٹا سمجھتا تھا، اس لیے وہ خوب اچھی طرح اس کی دیکھ بھال کرتا اور ہر طرح اس کا خیال رکھتا تھا، سلمان بھی اسے اپنا والد سمجھنے لگا، ننھے سلمان کے باعث بوذخشان کو اولاد نہ ہونے کا غم جاتا رہا، اسے اطمینان ہو گیا کہ یہ میرا بہترین مددگار اور مرنے کے بعد وارث ہو گا۔

ناز و نعمت سے اس کی پرورش کی، اس کی تمام ضرورتوں کا بھرپور لحاظ رکھا، رفتہ رفتہ بوذخشان کو اس بچے سے بے انتہا محبت ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوذخشان اسے کسی گھڑی اپنے سے علیحدہ نہ ہونے دیتا، نہ ہی گھر سے نکلنے دیتا، چہار دیواری میں اس طرح پابند کر دیا گیا جس طرح دوشیزاؤں کو پابند کیا جاتا ہے، اگر کچھ وقت کے لیے باہر جانا چاہتے تو وہ کسی ملازم کو پیچھے بھیج دیتا کہ وہ اس کا خیال رکھے۔

آتش کدے کا پاسبان

دیکھتے ہی دیکھتے ناز و نعمت اور سخت نگہداشت میں نشو و نما پانے والا ننھا سلمان ایک سبزہ آغاز خوبرو نوجوان کا روپ دھارنے لگا، ایک روز بوذخشان نے سوچا کہ اس ذہین و فطین نوجوان سے کچھ کام لینا چاہیے، چناں چہ اس نے سب سے اچھا مشغلہ مجوسیت کی تعلیم کا تجویز کیا، اس ہونہار نوجوان نے پوری توجہ اور لگن کے ساتھ مجوسیت کی تعلیم حاصل کی، اور اسے خوب اچھی طرح سمجھا، یہاں تک کہ مجوسیت کے معبودِ اعظم آگ۔ جسے وہ لوگ ''نورانی خدا'' کہتے تھے۔ اس کو بھی جانا اور پرکھا، اسی طرح ''جیّ'' نامی بستی میں یہ اپنے معبودِ اعظم کا سب سے بڑا

داروغہ بن گیا، دن رات کسی بھی وقت اس آگ کو بجھنے نہ دیتا تھا، صندل ودیگر خوشبودار لکڑیاں ڈالتا، اوران سے مہکنے والی خوشبوؤں کو دل ودماغ میں اتارکر لطف اندوز ہوتا، اوران کی خوبصورت روشن وسرخ رنگ کی لپٹوں کو دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتا تھا۔

سلمان شروع ہی سے اتنے بڑے عہدے پر جا پہنچے جس کی تمنا بستی کا ہر انسان کرتا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ اس کام سے معبودِ اعظم خوش ہوگا اوران کے ہاں ان کا مرتبہ بلند ہوگا، اوران کے والد کے انتقال کی وجہ سے جو پریشانی تھی اس میں بھی اسی کام کی وجہ سے کافی تخفیف ہوگئی تھی، بستی والے صبح وشام جب اپنے معبود کی پوجا کے لیے آتے اورتھوڑی دیر آگ کے سامنے خاموش کھڑے ہوکر چلے جاتے تو آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔اسی طرح جب دور دراز کے علاقوں کے لوگ ہدایا، نفیس قسم کی لکڑیاں، خوشبوئیں اور تحفے تحائف لاتے اورمقدس معبود کو پیش کرتے تو سلمان بہت زیادہ خوش ہوتے اوراس دن توان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا، جب مجوسیت کے داعیٔ اکبر شہنشاہِ اعظم کے ہدایا ان کے معبد میں پہنچتے۔(قصص النبی اوراسوۂ صحابہ کے درخشاں پہلو:۱۳۱۔۱۳۲)

آتش کدے سے اکتاہٹ

مگر ابھی چند ہی سال گذرے تھے کہ اپنی قوم کے اس خود ساختہ دین سے ان کا جی اکتانے لگا، آتش پرستی سے دل اچاٹ ہوگیا، شکوک وشبہات اور بے چینی وبے اطمینانی نے دل پر قبضہ جمالیا، اب روزانہ کی اس حاضری سے انہیں تنگی محسوس

ہونے لگی، جو عمر رسیدہ اور بوڑھے اپنی باقی ماندہ زندگی پوری کرنے کے لیے آتش کدے کے ایک کمرے میں رہتے تھے وہ ہر وقت خاموش پڑے رہتے، آتش کدے کے علاوہ سارے جہاں سے بے خبر تھے، نہ کسی سے بات چیت کرتے اور نہ ہی کوئی ان سے بات چیت کرسکتا تھا، کسی اور کی صحبت میسر نہ تھی کہ دو گھڑی ان سے بات چیت کرسکتے، مجوسیت کے متعلق ان کے دل میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات اور ان کے اس طرح آگ کے اردگرد جمع رہنے کو جس کو وہ عبادت وقربت خیال کرتے تھے، ان کے بارے میں اپنے نظریات کسی سے اظہار نہ کر سکتے تھے، اسی طرح آہستہ آہستہ مجوسیت کے بارے میں ان کے خیالات بدلنے لگے اور جو نام نہاد سکون انہیں ابتدا میں حاصل ہوا تھا وہ جاتا رہا، اب وہ حیران وپریشان تھے، کچھ سمجھ نہ آتا تھا کہ وہ کیا کریں۔

(قصص النبی اور اسوۂ صحابہ کے درخشاں پہلو: ۲ ۱۳۲ - ۱۳۳)

عیسائیت کی طرف میلان

آپ کے سوتیلے والد کا ذریعۂ معاش کاشت کاری تھا، اس لیے وہ زراعت کی نگرانی بذاتِ خود کرتے تھے، ایک دن والد نے حضرت سلمان سے کہا کہ: آج سے کھیتیوں کی دیکھ بھال کے لیے تمہیں جانا ہوگا، کیوں کہ گھر کی مرمّت کے لیے مجھے یہاں رکنا پڑے گا، حضرت سلمانؓ نے ایک فرماں بردار بیٹے کی طرح باپ کے آگے سرِ تسلیم خم کیا اور کھیتوں کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں حضرت سلمانؓ کو ایک عمارت سے بہ آوازِ بلند کچھ پڑھنے کی آوازیں سنائی دیں، ویسے یہ عمارت

انہوں نے پہلے بھی دیکھی تھی؛ لیکن ان صداؤں سے ان کے کان پہلی مرتبہ مانوس ہورہے تھے، آوازیں انہیں بہت بھلی لگیں، وہ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر عبادت گاہ کے اندر چلے گئے، وہاں ایک بڑے ہال میں انہوں نے بہت سارے لوگوں کو مل کر کچھ پڑھتے دیکھا، یہ منظر انہیں پسند آیا اور خاصی دیر تک وہاں رکے رہے، اگلے دن پھر انہیں کھیتوں میں جانے کا حکم ملا تو وہ کھیتوں کے بجائے اس عمارت کے اندر چلے گئے، وہاں انہیں ایک پادری ملا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رات گئے جب گھر لوٹ رہے تھے تو اس فیصلے پر پہنچ چکے تھے کہ ان کا مذہبِ مجوسیت، عیسائیت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں رہا، گھر پہنچے تو والد نے اس قدر دیر سے آنے کی وجہ پوچھی، جھوٹ بولنا تو آپ نے سیکھا ہی نہ تھا، فوراً سب کچھ سچ سچ بتا دیا اور والد کو یہ بھی بتا دیا کہ انہیں مذہبِ عیسائیت آتش پرستی سے بہت بہتر لگ رہا ہے، والد نے یہ سنا تو اپنا سر پیٹ لیا اور بیٹے کو پہلے پیار سے سمجھایا کہ ہمارا مذہب تمام مذاہب سے اچھا ہے؛ مگر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے باپ سے اتفاق نہ کیا، تب وہ گرج کر بولا، سلمان کان کھول کر سن لو، آئندہ تم کبھی گرجا گھر نہیں جاؤ گے۔ (قبولِ حق کے بعد صحابۂ کرام کی داستانِ عزیمت: ۱۲۷-۱۲۸)

پادری کی خدمت میں

لیکن حق کے متلاشی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر باپ کا یہ حکم نہ چل سکا اور عبادت کے روز چوری چھپے وہ پھر گرجا گھر پہنچ گئے، عبادت ختم ہوئی تو انہوں نے پادری سے کئی سوالات پوچھے، پادری نے جواب دینا شروع کیا تو انہیں جلتی آگ پر شبنم کی بوندیں

برستی محسوس ہوئی، وہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا: بیٹا تیرا ایک پروردگار ہے، تجھے مرنے کے بعد اس کے سامنے حاضر ہونا ہے، پھر جنت یا جہنّم ٹھکانہ ہوگا، جولوگ آگ کو پوجتے ہیں، یہ کفراور گمراہی پر ہیں، یہ کوئی دین نہیں ہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور دینِ فطرت

پادری کی باتیں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے دل میں اترتی چلی گئیں، بالآخر راہبِ کبیر سے پوچھا کہ: کیا آگ کے علاوہ اور بھی کوئی ہمارا رب ہے؟ پادری نے جواب دیا: ہمارا رب تو وہ ہے جس نے آسمان وزمین، آگ و پانی، پہاڑ و درخت اور ساری انسانیت کو پیدا فرمایا، وہی ہر چیز کا محافظ ہے، اس آگ کو تو ہم خود ہی جلاتے بجھاتے ہیں، پھر یہ معبود کیسے ہوسکتی ہے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے اورکوئی جواب نہ دے سکے، اس کی بات ان کے دل میں اتر گئی۔

راہب سے جنت وجہنّم کے الفاظ سن کر ان کا ذہن اس میں الجھ گیا، چناں چہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے راہب سے پوچھا کہ: آپ کو جنت وجہنّم کے بارے میں کس نے بتایا؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فرستادے انبیا ورسل نے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے نبی اور رسول کون ہیں؟ پادری نے جواب دیا: وہ انسان ہی ہیں، اللہ نے ان کا انتخاب فرما کر ان پر اپنا کلام اتارااور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔

اس کے بعد پادری نے گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ کیا، اخیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں کیا: اس کے بعد اللہ نے حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا اور انہیں مردوں کو زندہ کرنا، پرندوں کو پیدا کرنا، اندھے اور کوڑھ کی بیماری کا علاج بطور معجزہ عطا فرمایا، کچھ لوگوں نے ان کی اتباع کی اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا۔ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی آزمائش فرمائی، وہ اپنے بعد عظیم رسول کی بشارت دے گئے ہیں، ہم لوگ اسی رسول کی آمد وظہور کے منتظر ہیں۔

عیسائیت کی پناہ میں

اس نیک دل راہب نے نوجوان حضرت سلمانؓ کے سامنے ہدایت کا راستہ واضح فرما دیا، چناں چہ اب حضرت سلمانؓ کو ہدایت کے آثار دکھائی دینے لگے، بات واضح ہونے لگی اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ دین میری قوم کے دین سے بہتر ہے۔ چناں چہ تمام راہبوں کے سامنے انہوں نے اعلان کیا کہ: میں نے اپنے قدیم دین کو ترک کیا اور تمہارے دین کو اختیار کرتا ہوں، انہوں نے گواہی دی کہ: اللہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے، اس کے حکم کے سامنے غلام اور اس کی عظمت کے سامنے ذلیل ہیں، اور آخرت اور جنت وجہنم حق ہیں۔

حضرت سلمانؓ کے دینِ نصاریٰ پر داخل ہونے سے تمام راہب بہت خوش ہوئے، اور بے انتہا مسرت کا اظہار کرنے لگے، بڑے راہب نے حضرت سلمانؓ سے کہا: سلمان! اپنی قوم کے سامنے اپنے دین کا اظہار نہ کرنا، ورنہ وہ لوگ آپ کو بھی ستائیں گے اور ہمیں بھی، حضرت سلمانؓ نے کہا: میرے آقا! یہ کیسے ہوسکتا ہے، جب کہ ہم لوگ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، راہب نے کہا: وہ لوگ اس کا بالکل

الٹا خیال کرتے ہیں، کفر ہمیشہ سے ایمان کا دشمن رہا ہے؛ لہٰذا اپنے آپ پر اور ہم پر رحم کرنا، ہم لوگ تمہارے ملک میں اپنے دین کو محفوظ رکھنے کیے لیے آتے ہیں؛ کیوں کہ ہماری قوم نے اس میں تغیّر وتبدّل کر دیا ہے، چناں چہ ہم سے وہ کام نہ لینا جس کی ہم میں برداشت کی سکت نہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ لوگ کہاں سے آئے ہوئے ہیں اور دین کی اصل کہاں ہے، راہب نے بتایا کہ: ہم لوگ شام سے آئے ہیں، وہیں ان کے دین کا اصل مرکز ہے، مگر اتنا کہہ کر راہب خاموش ہو گیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بھی اصرار نہیں کیا کہ وہ ایسی بات پوچھیں، جسے وہ کہنا پسند نہیں کرتے۔

ان سوالات کے نتیجے میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ آگ کی پوجا ایک فضول اور بے معنیٰ کام ہے، انہوں نے پادری سے اپنے اس شوق کا اظہار کیا کہ میں سرزمینِ شام جانا چاہتا ہوں، پادری نے بتایا کہ: کچھ دنوں میں اصفہان سے ایک قافلہ شام کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ دل ہی دل میں منصوبے بنائے ہوئے گرجا گھر سے باہر نکلے تو اس تلخ حقیقت سے بالکل بے خبر تھے کہ ایک شخص انہیں گرجا گھر سے باہر نکلتے دیکھ رہا ہے، اس شخص کو بوذخشان نے بیٹے کی جاسوسی پر مقرر کر رکھا تھا۔

قید وبند کی صعوبتیں

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جیسے ہی گھر پہنچے باپ کی گرج دار آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی: سلمان! کہاں گئے تھے؟ اس ڈانٹ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بری طرح سہم

گئے؛ لیکن جھوٹ بولنے کی عادت انہیں بالکل نہ تھی، سہمی سہمی آواز میں جواب دیا: گرجا گھر، کیوں؟ میں نے تو منع کیا تھا؟ جی! آپ نے منع کیا تھا؛ لیکن میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ مذہب آتش پرستی سے کہیں زیادہ اچھا ہے، بھلا جس چیز کو انسان خود جلائے اور خود بجھائے وہ اسے کیسے فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ باپ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکل گیا کہ: خاموش رہو گستاخ! تمہارا دماغ چل گیا ہے، تمہیں اس گستاخی کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔

حضرت سلمانؓ کو آنے والے وقت کی تلخی اور تنگی کا بھرپور اندازہ تھا؛ مگر انہوں نے دل ہی دل میں تہیہ کرلیا کہ انجام چاہے جو کچھ بھی ہو وہ حقیقت تک ضرور پہنچیں گے، رات کو جب وہ بستر پر لیٹ گئے تو انہیں سوچوں میں غرق تھے، پھر نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی، صبح جب وہ بیدار ہوئے تو انہیں یوں لگا جیسے ان کی ٹانگیں بھاری بھاری ہیں، انہوں نے بستر سے اٹھنا چاہا؛ لیکن نہ اٹھ سکے، تب انہیں معلوم ہوا کہ وہ بیڑیوں سے جکڑے اور زنجیروں سے باندھے گئے ہیں، وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ سزا تھی جس کا مزہ چکھانے کی دھمکی ان کے باپ نے انہیں دی تھی۔

حضرت سلمانؓ کو کئی روز قید و بند میں گذر گئے، ان کا مجوسی باپ روز صبح وشام بہ اصرار درخواست کرتا کہ وہ اپنے قدیم دین کی طرف لوٹ آئیں اور اپنا عہدہ سنبھال لیں؛ مگر آپ صاف انکار کردیتے، آخر کار جب وہ مایوس ہوگیا تو اس نے قید و بند میں اور بھی سختی کردی اور تہدید آمیز لہجہ میں کہا کہ: یا تو اپنے دین پر واپس آجاؤ، ورنہ زندگی بھر اسی طرح سڑتے رہوگے۔ مگر جوں جوں سختی بڑھتی گئی،

دینِ جدید میں پختگی اور دینِ قدیم سے نفرت حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے دل میں پیوست ہوتی چلی گئی اور اس ثبات قدمی پر آنے والی سختیوں اور مصیبتوں کو بڑی خندہ پیشانی اور صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

پادری سے مراسلت اور ''شام'' جانے کی تمنا

ایک دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ: اپنے دین کو بچانے کے لیے عیسائیت کے مرکز ملکِ شام کی طرف بھاگ جانا چاہیے، جہاں سے یہ دین چلا ہے، چناں چہ انہوں نے اپنے مخصوص خادم کو جس کو آپ سے بے انتہا محبت تھی، اہلِ کلیسا کی طرف بھیجا؛ تاکہ وہ انہیں اپنے حالات بتلائے اور آئندہ کے عزائم سے آگاہ کرے۔ گرجا والے ان کے حالات سن کر بڑے پریشان ہوئے، بڑے پادری نے ان کے نام پیغام بھیجا کہ تمھیں اپنے والد سے اپنے دین کو خفیہ رکھنا چاہیے تھا، چھپ کر اللہ کی عبادت کرتے رہتے اور ہمارے پاس آمد ورفت رکھتے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نہ نکال دیتے۔ خیر! اگر تم نے اظہار کر ہی دیا ہے تو اب اس پر جمے رہو۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو دوبارہ بڑے پادری کے پاس بھیجا کہ طبیعت ہی کچھ ایسی پائی ہے کہ میں حق کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ جب ملکِ شام کا قافلہ یہاں سے گذرے تو مجھے ضرور اطلاع کروادیں؛ تاکہ میں ان کے ساتھ ملکِ شام چلا جاؤں، بڑے پادری نے بطورِ خیرخواہی پھر انہیں یہیں رہنے اور اپنے دین کو چھپانے کی نصیحت کی اور کہا کہ:

ملکِ شام میں لوگوں نے اپنا دین بدل ڈالا ہے، ہمارے اور اُن چند لوگوں کے علاوہ جو ملکِ شام کے کنیسوں میں چھپے بیٹھے ہیں اَور کوئی بھی دینِ حق پر باقی نہیں رہا ہے، سب متفرق گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔

آپؓ نے تیسری مرتبہ پھر بڑے پادری کے نام پیغام بھیجا کہ: میرے آقا! میں اب اپنے شہر میں نہیں ٹھہر سکتا؛ کیوں کہ میرے والد مجھے پھر آتش کدے کا منتظمِ اعلیٰ بنا دیں گے، اور میں آگ اور اس کے پرستاروں سے بالکلیہ تعلق ختم کر چکا ہوں، اب وہ میرے نزدیک انتہائی مبغوض ہیں، آپ کے پڑوس میں زندگی گذارنا میرے لیے بڑی سعادت تھی؛ مگر یہ تو پوری نہ ہونے والی تمنا بن کر رہ گئی، اب آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ جب بھی شام کی طرف جانے والا کوئی قافلہ گذرے تو مجھے اطلاع کروا دینا، میں شام چلا جاؤں گا، شاید اللہ تعالیٰ مجھے وہاں آپ جیسا کوئی صالح معلّم عطا فرمائے اور پھر میں ان ہی کے ساتھ زندگی بسر کروں۔ اب پادری کے لیے ان کی بات قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، چناں چہ اس نے کہلا بھیجا کہ: آپ منتظر رہیں، جب بھی کوئی شامی قافلہ یہاں سے گذرے گا تو ہم آپ کو اطلاع کر دیں گے، آپ ان کے ساتھ نکل بھاگنا۔ حضرت سلمانؓ اپنی درخواست کی قبولیت سے انتہائی خوش تھے، اب ان کا بوجھ کافی حد تک ہلکا ہو گیا اور وہ خلاصی کی گھڑی کے منتظر رہے۔

(قصص النبیؐ اور اسوۂ صحابہ کے درخشاں پہلو: ۱۳۴-۱۳۶)

قید سے خلاصی

انتہائی طویل صبر آزمائی کے بعد مشقّت کے دن ختم ہوئے اور خلاصی کی شکل

ظاہر ہوئی۔ ایک روز حضرت سلمانؓ نے صبح سویرے بیدار ہوتے ہی اپنے مخصوص خادم سے مسرّت آمیز خبر سنی کہ لاٹ پادری کا خط آیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ: فلاں روز ملکِ شام جانے کے لیے ہمارے یہاں آجاؤ، قافلہ تیار ہے۔ یہ مسرّت افزا وفرحت بخش خبر سنتے ہی آپ کے سارے غم غلط ہو گئے، جب مقررہ دن آیا تو خادمِ خاص مہران نے آپ کی زنجیریں کھول دیں، اور آپ چپکے سے نکل گئے، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی، گھر سے نکل کر سیدھے راہبوں کے پاس پہنچے، انہوں نے خوش آمدید کہا، اور قید سے خلاصی پر مبارک باد دی، لاٹ پادری نے کہا: مابہ! ہم تو چاہتے تھے کہ: تم ہمارے قرب وجوار ہی میں رہتے مگر ہماری یہ چاہت پوری نہ ہوسکی، ہم نے تمہارے متعلق اہلِ قافلہ کو خیر خواہی کی وصیت کر دی ہے، جو امورِ دین ہم سے تم نے سیکھے ہیں، ان ہی پر کاربند رہنا، ان میں تغیّر وتبدّل نہ کرنا، ہمارے ہم مشرب لوگوں کو تلاش کر کے انہیں کے ساتھ رہنا۔ اب اِن کے ساتھ چلے جایئے، اللہ کی برکتیں تمہارے ہم رکاب ہوں۔ اس طرح حضرت سلمانؓ مجوسیت کے آتش کدے سے نکل کر آسمانی مذہب کی پناہ میں آئے۔

(قصص النبیؐ اور اسوۂ صحابہ کے درخشاں پہلو: ۱۳۹-۱۴۰)

شام میں آمد

ارضِ شام پہنچ کر آپ نے لوگوں سے وہاں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما کا پتہ دریافت کیا اور پھر اس کی خدمت میں پہنچ کر درخواست کی کہ: مجھے دینِ مسیحی کی تعلیم سے سرفراز فرمائیں، اسی کے حصول کے لیے میں فارس سے یہاں پہنچا

ہوں۔اسقفِ اعظم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی درخواست قبول کرلی اوراس طرح آپ اسقف کے پاس رہنے لگے۔یہ اسقف ایک ریاکار شخص تھا،اس کی ظاہری زندگی تونہایت زاہدانہ تھی؛لیکن اندرونِ خانہ عیّاشی و بے حیائی،موج مستی اور مال ودولت جمع کرنے کے سوااس کا کوئی کام نہ تھا،لوگوں کے صدقات فقرامیں تقسیم کرنے کے بجائے خودرکھ لیتا تھا،اس طرح اس نے سونے چاندی کے سات مٹکے جمع کررکھے تھے،آپ رضی اللہ عنہ اس کی حرص وآز اور بدکاریوں کو دیکھ کر جی ہی جی میں تڑپتے تھے؛ کیوں کہ لوگ تواسقف کونہایت عزّت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد اسقف کا پیغامِ اجل آپہنچا،جب اس کی تجہیز وتکفین کے لیے لوگ جمع ہوئے توحضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس کا کچا چٹھا کھول کرلوگوں کے سامنے رکھ دیا،اورانہیں اس کی جمع کی ہوئی دولت پرلاکھڑا کیا،لوگ سخت مشتعل ہوئے اورانہوں نے اسقف کی لاش کودار پرلٹکا کرخوب پتھر برسائے اور پھرایک اور عابدوزاہد سمعان نامی پادری کواس کا جانشین مقرر کیا۔یہ شخص واقعی نیک فطرت، زاہد وپرہیزگاراورلذائذِ دنیوی سے متنفّر تھا،آپ رضی اللہ عنہ کواس سے بے حد عقیدت ہوگئی اوردل وجان سے اس کی خدمت میں مصروف ہوگئے،پادری نے بھی جہاں تک ہوسکا آپ رضی اللہ عنہ کوفیض پہنچانے کی کوشش کی،آخر جب ان کا پیمانۂ حیات بھی لبریز ہوگیا تودمِ نزع انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:میرے مرنے کے بعد تم موصل میں یعقوب نامی پادری کے پاس چلے جانا جومسیح علیہ السلام کا سچا عاشق ہے، اس کے سوامشکل سے ہی تمہیں اس دیار میں کوئی حق پرست مل

پائے گا۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۱۶-۱۱۷)

موصل کا سفر

چناں چہ اس بِشَپ کی موت کے بعد حق کی جستجو میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ''موصل'' پہنچے، تلاشِ بسیار کے بعد اس پادری سے ملاقات ہوئی، ملاقات کے دوران پورا واقعہ بیان کیا کہ: فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت دی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا دریا بہتا ہے، میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی بجھانا چاہتا ہوں۔ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی مخلصانہ درخواست پر آپ کو اپنے پاس ٹھہرالیا، پہلے پادری کے بیان کے مطابق یہ پادری واقعتاً بڑا متقی اور پاکباز تھا؛ مگر اس کا چراغِ زندگی بھی ٹمٹمارہا تھا، اس لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آئندہ کے متعلق اس سے بھی وصیت کی خواہش کی، اس نے نصیبین میں ایک ''اندرواس'' نامی شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر

چناں چہ اس کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ ''نصیبین'' جا پہنچے اور وہاں کے پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتائی، یہ اسقف بھی پہلے دونوں اسقفوں کی طرح عابد وزاہد اور نیک تھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ یہاں مقیم ہوکر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے، ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا کہ اس کا بھی وقتِ آخر آپہنچا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا، اس نے ''عموریہ'' میں گوہرِ مقصود ''جرتج'' کا پتہ بتایا۔

عموریہ کا سفر

حضرت سلمانؓ ''نصیبین'' کے مرحوم پادری کے کفن دفن سے فارغ ہوکر سیدھا ''عموریہ'' پہنچے اور وہاں کے اسقف کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف کردیا، یہ ایک نہایت پاکباز اور پرہیز گار شخص تھا، اللہ نے اسے علم کے ساتھ عمل کا نور بھی عطا فرمایا تھا، حضرت سلمانؓ نے اس کی خدمت سے خوب خوب فیض اٹھایا اور دینِ مسیحی کے سچے پیروکار بن گئے، اپنے استاذ کی طرح وہ بھی دن رات عبادت میں مشغول رہتے، کچھ بکریاں خرید لی تھیں، ان کے دودھ سے جسمانی غذا حاصل کرتے۔

کچھ عرصے کے بعد عموریہ کے پاکباز اسقف کا بھی پیغامِ اجل آپہنچا، جب وہ دم توڑ رہے تھے تو حضرت سلمانؓ نے اپنی پوری داستان از اول تا آخر سناتے ہوئے عرض کیا: میں سینکڑوں میل کا پُرصعوبت سفر طے کرنے اور دَردَر کی خاک چھاننے کے بعد آپ کی خدمت میں پہنچا تھا؛ لیکن اب آپ بھی میرا ساتھ چھوڑ چلے ہیں، آپ کے بعد میں کہاں جاؤں گا؟ عموریہ کے مردِ درویش نے اکھڑی ہوئی سانسوں کے بیچ جواب دیا کہ: اے حق کے متلاشی بیٹے! میں تمہیں کیا مشورہ دوں! اس وقت ساری دنیا بحرِ عصیاں میں غرقاب ہے، کفر وشرک کی بجلیاں چاروں طرف کوندرہی ہیں، اس دنیا میں مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس کے پاس تمہیں بھیجوں؛ البتہ اب اس نبیٔ آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ظہور کا وقت قریب ہے، جو صحرائے عرب سے اٹھ کر دینِ حنیف کو زندہ کرے گا اور اس زمین کی طرف ہجرت کرے گا، جس پر کھجور کے درختوں کی کثرت ہوگی، ان کی علامت یہ

ہوگی کہ ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی، وہ ہدیہ قبول کرلیں گے؛ لیکن صدقہ کو اپنے لیے حرام سمجھیں گے، اگر تم اس پاک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا زمانہ پاؤ تو ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا۔ یہ کہہ کر اسقفِ پاکباز نے آخری ہچکی لی اور مولائے حقیقی سے جاملا۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے:۱۱۸)

اجنبیت کا احساس

اس صالح اور سب سے آخری راہب کے وصال کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو شدّت سے اجنبیت و پردیسیت کا احساس ہوا؛ کیوں کہ فاسد العقیدہ راہب کے انتقال کے بعد آخری بیس سال انہوں نے انتہائی خوش حالی وسعادت مندی میں گذارے تھے اور اس مدت میں چار صلحا وعلمائے ربانیین سے علم بھی حاصل کیا تھا، اور ان کے اخلاق اور طور طریق سے ایسے متأثر تھے کہ اس سے ہٹ کر زندہ رہنا ان کے لیے انتہائی گراں بلکہ ناممکن اور محال تھا، بالخصوص ''جرتج'' نے تو ان کے قلب پر نہایت گہرے نقوش چھوڑے تھے، آپ رضی اللہ عنہ ان کی وفات سے انتہائی حزین وغمگین تھے؛ کیوں کہ ان کی صحبت میں رہ کر اور زیادہ مستفید ہونا چاہتے تھے، اب ان کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ زیادہ عرصہ عموریہ میں ٹھہر نہ سکے۔

عرب کا سفر

معلوم ہوا کہ عرب کی ایک جماعت بغرضِ تجارت یہاں آئی ہوئی ہے، آپ نے ان لوگوں کو یہ پیش کش کی کہ تم مجھے اپنے ساتھ بلادِ عرب لے چلو، اس پر میں تمہیں ایک عدد گائے اور چند بکریاں دے سکتا ہوں کہ اس کے علاوہ میرے پاس

کچھ نہیں ہے، وہ بولے: ٹھیک ہے، جو کچھ تمہارے پاس ہے، وہ لے آؤ اور ہمارے ہم سفر بن جاؤ۔ عرب تاجروں سے یہ معاملہ طے پا گیا، حضرت سلمانؓ گائے اور بکریاں لے آئے جو انھوں نے ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے لیے کما رکھی تھی، چناں چہ وہ ان تاجروں کے ساتھ اس سرزمین کی طرف چل پڑے جہاں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہونی تھی، ان کی زیارت وملاقات کے علاوہ آپؓ کی اور کوئی آرزو وتمنا نہ تھی، بس! اللہ کے سچے دین اور صراطِ مستقیم کی تلاش میں نکلے تھے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

اگرچہ سفر انتہائی دشوار اور طویل تھا؛ مگر چوں کہ حضرت سلمانؓ کی عمر ایک کامل مردانگی کو پہنچ چکی تھی، اس لیے سفر کی تمام صعوبتوں کو نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کیا؛ بلکہ دورانِ سفر بعض مرتبہ انتہائی ہمّت وحوصلے اور بہادری کے ساتھ ساتھ رفقائے سفر سے دلجوئی کا بھی اظہار کرتے رہے جس کی وجہ سے تمام قافلہ والے آپؓ سے محبت کرنے لگے، بلند اخلاق، طویل خاموشی اور حسبِ ضرورت درست بات کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپؓ کا احترام بڑھنے لگا۔ ایک ماہ کی طویل مسافت طے کرنے کے بعد حضرت سلمانؓ کو احساس ہوا کہ وہ جزیرۂ عرب میں داخل ہو چکے ہیں، انھیں ادھر ادھر اونٹوں پر سوار قافلے آتے جاتے دکھائی دینے لگے، حدی خوانوں کی انتہائی دل آویز اور ترنّم بھری آواز ان

کے کانوں میں پڑنے لگی۔

اس کے بعد انہیں وہ مناظر دکھائی دینے لگے جن کے دیکھنے کے لیے وہ انتہائی بے چین تھے، انہوں نے دیکھا کہ کھجوروں کے کچھ کچھ درخت ادھر ادھر کھڑے ہیں، وہ اپنے جی میں کہنے لگے کہ: اب وہ مبارک زمین آیا چاہتی ہے، جس کے راہبوں نے اوصاف بیان کیے ہیں، اور جو امام الانبیا وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجرت گاہ ہوگی۔ (قصص النبیؐ اور اسوۂ صحابہ کے درخشاں پہلو: ۱۵۴-۱۵۵)

غلامی

جب قافلہ ''وادی القریٰ'' میں پہنچا تو قافلے والوں کی نیت اس سادہ دل انسان کے متعلق بدل گئی، اب ان کے احسانات بھول گئے اور انہیں غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کچھ دن اس یہودی کے پاس رہے، ایک دن اس یہودی کا ایک عثمان نامی رشتہ دار جو یثرب کا رہنے والا تھا، اس سے ملنے آیا، اسے غلام کی ضرورت تھی، اس نے اپنے میزبان سے ذکر کیا تو اس نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنے مہمان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

تمناؤں کا مرکز: مدینہ آ گیا

یہ شخص آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ یثرب لے آیا، یثرب پہنچ کر آپ رضی اللہ عنہ نے ہر طرف کھجوروں کے درخت سینہ تانے کھڑے دیکھے تو یقین ہو گیا کہ جس نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر عموریہ کے پاکباز راہب نے کیا تھا وہ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے ایک دن اس کھجوروں والی زمین کو ضرور مشرف فرمائیں گے۔ اس طرح حضرت

سلمان رضی اللہ عنہ غلامی در غلامی کے زخم سہتے ہوئے مدینہ پہنچے؛ مگر یہ وہ غلامی تھی جس پر ہزار آزادیاں قربان ہیں۔

اسی سے ہوگی تیرے غم کدے کی آبادی
تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

اب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی کیفیت یہ تھی:

شوقِ دید آنکھوں میں ہے دل میں تمنائے رسول
صدقے اے مولا! دکھادے روئے زیبائے رسول ﷺ
ہے بیابانِ مدینہ ہر قدم خلدِ نظر
دیوانۂ بطحا کے سودائے رسول ﷺ

اُدھر مکہ میں دعوتِ توحید کی صدا بلند ہوچکی تھی، رسالت کے چرچے مدینہ میں بھی ہونے لگے تھے، مگر غلامی کی وجہ سے اور آقا کی خدمت میں مشغول رہنے کے باعث حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں کر پائے تھے۔

مدینے کی جان رسول اللہ آ گئے

آخر ایک دن وہ ساعتِ مسعود بھی آ گئی جس کا آپ رضی اللہ عنہ کو بے تابی سے انتظار تھا، یعنی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے، اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ اپنے آقا کے باغ میں کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑ رہے تھے، آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں اس کا چچا زاد بھائی ۔ جو یہودی تھا۔ شہر سے بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا: خدا بنو قیلہ کو غارت کرے، سب کے سب قبا میں ایک شخص کے

پاس بھاگے جا رہے ہیں، جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، ان لوگوں نے اس کے دعویٰ پر یقین کر لیا ہے، اور ان کے بچوں اور عورتوں تک میں فرطِ مسرت سے ہنگامہ بپا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچے تو ان کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی، ان کے دل نے گواہی دی کہ میرا مطلوب اور مقصود آپہنچا، قریب تھا کہ درخت سے گر پڑتے، بدحواس ہو کر جلد از جلد درخت سے نیچے اترے اور آنے والے یہودی سے بے تابانہ پوچھنے لگے: تم کیا کہہ رہے تھے ذرا پھر سے کہنا۔ ان کا آقا اپنے غلام کے تجسّس اور اس کی اس بدحواسی پر چراغ پا ہو گیا اور زور سے ان کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہنے لگا: جا کمبخت! اپنا کام کر، تجھے ان باتوں سے کیا غرض! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ دل پر پتھر رکھ کر خاموش ہو گئے؛ لیکن اب متاعِ صبر وقرار لٹ چکا تھا، اب کسی پل چین نہیں آتا تھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگے۔

آقا کی چچازاد بھائی سے گفتگو

آقا اور اس کے چچازاد بھائی سمجھے کہ اب غلام ہماری باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہے؛ مگر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی پوری توجہ اسی طرف تھی، اور وہ ان کی باتوں پر مکمل کان دھرے ہوئے تھے؛ کیوں کہ وہ یہاں یثرب میں دس سال سے زیادہ عرصے سے اسی خبر کے انتظار میں تھے، ان کا دل شدید اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھا اور اب وہ اس بات کی تحقیق کرنا چاہتے تھے، عثمان بن اشہل اور اس کے چچازاد بھائی کے مابین پھر گفتگو شروع ہوئی، اب چوں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ متوجہ

تھے، اس لیے پوری بات محفوظ کر لی:

عثمان نے کہا: کیا واقعتاً یہی بات ہے؟

چچا زاد بھائی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی! یہی واقعہ ہے۔

عثمان: وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانا چاہتا ہے؟

چچا زاد: مکہ سے اوس وخزرج کی دعوت پر یہاں آیا ہے، وہ سب اس پر ایمان لا چکے اور بیعت کر چکے ہیں اور یہاں رہنا چاہتا ہے۔

عثمان: کیا اوس وخزرج اس پر متفق ہو گئے ہیں؟

چچا زاد: جی ہاں! وہ سب متفق ہو گئے۔

عثمان: اللہ کی قسم! اگر اوس وخزرج اس پر متفق ہو گئے ہیں تو اس شہر میں ہماری بنیاد نہیں جم سکتی، میرے چچیرے بھائی! ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کہ آیا یہ وہی نبی ہے جس کا تذکرہ ہماری کتابوں میں ملتا ہے اور انبیا علیہم السلام نے جس کی خبر دی ہے؟

چچا زاد بھائی: ہاں اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہے۔

عثمان: کیا ہماری قوم اس پر ایمان لا کر اس کی پیروی کرے گی؟

چچا زاد: معاذ اللہ! کیا ہم بنی اسرائل سے ہٹ کر کسی اور نبی کی اتباع کریں، ہمارے لیے کتنے بڑے عار وشرم کی بات ہے کہ اِن اَن پڑھ (عرب) لوگوں کے نبی کی اتباع کریں۔

عثمان: پھر ہمارا اس کے ساتھ کیا سلوک اور معاملہ رہے گا؟

چچازاد: ہم اس سے عداوت رکھیں گے، اس کے اور اس کے دین کے بارے میں لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈالتے رہیں گے، ہماری کوشش رہے گی کہ اسے یثرب سے نکال باہر کریں۔

عثمان: اللہ تمہاری زبان مبارک کرے، تمہارے دین کو سلامت رکھے، ہمیں اپنی قوم کو یہی وصیت کرنی چاہیے اور ہمیں اسی کے مطابق عمل درآمد کرنا چاہیے۔

(قصص النبیؐ اور اسوۂ صحابہ کے درخشاں پہلو: ۱۶۰)

خدمت میں حاضری

حضرت سلمانؓ نے جس روز یہ خبر سنی، ان کے لیے وہ دن ہزار عیدوں سے بڑھ کر تھا، انہیں مدتوں سے اِسی دن کی تلاش تھی، جس روز یہ اپنے شہر سے نکلے تھے، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کچھ زائد تھی۔ صحیح دین کی تلاش اور نبیٔ مبعوث رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتظار میں اب تک ۳۵ / سال کا طویل عرصہ گذر چکا تھا۔ اندازہ لگایئے کہ جس روز انہوں نے نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمدِ باسعادت کی خبر سنی ہوگی، اُس دن وہ کتنے شاداں، فرحاں اور باسعادت ہوئے ہوں گے۔

حضرت سلمانؓ شام ہونے کے انتظار میں ایک ایک لمحہ گن رہے تھے، بالآخر خدا خدا کر کے شام کو چھٹی ملی، چند کھجور لے کر سیدھے قبا کی جانب۔ جہاں سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما تھے۔ چل دیے، آج ان کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوئی جارہی تھیں، قبا پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ: کہاں تشریف فرما ہیں؟ لوگوں نے جائے قیام بتایا، بصد شوق حاضرِ خدمت ہوئے۔

نبوت کی پہلی علامت

جب آپ رضی اللہ عنہ کی نظر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی تو دیکھا کہ: انتہائی حسین وجمیل اور وجیہ وبارعب شخص ہیں، اپنے جی میں کہا: اللہ کی قسم! یہ چہرہ تو کسی نبی ہی کا ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد سلام کر کے آپ کے قریب بیٹھ گئے، اور کھجوریں پیش کرتے ہوئے یوں عرض کیا: مجھے معلوم ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انتہائی صالح ونیک انسان ہیں، آپ کے ساتھ حاجت منداور غربا کی ایک جماعت ہے، میرے پاس یہ صدقے کی کھجوریں موجود تھیں، سو یہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لے آیا ہوں، قبول فرمالیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول فرمالیا اور اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: انہیں کھاؤ؛ مگر آپ نے ان میں سے کچھ نہ کھایا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے جی میں کہا: اللہ کی قسم! جرتج راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صفات بتائی تھی، ان میں سے یہ پہلی صفت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقے کا مال استعمال نہیں فرمائیں گے۔

نبوت کی دوسری علامت

کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سنتے رہے، اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ انور کی طرف نظر کر کے محظوظ ہوتے رہے، جی تو چاہتا تھا کہ یہاں سے ایک لمحے کے لیے بھی غائب نہ ہوا جائے، مگر ایک مصلحت کے تحت چند روز غائب رہنے کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، اُس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینۂ منورہ میں حضرت

ابوایوب انصاریؓ کے ہاں قیام پذیر ہو چکے تھے، اِس مرتبہ بھی چند کھجوریں لے کر حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صدقہ استعمال نہیں فرماتے، یہ ہدیہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اکرام کے لیے لایا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوریں لے کر بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع فرمایا اور مجلس میں موجود صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی کھانے کا حکم دیا۔ حضرت سلمانؓ کا دل مارے خوشی کے اچھلنے لگا اور دل ہی دل میں کہا: اللہ کی قسم! یہ دوسری نشانی اور صفت ہے جو پوری ہوئی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہدیہ استعمال فرماتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ اپنے ٹھکانے پر آئے اور بستر پر دراز ہو گئے؛ مگر اُس رات انہیں نیند نہیں آئی، وہ سوچ رہے تھے کہ بات تو بالکل واضح ہو چکی ہے، واللہ! یہ وہی نبی ہیں جس پر ایمان لانے کا راہبوں نے مجھ سے عہد لیا تھا، ان کا نام بھی محمد ہے، تہامہ کے باشندے ہیں، یثرب ان کی ہجرت گاہ ہے، ہدیہ استعمال کرتے ہیں، صدقہ نہیں کھاتے، اللہ کی قسم! ان کا چہرہ بتا رہا ہے کہ وہ سچے نبی ہیں۔

پھر اپنے آپ کو خطاب کر کے کہنے لگے: اب کیا باقی رہ گیا ہے، کیوں نہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا جائے، ان کے دستِ بابرکت پر بیعت کر کے دارین کی سعادتوں کو اپنے دامن میں سمیٹا جائے اور اپنی بے تابیوں کی طویل داستان سنائی جائے؛ مگر ساتھ ہی تیسری نشانی: ''خاتمِ نبوت'' بھی یاد آ گئی، اپنے جی میں کہنے لگے کہ: اسے دیکھنے کے لیے بھی کوئی تدبیر کروں گا اور پھر اپنے اسلام کا اظہار کر دوں گا۔

نبوت کی تیسری علامت

چند ہی دن گذرے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کلثوم بن ہدم کے جنازے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بقیعِ غرقد تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو چادریں زیب تن کیے ہوئے تھے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت کی جانب سے آئے اور قریب آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک اور کندھوں کے درمیان اس طرح غور سے دیکھنا شروع کیا کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ کیا چاہتے ہیں؟ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا مقصد سمجھ گئے؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو جس روز وہ قبا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اسی روز سمجھ چکے تھے کہ ان کی آمد ورفت کا خاص پس منظر ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس لیے کوئی تعرض نہ فرمایا کہ ان پر بات اچھی طرح واضح ہوجائے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پیچھے سے آرہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا مقصد سمجھ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کو ہلکی سی حرکت دی، جس کی وجہ سے کمر سے چادر اتر گئی اور خاتمِ نبوت اپنی پوری ضوفشانیوں کے ساتھ دکھائی دینے لگی۔

اسلام کے دامن میں

سر کی آنکھوں کے سامنے مہرِ نبوت کو دیکھ کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، لپکے اور بصد احترام وعقیدت جھک کر اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ مہرِ نبوت پر ثبت کر دیے اور پھر بے اختیار ہوکر رونے لگے، پھر اسی گریہ وزاری کی حالت میں عرض کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے رونے سے حیران تھے، آپ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھایا، قلب و سینے پر دستِ تسکین رکھا اوران کے چہرے کی طرف دیکھ کر فرمایا: سلمان! ہمیں اپنا قصہ سناؤ۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے دلِ مضطرب کو قرار آیا اوران کی بے چین روح کے لیے سامانِ تسکین فراہم ہوگیا تو مسرّت وخوشی کے مارے چہرہ تمتمانے لگا، اور از اول تا آخر داستانِ حیات سنا کر عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں تو تقریباً پینتیس (۳۵) سال سے آپ کے انتظار میں اور سچے دین کی کا متلاشی میں ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ داستان اس قدر پسند آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ان کے ساتھیوں کو بھی یہ داستان سناؤ، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بھی اپنی آپ بیتی سنائی، سب صحابہ رضی اللہ عنہم سن کر بہت خوش ہوئے اور سب نے انہیں مبارک باد دیتے ہوئے کہا: خوش ہوجاؤ کہ تم نے اپنی منزل کو پالیا ہے۔

(حکمران صحابہ: ۶۹۰)

اس طرح ''مابہ'' سے ''سلمان'' بننے تک کا یہ طویل و پُر مشقّت سفر اختتام پذیر ہوا، گمراہیوں اور ضلالتوں سے نجات پائی، اور جس ملتِ حنیفیہ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اسے پہچان لیا، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت وملاقات سے مشرف ہوکر نہ صرف ان کے جاں نثاروں میں شامل ہوئے؛ بلکہ ممتاز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے شمار ہوئے۔ (قصص النبی اور اسوۂ صحابہ درخشاں پہلو: ۱۶۴)

اگر نہ ان کی پناہ ملتی نہ جانے کیا کچھ خوار ہوتے
جہاں میں ہم لوگ آ گئے تھے ظلوم بن کر جہول ہوکر

غلامی سے آزادی تک

اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو آزادی حاصل نہیں تھی، جس کی وجہ سے آپ کو اپنی ذات بے قیمت نظر آئی، نہ تو جب چاہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر سکتے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کر سکتے تھے، قبولِ اسلام کے بعد بھی ایک عرصۂ دراز اس طرح گذرا کہ آپ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، بالآخر مجبور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غلامی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان رضی اللہ عنہ! تم اپنے آقا سے عقدِ کتابت کرلو، ارشادِ نبوی کی تعمیل میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے یہودی آقا عثمان بن اشہل کو مکاتبت کی پیشکش کی تو اس نے شدت کے ساتھ انکار کر دیا اور کہنے لگا: تجھے اس لیے آزاد کردوں تاکہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہو کر ہمارا مقابلہ کرے؟ اللہ کی قسم! میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بڑے پریشان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالات بتائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صبر کرتے رہو، اللہ ضرور کوئی راستہ سمجھائیں گے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صبر کرتے رہے؛ حتی کہ اسلام کے دو عظیم معرکے بدر و احد پیش آئے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ غلامی کے باعث ان میں شرکت سے محروم رہے، جس پر آپ رضی اللہ عنہ انتہائی محزون و مغموم رہتے، بار بار اپنے آقا سے بدلِ کتابت کی پیشکش کرتے؛ مگر وہ ہر مرتبہ نہایت نخوت سرعونت سے ٹھکراتا رہتا۔ مدینہ کے یہودیوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے توڑ ڈالا، تو اس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قبائل میں سے

بنوقینقاع و بنونضیر دو قبیلوں کو جلاوطن کر دیا۔ عثمان بن اشہل کا تعلق بنوقریظہ سے تھا، اسے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں ان کے قبیلے کا بھی وہی حشر نہ ہو جو بنوقینقاع و بنونضیر کا ہوا، پھر اس کا باغ بھی جاتا رہے اور مال و غلام بھی مسلمانوں کے لیے غنیمت بن جائے؛ بلکہ اسے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو کر رہے گا؛ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ یہود ضرور غداری اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوں گے جس کی پاداش میں ان کا یہ حشر ہوگا؛ اس لیے اس نے آخر کار حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو مکاتب بنانا قبول کر لیا؛ کیوں کہ باغ ہی جاتا رہے گا تو اسے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بھی ضرورت نہ رہے گی؛ مگر قصداً اس نے تحمّل سے زیادہ بدلِ کتابت کا مطالبہ کیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرے آقا نے آزادی کے بدلے تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونا مانگا ہے، میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، آپ مدد فرمایئے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودی کے اس مطالبہ کو سن کر ہنس پڑے اور اس کے اس رویّے پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ وہ تو اپنے غلام کو محض اس لیے فروخت کر رہا تھا کہ اگر انہیں جلاوطن کر دیا گیا تو ان کے باغات بھی جاتے رہیں گے، پھر بھی وہ تین سو کھجور کے درخت مانگ رہا ہے!!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: اپنے بھائی کی مدد کرو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اٹھے اور ہر ایک نے استعداد سے بڑھ کر اپنے فارسی بھائی کی مدد کی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: کھجور کے سلسلے میں بطورِ تعاون سب سے پہلے ایک شخص نے مجھے تیس پودے دیے، پھر کسی نے بیس اور کسی نے پندرہ اور کسی نے

دس۔ غرض یہ کہ ہر صحابی نے اپنی مقدور بھر کوشش کر ڈالی، یہاں تک کہ تین سو پودے میرے پاس جمع ہو گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: سلمان! جاؤ، پودے لگانے کے لیے زمین تیار کرو، جب تیار ہو جائے تو مجھے بتا دینا، میں خود اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔ میں نے جا کر گڑھے کھودے، ساتھیوں نے بھی میرا تعاون کیا، جب تمام گڑھے تیار ہو گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، ہم لوگ پودے اٹھا اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے لگاتے رہے، حتیٰ کہ تمام درخت لگا دیے، اللہ کی قسم! ایک درخت بھی ضائع نہیں ہوا۔

ایک روایت کے مطابق ایک پودے کے علاوہ تمام پودے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگائے، ایک پودا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں سے لگایا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لگائے ہوئے پودے کارآمد ہو گئے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا لگایا ہوا پودا ضائع ہو گیا۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۵۷-۵۸) کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ تمام درخت مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں ہاتھ لگے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کمینے بدعہد یہودی کو ان درختوں سے محروم کر دیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: کھجوروں کا مسئلہ تو حل ہو گیا؛ مگر چالیس اوقیہ سونا ادا کرنا باقی تھا، ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا جو کسی کان سے برآمد ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سلمان کہاں ہیں؟ میں حاضرِ خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ لے لو اور اپنا قرض ادا

کردو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس مقدار سے میرا قرض کہاں ادا ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: تم لے تو جاؤ، اللہ اسی سے ادا کروادیں گے۔

ابنِ اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سونے کی ڈلی کو پکڑ کر اپنی زبانِ مبارک پر پھیرا، پھر مجھے دیا، میں اسے لے گیا، اور جب اس کا وزن کیا تو اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے پورا چالیس اوقیہ تھا، جس سے میں نے اس یہودی کا قرض ادا کردیا۔ اس طرح حضرت سلمانؓ نے غلامی کے دلدل سے نکل کر آزادی کی فضا میں اڑان بھری۔

مواخات

آزادی کے بعد حضرت سلمانؓ مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگے، اس وقت آپ بالکل غریب الدیار تھے، کوئی شناسا نہ تھا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اَور مکی مہاجرین کی طرح ان کی بھی حضرت ابودرداءؓ سے مواخات کرادی۔

(اہلِ کتاب صحابہ وتابعین: ۱۶۸)

غزوۂ خندق اور حضرت سلمانؓ

بدر واحد کی لڑائیاں آپ کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہوچکی تھی، آزادی کے بعد ذیقعدہ ۵ھ میں سب سے پہلے غزوۂ خندق پیش آیا، اس میں حضرت سلمانؓ نے اپنی حسنِ تدبیر سے پہلی دونوں لڑائیوں میں عدم شرکت کی تلافی کردی، غزوۂ خندق میں مکہ اور اس کے اردگرد کے تمام عربوں پر مشتمل ایک ٹڈی دل لشکر اس ارادے سے نکلا تھا کہ مسلمانوں کا مکمل قلع قمع کردیں اور انہیں بیخ وبن سے اکھیڑ

پھینکے۔ یہ حملہ مدینہ پر تھا، جس کے کسی سمت نہ قلعہ تھا نہ فصیل، مقابلہ بڑا سخت تھا، ایک طرف قبائلِ عرب کا عظیم الشان متحدہ لشکر اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا، حضرت سلمانؓ چوں کہ ایران کی معرکہ آرائیاں دیکھے ہوئے تھے اور جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف بھی تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ اس کثیر التعداد لشکر کا کھلے میدان میں مقابلہ مناسب نہیں ہے، مدینے کے اطراف میں خندقیں کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہیے۔ یہ تدبیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند آئی، چناں چہ پھر اسی پر عمل کیا گیا اور مختلف حصے صحابہ کی الگ الگ جماعت کے ذمہ لگائے گئے۔ خندق کھودنے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے، راوی کہتے ہیں کہ: مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکمِ مبارک مٹی سے اَٹ گیا تھا اور رجزیہ اشعار زبان پر جاری تھے۔

سخت چٹان، تین ضربیں اور تین بشارتیں

حضرت عمرو بن عوفؓ کا بیان ہے کہ: میں، حضرت سلمانؓ، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت نعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہم، اور چھ انصاری اصلِ ذباب (ذباب پہاڑ کی جڑ) کے نیچے داخل ہوئے، ہم لوگ لگاتار زمین کھودتے رہے، حتی کہ تری تک پہنچ گئے، خدا کی قدرت! خندق کے درمیان ایک سفید رنگ کی مدوّر چٹان نکل آئی، وہ اتنی سخت تھی کہ ہماری کدالیں ٹوٹ گئیں؛ مگر وہ ٹوٹنے میں نہ آئی، اب ہمارے لیے مزید کھودنا دشوار ہو گیا تھا، میں نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ: آپ خندق کے اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں اور

انہیں صورتِ حال سے آگاہ کریں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت ایک ترکی خیمے میں تشریف رکھتے تھے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا حال کہہ سنایا، مزید یہ عرض کی: حضور! یہ ہوسکتا ہے کہ چٹان کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اس سے ذرا ہٹ کر گڑھا کھود لیں، ہم چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر مقررہ نشان سے ادھر ادھر ہونا پسند نہیں کرتے؛ لہٰذا جیسا حکم ہو ہمیں فرمائیں؛ تاکہ ہم ویسا کریں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں غالباً حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی روایت جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سلمان! ذرا مجھے بھی اپنی کدال دکھاؤ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال لے لی اور ہماری طرف اتر کر تشریف لائے، ہم لوگ خندق کے کنارے ایک طرف ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی کشادگی کے ساتھ خندق میں اتر آئے، آتے ہی کدال اس چٹان پر ماری۔ پہلی ضرب کے ساتھ ایک ایسی چمک پیدا ہوئی جس سے دونوں سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان کی جگہ یعنی پورا مدینۂ منورہ روشن ہوگیا، اس کے ساتھ ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی، ہم نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی، اس سے بھی اسی طرح چمک پیدا ہوئی جس نے یہ سارا علاقہ روشن کردیا، جیسے کہ کسی اندھیرے مکان میں چراغ

روشن ہو جائے، اس موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ اکبر کہا، ساتھ ہی ہم نے بھی ایسا ہی کہا۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی اور چٹان کو توڑ کر رکھ دیا، اس سے بھی پہلے کی طرح روشنی نکلی، اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم نے بھی ان کی ہم نوائی کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق سے نکل کر اوپر تشریف لے گئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے کہ اس جیسی چیز اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، آں حضرت دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ: کیا آپ لوگوں نے بھی کچھ مشاہدہ کیا ہے؟ وہ سب کہنے لگے: حضور! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یقیناً ہم نے دیکھا ہے کہ جب آپ کدال مارتے تھے تو ایک لہر کے مانند بجلی ظاہر ہوتی تھی، آپ تکبیر کہتے تھے اور ہم اس کی پیروی کرتے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ لوگوں نے درست کہا ہے۔ میں نے پہلی ضرب لگائی اور جو روشنی تم نے دیکھی، اس میں میرے لیے حیرہ کے محلاتِ شاہی اور مدائنِ کسریٰ روشن کر دیے گئے تھے گویا کہ وہ کتوں کے دانت ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ میری امّت ان پر غالب آئے گی۔

دوسری ضرب کی روشنی میں ارضِ روم کے سرخ محل دندانِ سگ کی مانند میرے لیے نمایاں کیے گئے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اطلاع دی کہ میری امّت کا ان پر بھی قبضہ ہو گا۔

تیسری ضرب کی روشنی جو تم نے دیکھی اس میں مجھے صنعائے یمن کے محل کتوں کے دانتوں کی طرح چمکتے ہوئے دکھائے گئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میری امّت کا ان پر قبضہ ہوجائے گا اور خدا کی نصرت مسلمانوں کے ساتھ شاملِ حال ہوگی پس تمہیں خوشخبری ہو۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار دہرائی، مسلمان یہ نویدِ جاں فزا سن کر بے حد خوش ہوئے اور کہنے لگے: "**موعود صادق وعاد وعدنا النصر بعد الحصر والفتوح**"، یہ وعدہ ہے سچے اور عاد کا اس نے ہم سے محصور ہوجانے کے بعد نصرت اور فتوحات کا وعدہ فرمایا ہے۔

شکستِ فاش

اِدھر خندق تیار ہوئی اور اُدھر دشمن آدھمکا، عربوں کو اس طریقۂ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ خندق دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے، وہ تو اس ارادے سے آئے تھے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے؛ مگر یہاں آکر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ خندق حائل ہے، ۲۲ / دن تک مسلسل محاصرہ قائم رہا؛ مگر شہر تک ان کو پہنچنا نصیب نہ ہوا اور آخرکار بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔

دیگر غزوات میں شرکت

خندق کی اس ناقابلِ فراموش شکست میں حضرت سلمانؓ کی حکمت اور حسنِ تدبیر کا ایسا کردار رہا کہ ہمیشہ کے لیے سلمان وخندق لازم وملزوم ہوگئے۔ غزوۂ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ دیگر غزوات میں بھی شریک رہے، غزوۂ خندق

کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں شریک ہو کر آپ نے دادِ شجاعت نہ دی ہو۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصّے: ۲۷-۲۹)

عہدِ صدیقی

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد ایک عرصے تک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں رہے، اس دوران حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے استفادہ بھی کرتے رہے، خود فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: مجھے نصیحت فرما دیجیے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے سلمان! اللہ سے ڈرتے رہو، اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ عنقریب بہت سی فتوحات ہوں گی، ان میں تمہارا حصہ صرف اتنا ہونا چاہیے کہ بقدرِ ضرورت کھانا اپنے پیٹ میں ڈال لو اور بقدرِ ضرورت لباس اپنی پشت پر ڈال لو (اپنی ضرورت میں کم سے کم لگا کر باقی سارا دوسروں پر خرچ کر دینا) اور تم یہ بھی جان لو کہ جو آدمی پانچ نمازیں پڑھتا ہے وہ صبح وشام ہر وقت اللہ کی ذمہ داری میں ہوتا ہے؛ لٰہذا تم اہل اللہ میں سے کسی کو ہرگز قتل نہ کرنا؛ کیوں کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کو توڑ دوگے، اور پھر اللہ تعالیٰ تم کو اوندھے منہ (جہنم کی) آگ میں ڈال دیں گے۔

امام زہری حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرض الموت میں ان کے پاس آئے، اور کہنے لگے: اے رسول اللہ کے خلیفہ! مجھے کچھ وصیت فرمایئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**إن اللہ فاتح علیکم الدنیا فلا یأخذن منھا إلا بلاغا**"، اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا کا بہت سارا مال

عطا فرمائے گا، پس تم میں سے کوئی شخص اس میں سے ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ لے۔ (اہلِ کتاب صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم:۱۶۹-۱۷۰)

عہدِ فاروقی

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ عہدِ فاروقی میں ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور چوں کہ خود نہ صرف ایرانی تھے؛ بلکہ ایرانی طریقۂ جنگ سے بھی واقف تھے، اس لیے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصولِ اسلام کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ بسا اوقات قلعوں کے محاصرے سے پیشتر محصورین کو مادری زبان فارسی میں سمجھاتے، ایک مرتبہ کسی مضبوط قلعے میں محصور لوگوں کی فہمائش کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ: میں بھی تمہارا ہم قوم تھا؛ لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا، تم لوگ عربوں کی اطاعت گذاری سے کسی طرح بچ نہیں سکتے، میں تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم لوگ اسلام لاکر ہجرت کرکے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہلِ عرب کے سے حقوق دیے جائیں گے، اور جو قانون ان کے لیے ہیں وہی تم پر بھی نافذ ہوں گے، اور اگر اسلام قبول نہیں کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے، اوران کا قانون تم پر جاری کیا جائے گا۔

تین دن برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے؛ مگر قلعے کے استحکام اور سپاہیوں کی کثرت نے ایرانیوں کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا، جب اس فہمائش کا کچھ اثر نہ ہوا تو عام حملے کا حکم دے دیا گیا، اور پھر وہی ہوا جس سے آپ نے انہیں ڈرایا تھا، مسلمانوں نے اس قلعے کو بزورِ شمشیر فتح کرلیا۔

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ایران کے پایۂ تخت مدائن فتح کرنے کے وقت بھی آپ شریک رہے اور دریائے دجلہ کو عبور کرتے وقت سپہ سالار کے دوش بہ دوش رہے۔

عمیر الصاعدی کہتے ہیں کہ: حضرت سعد اور حضرت سلمانؓ دجلہ عبور کرتے وقت ساتھ ساتھ تھے حضرت سعدؓ کہتے جاتے تھے: ”**ذٰلک تقدير العزيز العليم**“، یہ غلبے اور علم والے خدا کا اندازہ ہے۔ حضرت سلمانؓ نے حضرت سعدؓ کے کلمات سنے تو فرمایا: ”**الإسلام جديد ذللت لهم البحور كما ذلل لهم البر أما الذي نفس سلمان بيده ليخرجن منه أفواجا كما دخلوا فيه أفواجا**“، اسلام ہر دم نو بہ نو اور تر و تازہ رہتا ہے، مسلمانوں کے لیے سمندر بھی اسی طرح مسخر کر دیے گئے ہیں جیسے کہ زمین، اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں سلمان کی جان ہے، کہ ہم اس دریا سے اس طرح فوج در فوج نکلیں گے جیسے کہ فوج در فوج اس میں داخل ہوئے تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی، آخر ایسا کیوں نہ ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ہی مقدس ہستیوں کے بارے میں تو فرمایا تھا: ”**كم من اشعث اغبر ذي طمرين لا يؤبه له لو أقسم على الله لابره**“۔ کتنے ایسے پراگندہ بالوں والے، غبار آلود چہرے والے اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس لوگ ہیں کہ دوسرے لوگ ان کی پرواہ تک نہیں کرتے؛ لیکن اگر وہ خدا کا نام لے کر کچھ کہہ دیں تو خدا ان کے کہے کی لاج رکھتا

ہے، اوران کی وہ بات ضرور پوری کرتا ہے۔

مؤرخین کا لکھنا ہے: ”**فخرجوا منه كما قال سلمان لم يفتقدوا شيئا ولم يفرق منهم أحد**“، یعنی تمام لوگ دریا سے اسی طرح صحیح وسالم باہر نکلے جس طرح کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، نہ کوئی چیز گم ہوئی اور نہ کوئی شخص ڈوبنے پایا۔ ایرانیوں نے جب مسلمانوں کو گروہ درگروہ دریا سے نکلتے دیکھا تو اپنی فارسی زبان میں پکار پکار کر کہنے لگے: ”دیواں آمدند، دیواں آمدند، یعنی دیو آگئے دیو آگئے، پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ: ہمارا مقابلہ انسانوں سے نہیں؛ بلکہ جنوں سے ہے۔ اور پورا شہر مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر بھاگ گئے۔

(سیر الصحابہ: ۳/ ۹۳)

تعمیرِ کوفہ اور فتحِ جلولا

مدائن فتح ہونے کے بعد سے ۱۷ھ تک عراق کا صوبائی صدر مقام ”مدائن“ ہی رہا، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان عرب مجاہدین میں جو مدائن میں رہنے لگے تھے، یہ محسوس کیا کہ ان کے چہروں کے رنگ میں تغیر رونما ہوگیا ہے اور وہ جسمانی لحاظ سے کمزور دکھائی دیتے ہیں، اس لیے انہوں نے سپہ سالار حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ سلمان رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو ایسی جگہ کی تفتیش میں بھیج دیں جہاں آب وہوا موافق اور جانوروں کے لیے چارے کی رسائی آسان ہو، اور وہ ایسی جگہ منتخب کریں جہاں میرے اور اس جگہ (چھاؤنی) کے درمیان کوئی دریا یا پُل آڑ نہ ہو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کو اس مقصد کے لیے بھیج دیا اور

دونوں نے ایک عمدہ جگہ پر اتفاق کیا، جہاں کوفہ شہر بسایا گیا۔

امام طبریؒ مزید فرماتے ہیں کہ: یہ دونوں اصحاب ویسے بھی لشکرِ اسلام کے ''رائد'' تھے، حضرت سلمانؓ تلاش میں نکلے تو ''انبار'' جا پہنچے، پھر دریائے فرات کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے؛ لیکن کوئی جگہ پسند نہ آئی، بالآخر کوفہ کی جگہ پر پہنچے اور اسے منتخب کرلیا، اسی طرح حضرت حذیفہؓ فرات کے مشرقی کنارے پر جگہ تلاش کرتے کرتے کوفہ آ کر ٹھہر گئے اور ان کا انتخاب بھی یہی جگہ تھی۔

فتح جلولا میں بھی حضرت سلمانؓ شریک تھے، جس میں مشک کی ایک تھیلی ہاتھ آئی تھی جو وفات کے وقت کام میں لائے۔ (حضرت سلمانؓ فارسی کے سو قصّے: ۸۸)

گورنری

عہدِ فاروقی میں آپ مدائن کے گورنر رہے؛ مگر ہمیشہ اس کی رنگینیوں سے بیزار رہتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت سلمانؓ سے پوچھا کہ: آپؓ کو امارت اور حکومت قبول کرنے سے اس قدر نفرت کیوں ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ''**حلوۃ رضاعتھا ومرارۃ فطامھا**''، اس کے دودھ پلانے کی مٹھاس اور پھر دودھ چھڑانے کی تلخی کی وجہ سے، یعنی عہدہ ومنصب اور اقتدار کی لذت اور نشہ تو بہت زیادہ ہے؛ لیکن اسے چھوڑنا بہت زیادہ دشوار ہے، چھوڑنا تو بہرحال پڑتا ہے، حوادثاتِ زمانہ سے بچ بھی گیا تو موت تو سب کچھ چھڑوا ہی دے گی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب آپؓ مدائن کے امیر تھے تو

اپنے ایک ساتھی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اگر مٹی کھا سکو تو کھا لینا؛ لیکن کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا۔

اسی زمانۂ امارت میں ایک مرتبہ مدینہ حاضر ہوئے، اُس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک گدے پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کو آتا دیکھ کر گدا آپ کی طرف بڑھا دیا، اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو دعا دی اور فرمایا کہ: ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ نے وہ تکیہ میرے لیے رکھ دیا، پھر مجھ سے فرمایا: اے سلمان! جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جاوے اور وہ میزبان اس کے لیے تکیہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مغفرت فرماویں گے۔

(اہلِ کتاب صحابہ وتابعینؒ: ۱۷۰، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصّے: ۴۲-۴۳)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی شادی

ثابت بنانیؒ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بنو لیث کے ایک گھر میں تشریف لے گئے، وہاں اندر جا کر انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور سبقتِ ایمانی بیان کی اور رشتہ مانگا؛ لیکن گھر والوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو رشتہ دینے میں پس وپیش کیا؛ البتہ وہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو رشتہ دینے پر نہ صرف آمادہ ہوئے؛ بلکہ اصرار کرنے لگے، اس بات چیت کے بعد دونوں حضرات وہاں سے چلے آئے۔

راستے میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بڑی معذرت کرتے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ

سے کہا: بات ہی ایسی ہوئی ہے کہ مجھے کہتے ہوئے تم سے بڑی شرمندگی محسوس ہوتی ہے، حضرت سلمانؓ نے کہا: بھائی! بتاؤ تو سہی، ایسی کیا بات ہوئی ہے؟ اس پر انہوں نے بنولیث کا حضرت سلمانؓ کو رشتہ دینے سے انکار اور خود انہیں رشتہ دینے پر ان کا اصرار بیان کر دیا، یہ سن کر حضرت سلمانؓ کہنے لگے: بھائی! حقیقت میں تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ تم سے شرماؤں؛ کیوں کہ میں نے وہ رشتہ اپنے لیے طلب کرنے کی جسارت کی، حالاں کہ وہ رشتہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا تھا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۰)

بعد میں بنولیث کے اصرار پر حضرت ابو درداءؓ نے اس خاتون سے شادی کر لی، اور وہ ''ام الدرداء صغریٰ'' کہلائی، اصل نام ''ہجیمہ'' تھا، وہ ثقہ تابعیہ اور فقیہہ تھیں۔ ''تقریب التہذیب'' میں ان کا تعارف موجود ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ: جب حضرت سلمانؓ کافی عرصہ باہر رہنے کے بعد مدینۂ منورہ میں آئے اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملے، تو باتوں باتوں میں انہوں نے ان سے اپنے خاندان میں شادی کرا دینے کا اظہار کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ اس وقت تو خاموش ہو گئے؛ مگر ان کے جانے کے بعد اپنے رشتہ داروں سے حضرت سلمانؓ کے لیے رشتے کی بات چیت کی؛ بلکہ سخت تقاضا بھی کیا، اگلا روز ہوا تو حضرت عمرؓ کے خاندان والے وہاں جا پہنچے جہاں حضرت سلمانؓ ٹھہرے ہوئے تھے، اور ان سے درخواست کی کہ ہمیں رشتے کے بارے میں زیادہ مجبور نہ کیا جائے۔ حضرت سلمانؓ ان کی مجبوری اور معذرت کو

پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہنے لگے: ”واللہ ما حملني علیٰ هذا أمارته ولا سلطانه ولٰكن قلت رجل صالح عسی اللہ أن يخرج مني ومنه نسمة صالحة“، بہ خدا! میں نے رشتہ ان کی امارت اور حکومت کو دیکھتے ہوئے نہیں مانگا تھا؛ بلکہ میرے دل میں تو یہ خیال آیا تھا کہ وہ (حضرت عمرؓ) نیک آدمی ہیں؛ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رشتہ کی بدولت کوئی نیک روح پیدا کردے۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۴۳)

عمرو بن ابی قرۃ الکِندی کہتے ہیں کہ: میرے باپ ابوقرہ نے اپنی بہن کا رشتہ حضرت سلمانؓ کو پیش کیا تھا؛ لیکن وہ رضامند نہیں ہوئے اور اس کے بجائے ایک آزادشدہ کنیز سے جس کا نام ”بُقیرہ“ تھا شادی کرلی۔

شبِ عروسی

عبد الرحمٰن السلمی بیان کرتے ہیں کہ: نکاح کے بعد حضرت سلمانؓ اپنے سسرال پاپیادہ تشریف لے گئے، چند احباب ساتھ تھے، دروازے پر پہنچے تو اپنے احباب کو رخصت کیا اور ”آجركم اللہ“ کہہ کرانہیں دعادی۔

روایت میں ہے کہ آپ نے جب مکان کو دیکھا تو اس کے درو دیوار کو پردوں سے آراستہ پایا، یہ چیز آپ کو پسند نہ آئی، چناں چہ فرمایا: کیا مکان کو بخار چڑھا ہوا ہے؟ یا خانۂ کعبہ بنی کِندہ میں آگیا ہے؟ وہ لوگ کہنے لگے: نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ مگر آپؓ اس وقت تک گھر میں داخل نہ ہوئے جب تک کہ صدر دروازے کے علاوہ باقی تمام پردے اتار نہ دیے گئے۔

گھر میں داخل ہوئے تو بہت سا ساز وسامان جہیز وغیرہ موجود پایا، پوچھا: یہ

جہیز وسامان کس کے لیے ہیں؟ بتایا گیا کہ: یہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے لیے ہیں، یہ سن کر فرمایا: میرے نبی نے تو مجھے اس بات کی وصیت نہیں فرمائی تھی، انہوں نے تو مجھے یہ فرمایا تھا کہ: میرا دنیاوی سامان مسافر سوار کے زادِ راہ کی طرح ہونا چاہیے۔ اسی طرح بہت سے خادموں کو دیکھا تو فرمایا کہ: میرے خلیل نے مجھے اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دی تھی۔

شبِ عروسی میں جب اپنی بیوی کے کمرے میں گئے تو وہاں سے عورتوں کو چلے جانے کے لیے فرمایا، جب وہ چلی گئیں تو دروازہ بند کر کے پردہ گرا دیا، پھر بیوی کے قریب جا بیٹھے، اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا مانگی۔ پیشانی پر ہاتھ پھیر کر دعائے برکت کرنا ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تھا، حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ: رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے یا باندی خریدے تو اس کی پیشانی پکڑ کر دعائے خیر وبرکت کیا کرے۔

اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے اپنی بیوی سے فرمایا: اگر میں تم سے کوئی بات کہوں تو کیا تم اطاعت کرو گی؟ بیوی کہنے لگی: کیوں نہیں، آپؓ میرے سرتاج ہیں، آپ کی اطاعت ضرور کروں گی۔ یہ جواب سن کر آپؓ نے فرمایا: میرے خلیل ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے یہ فرمایا تھا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص شادی کرلے تو میاں بیوی کو سب سے پہلے عبادتِ خداوندی پر اکٹھا ہونا چاہیے، اس لیے اٹھو: ہم نماز ادا کرلیں، نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت سلمانؓ نے دعا مانگی اور ان کی

بیوی نے آمین کہا۔ گویا از اول تا آخر سب کچھ فرمانِ نبوت کے مطابق ہوا۔

علالت و وصیت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اپنے مرض الموت کے موقع پر مدائن میں ابوقرہ الکِندی کے بالا خانے پر صاحبِ فراش تھے، بیماری پیٹ کی تکلیف یعنی اسہال وغیرہ کی تھی، حدیثِ رسول کے مطابق بہ عارضۂ اسہال مرنا ایک حیثیت سے مرتبۂ شہادت پر فائز کردینے کا موجب ہے۔

مرض الوفات میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بڑے بے چین نظر آرہے تھے، بیماری کی وجہ سے درد اور تکلیف یقیناً ہوگی؛ لیکن وہ اس وجہ سے بے چین نہیں تھے، بے چینی تھی تو وہ ایک اور وجہ سے۔ معمر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ: جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو ہم نے کسی قدر پریشانی کے آثار محسوس کیے، لوگوں نے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آپ رضی اللہ عنہ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزواتِ حسنہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور بعد میں بھی عظیم فتوحات میں برابر شریک ہوتے رہے ہیں، مزید برآں نیکی اور بھلائی کے کاموں میں آپ رضی اللہ عنہ ہمیشہ سبقت لیتے رہے ہیں، پھر اِس وقت پریشانی کا اظہار کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: مجھے جو بات غم زدہ اور پریشان کیے جارہی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے جدا ہوتے وقت یہ وعدہ لیا تھا کہ مؤمن کو سوار مسافر کے زادِ راہ پر کفایت کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس وعدے کو نبھا نہ پائے ہوں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے گورنرِ مدائن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ”فاتق الله عند حکمک إذا حکمت وعند قسمک إذا قسمت وھمک إذا ھممت“، جب تم کوئی فیصلہ کرو یا حکم صادر کرو تو اس وقت خدا ترسی کو پیشِ نظر رکھو، اسی طرح جب تم مال تقسیم کرو تو تقسیم کے وقت تقوے کو شعار بناؤ اور ایسے ہی جب کوئی عزم وارادہ کرو تو اس وقت خوفِ خدا سے کام لیا کرو۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ٦٦)

رجاء ابن حیوۃ کہتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ان کے اصحاب واحباب نے وصیت کرنے کی درخواست کی، چناں چہ انہوں نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: تم میں سے جس کسی سے ہو سکے تو اس حالت میں جان دے کہ وہ حج یا عمرہ کے سفر میں ہو یا راہِ خدا میں شہادت حاصل کرے یا پھر علومِ قرآن کی تحصیل میں اپنی جان اپنے خدا کے سپرد کردے، تم میں سے کوئی ہرگز ہرگز ایسی حالت میں نہ مرے کہ وہ فاجر ہو یا خیانت کرنے والا ہو۔

وفاتِ حسرت آیات

الخزل حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ بقیرہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا تھے، وہ ایک بالا خانے پر لیٹے ہوئے تھے، جس کے چار دروازے تھے، انہوں نے مجھے بلایا اور سارے دروازے کھول دینے کا حکم دیا اور فرمایا: آج میرے پاس کچھ زیارت کرنے والے آرہے ہیں، خدا جانے وہ کس دروازے سے داخل ہوں، اس لیے سب دروازے کھول دو،

پھر کستوری منگوائی اور فرمایا کہ: اسے چھوٹے سے برتن میں ڈال کر پانی میں حل کرلو، میں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد فرمایا: اب اسے میرے بستر کے اردگرد چھڑک دو اور پھر نیچے اتر جاؤ اور کچھ دیر انتظار کرو، عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کیا ہونے والا ہے۔

حضرت بقیرہؓ مزید بتاتی ہیں کہ: تھوڑی دیر کے بعد میں اوپر آئی تو دیکھا کہ میرے سرتاج حضرت سلمانؓ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں، ہونٹوں پر ملکوتی تبسم لیے ہوئے وہ بستر پر یوں لیٹے تھے جیسے آرام وسکون کے ساتھ استراحت فرما رہے ہوں، "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون"۔

نمازِ جنازہ اور تدفین

نمازِ جنازہ غالباً صحابیٔ رسول اور گورنرِ مدائن حضرت سعد بن ابی وقاصؓ یا فرزندِ رسول حضرت امام حسنؓ نے پڑھائی اور علم وعمل کا یہ مہرِ تاباں سرزمینِ مدائن میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا۔ اِس طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے ۳۵ سنہ ھ میں بعہدِ خلافت امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ مدائن میں وفات پائی۔

عمر شریف

کتبِ سیر میں آپ کی عمر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، مثلاً: اسّی سال، ایک سو پچاس سال، دوسو پچاس سال۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں دوسو پچاس سال والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصّے: ۹۷-۱۰۱)

تقرّب بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اُس خاص زمرے میں شامل تھے جن کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خصوصی تقرّب حاصل تھا، چناں چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صف میں کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہِ نبوت کی پذیرائی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ہمسری کر سکتے ہوں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں راز ونیاز کی باتیں کررہے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سوا کسی اور کو ہرگز ملاقات کا موقع نہ دیتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی خلوتیں اور نشستیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنی ہوتی تھیں کہ کبھی کبھی ہم لوگوں کو (ازواج) خطرہ ہوجاتا تھا کہ کہیں ہمارے حصے کی رات بھی ان کی نذر نہ ہوجائے۔

رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترجمان

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترجمان تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ھ مطابق ۶۲۸ء میں ایک نامۂ مبارک بادشاہِ ایران خسرو پرویز کے نام لکھا تھا۔ طبری کہتے ہیں کہ: کسریٰ نے جب یہ خط پڑھا تو غصّے میں آگیا اور کہنے لگا: یہ کون ہے جس نے اپنا نام میرے نام سے پہلے لکھا ہے، آخر اس کے حکم سے نامۂ مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے، جب یہ خبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا: اس نے اپنی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں۔

طبری یہ بھی لکھتے ہیں کہ: خسرو پرویز نے اپنے دو امرا: باقور اور راجور کو ایلچی

بنا کر بھیجا، اور انہیں دو مراسلے دیے، ایک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا اور دوسرا یمن کے حکمران ''باذان'' کے نام تھا، جو شہنشاہِ ایران کا ماتحت تھا، باذان کو اس نے لکھا تھا کہ: فوج کشی کرو اور جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کر رہا ہے اسے گرفتار کر کے یہاں لاؤ۔

ایلچیوں کو اس نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ پہلے مدینہ جائیں اور جو پیغمبری کا دعویٰ کر رہے ہیں انہیں یہاں آنے کی دعوت دیں؛ تاکہ میں سنوں وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ چناں چہ ایلچی پہلے مدینے میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور جو کچھ کہنا چاہتے تھے کہا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کی ترجمانی کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایلچیوں کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کرنے کے لیے فرمایا، وہ ہر روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنی خواہش کا اظہار کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے شفقت کا سلوک کرتے، یہ ایلچی چھ ماہ مدینۂ منورہ میں ٹھہرے رہے، آخر وہ پریشان ہوئے؛ کیوں کہ ان کا مقصد پورا ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ شیرویہ نے اپنے باپ خسرو پرویز کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس عرصے میں ایلچی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اپنے ترجمان کے ذریعے سے کہا: یا تو آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں یا ہمیں واپس جانے کی اجازت دیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''إن ربي عز وجل قد قتل ربکما، سلط اللہ علیه ابنه شیرویه حتی قتله البارحة''، حضور

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس ارشاد کا ترجمہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہہ سنایا یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''خداوند تعالیٰ نے تمہارے بادشاہ کو ہلاکت سے دوچار کردیا ہے، اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کیا جس نے کل رات اسے قتل کردیا ہے۔ ایلچی یہ سن کر مدینہ سے نکلے اور گرتے پڑتے یمن پہنچے اور کسریٰ کا مراسلہ بازان کو دیا؛ مگر اس سے پہلے ہی ایران کے نئے حکمران شیرویہ کا مراسلہ ''بازان'' کو پہنچ چکا تھا۔ (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے سو قصّے: ۶۴-۶۵)

سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں

غزوۂ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خندق کے لیے خط کھینچا اور ہر دس آدمیوں پر چالیس ذراع کا رقبہ کھودنے کے لیے تقسیم کردیا، چوں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک طاقتور وجفاکش آدمی تھے، مہاجرین اور انصار ان کو اپنی اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے جھگڑنے لگے، مہاجرین کہنے لگے کہ: سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے زمرے میں ہیں۔ انصار کہتے تھے کہ: سلمان رضی اللہ عنہ ہماری جماعت میں سے ہیں۔ اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''سلمان رجل منا أهل البيت''** یعنی سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں۔ آپ کی تنومندی وجفاکشی کے پیشِ نظر آپ کے لیے پانچ ذراع لمبائی اور اتنی ہی گہرائی کھودنے کی ذمہ داری لگائی گئی، جب کہ دوسرے لوگ چار ذراع زمین کھود رہے تھے۔ (سیرتِ احمد مجتبیٰ: ۲/ ۳۸۵)

صدقات سے اجتناب

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفقتِ بے پایاں کی بدولت اہلِ

بیت سے نسبت حاصل ہوگئی تھی، اس لیے آپ صدقہ سے سخت پرہیز کرتے تھے، اگر کسی چیز میں صدقہ کا ذرہ برابر احتمال بھی ہوتا تو اس سے بھی بچتے تھے۔ ایک مرتبہ غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجیے، فرمایا: تمھارے پاس کچھ ہے؟ کہا: میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا، فرمایا: تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو؟ حالاں کہ اصول کی روشنی میں اس کا مانگا ہوا آپ کے لیے صدقہ نہ رہ جاتا؛ مگر یہ کمالِ تقویٰ اور غلبۂ محبتِ رسول کی بات ہے کہ صدقات نہیں صدقات کے سائے سے بھی پرہیز کرتے تھے کہ کہیں اہلِ بیت کی نسبت پر آنچ نہ آجائے۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۴۸)

اسلام کا بیٹا

ایک روز کسی نے ان سے پوچھا کہ: سلمان! تم کس کے بیٹے ہو؟ فوراً بولے: میں اسلام کا بیٹا ہوں، انھوں نے اسلامی رشتہ ونسب اور عزّت کے علاوہ سب نسب وعزت کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور ظاہر ہے کہ جب اسلام کے لیے انھوں نے ہر چیز چھوڑ دی اور ہر مشقت برداشت کی تو وہ اب اسلام کے علاوہ کہیں اور کس طرح عزت تلاش کرتے!!

ان کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی

آپ رضی اللہ عنہ کے تقرّب کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا کے بارے میں رنجیدہ ہوگئے، چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ: حضرت

صہیبؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت بلال بن رباحؓ کہیں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوسفیان (قبولِ اسلام سے پہلے) اُدھر سے گذرے، تینوں نے انہیں دیکھ کر کہا: اللہ کی تلوار نے ابھی تک اس دشمنِ خدا کا سر قلم نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کہیں پاس ہی میں تھے، انہوں نے فرمایا: یہ شخص قریش کا سردار ہے، اس کے لیے ایسے سخت الفاظ منہ سے نہ نکالا کرو، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر سارا واقعہ عرض کیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہارے ٹوکنے پر شاید وہ لوگ برا مان گئے ہوں، ان کو ناراض کرنا گویا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد سن کر لرز جاتے ہیں، اسی وقت ان تینوں کے پاس لوٹ کر آتے ہیں اور کہتے ہیں: میرے عزیزو! میری بات سن کر تم غصّہ تو نہیں ہونا؟ وہ کہنے لگے: نہیں، اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے، ہمارے دل میں آپ کے خلاف کوئی ملال نہیں ہے۔ (اہلِ کتاب صحابہ وتابعین: ۱۷۳-۱۷۴)

دعائے رسول

حضرت سلمانؓ ایک مرتبہ بیمار ہوئے، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے، کچھ دیر بیمار پرسی فرمائی، اٹھ کر جانے لگے تو حضرت سلمانؓ کے حق میں ایسی دعا کی کہ شاید ہی کسی کے حصہ میں آئی ہو، اس پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہاتھ بلند کیے جس کی کبھی کوئی دعا رد نہیں ہوئی، سننے والوں نے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقدس ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے: **"یاسلمان! اشفی اللہ سقمک**

وغفر ذنبک وعافاک في دینک وجسدک إلیٰ مدة أجلک"،
ترجمہ: اے سلمان! اللہ تعالیٰ تمھیں بیماری سے شفا عطا فرمائے، تمہاری لغزشوں کی بخشش فرمائے اور تمہارے دین اور تمہارے جسم کو تا زیست عافیت نصیب فرمائے۔ یقیناً اسی دعائے رسول کا اعجاز واثر تھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بعد میں سوائے مرض الموت کے کبھی بیمار نہیں ہوئے۔ (حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ٦٦)

علم اور فضل وکمال

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی علمی شان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: "**سلمان عالم لایدرک**"، سلمان ایسے عالم ہیں کہ کوئی ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے وقت کا بڑا حصہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں گذرتا تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ علوم ومعارف سے کافی بہرہ ور ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے مبلغِ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ: ان کو علمِ اول اور علمِ آخر سب کا علم تھا، اور وہ ایسا دریا تھے جو پایابی سے ناآشنا رہا، وہ ہمارے اہلِ بیت میں تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جو خود بہت بڑے عالم اور صاحبِ کمال صحابی تھے آپ کے کمالِ علم کے معترف تھے، چناں چہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ: چار آدمی سے علم حاصل کرنا، ان چاروں میں سے ایک نام حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

مرویات

صاحبِ ''اسد الغابہ'' لکھتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں سے

تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد ساٹھ ہیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اوس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ آپ رضی اللہ عنہ کے زمرۂ تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

گو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا علم بہت وسیع تھا، تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے؛ اس لیے ان کی مرویات کی تعداد ساٹھ سے متجاوز نہ ہو سکی، ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں، اس کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں۔

مرویات کی جھلک

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو آدمی جمعہ کے دن غسل کر کے جہاں تک ہو سکے صفائی اور پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو تیل، خوشبو اس کے گھر میں ہو لگاوے، پھر وہ گھر سے نماز کے لیے جائے اور مسجد میں پہنچ کر اس کا لحاظ کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے بیچ نہ بیٹھے، پھر جتنی نمازیں یعنی سنن ونوافل کی جتنی رکعتیں اس کے مقدر میں ہوں وہ پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسری جمعہ کے درمیان کی اس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی چیز تقدیر کو نہیں پھیرتی؛ مگر دعا۔ اور کوئی چیز عمر کو زیادہ نہیں کرتی ہے؛ مگر نیکی۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تمہارا پروردگار بہت حیادار ہے، بغیر

مانگے دینے والا ہے اور حیا کرتا ہے اپنے بندے سے کہ جب وہ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو خالی پھیرے۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۳۱)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو تنبیہ

رازدارِ رسول حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مدائن میں لوگوں سے بعض ایسی بات بیان کرتے تھے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصّے کی حالت میں کسی کے متعلق فرمائی تھی، ایک مرتبہ لوگ ان کی تصدیق کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ: حذیفہ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آکر کہا کہ: ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو سنائی، تو وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: جو کچھ تم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: بعض اوقات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو غصّہ میں کچھ کہہ دیتے تھے، اور بعض اوقات خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم ان باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو کسی کا دشمن بناؤ گے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: خداوندا! غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی کلمہ نکل جائے تو اس کو اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر انہیں سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ: اس قسم کی باتیں بیان نہیں کرنا چاہیے، اگر تم باز نہیں آئے تو میں حضرت عمر کو خبر کر دوں گا۔ (اہلِ کتاب صحابہ وتابعین: ۱۷۲-۱۷۳)

آسمانی کتابوں کا علم

چوں کہ آپ رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل ایک طویل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لیے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں: کلام اللہ، اور انجیل۔ مذہبِ عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سنے تھے؛ بلکہ خود انجیل کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا تھا۔ چناں چہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: میں نے تورات میں دیکھا کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کھانے سے پہلے وضو اور کھانے کے بعد ہاتھ اور منہ دھونا باعثِ برکت ہے۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۳۱)

زہد وتقویٰ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ میں مذہبی جذبے کی شدّت فطری تھی، جس طرح آتش پرستی کے زمانے میں عابد وزاہد نصرانی تھے اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سرتا پا اسلام کا مکمل نمونہ بن گئے، ان کے اصل فضل وکمال کا میدان یہی ہے۔

یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدائن میں گورنر تھے، اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، ایک دفعہ مدائن سے شام اس حال میں تشریف لے گئے کہ بغیر زین کے ایک گدھے پر سوار تھے، اور گاڑھے کا پیوند لگا لباس زیب تن کر رکھا تھا، لوگوں نے کہا: یا امیر! آپ نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے، فرمایا: بھائی! آرام وراحت تو صرف آخرت کے لیے ہے۔

سامان کی محبت میں مضمر ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزل، غارت گرِ سامان ہو

اعتدال کی نصیحت

زہد وورع بلاشبہ غیر معمولی تھا؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے بالکلیہ رہبانیت اختیار کرلی تھی، فی الحقیقت ان کے زہد وورع کی انتہا وہیں تک تھی جہاں سے رہبانیت کی حد شروع ہوتی ہے؛ کیوں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہبانیت کی ممانعت فرمائی تھی، اس لیے حضرت سلمانؓ بھی رہبانیت کو نہ صرف خود ناپسند فرماتے تھے؛ بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے منع فرماتے تھے۔

حافظ ابنِ عبد البرؒ نے ''استیعاب'' میں لکھا ہے کہ: حضرت سلمانؓ کے مواخاتی بھائی حضرت ابو درداء انصاریؓ بڑے عابد وزاہد تھے، دن کو روزہ رکھتے اور رات رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ ان سے ملنے گئے، وہ گھر سے باہر تھے، ان کی اہلیہ کو آشفتہ حال پراگندہ بال دیکھا تو پوچھا کہ: یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: کس کے لیے بناؤ سنگار کروں؟ تمہارے بھائی نے تو دنیا کو ترک کر رکھا ہے۔

حضرت ابو درداءؓ گھر تشریف لائے تو حضرت سلمانؓ کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے، ان کے سامنے کھانا رکھا اور خود معذرت چاہی کہ میں روزے سے ہوں، حضرت سلمانؓ نے فرمایا: اگر تم نہیں کھاتے تو میں بھی نہیں کھاؤں گا، مجبوراً حضرت ابو درداءؓ کو کھانا پڑا۔ پھر رات ہونے پر آپ حضرت ابو درداءؓ کے قریب

ہی لیٹ گئے، کچھ رات گذرنے پر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ عبادت کے لیے اٹھے تو ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ابو درداء! تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار؛ اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ صبح ہوئی تو دونوں حضرات نے یہ معاملہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: سلمان تم سے زیادہ دین سے واقفیت رکھتے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۰)

علامہ ابنِ اثیر رحمہ اللہ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ: سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ شام چلے گئے، جہاں وہ بہت آسودہ حال ہو گئے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو۔ جو عراق میں مقیم تھے۔ خط لکھا کہ: میں یہاں بہت خوش ہوں، اللہ تعالیٰ نے مال واولاد دونوں نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، اور میرا قیام ارضِ مقدس میں ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا: بھائی مال اور اولاد کی کثرت یا ارضِ مقدّس کے قیام میں خیر نہیں ہے؛ بلکہ خیر یہ ہے کہ تم کوئی ایسا عمل کرو جو آخرت میں تمہارے کام آئے۔

سادگی

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تصویرِ حیات میں سادگی بہت غالب تھی، جو ہر زمانے میں برابر قائم رہی، یہاں تک کہ مدائن کی امارت کے زمانے میں جب شان وشوکت اور حشم وخدم کے تمام لوازم ان کے لیے مہیا ہو سکتے تھے، اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک اونچا پائجامہ ہوتا تھا،

آپ کے پاس اونٹ کے بالوں کا ایک بوسیدہ کمبل تھا، دن کے وقت اسے اپنے بدن پر لپیٹ لیتے اور رات کو سوتے وقت اوڑھ لیتے۔ جب آپ اپنے درویشانہ لباس میں ملبوس ہو کر نکلتے تو ایرانی اس ہیئت کو دیکھ کر طنزاً ''گرگ آمد گرگ آمد'' (بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا) کہتے تھے، لوگ کچھ سمجھانے کی کوشش کرتے تو آپ صاف صاف کہہ دیتے: ان سے کہہ دو کہ: ''خیر وشر کا اندازہ تو اِس زندگی کے بعد ہوگا، آج جتنا بھی جی چاہے ہنس لو''۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۲۳)

ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان سے نکلے کہ سواری بلا زین کا گدھا تھا، لباس ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی، جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔ لڑکے آپ کو اس ہیئتِ کذائی میں دیکھ کر پیچھے لگ گئے، لوگوں نے یہ طوفانِ بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو؟

ایک مرتبہ فوج کے ایک دستے کی سرداری سپرد ہوئی، فوجی امارت کی شان وشوکت کا کیا ذکر؛ یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی، چناں چہ بعض نادان فوجی نوجوان آپ کو دیکھ کر ہنستے اور کہتے: لو جی! یہی امیر ہیں؛ مگر آپ خاموش رہتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ بے گھر و بے در ہیں، میں آپ کے لیے ایک مکان بنانا چاہتا ہوں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے انکار کیا؛ لیکن وہ پیہم اصرار کرتا رہا، آخر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھائی! اگر تمھیں میرے لیے مکان بنانا ہی ہے تو اس طرح بناؤ کہ اگر لیٹوں تو پیر دیوار سے لگیں اور اگر کھڑا ہوں تو سر چھت کو لگ جائے، اس شخص نے ان کی خواہش کے مطابق مختصر سی جھونپڑی بنا

دی۔(تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۲۴)

دنیا سے بے رغبتی

مزخرفاتِ دنیا کو کبھی پاس نہ آنے دیتے تھے، وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا، بستر میں معمولی سا بچھونا اور دو اینٹیں تھیں جن کا تکیہ بناتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے اُس وقت بھی ان کے پاس صرف ایک عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے، اور اس کا آدھا حصہ اوڑھتے تھے اور آدھا بچھاتے تھے۔

حضرت سلامہ عجلیؒ کہتے ہیں کہ: میرا ایک بھانجا گاؤں سے آیا، اسے ''ابو قلابہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ: میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ملنا اور انہیں سلام کرنا چاہتا ہوں، چناں چہ ہم انہیں ملنے چلے وہ ہمیں مدائن شہر میں مل گئے، وہ اُن دنوں بیس ہزار فوج کے امیر تھے، وہ تخت پر بیٹھے ہوئے کھجور کے پتّوں کی ٹوکری بنا رہے تھے، ہم نے انہیں جا کر پہلے سلام کیا، پھر میں نے عرض کیا: اے ابو عبد اللہ! یہ میرا بھانجا دیہات سے میرے پاس آیا ہے، آپ کو سلام کرنا چاہتا ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں نے کہا: یہ کہتا ہے کہ: اسے آپ سے محبت ہے، انہوں نے فرمایا: اللہ اس کو اپنا محبوب بنائے۔

بنو عبس کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ: میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جا رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ فتوحات اور کسریٰ کے خزانوں کا تذکرہ کرنے لگے جو مسلمانوں کے ہاتھ

لگے تھے، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ خزانے، یہ فتوحات اور یہ نعمتیں عطا فرمائیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان خزانوں کو روکے رکھا جب تک رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں زندہ رہے، اُس وقت تک تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ صبح اٹھتے تھے تو ان کے پاس نہ درہم و دینار ہوتا تھا اور نہ مُد برابر غلہ، اس کے بعد ہی یہ سب کچھ دولت آئی۔ عبسی کہتے ہیں کہ: پھر ہمارا گذر ایسے کھلیان پر ہوا جہاں غلّہ برسایا جارہا تھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا: بے شک وہ ذات جس نے تم کو یہ خزانے دیے، یہ فتوحات دیں اور یہ نعمتیں عطا کیں، بے شک اس نے کسریٰ کے خزانے کو روکے رکھا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اس حالت میں صبح کرتے تھے کہ ان کے پاس نہ کوئی درہم ہوتا تھا اور نہ دینار، اور نہ کوئی مُد بھر غلّہ، اس کے بعد ہی اے عبسی بھائی! یہ سب کچھ ہوا۔ یہ دلفریب اور پُرکشش دنیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دعوتِ نظارہ دیتی رہیں؛ لیکن اس پیکرِ زہد نے اسے ایک آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور ہمیشہ اتباعِ رسول میں "قل العفو" پر عمل پیرا رہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصّے: ۸۰)

تواضع

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے یہاں گیا، دیکھا کہ

وہ بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں، پوچھا: خادم کہاں ہے؟ ارشاد ہوا: کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

آپ کی غیر معمولی سادگی کی وجہ سے اکثر لوگوں کو آپ پر مزدور کا دھوکا ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عبسی شخص نے جانور کے لیے چارہ خریدا، قریب میں ہی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، ان سے کہا: اس کو گھر تک پہنچا دو، آپ اٹھا کر لے چلے، راستے میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے: لائیے ہم پہنچا دیں۔ یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ سن کر بہت نادم ہوا، اور کہنے لگا: رہنے دیجیے، آپ تکلیف نہ کیجیے؛ لیکن آپ نے فرمایا: اس میں مجھے خدمت کا ثواب مقصود ہے، اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نہیں رکھ سکتا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۲)

ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو کسی شخص نے گالیاں دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھائی! اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلّہ بھاری ہوگا تو جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے بھی بدتر ہوں اور اگر میرے گناہوں کا پلّہ ہلکا ہوا تو تیری بات سے مجھے کیا ڈر ہے۔

ایک دفعہ اکابرِ قریش کسی جگہ جمع تھے اور اپنے اپنے فضائل و محامد بیان کر رہے تھے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے، آپ سے کہا گیا کہ: آپ بھی اپنے بارے میں کچھ بیان کریں، آپ نے فرمایا: بھائیو! میں کس بات پر فخر کروں، میرا آغاز ایک نجس پانی سے ہوا اور انجام یہ ہوگا کہ ایک دن یہ جسم ایک بدبودار لاش کی شکل اختیار کر لے گا، پھر آخرت میں زندگی کے سارے اعمال تولے جائیں گے،

اگر نیکیوں کا پلڑا جھک گیا تو اللہ تعالیٰ نے سرخ رُو کیا، اور اگر بدیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو پھر دائمی ذلّت اور عذاب ہے۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۳۰)

قناعت

حضرت شفیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں اور میرا ایک ساتھی ہم دونوں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے فرمایا: اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہمان کے لیے کھانے میں تکلّف سے منع نہ کیا ہوتا تو میں آپ لوگوں کے لیے ضرور تکلف کرتا اور پھر روٹی اور نمک لے آئے (گھر میں اور کچھ تھا نہیں) میرے ساتھی نے کہا: اگر اس کے ساتھ پودینہ ہو جائے تو بہتر ہے، چوں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس پودینہ خریدنے کے لیے بھی پیسے نہیں تھے؛ اس لیے انہوں نے اپنا لوٹا بھیج کر گروی رکھوا لیا اور اس کے بدلے میں پودینہ لے آئے، جب ہم کھانا کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں دی ہوئی روزی پر قناعت کی توفیق عطا فرمائی، یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اگر دی ہوئی روزی پر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا گروی رکھا ہوا نہ ہوتا۔ طبرانی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ: ہم مہمان کے لیے اس چیز کا تکلّف کریں جو ہمارے پاس نہ ہو۔

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصّے: ۳۶)

سخاوت

فیّاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا نمایاں وصف تھا، آپ رضی اللہ عنہ کو

جس قدر وظیفہ ملتا تھا اس کو پورا مستحقین میں تقسیم فرما دیتے تھے، اور خود چٹائی بُن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لیے رکھ لیتے، ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے اور ایک تہائی خیرات کرتے تھے۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۱)

ارباب ِعلم کے بڑے قدردان تھے، جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیثِ نبوی کے شائقین کو بلا کر کھلا دیتے تھے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۶۴)

حضرت عطیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''بہرہ شیر'' شہر والوں کو دعوت دینے کے لیے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا تھا اور قصرِ ابیض کی فتح کے دن بھی ان ہی کو مقرر کیا تھا، چناں چہ انہوں نے تین دن تک دعوت کی تھی۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۶۳)

ابوالبختری رحمہ اللہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ: ایک بار حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دعوتِ طعام دی، وہ شخص کھانا کھا رہا تھا کہ ایک مسکین ادھر آنکلا، اس شخص نے اسے روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے دینے چاہے، آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو اس مہمان کو ایسا کرنے سے روک دیا، اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ کھلانے کا ثواب تو مجھے ہو اور بچے کھچے ٹکڑے مسکین کو دینے کا عذاب تجھے ہو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس مہمان کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ بھی بلاشبہ ہمدردی اور خیر خواہی پر مبنی تھا؛ کیوں کہ وہ شخص بچے کھچے ٹکڑے کھلا کر مسکین کی بے حرمتی کا باعث بن رہا تھا، اور میزبان کی اجازت کے بغیر کر رہا تھا؛ اس لیے بھی خدا تعالیٰ کے ہاں اس کی باز پرس ہوتی۔

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۹۰)

حسنِ سلوک

حضرت حارثہ بن مضراب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں اپنے خادم کو اس کی ضروریات کی تمام تر چیزیں مہیا کر دیتا ہوں؛ تاکہ وہ میرے بارے میں بدگمانی نہ کرے یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ میں خود تو کھا پی لیتا ہوں اور اسے تھوڑا دیتا ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ملازم کی تکلیف کا اس قدر احساس رہتا تھا کہ کبھی اسے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہیں کرتے تھے۔

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۸۹)

حضرت ابونہیک رحمہ اللہ اور حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہم ایک لشکر میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ایک آدمی نے سورۂ مریم پڑھی تو دوسرے آدمی نے حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا بھلا کہا (بظاہر یہ آدمی یہودی ہوگا) ہم نے اسے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ جس انسان پر ظلم ہوتا وہ جا کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کیا کرتا تھا، چناں چہ اس آدمی نے بھی جا کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے شکایت کر دی، اس سے پہلے اس نے کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں کی تھی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم نے اس آدمی کو کیوں مارا؟ ہم نے کہا: ہم نے سورۂ مریم پڑھی تو اس نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے کو برا بھلا کہا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگوں نے اسے سورۂ مریم کیوں سنائی؟ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: {وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ}، اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر

عبادت کرتے ہیں؛ کیوں کہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔(حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے: ۹۳)

ابوشعثاء محاربیؒ کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک لشکر میں ہم حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھے، آپؓ نے ہمیں جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نصیحت کی اور فرمایا: ”عليكم بهٰذه البهائم التي تكفل الله بأرزاقها فارفقوا بها في السير أعطوها قوتها“، ان چوپایوں کی ذمہ داری تم پر ہے جن کے رزق کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفیل بنایا ہے، پس سفر کے معاملہ میں ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور ان کو چارہ پورا پورا دیا کرو۔(حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے: ۹۶)

عبد اللہ بن حنظلہؒ کہتے ہیں کہ: ”كان الإنسان إذا ظلم اشتكى إلىٰ سلمان“، جب کسی انسان پر زیادتی ہوتی تھی تو وہ حضرت سلمانؓ کے پاس آکر شکایت کیا کرتا تھا۔

ابومخزاۃ نے ایک بار اعلان کر دیا کہ: جس کسی نے کوئی گناہ کیا ہو تو لوگ اسے پکڑ کر ہمارے پاس لائیں؛ تاکہ ہم اسے سزا دے کر پاک کر دیں، چناں چہ لوگوں کو اس کے پاس پکڑ کر لایا گیا اور ابومخزاۃ نے انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

حضرت سلمانؓ کو پتہ چلا تو آپؓ اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے گناہوں سے معافی کی کوئی ضمانت دے رکھی ہے کہ جو کچھ کرو وہ معاف کر دے گا؟ وہ بولا: نہیں ایسا تو نہیں ہے، اس پر آپؓ نے فرمایا: تو پھر کوڑا اچھینک دو، اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی پردہ پوشی کر دی ہے تم اس

کی پردہ دری نہ کرو اور خواہ مخواہ لوگوں کو سزائیں نہ دیا کرو۔

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۹۱)

حضرت امِ درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہمیں ملنے کے لیے مدائن سے پیدل چل کر ملکِ شام آئے اس وقت انہوں نے گھٹنوں تک چھوٹی شلوار پہنی ہوئی تھی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے درمیان ہجرتِ مدینہ کے بعد بھائی چارہ قائم ہوا تھا، بعد ازیں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ شام اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مدائن تشریف لے گئے تھے، اس دوری کے باوجود بھی تعلّق و روابط قائم رہے، ملاقات اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ یہ واقعات بلاشبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ہمدردی، دردمندی اور مخلوقِ خداوندی پر شفقت کی ایک مثال ہے اور ان کی زندگی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۳)

حلم و بردباری

قبیلۂ عبد القیس کے ایک شخص کی روایت ہے، وہ کہتا ہے کہ: میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، وہ اُس وقت ایک لڑائی میں لشکرِ اسلام کے سردار تھے، ان کا گذر فوجی جوانوں پر ہوا، وہ انہیں دیکھ کر از راہِ تمسخر ہنسنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''یہ تمہارے سردار ہیں''، میں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آپ دیکھتے نہیں، یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہیں کہنے دو جو کچھ کہتے ہیں اور تم انہیں کچھ نہ کہو، بے شک بھلائی اور برائی تو آج کے بعد (قیامت و آخرت مراد ہے) ہوگی۔ اگر تم سے ہو سکے تو خاک پھانک لو؛ لیکن

دو آدمیوں پر بھی ہر گز امیر نہ بنو۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴ / ۶۳)

تاریخ اور کتبِ سیر میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی بردباری کی کئی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً: خلیفہ بن سعید المرادی نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو مدائن کی کسی شاہراہ سے گذرتے ہوئے دیکھا، اچانک ایک اونٹ جس پر سرکنڈے لدے ہوئے تھے، وہ آپ رضی اللہ عنہ سے آٹکرایا، آپ رضی اللہ عنہ کو سخت چوٹ لگی اور جسم درد کرنے لگا، آپ رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ کر شتربان کے پاس گئے اور اسے کہا تو صرف اتنا کہا کہ: خدا تمہیں اس وقت تک زندہ رکھے جب تک تم نوجوانوں کی حکومت دیکھ نہ لو۔ یہ جو کچھ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تو تمہارا حاکم ہوتے ہوئے یہ باتیں برداشت کر لیتا ہوں؛ لیکن جب بنی امیہ کے نوعمر امرا برسرِ اقتدار ہوں گے تو وہ یہ چیزیں قطعاً برداشت نہیں کریں گے، پھر تمہیں ہماری قدر معلوم ہوگی۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۷۸)

حق گوئی

حضرت اوس بن ضمعج حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: اے اہلِ عرب! تم لوگ ہم سے دو باتوں میں سبقت لے گئے ہو، اس لیے ہم نہ تو تمہاری عورتوں سے نکاح کریں گے، اور نہ تمہیں امامت کرائیں گے۔ لیکن اس فضیلت کے باوجود جب اہلِ عرب کو کوئی زیادتی کرتے دیکھتے تو انہیں تنبیہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کیا کرتے تھے۔

ابو نہیک رحمہ اللہ اور عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم لوگ ایک لشکر میں

حضرت سلمانؓ کے ساتھ تھے، ایک عرب نے کسی شخص کو بہت زیادہ مارا پیٹا، اس نے حضرت سلمانؓ کے پاس شکایت کی، اس پر آپؓ نے عربوں کو خطاب کر کے فرمایا: ”یامعشر العرب! ألم تكونوا شر الناس دينا وشر الناس دارا وشر الناس عيشا فأعزكم الله وأعطاكم، أتريدون أن تأخذوا الناس بعزة الله، والله لتنتهين أو ليأخذن ما في أيديكم فليعطيه غيركم“، اے عربو! کیا تم مذہب کے اعتبار سے برے لوگ نہ تھے، گھر بار کے لحاظ سے بدتر نہ تھے اور زندگی کے اعتبار سے سب لوگوں میں سے ذلیل تر نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کے ذریعے عزت عطا کی اور نعمتیں بخشیں، کیا یہ تم چاہتے ہو کہ تم لوگوں سے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے شرفِ انسانی کو چھین لو، بہ خدا! تم ایسی حرکتوں سے باز آجاؤ؛ ورنہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ تم لوگوں سے لے لے گا جو تمہارے قبضہ میں ہے اور اسے غیروں کو عطا کر دے گا۔ (حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے: ۴۸-۴۹)

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا: میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا: اگر آپ نے مسلمانوں کی زمین میں سے ایک درہم یا اس سے کم وبیش ظلماً لیا ہے اور پھر اسے ناحق خرچ کیا ہے تو آپ بادشاہ ہیں؛ خلیفہ نہیں ہیں (اگر ایسا نہیں تو آپ خلیفہ ہیں) اس پر حضرت عمرؓ رو پڑے۔ حضرت عمرؓ کا رونا کمالِ تقویٰ پر مبنی تھا، ورنہ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ آپؓ نے کسی کمزور مسلمان پر بھی ظلم نہیں کیا؛ بلکہ آپ کا دور تو عدل وانصاف کا سنہرا زمانہ تھا۔

اسی قصے کو قبیلۂ بنو اسد کا ایک آدمی تفصیل کے ساتھ یوں بیان کرتا ہے کہ: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھا، انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا، جن میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے، فرمایا کہ: میں ایک چیز کے بارے میں تم سے پوچھنے لگا ہوں، تم مجھے غلط جواب نہ دینا؛ ورنہ مجھے اور اپنے آپ کو ہلاک کردوگے، میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کہ کیا میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ہم سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جسے ہم جانتے نہیں ہیں، ہمیں معلوم نہیں ہے کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پورے شرحِ صدر کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ آپ خلیفہ ہیں اور بادشاہ نہیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو تو تمہیں ایسے فیصلہ کن انداز میں یہ بات کہنے کا حق ہے؛ کیوں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ بات اس وجہ سے کہی ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ رعایا میں انصاف کرتے ہیں اور ان میں ہر چیز برابر تقسیم کرتے ہیں اور ان کے ساتھ شفقت ومحبّت کا ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسے کوئی آدمی اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ ہر فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کرتے ہیں۔ اس پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال نہیں تھا کہ اس مجلس میں میرے علاوہ بھی کوئی آدمی ایسا ہے جو خلیفہ اور بادشاہ کے فرق کو جانتا ہے؛ لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حکمت اور علم سے بھرے ہوئے ہیں۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۳۴-۳۵)

حضرت حاتم عتبیؒ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس چند جوڑے بھیجے گئے تو انہوں نے ہر شخص کو ایک ایک کپڑا تقسیم کر دیا، پھر جس وقت منبر پر چڑھے اُس وقت آپ کے جسم پر دو کپڑے تھے، جب خطبہ شروع کیا کہ: اے لوگو! کیا تم سنتے نہیں ہو؟ تو حضرت سلمانؓ نے کہا: ہم نہیں سنتے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا: کیوں اے ابو عبد اللہ! انہوں نے کہا کہ: آپ نے ہم کو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور آپ کے پاس ایک جوڑا یعنی دو کپڑے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا: اے ابو عبد اللہ! جلدی مت کرو، پھر آپؓ نے آواز لگائی: اے عبد اللہ! تو کسی نے ان کا جواب نہیں دیا، پھر کہا: اے عبد اللہ بن عمر! تو عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا: لبیک اے امیر المؤمنین! حضرت عمرؓ نے فرمایا: تجھے اللہ کی قسم! وہ کپڑا جس کو میں نے پہنا ہے، کیا وہ تیرا نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کی قسم! وہ میرا ہے، اس پر حضرت سلمانؓ نے عرض کیا: اب کہو، ہم سنیں گے۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۳۹)

خشیت وخوفِ الٰہی

خوفِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ خود بھی اس سے لرزہ براندام رہتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی یاد دلاتے رہتے تھے، فرماتے تھے کہ: مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے، ایک: وہ جو ہر وقت دنیا کی طلب میں ہے، حالاں کہ موت اس کی طلب میں ہے، دوسرا: وہ جو موت کو بھلائے بیٹھا ہے، مگر موت اس سے غافل نہیں ہے، تیسرا: وہ جو قہقہہ مار کر ہنستا ہے، حالاں کہ اسے علم نہیں کہ اللہ اس سے راضی ہیں یا ناراض۔ حضرت سلمانؓ اپنی ذات کو فارسی زبان میں کہا کرتے تھے کہ: بمیر سلمان،

مرجا سلمان یعنی وقت سے پہلے اپنی موت کو یاد کر۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۶۵)

وعظ کے بجائے تلاوت

قبیلۂ اشجع کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ: مدائن شہر میں لوگوں نے سنا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ مسجد میں ہیں تو لوگ ان کے پاس آنے لگے؛ یہاں تک کہ ان کے پاس ایک ہزار کے قریب آدمی جمع ہو گئے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے: بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ، جب سب بیٹھ گئے تو آپ نے سورۂ یوسف پڑھنی شروع کردی، آہستہ آہستہ لوگ بکھرنے لگے اور جانے لگے یہاں تک کہ تقریباً سو کے قریب رہ گئے، اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور فرمایا: تم لوگ چکنی چپڑی خوشنما باتیں سننا چاہتے ہو، میں نے تم کو اللہ کی کتاب سنانی شروع کی تو تم بھاگ گئے۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۹۴)

اعلیٰ ہدیہ

حضرت ابو البختری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت اشعث بن قیس رحمہ اللہ اور حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے اور شہرِ مدائن کے ایک کنارے لگے ہوئے ان کے خیمے میں گئے، اندر جا کر انہیں سلام کیا اور یہ دعائیہ کلمات کہے: "حیاک اللہ" اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کو زندہ رکھے۔ پھر ان دونوں نے پوچھا: کیا آپ ہی سلمان فارسی ہیں؟ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! ان دونوں حضرات نے کہا: کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہیں؟ انہوں نے کہا: معلوم نہیں، اس پر ان دونوں حضرات کو شک ہو گیا، اور وہ آپس میں کہنے لگے: شاید یہ وہ سلمان فارسی

نہیں ہیں جن سے ہم ملنا چاہتے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا: میں ہی تمہارا وہ مطلوبہ آدمی ہوں جس سے تم ملنا چاہتے ہو، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور ان کی مجلس میں بیٹھا ہوں؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھی وہ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں چلا جائے (یعنی اس کا ایمان پر خاتمہ ہو جائے اور مجھے اپنے خاتمے کے بارے میں پتہ نہیں ہے)۔

آپ لوگ کس ضرورت کے لیے میرے پاس آئے ہیں، ان دونوں نے کہا: ملکِ شام میں آپ کے ایک بھائی ہیں، ہم ان کے پاس سے آپ کی خدمت میں آئے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ ان دونوں نے کہا: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: انہوں نے جو ہدیہ تم دونوں کے ساتھ بھیجا ہے، وہ کہاں ہے؟ ان دونوں نے کہا: انہوں نے ہمارے ہاتھوں کوئی ہدیہ نہیں بھیجا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو امانت لائے ہو وہ مجھے دے دو، آج تک جو بھی ان کے ہاں سے میرے پاس آیا ہے وہ اپنے ساتھ ان کی طرف سے ہدیہ ضرور لایا ہے، ان دونوں نے کہا: آپ ہم پر کوئی مقدمہ نہ بنائیں، ہمارے پاس ہر طرح کے مال وسامان موجود ہیں، آپ ان میں سے جو چاہیں لے لیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہارا مال یا سامان لینا نہیں چاہتا، میں تو وہ ہدیہ لینا چاہتا ہوں جو انہوں نے تم دونوں کے ساتھ بھیجا ہے، ان دونوں نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے ہمارے ساتھ کچھ نہیں بھیجا۔

بس! ہم سے اتنا کہا تھا کہ: تم لوگوں میں ایک صاحب ایسے قابلِ احترام

رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان سے تنہائی میں بات کیا کرتے تھے تو کسی اور کو ان کے ساتھ نہ بلاتے تھے، جب تم دونوں ان کے پاس جاؤ تو انہیں میری طرف سے سلام کہہ دینا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کے علاوہ اور کون سا ہدیہ تم دونوں سے چاہتا تھا! اور آخر سلام سے افضل کون سا ہدیہ ہوسکتا ہے! یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بابرکت اور پاکیزہ کلام ہے۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۳۔۴۴)

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباعِ سنّت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: تین چیزوں کا خیال مجھے سخت غمزدہ کر دیتا ہے اور میری آنکھیں نم ہوجاتی ہیں، ایک تو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی جدائی، دوسری چیز: قبر کا عذاب اور تیسری چیز: قیامت کا ڈر۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۴۔۲۴۵)

حضرت عطیہ بن عامر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے تھے، ان سے مزید کھانے کا اصرار کیا گیا، تو انہوں نے کہا: میرے لیے یہی کافی ہے، میرے لیے یہی کافی ہے؛ کیوں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنیا میں زیادہ پیٹ بھر کر کھانے والے قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوں گے، اے سلمان! دنیا مؤمن کے لیے جیل خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت (کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے احکام کا خود کو پابند کر کے چلتا ہے اور کافر اپنی مرضی پر چلتا ہے)۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۰)

حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے

نیچے تھا، انہوں نے ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی جس سے اس کے پتے گر گئے، پھر مجھ سے کہنے لگے کہ: ابو عثمان! تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ: میں نے اس طرح کیوں کیا؟ میں نے کہا: بتا دیجیے کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ: میں ایک دفعہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا جس سے اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سلمان! پوچھتے نہیں کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ: بتا دیجیے کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب مسلمان اچھی طرح سے وضو کرتا ہے، پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے تو اس کی خطائیں اس سے ایسے ہی گر جاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: {وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰاكِرِيْنَ} اور آپ نماز کی پابندی کیجیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو، یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔ (حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں ہمیشہ قصر فرمایا کرتے تھے اور اسے عطیۂ خداوندی سمجھتے تھے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا، اگر کوئی مسافر امام پوری نماز پڑھا دے تو فرض کو چھوڑ کر باقی رکعتیں نگاہِ فتویٰ میں نافلہ شمار ہو سکتی ہیں؛ لیکن جذبۂ سنت سے سرشار حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنا بھی ناگوار گذرتا تھا۔ مندرجۂ

ذیل واقعہ اسی حقیقت کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

ابو لیلیٰ الکندیؒ کہتے ہیں کہ: حضرت سلمانؓ مدینہ سے ترکِ سکونت کے بعد ایک بار بارہ تیرہ شہسواروں کے ساتھ وارِدِ مدینہ ہوئے، وہ سب شہسوار اصحابِ رسول میں سے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو انہوں نے حضرت سلمانؓ سے امامت کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا: ہم غیر عرب نہ تو آپ لوگوں کی امامت کریں گے اور نہ تمہاری عورتوں سے نکاح کی جرأت کریں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے ہی ذریعے سے ہدایت بخشی ہے، پس ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کرائی اور اس نے پوری چار رکعت نماز پڑھا دی، جب انہوں نے سلام پھیرا، تو حضرت سلمانؓ کہنے لگے: ہمیں چار رکعت کی تو ضرورت نہ تھی، ہمارے لیے تو اس کا نصف یعنی دو رکعت نمازِ قصر کافی تھا؛ کیوں کہ ہم رخصت پر عمل کرنے کے زیادہ حاجت مند ہیں۔ (حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے: ۴۷-۴۸)

ایک مرتبہ ایک شخص نے بطورِ اعتراض حضرت سلمانؓ سے کہا: تمہارے نبی نے تو تمہیں ہر چیز سکھا دی ہے؛ حتیٰ کہ استنجا کا طریقہ بھی بتا دیا، حضرت سلمانؓ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ہم پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں، انہوں نے ہمیں دائیں ہاتھ کے ذریعے، لید یا ہڈی کے ذریعے اور تین پتھروں سے کم کے ساتھ بھی استنجا کرنے سے منع کیا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت سلمانؓ کے اس فرمان کا منشا یہ تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں ہر وہ چیز سکھا دی جس کی ہمیں ہمارے دین کے بارے میں

ضرورت تھی، یہاں تک کہ استنجا بھی سکھا دیا جس کا اے قائل! تو نے ذکر کیا ہے۔
(حضرت سلمان فارسیؓ کے سو قصے: ۹۵)

مواعظ ونصیحت

حضرت سلمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے بنی عبس کے بھائی! علم زیادہ اور زندگی تھوڑی ہے، علم میں سے صرف اتنا ہی لے جتنا کہ تجھ کو دین کے معاملے میں ضرورت ہو اور باقی کو چھوڑ دے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۴)

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ: حضرت سلمانؓ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی برائی تمہاری طرف پوشیدہ طور پر آئے تو پوشیدہ طور پر کوئی بھلائی کرلو، اور جب کھلم کھلا کوئی برائی تمہاری طرف بڑھے تو تم کھلم کھلا بھلائی کرلو؛ تاکہ یہ بھلائی اس برائی کا بدلہ ہو جائے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۴۴)

حضرت میمون بن مہرانؒ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص حضرت سلمانؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، تو آپؓ نے فرمایا کہ: کسی سے بات مت کرو، اس شخص نے کہا کہ: لوگوں کے درمیان بات کیے بغیر جینا ناممکن ہے، تو آپؓ نے فرمایا: جب تو کسی سے بات کرے تو حق بات کر، ورنہ خاموش رہ۔ پھر اس شخص نے کہا: اور نصیحت کیجیے، تو آپؓ نے فرمایا: غصہ مت کر، اس نے کہا کہ: یہ ایسی چیز ہے جس کا میں مالک نہیں ہوں، تو آپؓ نے فرمایا کہ: جب تجھے غصہ آوے تو تو اپنی زبان اور ہاتھ کو قابو میں رکھ۔ اس نے پھر کہا: اور نصیحت فرمائیں، آپؓ نے فرمایا: لوگوں میں میل جول مت رکھ، اس نے جواب دیا کہ: لوگوں میں

میل جول کیے بغیر جینا ناممکن ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جب تو لوگوں سے میل جول رکھے تو ہمیشہ سچ بات کہہ۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۴۵)

حضرت سالم مولیٰ زید بن ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں اپنے آقا زید بن ثوبان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بازار میں تھا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے سامنے سے گذرے جو کچھ غلّہ خریدے ہوئے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہونے کے باوجود یہ کررہے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ: نفس جب زیادہ روزی جمع کرلیتا ہے تو مطمئن ہوجاتا ہے، پھر عبادت کے لیے فارغ ہوجاتا ہے اور وسوسے اس سے دور ہوجاتے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۴۵)

حضرت سعید بن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے ایک دوست کی عیادت کے لیے گیا جو کہ قبیلۂ کِندہ کا تھا، ان سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کو کسی بیماری یا آزمائش میں مبتلا فرماتے ہیں اور پھر اسے عافیت عطا فرماتے ہیں، اس سے اس کے زمانۂ ماضی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور آئندہ زمانے میں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فاجر بندے کو بھی کسی بیماری یا آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، پھر اسے عافیت عطا فرماتے ہیں؛ لیکن وہ اونٹ کی طرح ہوتا ہے، جسے اس کے گھر والوں نے پہلے باندھا تھا، پھر اسے کھول دیا، اس اونٹ کو کچھ خبر نہیں کہ گھر والوں نے اسے کیوں باندھا تھا، پھر اسے کیوں چھوڑ دیا؟ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۴۶)

مناقب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورت کی تلاوت فرمائی اور جب اس آیت پر پہنچے: {وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ} اوران میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جواب تک ان سے نہیں ملے۔ یہ سن کر ایک شخص نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو کوئی جواب نہیں دیا، البتہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر رکھا اور فرمایا: ”والذي نفسي بيده لو كان الإيمان بالثريا لتناوله رجال من هؤلاء“، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر ایمان ثریا کی بلندی پر ہو تو بھی ان لوگوں میں سے کچھ لوگ ضرور اسے جالیں گے۔

ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اول (یعنی کتبِ سابقہ: انجیل وتورات) وآخر (یعنی قرآنِ حکیم) کا علم دیا گیا ہے اور وہ ایک ایسا دریا ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

حافظ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ نے ”استیعاب“ میں یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ (اللہ) بھی ان سے محبت رکھتا ہے، پوچھا گیا:

وہ کون ہیں، فرمایا: علی، مقداد، سلمان اور ابوذر۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۲۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے: عمار رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اہلِ فارس میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اس طرح وہ اپنے اہلِ وطن پر فضیلت میں سبقت لے گئے، آپ رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت کا تذکرہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**السابق أربعة: أنا سابق العرب وسلمان سابق الفارس وبلال سابق الحبشة وصهيب سابق الروم**"، سبقت لے جانے والے افراد چار ہیں: میں خود عربوں میں سبقت لے جانے والا ہوں، سلمان فارس کے سابق ہیں، اسی طرح بلال حبش اور صہیب روم کے سابق ہیں۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۳۹)

حضرت میمون فرماتے ہیں کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا بیت المال میں سے مقرر کردہ حصہ چار ہزار تھا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مقرر کردہ حصہ تین ہزار پانچ سو تھا، اس پر میں نے عرض کیا: اس فارسی کی کیا شان کہ اس کے لیے چار ہزار ہے اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے لیے تین ہزار پانچ سو ہے، تو کہا گیا کہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُن غزوات میں شریک رہے ہیں جن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شریک نہیں رہے۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے

فرمایا کہ: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جایئے؛ تاکہ میں سلمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرسکوں۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۶۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اصحابِ صُفَّہ میں رہ کر علم حاصل کیا اور فیضِ نبوت کو اپنے سینے میں سمولیا تھا۔ ایک موقع پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی علمی شان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: "**سلمان عالم لایدرک**"، سلمان ایسے عالم ہیں کہ کوئی ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی کرامتیں

ایک مرتبہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اپنی ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہے تھے، اُس وقت وہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے ہوئے تھے، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ہنڈیا میں سے آواز سنی، پھر وہ آواز اونچی ہونے لگی، اور بچے کی طرح تسبیح پڑھنے کی آواز آنے لگی، پھر وہ ہنڈیا نیچے گر پڑی اور الٹی ہوگئی، پھر خود بہ خود اپنی جگہ واپس چلی گئی؛ لیکن اس میں سے کوئی چیز نہیں گری۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر پکار کر کہنے لگے: اے سلمان! عجیب کام دیکھو، ایسا عجیب کام تو نہ آپ نے دیکھا ہوگا، اور نہ آپ کے ابا جان نے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ خاموش رہتے تو اللہ کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھتے۔

حضرت قیس رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھتے یا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو خط لکھتے تو پیالے والی نشانی انہیں ضرور یاد دلاتے۔ حضرت قیس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہم یہ بات بیان کیا کرتے تھے کہ یہ دونوں

حضرات پیالے میں سے کھانا کھا رہے تھے تو پیالہ اور پیالے کے اندر کا کھانا دونوں تسبیح پڑھتے رہے۔ (حضرت سلمانؓ فارسی کے سو قصے: ۶۲)

حضرت سعید بن المسیبؒ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے فرمایا: مجھ سے حضرت سلمانؓ نے فرمایا تھا: پیارے بھائی! ہم دونوں میں سے جو شخص پہلے مرجائے تو وہ مرنے کے بعد اپنے ساتھی سے ملنے ضرور آئے، میں نے دریافت کیا کہ: کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا: ہاں، کیوں کہ مؤمن کی روح آزاد ہوتی ہے، جہاں چاہے جاسکتی ہے؛ البتہ کافر کی روح قید خانے میں مقید ہوتی ہے۔ حضرت سلمانؓ کی وفات حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پہلے واقع ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے ہیں کہ: میں ایک روز دوپہر کے وقت اپنی چارپائی پر پڑا قیلولہ کر رہا تھا کہ مجھے اونگھ سی آگئی، اتنے میں حضرت سلمانؓ تشریف لائے اور مجھے سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: اے ابوعبد اللہ! فرمایئے آپ نے آخرت میں اپنا ٹھکانہ کیسا پایا؟ کہنے لگے: اچھا ہے، پھر تین بار یہ بات دہرائی: ”علیکم بالتوکل فنعم الشيء التوکل“، اپنے اوپر توکّل کو لازم کرلو؛ کیوں کہ توکّل بڑی عمدہ چیز ہے۔

مغیرہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ: حضرت سلمانؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پہلے وفات پائی تھی، حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے انہیں خواب میں دیکھا، تو پوچھا: اے عبداللہ! کیا حال ہے؟ فرمایا: حال اچھا ہے، پھر پوچھا کہ:

آپ نے وہاں کس عمل کو افضل پایا؟ جواب میں فرمایا کہ: میں نے توکّل کو عجیب چیز پایا۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۴۸)

قارئین! یہ تھیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ کی جھلکیاں، آپ کی زندگی کا کونسا پہلو ہے جس میں اس امّت کے لیے سامانِ عبرت موجود نہ ہو اور آپ کی حیات کا وہ کونسا گوشہ ہے جو سسکتی اور راہ بھٹکتی امّت کے لیے مشعلِ راہ نہ ہو، ضرورت اس بات کی ہے کہ ذلّت وادبار کی پست ترین گھاٹیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بجائے امّت قرنِ اول کے ان میناروں سے روشنی حاصل کرے کہ یہی وہ روشنی کے مینار ہیں جن کی رہنمائی میں چل کر دنیا وآخرت کی کامیابیاں سمیٹی جاسکتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

از قلم:
سفیان یعقوب کھولوڑی

سوانحی خاکہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

نام: عبداللہ بن مسعود

لقب: صاحب النعل، والوسادۃ والسواک

قبیلہ: قبیلۂ ہذیل

اسلام: ابتدائے اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہاتھ پر

ہجرت: دومرتبہ: حبشہ اور مدینہ

مواخات: حضرت معاذ بن جبلؓ سے

نکاح: حضرت زینب بنت عبداللہ ثقفیؓ

اولاد: عبداللہ، عتبہ، عبیدہ

غزوات: تمام غزوات میں شریک رہے

اہم خدمات: دور فاروقی وعثمانی میں کوفے میں اشاعتِ علم۔

مرویات: ۸۴۸

وفات: ۳؍جمادی الاولیٰ ۳۲ھ

نماز جنازہ: حضرت عثمان غنیؓ

مدفن: جنت البقیع، حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں

عمر مبارک: تقریباً ساٹھ برس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سفیان یعقوب کھولوڑی

جزیرۃ العرب کا بے آب وگیاہ، خزاں رسیدہ خطّہ مدتِ طویل سے باغ و بہار کا منتظر تھا، ہر طرف قتل وغارت گری، ضلالت وجہالت، ظلم وبے انصافی سر چڑھ کر بول رہی تھی، ظلم وجہل کی اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں اللہ کا آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آفتاب وماہتاب بن کر چمکا، ضلالت کے بادل چھٹے، جہالت دُم دبا کر بھاگی، اور ایمان ویقین کی کرنیں فضا میں روشنی بکھیرنے لگیں اور ایک بڑی انسانی جمعیت اس سے اکتسابِ فیض کرکے راہِ نجات پر گامزن ہوگئی۔ جسے تاریخ نے ''صحابۂ کرام'' کے مقدس نام سے یاد کیا۔

راقم ان اوراق میں انہیں باکمال وباصفات، عبادت گذار ووفا شعار صحابۂ کرامؓ کی مقدس جماعت کے ایک فردِ فرید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حیاتِ بابرکت پر روشنی ڈالنے کی طالبِ علمانہ کوشش کر رہا ہے۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر خاص وعام کے لیے نفع بخش بنائے، آمین۔

نام ونسب

آپ کا نام: عبداللہ اور آپ کی کنیت: ابوعبدالرحمٰن تھی۔ علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری کنیت ابوعبدالرحمٰن میرے بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی رکھ دی تھی۔ (دس فقہائے صحابہ: ۷۷)

آپ کے والد کا نام: مسعود تھا جو بقول ابنِ اثیر: ایامِ جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے۔آپ کی والدۂ محترمہ کا نام امِّ عبد تھا، اسی نسبت سے آپ کو ''ابنِ ام عبد'' بھی کہا جاتا ہے، سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات آپ کو اس نسبت سے یاد فرماتے تھے۔

آپؓ کا نسب نامہ تاریخی روایت کے مطابق یوں ملتا ہے: عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

(سیر الصحابہؓ: ۲/ ۲۷۵، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۳۴)

والدہ کی طرف سے صاحبِ طبقات نے یہ نسب ذکر کیا ہے: عبد اللہ ابنِ امِ عبد بنتِ عبدِ ودّ بن سوی بن قریم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن حارث بن زہرہ بن کلاب۔

(طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۰۶، صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا: ۹۰۶، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۲۱)

آپؓ کے والد کا زمانۂ جاہلیت میں انتقال ہو گیا تھا؛ البتہ والدہ صاحبہ اسلام لائیں، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ازواجِ مطہرات کی بڑی خدمت گذار تھیں۔ (دس فقہائے صحابہ: ۷۷)

آپ کے بھائی کا تعارف

آپ کے بھائی عتبہ بن مسعود الہذلیؓ مشہور صحابی ہیں، حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں آپ کے ساتھ تھے، پھر مدینہ ہجرت فرمائی، جنگِ احد اور اس کے بعد کے

غزوات میں شریک ہوئے، یہ آپ کے بڑے محبوب اور چہیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت عمرؓ کے بعد یہ بھائی مجھے سب سے بڑھ کر محبوب تھے۔

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ: میں حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ان کے بڑے بھائی عتبہ کی عیادت کے لیے گیا، حضرت عبداللہؓ نے دیکھا کہ وہ بیماری کی وجہ سے سجدہ نہیں کر پا رہے ہیں، ایک پنکھا ہاتھ میں لے رکھا ہے اور اس پر سجدہ کر رہے ہیں، آپؓ نے ان کے ہاتھ سے پنکھا لے لیا اور فرمایا: زمین پر سجدہ کرو اور اگر زمین پر سجدہ نہ کر سکو تو سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ جھکا ہوا ہو۔

(بیہقی: ۲/ ۳۰۷ بحوالہ عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۲۸)

حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں کہ: جب حضرت عبداللہؓ کو ان کے بھائی عتبہ کے انتقال کی خبر ملی تو ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا یہ رونا رحمت اور شفقت کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈالتے ہیں، ابنِ آدم کا ان آنسوؤں پر کوئی اختیار نہیں۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۱۱ ۔ ۳۱۲، طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۹۴ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۴۶)

حلیہ

آپؓ کا جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں تھا، سر پر کانوں تک نہایت نرم وخوبصورت زلفیں تھیں، جنہیں آپ اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا، دبلے پتلے اور ناٹے تھے، بیٹھا ہوا آدمی ان کے ناٹے ہونے کی وجہ سے ان کے برابر ہو جاتا تھا، بالوں میں خضاب نہیں کرتے تھے اور

لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔(سیر الصحابہ:۲/۲۸۶)

حضرت عبداللہؓ کی ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، آپ ہمیشہ اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے مسواک توڑنے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگ بے اختیار ہنس پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو! حالاں کہ یہ قیامت کے روز میزانِ عدل میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔(سیر الصحابہ:۲/۳۱۳)

ابتدائی حالات

ایامِ جاہلیت میں زمانۂ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا، یہاں تک کہ شرفا وامرا کے بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، گویا یہ ایک درسگاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی، وفاشعاری اور راست بازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا، حضرت عبداللہ بھی اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے، بستی سے بہت دور مکۂ معظّمہ کے پہاڑی راستوں میں روزانہ اپنے آقا قریش کے سردار عقبہ ابن ابی معیط کی بکریاں چرانے جایا کرتے تھے، لوگ آپؓ کو ''ابن امِ عبد'' کے نام سے پکارا کرتے، حالاں کہ آپ کا اصلی نام عبداللہ تھا۔(حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو:۱۲۶)

اسلام

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے محسن و یارِ غار حضرت صدیقِ اکبرؓ کے ہمراہ اس طرف سے گذرے جہاں آپؓ بکریاں چراتے تھے، حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ان سے کہا: بیٹے! پیاس لگی ہے کچھ دودھ ہو تو تشنگی بجھاؤ، آپؓ نے کہا: میں دودھ

نہیں دے سکتا؛ اس لیے کہ یہ بکریاں میرے پاس کسی اور کی امانت ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری ایسی کوئی بکری ہے جس نے اب تک ایک بھی بچہ نہ دیا ہو یعنی جو گابھن نہ ہوئی ہو (ظاہر ہے کہ دودھ کی افزائش بچہ کی ولادت کے بعد ہی ہوتی ہے) جواب دیا: ہاں! اور ایک بکری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، آپ ؐ نے تھن پر ہاتھ پھیر دیا اور دعا فرمائی، نتیجہ یہ ہوا کہ تھن دودھ سے بھر گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس کو الگ جا کر دوہا، تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب پیٹ بھر کر پیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھن سے فرمایا: خشک ہو جا، تو ارشاد ہوتے ہی تھن اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزے سے حضرت عبد اللہ ؓ بے حد متأثر ہوئے، اور اسلام قبول کرتے ہوئے عرض کیا کہ: آپ کے پاس جو مؤثر کلام (قرآنِ پاک) ہے اس کی تعلیم دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: ”**إنک غلام معلم**“ یعنی تم تو تعلیم یافتہ بچے ہو۔

ابن الجوزی آپ کے زمانۂ اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”**اسلم قبل دخول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار الأرقم**“ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دارِ ارقم کو تعلیم گاہ بنانے سے قبل آپ ؓ اسلام لے آئے تھے۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے: ”**کان سادساً في الإسلام**“ آپ مسلمان ہونے والے چھٹے آدمی تھے۔

آپ کا ایک قول ابن الجوزیؒ نے طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے: ”**لقد**

رأيتني سادس ستة ما على وجه الأرض مسلم غيرنا'' یعنی میں اپنے آپ کو چھٹا مسلمان دیکھتا تھا، ہمارے علاوہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نظر نہیں آتا تھا۔

ابنِ اسحاقؒ کی تحقیق ہے کہ آپ تینتیسویں مسلمان ہیں۔ سیر اعلام النبلاء میں جو سلسلہ نمبر دیا ہے اس میں انیسواں مسلمان آپ کو شمار کیا گیا ہے۔ بہر حال جونسا بھی قول لے لیں اتنی بات تو طے ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ''السابقون الاولون'' میں سے تھے۔ (حضرت عبداللہ ابنِ مسعود اور ان کی فقہ: ۳۴۰)

غرض آپ درسگاہِ رسالت میں داخل ہوکر بلا واسطہ معلمِ دینِ مبین سے علم حاصل کرنے لگے، یہاں تک کہ براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی۔ یہ ایک ایسا شرف ہے جس میں کوئی اور آپ کا شریک وہمسر نہیں۔ یہ حضرت عبداللہ کے شوقِ علم اور طلبِ صادق کی بات ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی عرض کیا کہ: یارسول اللہ! مجھے تعلیم دیجیے! جواب میں ''تعلیم یافتہ لڑکے'' ہونے کی بشارت ملی پھر تو دریائے علم سے مستفیض ہوتے ہوئے خلوت جلوت، سفر وحضر غرض ہر موقع پر ساقئ معرفت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے؛ لیکن طلبِ صادق کی پیاس نہ بجھتی تھی یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم ہوتے تو اپنی والدہ حضرت امِ عبدؓ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کی معلومات بہم پہنچائیں۔

(جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۴۵۲، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۳، سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۶-۲۸۷)

آپ کی والدہ کا اسلام

والدہ: آپ کی والدہ کے اسلام وبیعت کے متعلق ابنِ سعد کا بیان ہے:

”أسلمت و بایعت علیٰ رسول اللہ“ اسلام لائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی دولت سے بھی مالا مال ہوئیں۔ نیز انھوں نے ہجرت بھی فرمائی تھی، حضرت عمرؓ نے جب مہاجر صحابیات کا وظیفہ مقرر فرمایا تو ان کا بھی ایک ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تھا۔ سیدہ امِ عبد اپنے بیٹے کے علمی ذوق وشوق میں بھی معاون ومددگار تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جو طویل روایت آپ سے منقول ہے اس کا ابتدائی حصہ یوں ہے: حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک رات میں نے اپنی والدہ سے خانۂ نبوت میں بسر کرنے کی گذارش کی؛ تاکہ وہ حضور کا معمول دیکھ سکے کہ آپ کیسے وتر پڑھتے ہیں؟ چناں چہ والدہ نے ایک رات جاگ کر آپ کے معمولات ملاحظہ کیے۔ (عبداللہ بن مسعود: ۲۳-۲۴، دار القلم دمشق)

ایمان لانے کے بعد آپ پر کیا گذری

حضرت عبداللہؓ اس زمانے میں ایمان لائے جب کہ معدودے چند افراد ہی مؤمنین کی جماعت میں شامل ہوئے تھے، اور وہ چند بھی ہر وقت مشرکین کے تختۂ مشق بنے رہتے تھے، یہاں تک کہ جب اپنے محبوب کو نرغۂ کفار میں دیکھتے تو دل مچل اٹھتا؛ مگر چاہ کر بھی کچھ نہ کر پاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر اونٹ کی اوجھڑی یا ولادت کا میل سجدہ کی حالت میں جب ڈالا گیا تھا اُس وقت صحنِ کعبہ میں حضرت عبداللہؓ بھی کھڑے بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ: میں وہاں کھڑا تھا؛ مگر مجھ میں بولنے کی ہمت نہ تھی، میں تو خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ محکومی اور قربانی کا دور تھا جس میں سب پر حالات آئے، آقا کے

ساتھ ساتھ جاں نثار دیوانوں کو بھی ظلم وستم کی چکّی میں پِسا گیا؛ مگر ہمت واستقلال اور حوصلوں کے کیا کہنے! پہاڑ بھی شرما جائے، حضرت عبد اللہ کے ایمان واستقامت اور ہمت وحوصلہ کا یہ واقعہ پڑھیے اور ان کی روح کو سو سلام کیجیے:

استقامت کا پہاڑ

ایک روز مسلمانوں نے جمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا: خدا کی قسم! ہم نے قریش کو اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھ کر نہیں سنایا؛ لیکن پھر یہ سوال ہوا کہ اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھے گا کون؟ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ آگے بڑھے، چوں کہ آپ کمزور اور نحیف ونزار تھے؛ اس لیے ساتھیوں نے کہا کہ: تمہارا خطرے میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لیے تو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے ظلم وستم سے محفوظ رہے؛ لیکن حضرت عبد اللہؓ نے جوشِ ایمانی سے برانگیختہ ہو کر کہا: مجھے چھوڑ دو! خدا میرا محافظ ہے۔

غرض! دوسرے دن چاشت کے وقت جب کہ مشرکینِ قریش مجلس جمائے بیٹھے تھے، آپ وہاں پہنچے اور جوشِ ایمانی سے بھرپور لہجے میں بسم اللہ پڑھ کر سورۂ رحمٰن کی تلاوت شروع کی، مشرکین نے سن کر تعجب سے پوچھا: ابنِ امِ عبد کیا کہہ رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ: محمد پر جو کتاب اتری ہے وہ پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے بھڑک اٹھا اور سیدھا حضرت عبد اللہؓ پر ٹوٹ پڑا، اس قدر مارا کہ چہرے پر ورم آ گیا، کپڑے پھٹ گئے، جگہ جگہ سے خون بہنے لگا؛ لیکن ایمانی جوش

ایسا تھا کہ مشرکین مارتے گئے؛ مگر قرآن کی تلاوت سے آپ کی زبان بند نہ ہوئی، یہاں تک کہ شروع کی ہوئی سورۃ ختم ہوگئی، ان شقی القب بدبختوں نے اپنے زعم میں تو آپ کو مار ہی ڈالا؛ مگر قدرت کے ہاتھوں روشن کی ہوئی علم کی یہ شمع جو آفتابِ علم سے اکتسابِ علم کر کے دنیا کو روشنی بخشنے والی تھی خدا کے حکم کے بغیر کیسے بجھ جاتی!!

حضرت عبداللہؓ زخمی ہو کر شکستہ حال و پراگندہ بال جب اپنے مجمع میں آئے تو صحابہ نے ان کی حالتِ زار دیکھ کر کہا کہ: ہم کو اسی بات کا اندیشہ تھا اور اسی وجہ سے ہم آپ کو جانے سے روکتے تھے، آپؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! دشمنانِ خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل بھی اس طرح کے مجمع میں جا کر دوبارہ قرآن پڑھنے کو تیار ہوں؟ لوگوں نے کہا: نہیں، بس! اتنا کافی ہے کہ جس چیز کو وہ سننا پسند نہیں کرتے تھے اس کو تم نے بلند آواز سے پڑھ کر ان کے کانوں میں پہنچا دیا۔

وہ لوگ بھی ہیں جو ساحل پر طوفان سے سہمے بیٹھے ہیں
کچھ ایسے شناور بھی ہیں جنہیں ہر موج میں ساحل ملتا ہے

صاحبِ طبقات نے حضرت عبدالرحمٰن سے یہ روایت نقل کی ہے کہ: عبداللہ بن مسعود وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے براہِ راست حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن سیکھ کر مکّے میں علی الاعلان پڑھا۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۷۷، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۷)

غلط فہمیوں کا ازالہ

مکے کے مختلف ماحول میں باوجود نحیف الجثّہ اور ضعیف الاعضا ہونے کے

حضرت عبداللہؓ نے جس جرأت و بے باکی کے ساتھ دعوت کا فریضہ انجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بہت سے مواقع پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کو ذمہ داری دی جاتی تھی، چناں چہ حج کے زمانے میں کفارِ مکہ نو واردین کو برگشتہ کرنے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدگمان کرنے کے لیے طرح طرح کے الزام لگاتے تھے، ان کے بہت سے آدمی مستقل اس مشن پر مقرر رہتے تھے کہ آنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدظن کیا جائے، شاعر، مجنون اور کاہن بتایا جائے تا کہ لوگ آپ سے نہ مل سکے، اس جھوٹ کا پردہ فاش کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے صحابہؓ میں سے کچھ حضرات کو مقرر کیا تھا کہ ان کے جھوٹ کا جواب دیں اور کہیں کہ تم خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چل کر مل لو، اس کے بعد کوئی فیصلہ کرو، اس ذمہ داری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی مقرر ہوئے تھے، مکہ کے بعض داخلی راستوں پر آپ کو ذمہ دار بنایا گیا تھا کہ مشرکین کے جھوٹ کا جواب دے۔

(سیر اعلام النبلا: بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ: ۵۵)

ہجرت

حضرت عبداللہ اسی طرح ظلم وستم جھیلتے رہے، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اشارہ پا کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ جمہور مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حبشہ کی دو ہجرتیں کی ہیں، تیسری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت سعد بن خیثمہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ کے یہاں ٹھہرے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۰۷، سیر الصحابہؓ: ۲/ ۲۷۷)

مواخات اور مکان

مہاجرین جب مکۂ مکرمہ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے رشتے داروں اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر مدینۂ منورہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا تعلق قائم کروایا۔ کئی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حبشہ سے مدینہ پہنچے تو حضور نے آپؓ کے اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے درمیان مواخات قائم کروائی تھی اور رہنے کے لیے مسجدِ نبوی کے پاس زمین کا ایک ٹکڑا مرحمت فرمایا تھا۔

(دس فقہائے صحابہ: ۸۶، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۳۶)

مکان کی وہ زمین بنوزہرہ سے متصل تھی، ایک مرتبہ بنوزہرہ میں سے کسی نے کہہ دیا کہ: اے ابن امِ عبد! ہمارے پاس سے دور ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک خبر پہنچی تو آپ سخت خفا ہوئے اور فرمایا: کیا میں اس وقت بھی اپنے منصبِ نبوت پر باقی رکھا جاؤں گا، جب کہ میں تمہارے تکبر اور ظلم پر خاموش رہوں! اللہ اس قوم کو برکت نہیں دیتا جو کمزور کو اس کا حق نہ دے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ: امام مالکؒ اسی مکان میں کرایہ پر رہتے تھے۔ (عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ: ۴۵)

معاشی حالت

ہجرت کے بعد حضرت عبد اللہ ابنِ مسعودؓ کی معاشی حالت تنگ تھی، دیگر مہاجرین کی طرح آپ بھی تنگ دستی کے شکار تھے، اس کا اندازہ درجِ ذیل روایت سے ہوتا ہے: ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کو صدقہ اور خیرات

کی ترغیب دی تو حضرت ابنِ مسعودؓ کی بیوی سیدہ زینبؓ نے آپ سے کہا کہ: تم نادار آدمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور پوچھو کہ: بیوی اپنے شوہر کو صدقہ دے سکتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں اس کے بارے میں خیال ہے کہ تم کو ہی دے دوں؛ مگر آپ نے (شرم اور غیرت کی وجہ سے) انکار کیا، اور کہا کہ: تم خود ہی جاؤ اور پوچھو۔ چناں چہ وہ گئیں، وہاں ایک دوسری صحابیہ بھی اسی سوال کے لیے آئی تھیں، ان کا نام بھی زینب تھا اور وہ ابو مسعود انصاریؓ کی بیوی تھیں، چناں چہ دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعے دریافت کیا: دو عورتیں اپنے شوہروں اور ان کے بچوں پر جو ان کی کفالت میں ہیں صدقہ کرنا چاہتی ہیں کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں؛ بلکہ ان کو دوہرا ثواب ہوگا، ایک صدقہ کا اور دوسرا اہلِ قرابت پر خرچ کرنے کا۔

(مسلم شریف بہ حوالہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ ص:۴۹)

غزوات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تمام مشہور و اہم جنگوں میں شجاعت و بہادری کے ساتھ سرگرمِ پیکار رہے ۔ ۲ھ میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے شروع سے لے کر اخیر تک تمام غزوات میں بڑی بہادری و جواں مردی سے حصہ لیا۔

ابوجہل کا انجام

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نہ صرف یہ کہ بدر میں شریک تھے؛ بلکہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت قریب رہے۔ خود فرماتے ہیں کہ: بدر کے دن میں نے جس قدر زوردار دعا کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اتنی زوردار دعا کرتے ہوئے میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا، آپ فرما رہے تھے: اے اللہ! میں تجھے تیرے وعدے اور تیرے عہد کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر کبھی تیری عبادت نہ ہوسکے گی، پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے؛ حالیکہ آپ کا چہرہ خوشی کے مارے چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا: اب میں دیکھ رہا ہوں کہ شام کو یہ کافر کہاں کہاں گرے پڑے ہوں گے۔

غزوۂ بدر میں جب دونوں نوجوانوں نے ابوجہل کو شدید زخمی کردیا تو آپؓ حکمِ نبوی کی تعمیل میں ابوجہل کی تلاش میں نکلے، اُس وقت ابوجہل کی آخری حالت چل رہی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے سینے پر سوار ہوگئے اور اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہنے لگے:

اودشمنِ خدا! تو ہی ابوجہل ہے، خدا نے تجھے خوب ذلیل کیا۔

ابوجہل نے کہا: کاش! مجھے کسی کسان نے قتل نہ کیا ہوتا۔

اس بات کو سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ دیا۔

ڈاکٹر حنیفہ رضی نے سیرت ابنِ ہشام کے حوالے سے حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: میں نے ابوجہل کو دم توڑتے ہوئے پایا، میں نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھا؛ اس لیے کہ اس نے مکہ میں ایک بار بڑی سختی سے میری گردن پکڑی تھی اور گھونسے مارے تھے۔

تو ابوجہل بولا: او بھیڑیں چرانے والے! بہت اونچی جگہ چڑھ گیا ہے، اتنا تو بتا فتح کس کی ہوئی ہے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: او دشمنِ خدا! اللہ اور اس کے رسول کی، اتنا سن کر ابوجہل بالکل ٹھنڈا پڑ گیا، جب حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے سر کاٹنے کے لیے تلوار اٹھائی تو بولا: اے چرواہے! تو نے ایک مشکل چڑھائی چڑھی ہے اب کیا چاہتا ہے؟ فرمایا: تیرا سر، کہا: میری تلوار لے جو بہت تیز ہے اور سن! سر شانوں کے قریب سے قلم کرنا تاکہ دیکھنے والوں کو ہیبت ناک نظر آئے، پھر آپؓ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل کے ناپاک سر کی طرف دیکھ کر فرمایا: ”الحمد لله الذي اخزاک یا عدو الله!“، تمام تعریف کے لائق ہے وہ اللہ جس نے اے دشمنِ خدا! تجھے ذلیل کیا، پھر فرمایا: ”مات فرعون هذه الأمة“، اس امت کا فرعون مر گیا۔

دشمن کتنے ہیں؟

مجمع الزوائد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے: فرماتے ہیں کہ: غزوۂ بدر کے دن کفار ہمیں بہت تھوڑے دکھائی دے رہے تھے، یہاں تک کہ میرے قریب جو ساتھی تھا میں نے اس سے کہا کہ: تمہارے خیال میں یہ کافر ستر ہوں گے، اس نے کہا: میرے خیال میں سو ہوں گے۔ پھر ہم نے ان کے ایک آدمی کو پکڑا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا: تو اس نے کہا: ہم ہزار تھے۔

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۲۸)

مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر آپ نے ابوجہل کا ساز وسامان معاذ بن عمرو کو دیا، دوسرا ساتھی جامِ شہادت نوش کر چکا تھا، اور ابوجہل کی تلوار اس کا سر تن سے جدا کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود کو عطا فرمائی۔ (سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ٢/ ٢٤١)

قیدی کے متعلق سفارش

اسیرانِ بدر کے متعلق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ: ہر قیدی سے فدیہ لیا جائے اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان سے نکل گیا: یا رسول اللہ! اس حکم سے سہیل بن بیضا کو مستثنیٰ قرار دیا جائے؛ کیوں کہ میں نے ان کو اسلام کا بھلائی کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: اُس دن جتنا مجھے اپنے اوپر آسمان سے پتھروں کے برسنے کا ڈر لگا اتنا مجھے کبھی نہیں لگا۔ (ڈر اس کا تھا کہ کہیں نامناسب بات کی فرمائش نہ کر دی ہو)۔ کچھ دیر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سہیل بن بیضا کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔

دیگر غزوات

غزوۂ احد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کی غلط خبر پھیلنے پر افراتفری پھیل گئی تو اس وقت بھی آپؓ ثابت قدم رہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا، اور اسی کے ساتھ ساتھ آپؓ غزوۂ خندق، صلح حدیبیہ، غزوۂ خیبر میں بھی شریک رہے۔

کون پہرہ دے گا؟

صلح حدیبیہ کے موقع سے واپس مدینہ جاتے ہوئے ایک قصہ پیش آیا جسے خود

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی زبانی سنیے۔ فرماتے ہیں کہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے آخری حصہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور فرمایا: ہمارا پہرہ کون دے گا؟ میں نے عرض کیا: میں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم، تم تو سوتے رہ جاؤ گے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا تم ہی پہرہ دو، چناں چہ میں پہرہ دینے لگا۔

جب صبح صادق ہونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پوری ہوگئی اور مجھے نیند آ گئی، جب سورج کی گرمی ہماری پشت پر پڑی تب ہماری آنکھ کھلی، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے اور ایسے موقع پر جو کیا کرتے تھے وہ کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور پھر فرمایا: اگر اللہ چاہتے تو تم یوں سوتے نہ رہ جاتے، اور تمہاری نماز قضا نہ ہوتی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہارے بعد آنے والوں میں سے کوئی سوتا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کے لیے عملی نمونہ سامنے آ جائے۔

حنین اور فتح مکہ

غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ۸۰ / صحابہ کے علاوہ دس ہزار کی پوری جمعیت پیچھے ہٹ گئی، اس وقت آپؓ بھی اس ۸۰ رثابت قدم رہنے والے صحابہ میں شریک تھے۔ اسی موقع سے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زین سے جھکے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بے تاب ہو گئے اور پکار کر کہا: یارسول اللہ! آپ سربلند رہیں، اللہ نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبد اللہ! مجھے ایک مٹھی خاک دو، حضرت عبد اللہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی،

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خاک مشرکین کی طرف پھینکی تو خدا کی قدرت! ان سب کی آنکھیں غبار آلود ہو گئیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے حضرت عباسؓ نے آواز لگائی تو صحابہ پلٹے اور دوبارہ گھمسان کا رَن پڑتے ہی مشرکین بھاگ اٹھے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: {ثم أنزل الله سكينته علىٰ رسوله وعلى المؤمنين} پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مؤمنین پر تسلی نازل کی۔ ان مؤمنین میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پیش پیش تھے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر بھی آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

(اصابۃ: ۵۳، البدایۃ والنہایۃ: ۲ / ۲۷۶ بحوالہ ابن مسعود کے سو قصے: ۲۱، سیرتِ مصطفیٰ: ۲ / ۱۰۸، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۳۶-۱۳۹، حیاۃ الصحابہ: ۲ / ۶۶، ۳ / ۴۰ بحوالہ ابن مسعود کے سو قصّے: ۲۵۔ ۵۴، دس فقہائے صحابہ: ۸۸-۸۹، سیر الصحابہؓ: ۲ / ۲۷۸)

عہدِ صدیقی

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں ارتداد کا فتنہ پھیلا اور بعض قبیلوں نے زکاۃ کے لیے معافی کے خط لکھے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور فرمایا: جو کوئی بھی نماز و زکاۃ میں فرق کرے گا میں اس سے جہاد کروں گا۔ جب ان قبائل نے دیکھا کہ حضرت اسامہؓ کے ساتھ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد جہاد کے لیے جا چکی ہے اور اب تھوڑے ہی صحابہؓ رہ گئے ہیں تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حملہ کرنے کا پلان بنایا۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس بات کا پہلے ہی سے پتہ چل گیا تھا؛ اس

لیے بڑے بڑے صحابہؓ: حضرت عبدالرحمٰنؓ، حضرت زبیر بن عوّامؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہؓ کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظت کے لیے دستے متعین کردیے، ان میں ایک دستہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی استقامت کی برکت سے دور دراز کے مسلمان سردار زکاۃ لے کر مدینہ پہنچنے لگے، جس راستے سے حضرت عدی بن حاتم طائیؓ آئے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ متعین تھے، آپؓ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں ان کی حاضری کی بشارت لے کر پہنچے۔ (معلم الامۃ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۵۶)

عہدِ فاروقی

سنہ ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحلت فرما جانے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا تھا، اور وہ دل شکستگی کے عالم میں گوشہ نشین ہوگئے تھے، اور عہد صدیق میں تقریباً سرگرم زندگی سے الگ تھلگ رہے؛ مگر جنگِ یرموک کے موقع سے حضرت عمر فاروقؓ نے ہر تندرست مسلمان کو حصہ لینے کی ترغیب دی، تو آپ بھی گوشۂ عزلت سے نکل کر اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے۔

چناں چہ جب سنہ ۱۵ھ میں یرموک کی فیصلہ کن جنگ ہوئی تو اس میں آپؓ نے خوب اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے، حمص جب فتح ہوا تو اس کا خمس آپ ہی کے ہاتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کیا گیا۔

حکومت میں سب سے اہم کام قابل اور متدین حکام کا انتخاب ہے، چناں چہ حضرت عمرؓ نے اس عہدے کے لیے جن کا انتخاب کیا ان میں حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے، آپ کو ۲۰ھ میں کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا اور حضرت عمرؓ نے اہلِ کوفہ کے نام ایک خط لکھا، جس میں یہ الفاظ تحریر تھے:

”إني بعثت إليكم عمار بن ياسر أميرا وابن مسعود معلماً ووزيرا وقد جعلت ابن مسعود علىٰ بيت مالكم وإنهما لمن النجبا من أصحاب محمد من أهل بدر فاسمعوا لهما وأطيعوا واقتدوا بهما وقد أثرتكم بابن أم عبد علىٰ نفسي“۔

ترجمہ: میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور ابن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابنِ مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ذی عزّت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکۂ بدر میں شریک تھے؛ اس لیے ان کو سمعاً وطاعۃً کہو اور ان کی اتباع کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ابنِ ام عبد عبد اللہ بن مسعودؓ کو تمھارے پاس بھیج کر اپنی ذات پر تمھیں ترجیح دی ہے۔

نیز یہ بھی لکھا کہ: میں نے بیت المال کی نگرانی عبداللہ بن مسعودؓ کے سپرد کی ہے، اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں بڑے شریف آدمی ہیں اور شرکائے بدر میں سے ہیں، ان کی باتیں سنو اور ان کا کہا مانو۔

آپؓ نے اس عہدے پر دس سال اس قدر مقبول خدمت انجام دی کہ دربارِ خلافت میں کسی نے نہ آپ کی شکایت کی اور نہ کسی نے برطرف کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے خزانے کی افسری اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کی وزارت کے فرائض انجام دیے۔

ظالم چچا

فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو، درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا؛ لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہِ عدالت میں جب کسی مجرم پر جرم ثابت ہوجائے تو اس کے ساتھ نرمی ودرگذر سے پیش آنا، درحقیقت نظامِ حکومت کو متزلزل کردیتا ہے، اس بنا پر آپ اثباتِ جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی وشفقت کے باوجود قانونِ عدالت کے اجرا میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادرزادہ کو شراب نوشی کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا؛ لیکن جب درّے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم وشفقت سے بھر آیا اور منّت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، آپ نے غضبناک ہوکر فرمایا: تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حدِّ شرعی کا مستحق ثابت کرکے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے جواب ممکن نہیں، اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ: تم لوگوں کو اعراض وچشم پوشی سے کام لینا چاہیے، کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخش دے:

جرم ایک سزا مختلف

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو

مختلف سزاؤں کا مستحق قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہؓ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کو یہ خبر دی گئی کہ مسیلمۂ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں جو اس کو ''رسولِ خدا'' کہتے ہیں، حضرت عبداللہ نے کچھ سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرادیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا؛ لیکن ان کے سرگروہ ابنِ نوحہ کے لیے قتل کی سزا تجویز کی، لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو بولے کہ: ابنِ نوحہ اور ابنِ اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں قتل کروادیتا۔ اس بنا پر جب کہ وہ اب تک اپنے باطل عقیدے سے باز نہیں آیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش و تمنا کا پورا کرنا ضروری تھا۔

(جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۴۵۴، سیر الصحابہ: ۲/ ۲۷۹)

عہدِ عثمانی

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں انقلابِ سیاست کی پہلی ہَوا چلی جس سے لوگوں کے قلب پر اطاعتِ امیر کا جذبہ کمزور پڑ گیا، اور بار بار احتجاج پر یکے بعد دیگرے کوفہ کے والی بدلے گئے؛ مگر ان حالات میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے امیر کے حکم سے روگردانی نہیں کی، اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے، جب حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ بیعت کے بعد مدینے سے کوفہ روانہ ہوئے، آٹھ دن سفر کرنے کے بعد آپ نے ایک جگہ بیان کیا جس

میں حمد وثنا کے بعد فرمایا: صاحبو! جب امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو ہم نے لوگوں کو اس سے زیادہ کسی دن روتے ہوئے نہیں دیکھا، پھر ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ جمع ہوئے اور ایسے آدمی کی تلاش کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جو ہم میں سب سے بہتر ہو اور ہم پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھنے والا ہو، چناں چہ ہم نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی ہے، پس آپ لوگ بھی ان سے بیعت ہو جائیں۔

ساحر کا مقدمہ

حضرت عثمانؓ کے آخری عہدِ خلافت میں کوفہ سازش، فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز بن گیا تو عہدۂ قضا کے لحاظ سے قدرتاً حضرت عبداللہؓ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں۔ ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دورِ امارت میں ایک ساحر کا مقدمہ پیش آیا جو امیرِ کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھا رہا تھا؛ لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا، چوں کہ یہ صریحاً معاملاتِ حکومت میں مداخلتِ بے جا تھی؛ اس لیے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دربارِ خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ وتعزیر کے بعد چھوڑ دیا جائے اور لوگوں کو سمجھائیں کہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہو، حضرت عبداللہ نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے فرمایا: صاحبو! صرف شک وشبہ کی بنیاد پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لو، مجرموں اور خطا کاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں۔

والی کا مقدمہ

اسی سال ولید بن عقبہ والیٔ کوفہ پر شراب نوشی کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ وہ خلوت میں شراب پیتا ہے، انھوں نے جواب دیا کہ: جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ دری کے درپے نہیں ہوسکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہوکر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ: کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کوئی کام کرتا ہوں؟ یہ تو اس شخص کے لیے کہا جاسکتا ہے جو مشکوک ہو، غرض اسی سوال وجواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے۔

قرآن دے دیا

حضرت عثمانؓ نے امت کو ایک ہی قرآن پر مجتمع کرنے اور دوسرے تمام نسخوں کو موقوف کرنے کے لیے جب آپ سے ان کا ذاتی جمع کیا ہوا قرآن طلب کیا تو آپ نے اختلاف کیا اور دلی رنج کا اظہار بھی کیا؛ مگر قرآن وحدیث پر عمل کرنے کی عادت اس قدر مستحکم ہوگئی تھی کہ آپ نے امیر المؤمنین کے حوالگیٔ مصحف کے حکم کی تعمیل کی، آپ کا لکھا ہوا قرآن کسی دوسرے کے پاس جاوے یہ آپ کی طبیعت پر بڑا شاق گذرا؛ مگر امیر کے حکم کو سرآنکھوں پر رکھ کر مصحف سونپ دیا۔

منیٰ میں قصر یا اتمام؟

سنہ ۲۹ھ میں حج کے موقع پر حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں بجائے دورکعت کے چار

پڑھائی، حالاں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخین کے عمل کے خلاف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب سنا تو ''إنا لله و إنا إليه راجعون'' پڑھا؛ مگر جب نماز کا وقت آیا تو آپ نے کھڑے ہوکر چار رکعت پڑھی، ان سے پوچھا گیا کہ: چار رکعت کی خبر پر تو آپ نے ''إنا لله و إنا إليه راجعون'' پڑھا، اور اب خود چار پڑھ رہے ہیں؟ تو فرمایا: امیر کی مخالفت کرنا اس سے زیادہ بری چیز ہے۔ اُس وقت بڑے بڑے صحابہ مثلاً عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوذرؓ ایک طرف تعجب اور افسوس کر رہے تھے؛ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے خلیفۂ وقت کی اطاعت کو ان تمام باتوں پر ترجیح دی اور بغیر اختلاف کیے آپ نے اس کو قبول کرلیا۔

کوفہ کی گورنری سے معزول ہونے کے بعد آپ اپنے فرائض سے سبکدوش ہوکر ایک قافلے کے ہمراہ حجِ بیت اللہ کے لیے مکّہ روانہ ہوگئے، ربذہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک بدوی خاتون کو سرِ راہ کھڑے پایا جو پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ: بھائیو! قریب ہی ایک مسلمان دم توڑ رہا ہے اس کی تجہیز و تکفین میں میری مدد کرو۔ آپؓ نے پوچھا: وہ کون شخص ہے؟ خاتون نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عبداللہؓ اور آپ کے ساتھی حضرت ابوذرؓ کا نام سنتے ہی ''ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' کہتے ہوئے اُس کُٹیا کی طرف لپکے جہاں حضرت ابوذرؓ زندگی کی آخری سانس لے رہے تھے، حضرت ابوذرؓ نے نو واردوں کو اہلاً وسہلاً کہا اور اپنے کفن دفن کے متعلق ہدایتیں دے کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بادیدۂ نم ان

کے جنازے کی نماز پڑھائی اور سب نے مل کر ان کو سپردِ خاک کیا، اُس وقت حضرت عبداللہؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ سچ فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ: اے ابوذر! تو اکیلا چلے گا، اکیلا مرے گا، اکیلا اٹھایا جائے گا، اس کے بعد سیدھے مکہ گئے حج کیا اور پھر مدینہ جاکر گوشۂ عزلت میں بیٹھ گئے، دن رات یادِ الٰہی کے سوا کوئی اَور کام نہ تھا۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۰، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۰)

خواب اور علالت

سنہ ۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہؓ کا سنِ مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا، ایک دن ایک شخص نے عرض کیا: خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گذشتہ شب خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلند منبر پر تشریف فرما ہیں، آپ سامنے حاضر ہیں، اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ابن مسعود! میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ! میرے پاس آجاؤ۔ فرمایا: خدا کی قسم! تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا: ہاں، فرمایا: تو بس! میرا وقتِ آخر آپہنچا ہے، تم میرے جنازے میں شریک ہوکر مدینہ سے باہر جاؤ گے۔ یہ خواب حقیقتِ واقعہ بن کر پیش آیا، چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔

عیادت

جس رات آپ کا انتقال ہوا اس رات حضرت عثمانؓ آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اُس زمانے میں دونوں بزرگوں کے تعلقات کشیدہ تھے،

حضرت عثمانؓ نے دو برس سے آپ کا وظیفہ بھی بند کر رکھا تھا، اس موقع پر دونوں کے مابین یہ گفتگو ہوئی:

حضرت عثمانؓ: آپ کو کس سے شکایت ہے؟

فرمایا: اپنے گناہوں سے۔

حضرت عثمانؓ: آپ کا دل کیا چاہتا ہے؟

فرمایا: اپنے رب کی رحمت۔

حضرت عثمانؓ: آپ کے لیے معالج بھیجوں؟

فرمایا: معالج ہی نے تو مجھے صاحبِ فراش کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ: کیا وہ سب مال آپ کے نام نہ لگا دوں جو کئی سال سے آپ نہیں لے رہے ہیں۔

فرمایا: مجھے اس مال کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمانؓ: یہ مال آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔

فرمایا: کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ میری بچیاں فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی، میں نے ان کو حکم دے دیا ہے کہ وہ روزانہ رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرلیا کریں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "**من قراء الواقعة کل لیلة لم تصبه الفاقة**"، جس نے ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کی اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ: اس گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں کے دل ایک

دوسرے کی طرف سے صاف ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ نے آپ کا رُکا ہوا تمام وظیفہ واگزار کر دیا تھا، یہ وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا، اس طرح آپ کی اولاد کی ایک خطیر رقم یک مشت مل گئی۔ نیز بقول ابنِ سعدؒ آپ نے نوّے ہزار درہم نقد بھی چھوڑے تھے۔ (طبقات: ۳/ ۱۱۳۔ سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۴، حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو: ۱۳۳، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۱-۱۴۲)

وصیت

جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یقین ہو گیا کہ اب جلد ہی وہ اپنے رب سے جا ملیں گے، تو انہوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنی اولاد، مال، تجہیز وتدفین کا ذمہ دار بنایا، اور آپؓ نے اس کی وصیت کی کہ دوسو درہم کے کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ صاحبِ طبقات نے آپ کا لکھا ہوا پورا وصیت نامہ نقل کیا ہے، تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

(طبقات: ۳/ ۱۱۲، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ: ۷۷)

وفات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پاکر ۳/ جمادی الاولیٰ ۳۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، مستند وصحیح روایت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور بہ مطابقِ وصیت جنت البقیع میں رات کے وقت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے۔ ”إنا للہ وإنا إلیہ راجعون“۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۱۳، سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۶)

بیویاں

حضرت زینب بنتِ عبداللہ بن معاویہ ثقفیؓ آپ کی بیوی تھیں، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ ذہبی نے ایک اور نام ریطہ یا رائطہ لکھا ہے، ابنِ سعد آپ کی دو بیویاں بتلاتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ امِ ولد ہونے کی وجہ سے ان کا شمار بیویوں میں کر لیا گیا ہو، یہ دستکاری جانتی تھیں اور اس کے ذریعے کچھ آمدنی کرلیا کرتی تھیں۔
(عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ: ۷۸)

اولاد

آپؓ کی اولاد میں عبدالرحمٰن، عتبہ اور عبیدہ تھے، عبدالرحمٰن کے بیٹے قاسم بن عبدالرحمٰن تھے اور معن بن عبدالرحمٰن تھے۔ (انبیا وصحابہ وتابعین: ۲۶۰)

بابِ دوم

اوصاف وکمالات

لباس

آپ کا لباس بہت سادہ؛ لیکن نہایت صاف اجلا اور بے داغ ہوتا تھا، آپ کے خادم نقیع فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن مسعودؓ پوشاک عمدہ سفید پہنتے تھے۔ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ: ”وكان أجود الناس ثوبا ومن أطيب الناس ريحا“ یعنی لوگوں میں سب سے عمدہ لباس اور سب سے اچھی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۳)

خوشبو کا شوق

اپنی طبعی نفاست پسندی کی وجہ سے آپ خوشبو کثرت سے استعمال کرتے تھے، رات میں کہیں سے آپ گذرتے تو بھی اس خوشبو کی وجہ سے آپ پہچان لیے جاتے جو فضا کو معطّر کر دیتی تھی۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ: راتوں میں حضرت عبداللہ کو ان کی خوشبو کی وجہ سے پہچان لیا جاتا تھا۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۱؍۳۱۔۳۲)

غذا

آپ کا کھانا پینا نہایت سادہ تھا، کھانے کے بعد عموماً آپ کھجور بھگو کر اس کا پانی پیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے شاگرد علقمہ نے عرض کیا: حضرت! اللہ آپ پر رحم کرے! آپ امّت کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور کھجور کا پانی پیتے ہیں؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کھجور بھگو کر اس کا شربت پیتے ہوئے دیکھا ہے، اگر میں آپ کو نہ دیکھتا تو ہرگز نہ پیتا۔

آپ کا مزاج اور سنجیدگی

آپ کی متانت و سنجیدگی میں خشکی اور درشتی نہ تھی؛ بلکہ عالمانہ وقار و تمکنت ظاہر ہوتی تھی، کسی کا مذاق اڑانے اور عیب جوئی کو بہت برا سمجھتے تھے، انسان تو انسان ناپاک جانور کا مذاق بھی برا سمجھتے تھے، فرماتے کہ: اگر میں کتے کا مذاق اڑاؤں تو ڈرہے کہ کہیں کتّا نہ بنا دیا جاؤں! ہنسی ٹھٹھا کرنے والے کو آپ کہتے تھے کہ: میں ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہوں جو بے کار رہے، نہ دین کا کام کرے نہ دنیا کا۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱ / ۱۸۳)

علمی کمالات

صاحبِ مشکاۃ اپنی کتاب ''اکمال'' میں لکھتے ہیں کہ: چاروں خلفا نے آپ سے احادیث روایت کی، ان کے علاوہ ابوموسیٰ اشعری، عمران بن حصین، ابوامامہ باہلی، احنف بن قیس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، جابر، انس، ابوہریرہ وغیرہ کبارِ صحابہؓ نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔

حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے علوم وفتاویٰ کا بیشتر حصہ بھی آپ ہی کے شاگردوں کے واسطے سے امت تک پہنچا، خصوصاً حضرت علی کے فتاویٰ واحادیث میں شیعوں نے بہت کچھ خلط ملط کر دیا تھا۔ مقدمۂ مسلم میں ابوہشام مغیرہ ابن مقسم الضّیّ کے حوالے سے مذکور ہے کہ حضرت علی کی حدیثوں میں صحیح وہی حدیثیں ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے ذریعے ہم تک پہنچیں۔

اعلام الموقعین میں ابن القیم نے بھی یہی بات مزید وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائی ہیں۔ (بخاری بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ ۸۲)

علم فرائض ومیراث میں آپ کا کمال

ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس فرائض کا استفتا آیا کہ: ایک شخص اپنی ایک لڑکی، ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑ کر مرا، اب اس کا ترکہ ان تینوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ: لڑکی اور بہن یہ نصف کی حق دار ہیں اور پوتی کو کچھ حصہ نہیں ملے گا وہ محروم الارث ہوئی، اس کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مستفتی کو تاکید کی تھی کہ اس کی تصدیق

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کروالینا، مستفتی نے یہ مسئلہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے جواب کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں پیش کیا اوران کی رائے پوچھی، انہوں نے استفتا اوراس کا جواب سنا تو فرمایا کہ: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ابوموسیٰ اشعری کی تصدیق کردوں تو میں غلطی کروں گا۔اس کے بعد انہوں نے استفتا کا جواب اس طرح دیا کہ بے شک بیٹی نصف حصے کی حقدار ہوگی؛لیکن دوثلث پوراکرنے کے لیے چھٹا پوتی کو بھی ملے گا۔

چناں چہ آپ کا یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کے لیے آج تک معمول بہا ہے۔

فرائض کے ابواب میں کثرت سے آپ کے فتوے نقل کیے گئے ہیں۔

(عبداللہ بن مسعوداوران کی فقہ: ۱۲۴)

اربابِ علم کی قدرشناشی

حضرت عبداللہ اربابِ علم وفضل کی نہایت عزّت کرتے تھے،حضرت عمرؓ کی نسبت ان کا قول تھا کہ: اگرتمام عرب کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے اورعمرؓ کا دوسرے پلڑے میں تو عمرؓ کا پلڑا بھاری رہے گا۔

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی نسبت فرمایا کرتے تھے، ابنِ عباس بہترین ترجمانِ قرآن ہیں۔اگر وہ عہدِ رسالت میں ہم لوگوں کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا۔(سیرالصحابہ:۲/۳۰۱۔۳۰۲)

عہدۂ قضا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ۲۰ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا، حضرت عثمان غنیؓ نے کسی وجہ سے اس عہدے سے سبکدوش کر دیا، آپ دس سال تک کوفہ کے قاضی رہے، پورے دس برس تک علمی اور انتظامی کاموں میں مصروف رہے اور تینوں قسم (تعلیم، وزارت، قضا) کے فرائضِ منصبی کو بہ حسن وخوبی انجام دیا، خصوصاً علم کی اشاعت اس انہماک اور سرگرمی سے کی کہ کوفہ، مکہ ومدینہ کے برابر تیسرا ''دارالعلوم'' بن گیا۔

کوفہ والوں کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ذاتِ گرامی کتنی بڑی نعمت تھی، اس کا اندازہ ذیل کے اس واقعے سے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ اہلِ کوفہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اہلِ شام کے وظائف بڑھا دیے گئے ہیں؛ لیکن ہم لوگ اضافے سے محروم رہے، اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: اہلِ شام کے وظائف میں بے شک اضافہ ہوا ہے؛ لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج کر تمہارے علم کی ترقی کا جو سامان کیا گیا ہے وہ اس ترقی سے بہت بلند ہے جو وظیفے کی شکل میں اہلِ شام کو حاصل ہوئی۔ (صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا: ۹۰۷، عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ: ۹۸، سیر اعلام النبلاء بحوالہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کی فقہ)

عدالتی فیصلہ

حضرت ابو ماجد حنفیؒ فرماتے ہیں کہ: ایک آدمی اپنے بھتیجے کو لے کر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ: میں نے اس کو نشہ میں پایا، حضرت ابن مسعودؓ نے

فرمایا کہ: لوگوں اس کو خوب ہلاؤ اور جھنجوڑو اور اس کے منہ سے بو سونگھو، لوگوں نے اسے خوب ہلایا اور سونگھا تو شراب کی بو آنے لگی، ابنِ مسعود کے حکم سے اس کو جیل میں ڈال دیا، اگلے دن اس کو کوڑے لگانے کے لیے باہر نکالا اور جلادسے کہا کہ: اتنا ہاتھ مت اٹھانا کہ بغل نظر آئے اور ہر عضو کو اس کا حق دو، پھر کوڑے لگوائے جو زیادہ سخت نہ تھے۔

پھر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ یتیم کا بہت برا سرپرست ہے (اے فلانے!) تم نے اس کو تمیز نہ سکھائی اور نہ اچھے طریقہ سے ادب وسلیقہ سکھایا، اس نے رسوائی کا کام کر ڈالا تھا؛ لیکن تم نے اس پر پردہ نہ ڈالا، پھر فرمایا: اللہ معاف فرمانے والے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں، جب کسی حاکم کے سامنے کسی کا جرم شرعاً ثابت ہوجائے تو اب اس حاکم پر لازم ہے کہ وہ اس مجرم کو شرعی سزا دے۔ پھر فرمانے لگے کہ: مسلمانوں میں سب سے پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ انصاری آدمی تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو غم کی وجہ سے حضور کا حال برا ہوگیا تھا، ایسا لگتا تھا گویا چہرے پر راکھ چمٹ گئی ہو، صحابہؓ نے پوچھا: آپ کو اس آدمی کے لائے جانے کی وجہ سے بہت گرانی ہو رہی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: گرانی کیوں نہ ہو! جب کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بنے ہوئے ہو (تمھیں وہیں معاف کر دینا تھا) اللہ معاف فرمانے والے ہیں اور معافی کو پسند کرتے ہیں (میں معاف نہیں کرسکتا کیوں کہ) جب حاکم کے سامنے کوئی جرم ثابت ہوجائے تو ضروری ہے کہ وہ اس جرم کی شرعی سزا

نافذ کرے، پھر آیت تلاوت فرمائی: {ولیعفوا ولیصفحوا} اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگذر کریں۔

(حیاۃ الصحابہ: ۲/ ۵۴۵ بحوالہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے سو قصے: ۴۲-۴۳)

خزانے کی افسری

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قضاء کے منصب کے ساتھ ساتھ خزانے کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ میں محاصل (ٹیکس) کی بہت کثرت تھی، اور اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کی وجہ سے ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں، نیز خراسان، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی اس کے مصارف بھی یہیں ادا کیے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبے کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک روپیہ بھی اِدھر کا اُدھر نہ ہونے پائے، درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی انتظامی قابلیت کا بے مثال نمونہ ہے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۲)

فقہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مدت تک مسلسل بارگاہِ نبوت سے بہ راہِ راست اکتسابِ فیض کیا تھا، چناں چہ وہ احکامِ شریعت اور معلوماتِ دین کا ایک شجرِ سایہ دار بن گئے تھے، آپؓ کا شمار فقہائے صحابہ کے طبقۂ مکثرین میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ جن سے بہ کثرت فقہی مسائل منقول ہیں، جمہور علما کے نزدیک اس طبقہ میں صرف سات کبار صحابہ داخل ہیں: حضرت عمر فاروقؓ حضرت علیؓ، حضرت

عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

علامہ ابنِ حزم کا بیان ہے کہ: اگران بزرگوں کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے کئی ضخیم جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں۔

ان سات بزرگوں میں بھی صرف چار یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ موجودہ فقہِ اسلامی کے بیشتر حصے کی بنیاد ان کے فتاویٰ پر قائم ہوئی اور وہ سب فقیہ الامت کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت ابن مسعودؓ کوفہ میں فقہ کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے، اور ان کے شاگردان کے فتوے کو معرضِ تحریر میں لے آتے تھے۔ علامہ ابن قیمؒ کا بیان ہے کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے ان کے فتاویٰ اور مذاہبِ فقہ کو نہیں لکھا۔

فقہ حنفی کا مؤسسِ اول

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان فاضل صحابہ میں سے ہیں جو فقہ کے مؤسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں خصوصاً فقہِ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہؓ ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی۔

حضرت عبداللہؓ کے مخصوص تلامذہ میں علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت ومہارت حاصل کی تھی، پھر حضرت علقمہؒ کے شاگرد حضرت ابراہیم نخعیؒ نے کوفہ میں

فقہ کو بہت وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو ''فقیہ العصر'' کا لقب ملا، ابراہیم نخعی کے پاس حضرت عبداللہؓ کے فتاویٰ کا کافی ذخیرہ موجود تھا، جو ان کو تمام تر زبانی یاد تھا، ان سے جناب حماد نے یہ علم حاصل کیا اور حضرت حماد سے منتقل ہو کر یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حصے میں آیا جنہوں نے اپنے علم واجتہاد سے اس کو اِس قدر وسعت دی کہ آج اکثر دنیائے اسلام ان ہی کے فیوض وبرکات سے فیضیاب ہو رہی ہے، فقہائے عظام نے اس کو اس طرح مرتب کیا ہے:

''وقد قالوا: الفقه زرعه عبد الله بن مسعود وسقاه علقمة وحصده إبراهيم النخعي وداسه حماد وطحنه أبو حنيفة وعجنه أبو يوسف وخبزه محمد فسائر الناس يأكلون من خبزه''۔ (زراعتِ فقہ کی تخم ریزی کی عبداللہ بن مسعودؓ نے، اور اس کی سیرابی کی علقمہ نے، اور اس کھیتی کو کاٹا ابراہیم نخعی نے، اور اس کی دیاست کی حماد نے، اور اس کو باریک پیسا امام ابوحنیفہ نے، اور اس آٹے کو گوندھا ابو یوسف نے، اور اس کی روٹی پکائی محمد نے، پھر سارے لوگ اس روٹی سے تناول کرتے ہیں)۔

فقہی اعتبار سے کچھ حضرات نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی تحقیق اور آپ کے نظریے پر اعتراضات کیے ہیں اور اس کے جوابات بھی دیے گئے ہیں، یہاں ان سب اعتراضات وجوابات کی گنجائش نہیں، مضمون کافی طویل ہو جائے گا اور نہ مجھ جیسے طالبِ علم کو زیب دیتا ہے کہ اس خالص علمی موضوع میں کوئی رائے زنی کروں؛ اس لیے اس حصے کو ترک کرنا مناسب ہے، اگر شائقین چاہیں تو مطوّلات

میں اسے دیکھ سکتے ہیں، بالتفصیل ہر ایک کے جواب دیے گئے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۶، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۶، جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۴۵۵، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۲۱۲-۴۷۱

لاعلمی کا اظہار اور فتوے سے رجوع

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی فلک بوس علمی جلالتِ شان نے ایک دنیا کو مسخر کررکھا تھا؛ لیکن عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ کسی مسئلے کا علم نہ ہوتا تو بلا تأمل کہہ دیتے: میں نہیں جانتا۔ اپنے اہلِ علم معاصرین کا بے حد احترام کرتے تھے جو مسئلہ معلوم نہ ہوتا بے دھڑک ان سے پوچھ لیتے اور اس میں مطلق اپنی کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی ہدایت دیتے کہ: جس چیز کی نسبت آپ کو معلوم نہ ہو تو ہرگز یہ مت کہو کہ: اس میں میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے؛ بلکہ صاف صاف کہہ دیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے: اے لوگو! جس آدمی سے ایسی بات پوچھی جائے جو اسے معلوم ہے تو وہ بتادے، اور جسے معلوم نہیں وہ کہہ دے کہ اللہ زیادہ جانتا ہے (میں نہیں جانتا) کیوں کہ یہ بھی علم میں سے ہے کہ جس بات کو آدمی نہیں جانتا اس کے متعلق کہہ دے کہ: اللہ زیادہ جانتا ہے، خود اللہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے: {قل ما أسئلکم علیه من أجر و ما أنا من المتکلفین} آپ کہہ دیجیے کہ: میں تم سے قرآن کی تبلیغ پر نہ کچھ معاوضہ چاہتا ہوں اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اگر کوئی فتویٰ دیتے اور اس کے بعد خلاف ثابت ہوتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے۔ ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا: اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے جواز کا فتویٰ کا دیا؛ لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے۔ چناں چہ انہوں نے کوفہ واپس آکر براہِ راست سوال پوچھنے والے سے ملاقات کی اور اپنے فتوے سے رجوع کر کے فسخِ نکاح کا حکم دیا۔ (جامع العلوم لابن عبدالبر: ۲/۱۵۱ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۶۲، سیر الصحابہ: ۲/۳۰۱)

روایتِ حدیث کا طریقہ اور اس کی عظمت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حدیث بیان کرتے وقت نہایت سنجیدہ ہو جاتے اور اس طرح نقشہ کھینچتے کہ گویا سامع خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے لمبی حدیث بیان کی جس میں قیامت، جنت، مؤمنین، اللہ کے سوال و جواب کا تذکرہ تھا، حدیث کے ختم پر آپ نے تبسم فرمایا، اور پھر لوگوں سے کہا: تم پوچھتے نہیں، میں کیوں ہنستا ہوں؟ پوچھا گیا: کیوں؟ فرمایا: اِس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا تھا؛ اس لیے میں بھی مسکرایا۔

علمی مجالس کو بے انتہا عظمت و وقار کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے مذاکرے میں مشغول تھے، اسی اثنا میں ایک بدو کا گذر ہوا، کہنے لگے: کیوں جمع ہو تم سب لوگ؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث باہم تقسیم کررہے ہیں۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۹۳، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۸۴)

روایتِ حدیث میں احتیاط اور تعداد

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ہر وقت یہ خوف لگا رہتا تھا کہ حدیث بیان کرتے وقت کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ فرمایا ہو، اور ایک ایک لفظ ایسے احتیاط کے ساتھ زبان سے نکالتے گویا ذمہ داری کے بوجھ سے دبے جارہے ہوں۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حدیث بیان کرتے ہوئے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے الفاظ زبان سے نکالنے سے حتی الوسع احتراز فرماتے تھے، اگر کبھی کبھار یہ الفاظ زبان سے نکل جاتے تو جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی اور فرماتے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ یا اس کے ہم معنیٰ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔

ثابت بن قطبہ کہتے ہیں کہ: ''کان ابن مسعود حدثنا في الشهر بالحديثين والثلاثة''۔ (دارمی) یعنی آپ مہینہ بھر میں دو تین حدیثیں بیان فرماتے تھے۔ روایت کی قلّت وکثرت کے اعتبار سے آپ کا شمار ''متوسطین'' (وہ صحابہ جن کی روایات ہزار سے کم یا پانچسو سے زیادہ ہوں) صحابہ میں ہوتا تھا؛ مگر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو اس پر کلام ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: جو فقہ، حکمت، احسان وغیرہ کے مسائل وفتاویٰ آپ سے منقول ہیں گو ظاہر میں وہ آپ کے اقوال ہیں؛ مگر درحقیقت وہ حدیثیں ہیں، اس پر شاہ صاحب نے دلائل بھی دیے ہیں، اس اعتبار سے آپ کا شمار ''مکثرین'' (وہ صحابہ جن کی روایت ہزار یا اس سے زیادہ

ہیں) کے طبقے میں ہوگا۔

طبقات ابنِ سعد میں مشہور تابعی حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ: ایک مرتبہ پورے ایک سال تک میرا معمول رہا کہ جمعرات کو حضرت ابنِ مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے کسبِ فیض کرتا، اس مدت میں سوائے ایک موقع کے میں نے ان کو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرکے بات کرتے نہیں سنا۔

ایک موقع پر اتفاق سے ان کی زبان سے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا فقرہ نکل گیا اسی وقت ان کے بدن پر رعشہ طاری ہوگیا، ماتھے پر پسینہ آگیا، رگیں پھول گئیں اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

خود تو احتیاط کرتے ہی تھے، شاگردوں کو بھی عموماً روایتِ حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ: جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیشِ نظر رکھو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مقدس، پرہیزگار اور ہدایت یافتہ تھے۔

ہمہ وقت احتیاط وخوف کے باوصف حضرت ابنِ مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو امت تک پہنچانا اپنا اہم فریضہ سمجھتے تھے، چناں چہ آپؓ سے ۸۴۸ / احادیث مروی ہے، ان میں سے ۶۴/ متفق علیہ ہیں، ۴۱/ میں بخاری اور ۳۵/ میں مسلم منفرد ہیں۔

حفظِ احادیث

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کتابتِ حدیث کے مقابلے میں احادیث کو حفظ

کرنا زیادہ پسند کرتے تھے، اور لکھنے کے بجائے زبانی یاد کرنے کو کہتے تھے۔ اسود کا بیان ہے کہ میں اور علقمہ ایک صحیفے کو لے کر حضرت ابنِ مسعودؓ کے پاس گئے، زوال کا وقت تھا، ہم دروازے پر بیٹھ گئے، حضرت ابنِ مسعودؓ نے ملازم سے پوچھا: دروازے پر کون ہے؟ اس نے میرا اور علقمہ کا نام لیا تو آپ نے اندر بلایا، ہم اندر گئے تو فرمایا: شاید تم دونوں کافی دیر سے دروازے پر بیٹھے ہو، اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں چاہی؟ ہم نے عرض کیا: آپ کے آرام کے خیال سے ہم خاموش رہے، یہ سن کر آپؓ نے فرمایا: میرے متعلق ایسا گمان مت کرو۔

اس کے بعد ہم نے عرض کیا: اس صحیفے میں حدیثیں ہیں، اس پر انہوں نے پانی اور طشت منگوایا اور صحیفے کو طشت میں رکھ کر دھویا اور یہ آیت پڑھی: {نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡکَ أَحۡسَنَ الۡقَصَصِ} ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں، پھر فرمایا: تم اپنے دل کو قرآن میں مشغول رکھو اور دوسری باتوں میں دل نہ لگاؤ یعنی دین میں پہلے قرآن کا درجہ ہے پھر حدیث کا، ان دونوں کی حیثیت تبدیل نہ کرو۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے وصال کے بعد ایک عرصے تک حدیث کو باقاعدہ عمومی طور پر لکھنے سے منع کیا جاتا تھا؛ تاکہ قرآن وحدیث میں التباس اور خلط ملط نہ ہوجائے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں باقاعدہ اور عمومی طور پر کتابتِ حدیث اور تدوینِ حدیث کا آغاز ہوا، اس سے پہلے انفرادی طور پر حدیث لکھنے کا معمول کہیں کہیں ملتا ہے جیسے خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک نسخہ احادیث کا ان کا اپنا لکھا ہوا موجود تھا، آپ کے پوتے معن بن عبدالرحمٰن

کا بیان ہے کہ: میرے والد (حضرت عبدالرحمن) نے ایک کتاب نکالی اور قسم کھا کر بتلایا کہ: یہ ان کے والد (حضرت عبداللہ) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

(عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۱۱۲ تا ۱۱۵، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۵، جامع بیان العلم: ۱/ ۶۶-۷۳ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۷۹)

فتویٰ دینے میں احتیاط

مسروق جو -آپ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں- بیان کرتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اکثر حسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ: عنقریب ایک ایسا زمانے آنے والا ہے جب علما باقی نہ رہیں گے اور لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل ورائے سے قیاس کریں گے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتا آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا؛ لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا؛ اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ مہر و وراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چوں کہ آپ کو اس کے متعلق واقفیت نہیں تھی؛ اس لیے لوگوں کی ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینے تک خاموش رہے؛ لیکن جب زیادہ مجبور ہوگئے تو بولے: میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہرِ مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدّت میں بیٹھنا چاہیے، پھر فرمایا: اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی طرف سے اور غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے، خدا اور اس کا رسول اس سے بَری ہے۔ اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراحؓ اور ابو سفیانؓ موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ہروع بنتِ واثق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا، اس توافق سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو غیر معمولی مسرّت حاصل ہوئی۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۰۰-۳۰۱)

معاصرین سے استفادہ

نامعلوم مسائل میں آپ کو اپنے اہلِ علم معاصرین سے استفادہ کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ ایک مرتبہ آپؓ نے اپنی بیوی سے ایک لونڈی خریدی اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر وہ فروخت کی جائے تو اس کی قیمت آپ کی بیوی کو ملے گی، چوں کہ آپ کو اس بیع کی تکمیل میں شک تھا، اس لیے آپ نے حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھا، انہوں نے جواب دیا کہ: بیعِ شرط سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی، تم اس کے قریب نہ جاؤ۔

امام محمدؒ نے ''کتاب الآثار'' میں روایت نقل کی ہے کہ: صحابۂ کرام میں سے چھ شخص مجتہد تسلیم کیے جاتے تھے اور وہ آپس میں فقہی مسائل پر بحث کرتے تھے اور وہ علی، عمر، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن مسعود ایک اور ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے تھے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۰۱-۳۰۲)

قرآن کے بڑے عالم

قرآنِ کریم جو منبعِ علومِ اسلامیہ ہے، حضرت ابنِ مسعودؓ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، وہ خود تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرماتے ہیں: ''ستر سورتیں'' خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہنِ مبارک سے سن کر یاد کی تھیں اور قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب، کہاں اور کس بارے میں نازل

ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص قرآن کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا اور وہاں پہنچنا ممکن ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ: اگر دو قسم کی قرائتیں ہوں تو آپ ان میں سے کون سی پسند فرمائیں گے؟ ارشاد فرمایا: عبد اللہ ابن مسعودؓ والی قرأت، پھر فرمایا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رمضان میں ایک مرتبہ پورا قرآنِ کریم سناتے تھے، وفات والے سال دو مرتبہ سنایا تھا، عبد اللہ بن مسعود اس وقت حاضر رہتے تھے، چناں چہ وہ ناسخ منسوخ کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ: عبد اللہ بن مسعود قرآن کے قاری، دین کے فقہ اور سنت کے عالم تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے مجمعِ عام میں یہ دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں۔ شقیق اس مجمع میں حاضر تھے، فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا؛ مگر کسی کو عبد اللہ بن مسعود کا منکر نہیں پایا۔

حضرت عمرؓ آپ کے تبحّرِ علمی کے بڑے قدرداں تھے، زید بن وہب فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ہم چند لوگ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کمزور نحیف ونزار صاحب تشریف لائے، حضرت عمرؓ ان کو دیکھ رہے تھے اور ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آرہے تھے، پھر فرمایا: ”کنیف ملئ علما“، (ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے) تین مرتبہ آپ نے فرمایا، ہم نے دیکھا تو وہ

عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔

عجیب سوال وجواب

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک قافلے سے ملتے ہیں، اندھیری رات، چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی، حضرت ابن مسعود اس قافلے میں موجود ہیں، حضرت عمرؓ ایک شخص سے پوچھتے ہیں:

آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟

حضرت ابنِ مسعود: فجِ عمیق سے۔

حضرت عمرؓ: اور کہاں کا ارادہ ہے؟

حضرت ابنِ مسعودؓ: بیتِ عتیق کا۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس قافلے میں کوئی صاحبِ علم ہے، پھر انہوں نے اپنے آدمی سے کہا: ان سے پوچھو: قرآن کا کون سا حصہ سب سے عظیم ہے؟

حضرت ابنِ مسعودؓ: {اللّٰہُ لَا إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لاتَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّ لَانَوْمٌ}، (اللہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، وہ نہ سوتا ہے نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔)

حضرت عمرؓ: قرآن کا کونسا حصہ سب سے زیادہ محکم ہے؟

ابنِ مسعودؓ: {ان اللّٰہ یأمر بالعدل و الإحسان و إیتاء ذي القربیٰ}، (اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور رشتہ داروں سے صلح رحمی کا حکم دیتا ہے)۔

حضرت عمرؓ: قرآن کا کون سا ٹکڑا سب سے جامع ہے؟

ابن مسعودؓ: {فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره, ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره} (پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا)۔

حضرت عمرؓ: قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ خوفناک ہے؟

حضرت ابن مسعودؓ: {لیس بأمانیکم ولا أماني أهل الکتٰب من یعمل سوءا یجز به ولا یجد له من دون الله ولیا ولا نصیرا} (انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر، جو بھی برائی کرے گا وہ اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے نہ کوئی ثانی پائے گا اور نہ کوئی مددگار)۔

حضرت عمرؓ: قرآن کا کون سا حصہ سب سے زیادہ امید افزا ہے؟

حضرت ابن مسعودؓ: {قل یاعبادي الذین اسرفوا علیٰ انفسهم} إلخ (اے نبی کہو کہ: اے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کردیتا ہے وہ غفور الرحیم ہے)۔

اتنے عمدہ جوابات سن کر حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ اس اندھیرے میں کون علم کے دیپ جلا رہا ہے؛ اس لیے معنیٰ خیز انداز میں پوچھا کہ: کیا تم میں عبداللہ بن مسعود ہے؟

قافلہ والوں نے جواب دیا کہ: ہاں۔

تفسیر بالرائے پر اظہارِ برہمی

اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود محض اپنی رائے وقیاس سے آیاتِ قرآنی

کی تشریح وتفسیر ہرگز نہ فرماتے تھے؛ بلکہ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے۔ ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ: ایک شخص مسجد میں {یوم تأتي السماء بدخان مبین} کی تفسیر محض اپنی رائے سے کررہا ہے، وہ کہتا ہے کہ: قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہوجائیں گے۔ بولے: دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر معلوم نہ ہو تو ''واللہ اعلم'' کہہ کر خاموش ہوجائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور آں حجرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف وناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی زیادہ ایک ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے، اور وہ جنگِ بدر کا دن ہے۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۱۷۷، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۴، زندگیاں صحابہ کی: ۱۳۰، سیر الصحابہ:۲/ ۲۹۰۔۲۹۱)

دار القراء

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چوں کہ معلّمِ قرآن تھے، صحابہؓ کو قرآن پڑھاتے تھے؛ اس لیے ان کا مکان ''دار القراء'' کے نام سے مشہور تھا، ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ۹۱ھ میں اس وقت کے حاکمِ مدینہ عمر بن عبدالعزیز نے جب مسجدِ نبوی کی توسیع کی تو آپ کے مکان کا جنوبی حصہ مسجدِ نبوی میں شامل ہوگیا اور

جو کچھ بچ رہا وہ مہدی بن منصور عبّاسی کی توسیع کے دوران مسجد میں شامل ہوا۔

(وفاء الوفا:۲/۱۷۷ بحوالہ صحابہ کے مکانات:۹۸)

آپؓ کی قرأت

صحابۂ کرامؓ میں سے جو حضرات عمدہ قرآن پڑھنے میں مشہور تھے ان میں ایک نام حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا بھی ہے، آپ کی قرأت میں حد درجہ سوز اور تاثیر تھی، جب آپ قرأت کرتے تو در و دیوار جھوم اٹھتے، یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے باقاعدہ قرآن سنتے تھے۔

خود فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: مجھے قرآن سناؤ، میں نے از راہِ تعجب پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ کو سناؤں، جب کہ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟ ارشاد ہوا: میں اپنے علاوہ کسی اور سے سننا چاہتا ہوں، چناں چہ میں نے سورۃ نساء کی تلاوت شروع کی، جب اس آیت تک پہنچا: {فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بك على هٰؤلاء شهيدا}، (اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر سامنے لائیں گے) تو میں نے سر اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

ابو عثمان مہدی بیان کرتے ہیں کہ: حضرت ابنِ مسعودؓ نے ہم کو مغرب کی نماز پڑھائی، اس میں ”قل هو الله“ اس ترتیل اور خوش آوازی سے پڑھی کہ ہمارا جی چاہتا تھا کہ پوری سورۂ بقرہ اسی ترتیل اور اسی خوش الحانی سے پڑھیں۔

علامہ ذہبی طبقات القراء میں لکھتے ہیں: "وكان عبد الله رأسا في تجويد القرآن مع حسن الصوت"، یعنی عبداللہ ابن مسعودؓ قرآن تجوید کے ساتھ پڑھنے میں سربرآوردہ اور ممتاز تھے، خوش آوازی اس پر مزید چار چاند لگائی تھی۔

(عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۹۱-۱۰۰)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ النساء شروع کی تو اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس طرح قرآن پڑھنا چاہے جس طرح کہ اترا ہے تو وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق پڑھے۔

(کاروانِ جنت: ۵۲)

نیز قرأت کے باب میں اس قدر ماہر ہونے کے باوجود آپ بڑوں کی رائے کو ترجیح دیتے تھے، حضرت زید بن وہب کہتے ہیں کہ: میں حضرت ابنِ مسعودؓ کی خدمت میں کتاب اللہ کی ایک آیت پڑھنے لگا، انہوں نے مجھے وہ آیت پڑھادی، میں نے عرض کیا کہ: آپ نے یہ آیت مجھے جس طرح پڑھائی حضرت عمرؓ نے تو مجھے اس کے خلاف اور طرح سے پڑھائی تھی؟ اس پر وہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ مجھے ان کے آنسو کنکریوں میں گرتے ہوئے نظر آرہے تھے، پھر فرمایا: حضرت عمرؓ نے تمہیں جیسے پڑھایا ہے تم ویسے ہی پڑھو، کیوں کہ اللہ کی قسم! ان کی قرأت شہرِ بغداد کے راستے سے بھی زیادہ واضح ہے، حضرت عمرؓ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں اسلام داخل ہوتا تھا؛ اس میں سے نکلتا نہیں تھا، اور

جب حضرت عمرؓ شہید ہو گئے تو اس قلعے میں شگاف پڑ گیا اور اسلام اب اس قلعے سے باہر آ رہا ہے، اس کے اندر نہیں جا رہا ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۲ / ۱۰۴، الادب المفرد: ۸۷ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۴۵)

خود تو اہتمام کے ساتھ ترتیل و تجوید کی رعایت کرتے ہوئے قرأت فرماتے ہی تھے؛ مگر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ: ہم لوگ ایک دن فجر کی نماز کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، وہ اس وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے، طلوعِ آفتاب کے بعد ایک شخص نے پوچھا: میں رات نماز میں پوری مفصل پڑھیں، حضرت عبداللہؓ نے کہا: شعر کی طرح جلدی جلدی پڑھی ہوں گی، ہم نے قرائن کی تلاوت سنی ہے اور مجھے وہ قرائن یاد ہے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا کرتے تھے، آپ دس مفصل اور دو سورتیں عم کی پڑھتے تھے۔ (سیر الصحابہ: ۲ / ۳۰۶)

حافظِ قرآن

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال تھے اور اسی دولت کو امّت تک منتقل فرماتے تھے۔ طبقات القراء للذہبی میں ہے: صحابہؓ میں سے جن حضرات نے قرآن کو کاملاً حفظ کیا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو پیش کیا تھا وہ صحابہؓ کی ایک معزز جماعت ہے جو قرآن کی تعلیم کے لیے تیار کی گئی تھی اور باقاعدہ اس خدمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں متعین فرمایا تھا، اس قسم کے سات بڑے امام تھے، قرآن کی سب سندیں ان تک پہنچتی ہیں۔ کتابوں کے

شروع میں اور سندوں میں ان ہی کا تذکرہ کیا جاتا ہے: عثمان، علی، ابی، ابن مسعود، زید، ابوموسیٰ اور ابوالدرداء۔

حفظ بھی اور عمل بھی

قرآن کس طرح سیکھا؟ یہ بھی حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ: ”**كنا إذا تعلمنا من النبي** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **عشر آيات من القرآن لم نتكلم العشر التي بعدها حتى نعمل فيه**“، جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس آیت قرآن کی سیکھ لیتے تو جب تک ان پر عمل پیرا نہ ہوتے آگے مزید دس آیت کا سبق نہ لیتے، گویا آپ نے قرآن صرف سیکھتے ہوئے نہیں سیکھا تھا؛ بلکہ عمل کرتے ہوئے سیکھا تھا۔

قرآن کی سند، حدیث کی سند

عام طور سے سند واجازت میں یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں کہ: میں تم کو فلاں علم پڑھانے کی اجازت دیتا ہوں؛ مگر جو خواص الخواص جید الاستعداد ممتاز طلبہ ہوتے ہیں ان کو اس طرح اجازت وسند دی جاتی ہے: میں اجازت دیتا ہوں کہ طلبہ ان سے فیضیاب ہوں اور ان سے پڑھیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسی دوسری قسم میں شامل ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ قرآن اِن چار آدمیوں سے سیکھو: عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: چند آدمیوں میں پائی جانے والی مشترک خوبی میں اگر کسی کا نام پہلے ذکر کیا جاوے تو یہ اس بات کی دلیل

ہے کہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ (ابن مسعود) جو تمہیں پڑھائے وہ پڑھو۔

حدیث کی سند اور اجازت ترمذی میں ہی یوں منقول ہے: **"قال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما حدثكم ابن مسعود فصدقوا"**، جب عبد اللہ بن مسعود کوئی حدیث بیان کرے تو تم اس کی تصدیق کیا کرو۔ (ملخصا از: عبداللہ ابن مسعود اور ان کی فقہ: ۹۲-۹۵)

آپؓ کا حلقۂ درس اور شاگردان

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کوفہ میں باقاعدہ فقہ، حدیث اور قرآن کی تعلیم دیتے تھے، آپ کی درسگاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں علقمہ، اسود، مسروق، عبیدہ، حارث، قاضی شریح اور ابووائل نہایت نامور ہوئے۔

علقمہ آپ کی صحبت میں اس قدر التزام سے رہے اور آپ کے طور وطریق کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان ہے: جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا، یہاں تک کہ علقمہ قرآن بھی بالکل آپ ہی کی طرح پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خبابؓ نے ان کے وسیع حلقۂ درس کو دیکھ کر کہا: ابوعبد الرحمٰن! کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی قرأت کر سکتے ہیں؟ بولے: اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں؛ حضرت خبابؓ نے کہا: کیوں نہیں، حضرت عبداللہؓ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے تقریباً پچاس

آیتیں ایک سورۃ کی پڑھ کر سنائی، حضرت عبداللہؓ نے حضرت خبابؓ کی طرف دیکھ کر کہا: کیا رائے ہے؟ انہوں نے بہت تعریف کی۔

اسرار الانوار میں ہے: ”کان ابن مسعود بالکوفة وله أربعة ألاف تلمیذ یتعلمون بین یدیه“، یعنی کوفہ میں ابنِ مسعود کے چار ہزار شاگرد تھے۔

علامہ نووی ”تہذیب الاسماء واللغات“ میں فرماتے ہیں: ”سمع عند خلائق لایحصون من کبار التابعین“، یعنی آپ سے اس قدر کبارِ تابعین نے استفادہ کیا ہے جس کو شمار نہیں کر سکتے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۰۴، عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۱۱۹)

تعلیم میں ترغیب

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طریقۂ تعلیم وترغیب بھی منقول ہے کہ جب صبح ہوتی تو لوگ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ان کے گھر آنے لگتے، یہ ان سے فرماتے: سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں، پھر ان لوگوں کے پاس سے گذرتے جنہیں قرآن پڑھا رہے ہوتے اور ان سے فرماتے: اے فلانے! تم کونسی سورت تک پہنچ گئے ہو؟ وہ اس سورت کی آیت بتاتا تو آپ اس سے آگے والی آیت اسے پڑھاتے، پھر فرماتے: اس آیت کو سیکھ لو، یہ تمہارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جو زمین وآسمان کے درمیان ہے اور کسی کاغذ پر صرف ایک آیت لکھی ہوا سے دیکھنا بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، پھر دوسری آیت پڑھاتے اور یہی ارشاد فرماتے اور سب لوگوں سے یہی بات کہتے۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۲۵۴ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۶۴)

معتقدین کا ہجوم

آپ کے پاس معتقدین کا بھی بڑا مجمع رہتا۔ عاشقین کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد میں حضرت عبداللہؓ کے انتظار میں رہتے۔

طارق بن شہاب کہتے ہیں: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گرد بیٹھتے اوران سے فیضیاب ہوتے۔ ایک روز ایک شخص "السلام یا أبا عبد الرحمٰن" کہتا ہوا تیزی سے اُس طرف سے گذرا، آپؓ نے جواب دیا: "صدق اللہ ورسولہ" یعنی خدااوراس کے رسول نے سچ فرمایا، یہ کہہ کر داخلِ حرم ہوئے۔ یہ جواب سن کر ہم تعجب میں پڑ گئے، مشورہ ہوا کہ جب وہ آئے تو کون ان کو اس سوال کے متعلق پوچھے گا؟ میں نے کہا: میں پوچھوں گا، غرض جب آئے تو میں نے اس کی بابت پوچھا، ارشادفرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ: خاص خاص آدمیوں کو سلام کرنا، تجارت کا ترقی کرنا، اعزہ کے ساتھ بدسلوکی، جھوٹی گواہی دینا اور حق کو چھپانا قربِ قیامت کی نشانی ہے۔

تلامذہ کے ساتھ شفقت اور حوصلہ افزائی

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تذکرہ کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے چند شاگردوں کو درس کی مجلس سے غیر حاضر پایا، پتہ چلا کہ ان کے کپڑے صاف نہ تھے تو آپ ایک ہی کپڑے میں جو معمولی تھا تین دن تک متواتر تشریف لاتے رہے؛ تا کہ وہ حضرات معمولی لباس پہن کر آنے میں اپنی توہین محسوس نہ کریں۔

(عبداللہ بن مسعودؓ اوران کی فقہ: ۱۳۷)

آپ اپنے طلبہ وتلامذہ کی بے حد حوصلہ افزائی فرماتے اوران کے ساتھ بے انتہا شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے ،اپنے مشہور شاگرد علقمہ بن قیس نخعی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: علقمہ کی معلومات سے میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔
(تیس پروانے شمعِ رسالت کے:۱۵۰)

عہدِ نبوت کی یاد

عہدِ نبوت کی یاد تازہ کرنے کے بھی بڑے شوقین تھے،کبھی اس شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک پرانی باتیں کرتے رہتے۔ وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ: میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازے سے "السلام علیکم" کی آواز بلند ہوئی، میں نے جواب دیا، باہر نکلا اور دیکھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے، میں نے کہا: ابوعبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کونسا وقت ہے؟ بولے: آج بعض مشاغل پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو خیال آیا کہ کسی سے باتیں کرکے عہدِ مقدس کی یاد تازہ کرلوں، غرض آپؓ بیٹھ کر عہد نبوت کی باتیں کرنے لگے اور دیر تک پُرلطف صحبت رہی۔

دل کی چوٹوں نے چین سے رہنے نہ دیا
جب بھی سرد ہوا چلی میں نے تجھے یاد کیا

بے مثال خطیب

آپ نہایت اعلیٰ درجے کے خطیب تھے، آپ کے خطبات ومواعظ میں ایجاز واختصار کے ساتھ بے مثال تاثیر ہوتی تھی، عبداللہ بن مرداس فرماتے ہیں

کہ: آپ ہر جمعرات کو ہمارے سامنے وعظ فرماتے، وعظ فرما کر جب خاموش ہوتے تو ہمارا دل چاہتا کہ آپ بولتے رہیں۔ کتبِ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ بعض موقعوں پر آپ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں خطبہ دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے اندازِ خطابت کی تحسین فرمائی ہیں۔

علامہ ابنِ عساکر نے حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختصر خطبہ دیا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے کہا: آپ خطبہ دیجیے، آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختصر خطبہ دیا اور بیٹھ گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا: آپ خطبہ دیجیے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے بھی مختصر خطبہ دیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور صاحب سے کہا: تم خطبہ دو، اس شخص نے متفرق باتیں کہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا: آپ خطبہ دیجیے، آپؓ نے حمد وثنا کے بعد کہا:

اے لوگو! بے شک اللہ رب العزت ہمارا مالک ہے، بے شک اسلام ہمارا دین ہے، بے شک قرآن ہمارا امام ہے اور بے شک کعبہ ہمارا قبلہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ ہمارے نبی اور رسول ہیں، اللہ اور اس کے رسول نے جو چیز پسند کی اس کو ہم نے پسند کیا، اور اللہ اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو ہمارے لیے مکروہ سمجھا ہم نے بھی وہ چیزیں مکروہ سمجھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خطبے کو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ابنِ امِ عبدؓ نے ٹھیک کہا ہے، ابنِ امِ عبد نے ٹھیک کہا ہے اور سچ کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے

لیےاور میری امت کے لیے پسند کیا وہ مجھے بھی پسند ہے، اور جو کچھ ابن امِ عبد نے پسند کیا وہ بھی مجھے پسند ہے اور جو کچھ اللہ نے میرے لیے اور میری امت کے لیے ناپسند کیا وہ مجھے بھی ناپسند ہے اور جو کچھ ابنِ امِ عبد نے ناپسند کیا وہ مجھے بھی ناپسند ہے۔

جواہر پارے

آپ اپنے خطبات ومواعظ میں بالعموم توحید، نماز باجماعت اور خوفِ خدا وفکرِ آخرت کی تلقین فرمایا کرتے تھے، آپ کے ارشادات کے چند فقرے ملاحظہ ہوں:

لوگو! جس نے دنیا کا ارادہ کیا اس نے آخرت کو نقصان پہنچایا، اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، تمہیں چاہیے کہ فانی کا خسارہ باقی کے لیے برداشت کرو۔

لوگو! جو دنیا میں ریا کرے گا اللہ اس کو قیامت کے دن ریا کاری کا بدلہ دے گا، جو دنیا میں شہرت کے لیے کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے کام کی شہرت کرائے گا (اور اس کے لیے جزا کچھ نہیں) اور جو عظمت وبڑائی کی خاطر بلندی اختیار کرتا ہے اللہ اس کو گرادے گا اور جس نے از راہِ خشوع تواضع اختیار کی اللہ اس کو سربلند کرے گا۔

بھائیو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، قرآن کے ساتھ چلو وہ جہاں تمہیں لے جائے، اور جو تمہارے پاس حق لائے اسے قبول کرو؛ اگرچہ لانے والا کتنا ہی غیر ہو اور تم کو اس سے دشمنی ہو، اور جو تمہارے پاس باطل کو لائے

اس کو رد کرو؛ اگر چہ وہ تمہارا کتنا ہی اچھا دوست اور قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔

لوگو! اگر میں کسی بات پر قسم کھالوں تو حانث نہ ہوں گا، جب اللہ نے دنیا میں کسی بندے کی پردہ پوشی کی تو آخرت میں بھی ضرور اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

غرض حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مواعظ اسی قسم کے بلیغ جملوں پر مشتمل ہوتے تھے، جناب طالب الہاشمی اس موقع سے تحریر فرماتے ہیں کہ: کتبِ حدیث وسیر سے یہ گہرہائے تابدار چنے جائیں تو ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہوسکتا ہے۔

ڈاکٹر حنیفہ رضی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں ایک باب آپ کے خطبات واقوال کے متعلق قائم کیا ہے جس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خطبات واقوال کا خوبصورت گلستاں سجا رکھا ہے۔ تفصیل وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (دیکھیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ: ۱۳۹-۱۷۰، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۷-۱۴۹)

خطیبوں کے لیے لمحۂ فکریہ

اس قدر مقبول واعظ اور بے مثال خطیب ہونے کے باوجود بہت کم منبرِ وعظ پر تشریف لے جاتے اور جو کچھ کہنا ہوتا اس کو نہایت مختصر صاف وسادہ دلچسپ اسلوب میں فرمادیتے؛ تاکہ سامعین اکتا نہ جائے۔

ایک مرتبہ وعظ سننے کے شوق میں معتقدین کا ہجوم اکٹھا تھا، یزید بن معاویہ نخعی نے آپ کو خبر دی، اس کے باوجود آپ نہایت تاخیر سے تشریف لائے اور فرمایا: صاحبو! مجھے معلوم ہے کہ آپ دیر سے میرا انتظار کررہے ہیں؛ لیکن میں اس ڈر

سے باہر نہیں آیا کہ کثرتِ بیان آپ کو تھکا نہ دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگوں کی تکلیف کے خیال سے کئی کئی دن ناغہ دے کر وعظ فرماتے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۰۶)

حضرت اعمش کہتے ہیں کہ: حضرت ابنِ مسعودؓ کا ایک آدمی پر گذر ہوا جو چند لوگوں میں بیٹھا وعظ کر رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا: اے وعظ ونصیحت کرنے والے! لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرنا۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۶۱)

علمِ تفسیر

آپؓ کو تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ تلاوتِ آیاتِ قرآنی پر خاص مہارت تھی، تفسیر وحدیث کی کتابوں میں بے شمار ایسی روایتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آپ کو علمِ قرآن کے ساتھ غیر معمولی حافظہ اور ذہنِ رسا بھی عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ یہ حدیث زیرِ بحث تھی کہ: جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا قیامت کے دن خدا اس پر غضبناک ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت تلاوت فرمائی: {إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمنا قليلا أولئک لا خلاق لهم في الآخرة} (بے شک جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفعِ قلیل حاصل کرتے ہیں اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی تفسیریں حدیث وتفسیر کی کتابوں میں بہ کثرت منقول ہیں۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۹۰)

اوصاف

سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ آسمانِ فضائل ومناقب کے مہر عالمتاب

تھے، سبقت فی الاسلام، تحملِ شدائد، حبِ رسول، شوقِ جہاد، شغفِ قرآن، تبحرِ علم، اتقاء، حلم وانکسار، غیرت واستغنا اور تفقہ فی الدین ان کے صحیفۂ حیات کے نمایاں ابواب ہیں، انہوں نے اس وقت لوائے توحید کو تھاما جب مشرکینِ قریش اہلِ حق کے خون کے پیاسے تھے، مدتوں راہِ حق میں طرح طرح کے روح فرسا مظالم سہتے رہے؛ یہاں تک کہ وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ کر حبش کی غریب الوطنی اختیار کی، حبش سے مدینہ آئے تو بدر سے تبوک تک ہر موقع پر اپنے اخلاق وکردار اور شجاعت وجاں بازی کے جوہر دکھائے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ امن ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، خلوت ہو یا جلوت اکثر بارگاہِ نبوت میں حاضر رہتے تھے۔ اس طرح ایک طرف تو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے تھے اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والہانہ خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

طبقات ابنِ سعد میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہدِ خلافت میں کوفہ پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چند دیرینہ احباب سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بہ یک زبان عرض کیا: امیر المؤمنین! ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کوئی صاحبِ تقویٰ، مہمان نواز، حلیم الطبع، خوش خلق اور بہترین دوست نہیں دیکھا، حضرت علیؓ نے پوچھا: کیا یہ باتیں تم سچے دل سے کہتے ہو؟ بولے: ہاں امیر المؤمنین! یہ سب کچھ بالکل سچ ہے، فرمایا: تم نے عبداللہ بن مسعود کے بارے میں جو کہا میں ان کو اس سے بھی بہتر سمجھتا ہوں۔

(تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۵۰-۱۵۱)

عبادت وخشیت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار اگرچہ مقربانِ بارگاہِ رسالت میں ہوتا تھا اور خود آپ لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی بار اپنی مغفرت وجنت کی بشارت سن چکے تھے؛لیکن اس کے باوجود خشیتِ الٰہی سے ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا عرض نشان سے

فرمایا کرتے تھے کہ: اگر مجھ کو جنت اور دوزخ کے متعلق اختیار دے دیا جائے کہ ان میں سے اپنے لیے جس کو چاہو پسند کرلو یا راکھ ہوجاؤ،تو میں راکھ ہوجانا پسند کروں گا تاکہ مجھ سے میرے اعمال کی پرسش نہ ہو۔

کبھی کبھار اپنے شاگردوں سے فرماتے: اگر تم میرے بارے میں وہ سب کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں تو میرے سر پر خاک ڈال کر بھاگ جانا پسند کرتے۔

مسروق فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ: میں صرف یہ نہیں چاہتا کہ ''اصحاب الیمین'' میں سے ہوجاؤں؛ بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ مقربین میں میرا نام آجائے، اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لیکن یہاں ایک آدمی ہے جس کی دلی تمنا صرف یہ ہے کہ وہ جب مرجائے تو کاش دوبارہ اٹھایا ہی نہ جائے۔

حضرت زید بن وہب فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب روتے تو اتنے آنسو بہاتے کہ آنسوؤں سے پورا ہاتھ تر ہوجاتا۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ مرض الوفات میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بہ کثرت روتے تھے، شاگردوں نے پوچھا: حضرت! کیا بات ہے؟ اس قدر آہ وزاری کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: موت سر پر کھڑی ہے اور میں غفلت میں پڑا رہا۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۹، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۱۲)

ابنِ سعد نے آپ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کاش! میں مرنے کے بعد اٹھایا نہ جاتا۔ اکثر یہ فرمایا کرتے کہ علم روایات کی کثرت کا نام نہیں؛ بلکہ علم خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کا دوسرا نام ہے۔

نماز وروزہ

اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے، نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے، رمضان کے علاوہ ہر دوشنبہ، جمعرات اور عاشورہ کے دن کے روزے رکھتے تھے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ ان کی ساری رات تلاوتِ قرآن میں گذر جاتی۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے تھے، خود ہی نہیں؛ بلکہ اپنے تمام اہلِ خانہ کو بھی صبح سویرے بیدار کر دیتے تھے، اور سارا گھر عبادت میں مشغول ہوجاتا، نمازیں جماعت کے ساتھ اور وقت پر پڑھنے کے سخت پابند تھے۔

صحابہ وتابعین کے یہاں روزہ رکھنے کا رواج بہت تھا، مگر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روزے سے زیادہ نماز کی طرف رغبت رکھتے تھے۔ عبد الرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے زمانہ کے اہلِ علم اور فقہا میں سب سے کم روزہ

رکھنے والا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پایا۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ: آپ اوروں کے مقابلے میں بہ کثرت روزے کیوں نہیں رکھتے؟ فرمانے لگے: میں روزے کے مقابلے میں نماز کو پسند کرتا ہوں اور جب میں روزہ رکھتا ہوں تو نفل نماز میں ضعف وکمزوری آجاتی ہے؛ اس لیے میں صرف مسنون روزوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ نماز بھی ایسی پڑھتے تھے جس کو حقیقی نماز کہا جائے، فرمایا کرتے تھے کہ: جس کسی کو نماز بھلائیوں پر آمادہ نہ کرے برائیوں سے نہ روکے تو سمجھو کہ اس کی نماز اس کو اللہ سے دور کر رہی ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ: جب تک تم نماز میں رہتے ہو بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہو اور جو بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، اس کے لیے وہ کھولا جاتا ہے۔ چاشت کی نماز کے اس قدر پابند تھے کہ خود فرماتے ہیں: اسلام لانے کے بعد کوئی دن ایسا نہیں گیا جب میں چاشت یا تہجد کی نماز چھوڑ کر سوتا رہا ہوں۔

تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام

تکبیرِ اولیٰ کا بھی بڑا اہتمام کرتے، ایک مرتبہ مسجد جانے کے لیے گھر سے نکلے اور تیز تیز چلنے لگے، کسی نے ان سے کہا: آپ تو اس طرح چلنے سے منع کرتے ہیں اور خود اس طرح چل رہے ہیں، فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ مجھے نماز کا ابتدائی کنارہ یعنی تکبیرِ اولیٰ مل جائے۔

تہجد وشب بیداری

ایک مرتبہ ایسے ہی موقع سے فرمایا: جن چیزوں کی طرف تم تیزی سے چلتے ہو

کیا ان میں نماز اس کی سب سے زیادہ حقدار نہیں ہے!۔ تہجد کے بے انتہا پابند اور عاشقِ زار تھے۔

محارب بن دثار اپنے عمِ محترم محمد سے نقل کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں تہجد کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس سے گذرا تو وہ ہاتھ اٹھا کر رب سے راز و نیاز میں مشغول تھے، کہہ رہے تھے کہ: اے اللہ! تو نے بلایا میں حاضر ہو گیا، تو نے حکم دیا میں نے تعمیل کر لی، یہ تہجد کا مبارک وقت ہے، میری مغفرت فرما۔ صبح میں نے ان سے تذکرہ کیا تو فرمانے لگے کہ: تہجد کا وقت بڑا با برکت ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لیے دعا کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا: {سوف استغفر لکم} تو اس کے لیے تہجد کے وقت کا ہی انتخاب فرمایا تھا۔

(تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۸-۱۸۱، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۹، حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۱۲۶)

آپ کے مایۂ ناز شاگرد حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابنِ مسعودؓ کے ساتھ ایک رات گذاری، شروع رات میں وہ سو گئے، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور قرآن ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھ رہے تھے گویا محلے کا امام فرض نماز میں پڑھتا ہو، ہاں! گانے جیسی آواز نہ تھی اور اتنی اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے کہ آس پاس والے سن سکے، آواز کو گھما نہیں رہے تھے، جب صبح صادق میں اتنا وقت رہ گیا جتنا مغرب کی اذان سے لے کر نمازِ مغرب کے ختم ہونے تک کا ہوتا ہے تو پھر انھوں نے وتر کی نماز پڑھی۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۱۶۸ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۶۰)

عبد اللہ بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ: رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محوِ راحت ہوتی تھی اُس وقت سے لے کر صبح تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شبِ قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں۔

ابو عقرب کہتے ہیں کہ: میں رمضان میں ایک روز علی الصباح ان کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرمارہے ہیں: خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا، میں نے پوچھا: کیا کہا؟ بولے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ: لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی، چناں چہ آج میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

تسبیح وذکر

ابو وائل کہتے ہیں کہ: ایک دن ہم صبح کی نماز پڑھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی؛ لیکن ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے کہ اتنے میں لونڈی نے آکر کہا: آتے کیوں نہیں؟ ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے، فرمانے لگے: اجازت ملنے کے بعد آپ کو اندر آنے سے کس نے روکا؟ ہم نے کہا: کسی نے نہیں، خیال ہوا کہ ممکن ہے بعض اہلِ بیت سو رہے ہوں، فرمانے لگے: ابنِ امِ عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے۔ جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا

ہے تو لونڈی سے کہا: دیکھو! آفتاب طلوع ہوا؟ اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، پھر تھوڑی دیر بعد لونڈی سے کہا: دیکھو! آفتاب طلوع ہوا؟ اس نے جا کر دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا، خبر دی گئی تو پھر یہ دعا پڑھی: اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا۔ مہدی راوی کہتے ہیں کہ: میرے خیال میں یہ بھی کہا تھا: اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم کو ہلاک نہیں کیا۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۰۹-۳۱۰)

اوابین

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ: ایک وقت ایسا ہے جس میں جب بھی میں حضرت ابنِ مسعودؓ کے پاس گیا انہیں نماز پڑھتے ہوئے ہی پایا اور وہ ہے مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت، میں نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ: ایک وقت ایسا ہے جس میں جب بھی آتا ہوں تو آپ کو نماز پڑھتے ہوئے پاتا ہوں، انہوں نے فرمایا کہ: یہ فرصت کا وقت ہے، یا یہ غفلت کی گھڑی ہے، اس وقت لوگ کھانے پینے وغیرہ میں لگ جاتے ہیں اور اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں؛ اس لیے میں غفلت کی اس گھڑی میں عبادت کرتا ہوں۔ حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ: حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا: غفلت کی گھڑی یعنی مغرب اور عشا کے درمیان نفل پڑھنا بہترین عمل ہے۔ (حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۱۷۱ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۶۰)

مسنون دعاؤں کا اہتمام

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ موقع محل کی مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام کرتے

تھے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ: جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ”اللھم رب السمٰوٰت وما أظلت رب الشیاطین وما اضلت ورب الریاح وما أذرت أسئلک خیرھا وخیر ما فیھا وأعوذ بک من شرھا وشر مافیھا“، (اے اللہ! جو کہ تمام آسمانوں کا اور جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے ان تمام چیزوں کا رب ہے جو کہ شیطانوں کا اور جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے ان سب کا رب ہے، اور جو کہ ہواؤں کا اور ان تمام چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑایا ہے، میں تجھ سے اس بستی کی خیر اور جو کچھ اس بستی میں ہے ان سب کی خیر مانگتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو کچھ اس بستی میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۲۱۳ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۷۲)

آپ کی اہلیہ حضرت زینبؓ فرماتی ہیں کہ: ایک روز عبد اللہ کھنکھارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بوڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی، میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا، عبد اللہ آ کر میرے پاس بیٹھ گئے اور گلے کی طرف دیکھ کر کہا کہ: یہ دھاگہ کیا ہے؟ میں نے کہا: تعویذ ہے، انہوں نے اس کو توڑ کر پھینک دیا اور کہا: عبد اللہ کا خاندان شرک سے بَری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا تھا تعویذ و گنڈے شرک میں داخل ہے، میں نے کہا: آپ یہ کیا فرماتے ہیں، میری آنکھیں جوش کر آتی تھیں تو میں فلاں یہودی سے تعویذ لینے جایا کرتی تھی اور اس کے تعویذ سے سکون ہو جاتا تھا، بولے: یہ سب عمل شیطانی ہے، شیطان تمہاری آنکھ پر انگلی سے کونچیں مارتا تھا جس سے آنکھ دکھنے لگتی تھی، جب

یہودی دم کرتا تھا تو وہ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیتا تھا جس سے آنکھ ٹھیک ہوجاتی، تمہارے لیے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا کافی ہے: "اذهب البأس رب الناس اشف وأنت الشافي لا شفاء إلا شفاء ك شفاء لايغادر سقما"، (خوف دور کر اے پروردگار! شفا دے، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے سوا کوئی شفا نہیں، وہ شفا ایسی ہے جو کسی بیمار کو نہیں چھوڑتی)۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۳۱۱-۳۱۲)

اتباعِ سنت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر کام میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس طرح وہ محاسنِ اخلاق کا ایک مثالی پیکرِ جمیل بن گئے تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے، آپ نے لوگوں سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت مجلس کے دروازے پر پہنچ چکے تھے، یہ سنتے ہی وہیں بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عبداللہ! اندر آجاؤ۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۳، طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۰۸، کاروانِ جنت: ۴۹-۵۰، فرسان النہار: ۴/ ۲۴)

جامعِ ترمذی میں عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم صاحب السرّ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ: ہمیں کسی ایسے شخص کا پتہ دیجیے جو جسمانی ساخت اور روحانی ہدایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہو تاکہ ہم اس سے کسبِ فیض کریں۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے سب سے

زیادہ پابند ہیں اور جو اصحابِ رسول اللہ اس وقت موجود ہیں ان کو علم ہے کہ بارگاہِ رسالت میں تقرّب کے لحاظ سے ابنِ امِ عبد کا درجہ سب سے بلند ہے۔

امام بخاریؒ نے ان ہی حضرت حذیفہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "إن اشبة الناس دلا وسمتا وهديا برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لابن ام عبد من حين يخرج من بيته إلىٰ أن يرجع والله لا ندري ما يصنع في أهله إذا خلا"، یعنی چال ڈھال، طور وطریق اور سیرت کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے جلتے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، گھر سے نکلنے سے لے کر واپس آنے تک تو یہی حال ہے، گھر کے اندرونی حالات کا ہمیں علم نہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ آپ کے شاگرد علقمہ ہو بہو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشابہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "أحسن الهدي محمد صلى الله عليه وآله وسلم وشر الأمور محدثاتها"، بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے اور بدترین کام بدعتیں ہیں۔

سنت چھوڑنے کو آپ نہایت خطرناک عمل سمجھتے تھے، چناں چہ آپ فرمایا کرتے تھے: پانچ وقت مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کیا کرو، جہاں تم کو اذان کے ذریعے بلایا جائے، جماعت سے نماز پڑھنا ہدایت کا طریقہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان ہدایت کے طریقوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شریعت بنا دیا ہے۔ ہم صحابہ یہ دیکھتے تھے کہ بجز منافق کے کوئی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا، بیمار آدمی بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد پہنچتا تھا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا، تم

میں سے ایسا کوئی نہیں جس کے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ نہ ہو، اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے اور مسجد نہ آؤ گے تو اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۵۰، کاروانِ جنت: ۵۰، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۴، عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ: ۱۳۱-۱۳۳)

بدعات سے نفرت

حضرت ابوالبختری کہتے ہیں کہ: ایک آدمی نے حضرت ابن مسعودؓ کو بتایا کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد سے مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں ایک آدمی وہ ہے جو کہہ رہا ہے: اتنی مرتبہ اللہ اکبر، اتنی مرتبہ سبحان اللہ اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو، آپ نے پوچھا: کیا لوگ پڑھتے ہیں؟ کہا: ہاں، فرمایا: آئندہ دیکھو تو مجھے بتلانا (چناں چہ اس نے آکر کہا) آپ ٹوپی والا جبّہ والا پہنے ہوئے ان کے پاس گئے اور بہ آوازِ بلند کہا: جو مجھے جانتا ہے وہ تو مجھے جانتا ہی ہے اور نہیں جانتا تو جان لے کہ میں ابنِ مسعود ہوں، اُس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں، تم نے اس بدعت کو لا کر بڑا ظلم کیا، کیا تم صحابہؓ سے علم میں آگے بڑھ گئے؟ کیا تم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو؟ یا تم نے گمراہی کی دم پکڑ رکھی ہے، افسوس! تم لوگ کتنے جلدی بدل گئے؛ حالاں کہ صحابہ ابھی زندہ ہیں اور حضور کی بیویاں ابھی جوان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے اور برتن ابھی اپنی اصلی حالت پر ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تم اپنی برائیاں گنو، میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اللہ تمہاری نیکیاں گننے لگیں گے، اس پر عمر بن عتبہ نے کھڑے ہو کر کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم

اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور اس کام سے توبہ کرتے ہیں، آپ نے جواب میں فرمایا: تم صحیح راستے پر چلتے رہو؛ بلکہ اس سے ہی چمٹے رہو، اللہ کی قسم! اگر تم ایسا کروگے تو بہت آگے نکل جاؤگے اور راستے سے ہٹ کر دائیں بائیں ہو جاؤگے تو بہت زیادہ بھٹک جاؤگے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۶۴-۶۷)

مہمانوں کا اکرام

آپ مہمانوں کا بے حد اکرام کرتے تھے، اس کا ہر ممکن خیال کرتے تھے، آپ نے کوفہ میں مقامِ رمادہ کا اپنا مکان اس لیے خالی کر دیا تھا کہ وہاں مہمانوں کو ٹھہرا کر ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔

صبر واستغناء اور احتساب

مصائب پر صبر اور ثواب کی امید رکھنا حضرت عبداللہ نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خوب سیکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب آپ کو اپنے بھائی عتبہ کے انتقال کی خبر ملی تو رونے لگے، کسی نے آپ سے کہا: کیا آپ رو رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! میں رو رہا ہوں، وہ نسب میں میرے بھائی تھے، اور ہم دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اکٹھے رہے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں ان سے پہلے مرتا؛ بلکہ ان کا پہلے انتقال ہوا اور میں صبر کروں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھوں، یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں پہلے مروں اور میرے بھائی صبر کر کے اللہ سے ثواب کی امید رکھیں۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۹۴ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۴۶)

آپ کے صبر واستغنا کا یہ عالم تھا کہ حضرت عثمانؓ نے دو سال تک آپ کا

وظیفہ (پانچ ہزار سالانہ) بند رکھا؛ لیکن آپ نے آخری عمر تک اس کی واگذاری کی درخواست نہ کی، اور بڑے صبر واستغنا کے ساتھ اپنا وقت گذارتے رہے، وفات کے قریب حضرت عثمانؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ: کیا آپ کا وظیفہ دوبارہ جاری کر دیا جائے؟ تو آپ نے بڑی بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۵۱)

اعتدال

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ زاہدِ خشک اور عابدِ بے علم نہ تھے، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تربیت یافتہ فقیہ تھے، نماز سے حد درجہ شغف اور بے انتہا عشق ہونے کے باوجود جب کسی کو بے وجہ کی حدود وقیود کا پابند دیکھتے تو اس پر نکیر فرماتے، شریعت کی حدود سے تجاوز کو ناپسند فرماتے تھے۔

حضرت مرہ ہمدانی کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں مسجدِ کوفہ کے ستون کے پاس دو رکعت نماز پڑھوں گا، چناں چہ میں نماز پڑھنے لگا، اتنے میں ابنِ مسعود آ گئے، میں اپنی یہ نیت وعمل سناؤں اتنے میں ایک آدمی نے سارا ماجرا کہہ سنایا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اگر اس کو یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ سب سے قریبی ستون کے پاس بھی ہیں تو وہ نماز پوری کرنے تک اس ستون سے آگے نہ بڑھتا یعنی مسجد کے باہر ستون کے پاس نماز پڑھنا کوئی خاص ثواب کا کام نہیں، ثواب میں نماز کے سارے ستون برابر ہیں۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۱۳۶ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۵۸)

خانگی زندگی اور تربیتِ اولاد

خانگی زندگی بھی نہایت خوشگوار تھی، بیوی بچوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہمیشہ کھنکارتے تھے یا بلند آواز سے کچھ بولتے تھے؛ تاکہ اہلِ خانہ باخبر ہوجائیں، اہلِ خانہ کو قرآن اور دینی مسائل کی تعلیم دینے کا خاص التزام تھا، اس کے ساتھ ہی وہ ان سے احکامِ دین کی پابندی بھی کراتے تھے، فرمایا کرتے تھے: ان شاء اللہ لوگ ابنِ امِ عبد کی اولاد کو دین سے غافل نہیں پائیں گے۔

آپ کے صاحبزادے ابوعبیدہ کا یہ حال تھا کہ ہو بہو اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرح نماز پڑھتے تھے، جب قیام میں ہوتے تو اس طرح سکون واطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے ہوتے کہ ایک عضو ہلتا ہوا نظر نہ آتا تھا۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۵۱، عبداللہ بن مسعود اوران کی فقہ: ۱۲۲)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

تلخ نوائی کو میرے چمن میں گوارا کر	زہر بھی کرتا ہے کبھی کارِ تریاقی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے ٹوکنے میں کسی قسم کی مداہنت نہ فرماتے تھے۔

مسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ: ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والئ کوفہ کو مسجد پہنچنے میں دیر ہوگئی، حضرت عبداللہؓ نے ان کا انتظار کیے بغیر ہی وقت پر نماز پڑھا دی، ولید نے برہم ہوکر ان سے جواب طلبی کی، تو فرمایا: اللہ کو یہ بات پسند نہیں کہ تم اپنے

کاموں میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارا انتظار کرتے رہیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ: عہدِ فاروقی میں ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو اس بات پر ٹوکا کہ تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے تھا، اس نے جواب میں کہا: ابنِ مسعود! تم بھی تہہ بند اوپر کر کے باندھو، انہوں نے فرمایا: بھائی میں معذور ہوں؛ کیوں کہ میری ٹانگیں بہت پتلی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سنا تو اس شخص کو بلا کر درّے لگوائے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسی شخصیت سے منہ زوری کرتا ہے۔

حضرت منذر کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ کچھ چودھری صاحبان حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی موٹی موٹی گردنیں اور جسمانی صحت دیکھ کر لوگ تعجب کرنے لگے، اس پر آپ نے فرمایا: تمہیں بعض کافر ایسے ملیں گے جن کی جسمانی صحت سب سے زیادہ اچھی ہوگی؛ لیکن ان کے دل سب سے زیادہ بیمار ہوں گے، اور تمہیں بعض مؤمن ایسے ملیں گے جن کے دل سب سے زیادہ تندرست ہوں گے؛ لیکن ان کے جسم سب سے زیادہ بیمار ہوں گے، اللہ کی قسم! اگر تمہارے دل تو بیمار ہوں (ان میں کفر شرک کی بیماریاں ہوں) لیکن تمہارے جسم خوب صحت مند ہوں تو اللہ کی نگاہ میں تمہارا درجہ گندگی کے کیڑے سے بھی کم ہوگا۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۴۹ - ۱۵۲، حلیۃ الاولیا: ۱/ ۱۳۵ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے سو قصے: ۲۸)

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ایک بیمار کی عیادت کرنے گئے ان کے

ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے، گھر میں ایک عورت تھی جسے آپ کا ایک ساتھی دیکھنے لگا، حضرت عبداللہؓ نے اسے ٹوکتے ہوئے فرمایا: اگر تیری آنکھ پھوٹ جاتی تو یہ تیرے لیے (نامحرم کو دیکھنے سے) زیادہ بہتر تھا۔

(الادب المفرد: ۷۸۰ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۴۵)

خود تو امیر کی مخالفت سے بچتے تھے اوروں کو بچنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے: لوگو! اپنے امیر کی بات ماننا اور آپس میں اکٹھے رہنا اپنے لیے ضروری سمجھو؛ کیوں کہ یہی چیز اللہ کی وہ رسّی ہے جس کو مضبوطی سے تھامنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور آپس میں مل جل کر چلنے میں جو ناگوار باتیں تمھیں پیش آئیں گی وہ تمھاری اپنی پسندیدہ باتوں سے بہتر ہیں جو تم کو الگ چلنے میں حاصل ہوں گی۔

(حیاۃ الصحابہ: ۲/ ۱۸ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۲۲)

تواضع وانکساری

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دینی ودنیوی رتبوں سے سرفراز ہونے کے باوجود ہمیشہ فروتنی وعاجزی کا مظاہرہ فرماتے تھے، شیوخ کی طرح شاگردوں کا اپنے پیچھے چلنا گوارا نہ تھا۔ حبیب بن ثابت فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے گھر سے نکلے تو شاگردوں عقیدت مندوں کا ہجوم بھی پیچھے پیچھے چل پڑا، آپ نے پلٹ کر پوچھا: کیا تم لوگوں کو کوئی ضرورت ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں؛ لیکن ہم تمہارے پیچھے چلنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں، فرمایا: جاؤ اپنا اپنا کام کرو، اس طرح پیچھے پیچھے چلنا تابع کے لیے ذلّت اور متبوع کے لیے فتنہ کا ذریعہ ہے۔

اسی تواضع کا شاہد طبرانی کا مندرجۂ ذیل واقعہ بھی ہے: ایک مرتبہ آپ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے، وہاں نماز کا وقت ہوگیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! آگے بڑھو؛ اس لیے کہ آپ عمر میں بھی زیادہ ہے اور علم میں بھی، حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: نہیں آپ آگے بڑھیں؛ کیوں کہ ہم آپ کے پاس آپ کے گھر آئے ہیں؛ اس لیے آپ زیادہ حقدار ہیں۔

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: اے ابوموسیٰ! آپ جانتے ہیں کہ یہ بات سنت میں سے ہے کہ گھر والا (نماز پڑھانے کے لیے) آگے بڑھے؛ لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بھی آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور بالآخر دونوں میں سے کسی ایک کے غلام نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۱۵۴ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۵۹)

زہد اور بے رغبتی

احوص جُشَمی فرماتے ہیں کہ: ہم ابنِ مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس ان کے بیٹے بھی تھے، تین خوبصورت بچے گویا کہ وہ دینار کی طرح خوبصورت تھے، ہم ان کو (بچوں) دیکھ کر تعجب کرنے لگے، ابنِ مسعود نے ہم سے کہا: گویا کہ تم ان بچوں کی وجہ سے مجھ پر رشک کرتے ہو؟ ہم نے کہا: بہ خدا! ان جیسے بچوں کو دیکھ کر ہر مسلمان آپ پر رشک کرے گا، پھر انہوں نے اپنا سر اپنے چھوٹے سے گھر کی چھت کی طرف اٹھایا کہ جس کے اندر کسی پرندہ نے گھونسلا بنا

رکھا تھا، اور اس میں انڈے بھی دے رکھے تھے۔ پھر حضرت عبداللہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ان کی قبروں کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے جھڑکوں اس کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ یہ پرندہ اپنا گھونسلا بنائے اور پھر اپنے انڈوں کو توڑ دے۔

قیس بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: دو پسندیدہ چیزیں کیا ہی بہترین ہیں: موت اور فقر، اور بہ خدا! یہ نہیں ہے؛ مگر مالداری اور تنگ دستی، اور مجھے کوئی پروانہیں کہ میں ان دونوں میں سے کسی میں بھی مبتلا ہو جاؤں، ان دونوں میں سے ہر ایک میں اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہے، پھر اگر مالداری حاصل ہو تو ہر ایک کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا معاملہ ہو اور اگر تنگ دستی ہو تو اس میں صبر ہونا چاہیے۔

حضرت حسینؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: مجھے کوئی پروانہیں اس بات کی کہ جب میں گھر لوٹوں تو اپنے گھر والوں کو کون سی حالت پر پاؤں، اچھی حالت میں یا بری حالت میں یا مصیبت میں، اور میں نے جس حالت میں بھی صبح کی تو میں نے یہی تمنا کی کہ اس سے بہتر حالت میں ہوں۔

تمیم بن حذیم کا بیان ہے کہ: مجھ کو اکثر اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا؛ مگر میں نے دنیا سے بے نیازی وطلبِ آخرت کے معاملے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے: جو آخرت کو مقصود بناتا ہے وہ دنیا کے نقصان

کی پروانہیں کرتا اور جو دنیا کو مقصود بناتا ہے وہ آخرت کا ضرور نقصان کرتا ہے، اے میری قوم! تم باقی (آخرت) کے لیے فانی (دنیا) کو پسِ پشت ڈال دو۔

جب بھی کبھی آخرت اور جزاوسزا کا ذکر آتا آپ بے اختیار ہوجاتے اور اس قدر روتے کہ آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ آپ کی کثرتِ بکا اور آہ وزاری کے متعلق زید بن وہب فرماتے ہیں کہ: ”رأيت بعيني عبد الله أثرين أسودين من البكاء“، آپ کی آنکھوں پر رونے کی کثرت سے دو سیاہ نشان میں نے دیکھے۔

(صفۃ الصفوۃ:۱/ ۱۷۹)

امانت ودیانت

ذاتی حیثیت سے حضرت ابن مسعود زہد وبے نیازی کی اقلیم کے بے تاج بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت کو آپ ٹھکرا دیتے؛ لیکن قومی سرمائے کے تحفظ میں کسی کی بھی رعایت نہیں۔ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ والیٔ کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادانہ کرسکے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مہتمم بیت المال کی حیثیت سے ان سے سخت تقاضا شروع کیا، ایک دن تلخ کلامی کی نوبت پیش آگئی، حضرت سعد بن ابی وقاص نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! اور چوں کہ وہ مستجاب الدعوات مشہور تھے؛ اس لیے حضرت ابنِ مسعودؓ نے خوف زدہ ہوکر کہا: دیکھو! میرے لیے بددعا مت کرنا، بولے: خدا کی قسم! خوفِ خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے سخت بددعا کردیتا۔ حضرت عبداللہؓ نے

یہ دیکھا تو وہاں سے باہر نکل آئے، اس کی خبر جب حضرت عثمانؓ کو پہنچی تو سخت ناراض ہوئے اور سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہ بھی اس ناراضگی سے مستثنیٰ نہ تھے؛ تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدے پر برقرار رہے۔(سیر الصحابہ:۲ / ۲۸۲)

آبادی سے وحشت

حضرت عدسہ طائی کہتے ہیں کہ: میں مقامِ سرف میں تھا کہ حضرت عبداللہ ہمارے ہاں تشریف فرما ہوئے، میرے گھر والوں نے مجھے کچھ چیزیں دے کران کی خدمت میں بھیجا، مزید برآں ہمارے جو غلام اونٹوں کی خدمت پر مامور تھے وہ چار دن کی مسافت سے ایک پرندہ پکڑ کر لائے تھے وہ پرندہ بھی آپ کی خدمت میں لے گیا، آپ نے پوچھا: تم یہ پرندہ کہاں سے لائے؟ میں نے عرض کیا: میرے چند غلام اونٹوں کی خدمت پر مامور ہے وہ چار دن کے مسافت سے یہ پرندہ شکار کر کے لائے ہیں، یہ سن کر حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ جہاں سے شکار کر کے لایا گیا ہے وہاں تنہا رہوں نہ میں کسی سے کسی معاملے میں بات کروں اور نہ کوئی مجھ سے بات کرے، یہاں تک کہ میں اللہ تعالیٰ سے جاملوں۔

سانپ کو مارنا

حضرت ابوالاحوص حیثمیؒ کہتے ہیں کہ: ایک دن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرما رہے تھے کہ: اتنے میں انہیں دیوار پر سانپ چلتا ہوا نظر آیا، انہوں نے بیان

چھوڑ کر چھڑی سے اسے اتنا مارا کہ وہ مر گیا پھر فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی سانپ کو مارا تو گویا اس نے ایسے مشرک کو مارا جس کا خون بہانا حلال ہو گیا ہو۔

(مسندِ احمد: ۱/۴۲۱ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۵۲)

بشارتِ جنت

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ عرفات کے میدان میں حضرت عمر کے پاس ایک کوفی آیا اور کہنے لگا کہ: اے امیر المؤمنین! میں کوفہ سے آیا ہوں، وہاں ایک آدمی ہے جو قرآن میں دیکھے بغیر زبانی اس کا املا کرواتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہوگئے اور رگیں پھول گئیں، چہرہ سرخ ہوگیا، اسی شدتِ غضب میں پوچھا: وہ بدبخت کون ہے؟ اس نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، یہ سنتے ہی سارا غصہ کافور ہوگیا اور چشم زدن میں دوبارہ اپنی پرانی حالت پر آگئے، پھر شکایت کرنے والے کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ لوگوں میں دینی مسائل بتانے میں ان سے زیادہ کوئی حقدار ہو، پھر کہا: سن میں تجھے ایک حدیث سناتا ہوں:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ رات کو مسلمانوں کے مختلف امور میں حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ کرتے تھے، ایک رات آپ اسی تعلق سے گفتگو فرما رہے تھے اُس رات میں بھی موجود تھا، اختتامِ مجلس کے بعد ہم لوگ باہر نکلے تو ایک صاحب کو نماز میں سورۂ نسا کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، ہم نے ان صاحب کو پہچان لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کھڑے رہ کر سنتے رہے، پھر ارشاد فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ قرآنِ کریم کو اسی طرح تر وتازہ اور عمدہ پڑھے جیسا وہ نازل ہوا تھا تو اس کو چاہیے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے پڑھنے کی طرح پڑھے۔ اسی اثنا میں عبد اللہ نے نماز ہی میں دعا مانگنا شروع کیا، یہ دیکھ کر اِدھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مانگو، مانگو جو مانگو گے مل جائے گا، اور اُدھر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی زبان سے نکلا: اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد ارتداد نہ آئے، ایسی نعمتیں مانگتا ہوں جو منقطع نہ ہونے پائیں اور جنت الخلد کے اعلیٰ مقام میں تیرے نبی کی رفاقت مانگتا ہوں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے سوچا کہ صبح سب سے پہلے میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو یہ بشارت سناؤں گا؛ مگر جب میں صبح پہنچا تو دیکھا کہ ابو بکر مجھ سے پہلے یہ بشارت سنا چکے ہیں، دل بے ساختہ پکار اٹھا کہ خیر کا کوئی کام ایسا نہیں جس کو میں نے کرنے کا ارادہ کیا اور ابو بکر مجھ سے پہلے نہ کر چکے ہو۔

صاحبِ مشکوٰۃ اپنی کتاب ''الاکمال فی اسماء الرجال'' میں لکھتے ہیں: ''... **... وشھد له رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالجنة**''، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بہشتی ہونے کی گواہی دی ہے۔ (کاروانِ جنت: ۵۲-۵۳، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت عبد اللہؓ کو نصیحتیں

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لائے اور تین مرتبہ فرمایا: ابنِ مسعود! میں نے بھی جواب میں تین مرتبہ کہا: لبیک یا رسول اللہ! پھر فرمایا: تم جانتے ہو لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ میں

نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے عمل سب سے اچھے ہوں بشرطیکہ اسے دین کی سمجھ حاصل ہو جائے۔ پھر پوچھا: تم جانتے ہو لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ میں نے پھر وہی جواب دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو وہ (حالات سے متاثر نہ ہو بلکہ) اس موقع پر اس کی سب سے زیادہ نگاہ حق پر ہو چاہے وہ عمل میں کچھ کم ہو اور اگرچہ وہ سرین کے بل گھسیٹ کر چلتا ہو، مجھ سے پہلے جو لوگ تھے ان کے بہتّر فرقے بن گئے تھے ان میں سے صرف تین فرقوں کو نجات ملی اور باقی ہلاک ہو گئے۔

ایک تو وہ فرقہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کے دین اور اپنے دین کی وجہ سے بادشاہوں کا مقابلہ کیا، بادشاہوں نے ان کو پکڑ کر قتل کر ڈالا اور آروں سے چیر کر ٹکڑے کر دیے۔

دوسرا وہ جن میں بادشاہوں سے مقابلہ کی سکت نہ تھی اور نہ ان میں رہ کر حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کے دین کی دعوت دینے کی ہمت تھی تو وہ لوگ مختلف علاقوں کی طرف نکل پڑے اور رہبانیت اختیار کر لی، ان ہی کے بارے میں اللہ نے فرمایا: {رهبانية ابتدعوها إلخ} اور انہوں نے رہبانیت کو خود ایجاد کر لیا، ہم نے اس کو ان پر واجب نہ کیا تھا؛ لیکن انہوں نے اللہ کی رضا کے لیے اختیار کیا پس اس کی رہبانیت کی پوری رعایت نہ کی۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایمان لائے میری تصدیق کرے اور

میرا اتباع کرے وہ اس رہبانیت کی پوری رعایت کرنے والا شمار ہوگا اور جو میرا اتباع نہ کریں یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

اور ایک روایت ہے کہ ایک فرقہ جابر بادشاہوں کے پاس ٹھہرا رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت دیتا رہا جس پر انہوں نے انہیں پکڑ کر قتل کیا، آروں سے چیرا، آگ میں زندہ جلا دیا گیا، انہوں نے جان دے دی؛ مگر صبر کا دامن نہ چھوڑا۔
(حیاۃ الصحابہ: ۲/ ۸۰۸ بحوالہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصے: ۴۹-۵۰)

آپؓ کی منقبت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابتدا ہی سے علم کے شائق تھے، اسلام قبول کرتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجیے، بشارت ملی: "**إنک غلام معلم**"، تم تو تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔

جب آیتِ کریمہ: {**لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا إذا ما اتقوا وأمنوا وعملوا الصلحات ثم اتقوا واٰمنوا ثم اتقوا وأحسنوا واللہ یحب المحسنین**} (ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، کوئی گناہ نہیں ہے اس چیز میں جس کو انہوں نے کھایا پیا، جب کہ وہ اپنے اللہ سے ڈرے، ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، پھر ڈرے اور ایمان لائے، پھر ڈرے اور نیکی کی، اور اللہ تعالیٰ ان نیکو کاروں سے محبت رکھتے ہیں) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم بھی ان ہی میں سے ہو۔

ترمذی شریف کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے: "**تمسکوا**

بعهد ابن ام عبد"، (تم عبداللہ ابن مسعود کی وصیت کی پابندی کرو)۔

حضرت عثمان بن ابی العاص فرماتے ہیں کہ: دو آدمی ایسے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ کو ان دونوں سے محبت تھی، ایک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے عمار بن یاسرؓ۔

صاحبِ طبقات نے حضرت علیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: اگر میں مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کو امیر بناتا تو ابنِ ام عبد کو بناتا۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۶، صحابہ کے مکانات: ۹۷، کاروانِ جنت: ۵۰، طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۱۰۹)

خادم خاص

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدامِ خاص میں شامل تھے، اکثر اسفار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھاتے، تہہ کرتے، مسواک لا کر پیش کرتے، تکیہ اور جوتے اٹھاتے، وضو کرواتے، سواری کی باگ تھامتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صاحب النعل، صاحب الوسادہ، صاحب المطہرہ (جوتے والے، تکیے والے، وضو والے، مسواک والے) کے القاب سے مشہور ہو گئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح رہتے تھے گویا آپ کے اہلِ بیت میں سے ہوں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جب یمن سے واپس لوٹے تو فرماتے تھے کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اتنی کثرت سے آتے جاتے کہ میں ایک مدت تک یہی سمجھتا رہا کہ وہ حضور کے گھر کے ایک فرد ہیں، آیتِ حجاب نازل ہونے سے قبل تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو کہہ رکھا تھا کہ تمہیں میرے گھر میں

آنے کے لیے بار بار اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں، بس میری آواز سن لو تو پردہ ہٹا کر آجایا کرو۔

حضرت عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہؓ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جوتے پہناتے، پھر آپ کا عصا لے کر آگے آگے چلتے، یہاں تک کہ جب آپ کسی مجلس کے قریب پہنچتے تو حضرت عبد اللہؓ جوتے اتارتے اور اسے اپنے ہاتھ میں اٹھا لیتے اور عصا مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجلس سے اٹھتے تو آپ جوتے پہناتے اور عصا لے کر آگے آگے چل دیتے، یہاں تک کہ خانۂ نبوت میں داخل ہو جاتے۔

ابو الملیح نقل کرتے ہیں کہ: جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سو جاتے تو حضرت عبد اللہؓ جگانے کی خدمت انجام دیتے، جب آپ غسل فرماتے تو چادر کے ذریعے پردہ فرماتے اور سفر میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۸، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۲)

نیک ہم نشیں

حضرت علقمہ کوفہ رہنے والے ایک جلیل القدر تابعی تھے وہ کہتے ہیں کہ: میں شام گیا، وہاں میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی: "**اللھم یسر لي جلیسا صالحا**"، اے اللہ! مجھے نیک ہم نشیں میسر فرما، چناں چہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے، میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، اتنے میں ایک بزرگ آئے، اور وہ میرے پہلو میں بیٹھ گئے، میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ کہا: ابو الدرداءؓ ہیں، میں

نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ: میں نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج دیا، پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: کوفہ سے، فرمایا: کیا تمہارے ہاں یہ حضرات نہیں رہتے؟

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلین، تکیہ اور وضو کا برتن اٹھائے رہتے تھے۔

(۲) حضرت عمار بن یاسرؓ جن کو اللہ نے اپنے پیغمبر کی زبانی شیطان سے پناہ دی۔

(۳) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ جو نبوت کے وہ راز جانتے ہیں جو اور کسی کو معلوم نہیں ہیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ ترمذی شریف میں آیا ہے کہ خیثمہ نامی ایک شخص مدینۂ منورہ گئے اور انہوں نے بھی نیک ہم نشیں کی دعا کی تو انہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی صحبت میسر آئی، حضرت ابو ہریرہؓ نے مذکورہ تین حضرات کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے بھی نام لیے۔ ان روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تعریف میں خود کبارِ صحابہؓ رطب اللسان ہیں، ان کی اسی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا لحاظ کرتے ہوئے علامہ ذہبیؒ اپنی نامور کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ان کے ساتھ ''الامام الربانی'' کا لفظ بڑھاتے ہیں۔ (فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴ / ۲۵، کاروانِ جنت: ۴۹-۵۰)

حاضر باش عالم

ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے احباب

کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہؓ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو حضرت ابومسعود انصاریؓ نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ حضور کے بعد ان سے زیادہ کوئی قرآن کا عالم ہو، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: کیوں نہیں! وہ اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم غائب رہتے تھے، اور ان کو ان موقعوں پر حاضر رہنے کی اجازت تھی جب کہ ہم روک دیے جاتے تھے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۷۸، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۷)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس وقت سے بہت دوست رکھتا ہوں جب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: چار شخصوں سے قرآن حاصل کرو، ان میں سب سے پہلے امِ عبد کا نام لیا تھا۔

حضرت معاذؓ کا جب انتقال ہونے لگا، لوگ رونے لگے، پوچھا: کیوں روتے ہو؟ کہنے لگے: ہم اُس علم کی وجہ سے روتے ہیں جس کا سلسلہ آپ کے انتقال پر ٹوٹ جائے گا، اس پر حضرت معاذؓ نے علم حاصل کرنے کے لیے چند صحابہ کے نام بتائے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی شامل ہیں۔

(سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۷، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۲۶)

حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابومسعودؓ نے ایک دوسرے سے کہا: کیا عبداللہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا؟ دوسرے نے کہا: نہیں وہ خلوت وجلوت ہر موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہتے تھے جب کہ ہم لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔

متبحر عالم

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ: اگر کسی کے حلق سے بیوی کا دودھ اتر جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ: وہ اس پر حرام ہو جائے گی، حضرت عبداللہؓ موجود تھے انہوں نے روک کر کہا: آپ یہ کیا فتویٰ دیتے ہیں رضاعت صرف دو سال تک ہے، اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرمایا کرتے تھے: ہم میں جب تک ابن مسعود جیسا متبحّر عالم موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت نہ کیا کرو۔

مسروق تابعی فرماتے ہیں کہ: میں نے صحابۂ کرام کے علم پر غور کیا تو چھ افراد کو ان سب کے برابر علم کا حامل پایا: عمر، علی، عبداللہ، ابی بن کعب، ابوالدرداء، زید بن ثابت، پھر ان چھ افراد کے سلسلے میں غور کیا تو ان سب کا علم دو اشخاص میں پایا: حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

مسروق ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے صحابۂ کرام کی ہمنشینی اختیار کی، کسی کو ایک کسی کو دو اور کسی کو سو حدیثیں بیان کرتا ہوا پایا؛ مگر بعض صحابہ علم کے ایسے بحر ذخّار تھے کہ اگر ساری دنیا اس ایک چشمے سے سیراب ہونا چاہے تو ان کی تشنگی بجھانے کے لیے کافی ہے، میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایسے ہی لوگوں میں پایا۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۲۸۷-۲۹۹، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۷۷-۱۷۸)

کرامت

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ: ایک سفر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے رفقا کو

پانی کی قلت کا مسئلہ پیش آیا، خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا، بعد میں لوگوں نے اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ عبداللہ اوران کے رفقا مارے پیاس کے مرجاتے، عبداللہ تو ایسی شخصیت ہے کہ اللہ ان کی برکت سے چشمہ جاری کر دیتا اور لوگ اس سے سیراب ہوتے۔

مشکوٰۃ شریف میں بہ روایت امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: ایک مرتبہ ہم چند صحابہ بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے، ہم نے سنا کہ وہ کھانا جو ہم کھا رہے تھے وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہے۔

(اسد الغابۃ: ۳/ ۵۷ بحوالہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اوران کی فقہ ۵۶، کراماتِ صحابہ: ۲۳۰)

مکے کے قیام میں فرشتوں کی زیارت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عشا کی نماز سے فارغ ہوئے پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے چلے، یہاں تک کہ بطحائے مکہ کو پہنچ گئے، پھر ان کو بٹھایا اوران کے ارد گرد خط کھینچ لیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہرگز اس خط کو پار مت کرنا؛ اس لیے کہ عنقریب تیرے پاس سے کچھ لوگ گذریں گے سو تو ان سے بات مت کرنا، وہ بھی تجھ سے ہرگز بات نہیں کریں گے، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہاں چاہا وہاں چلے گئے، ابھی میں خط ہی میں تھا کہ کچھ لوگ میرے پاس سے گذرے، میں نے ان کے بدن کا کوئی حصہ کھلا ہوا نہیں دیکھا اور نہ ان کا لباس دیکھا وہ میرے پاس سے گذرے؛ مگر خط سے آگے نہیں بڑھے، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچے، یہاں تک کہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے آخری حصہ میں میرے پاس تشریف لائے، میں بیٹھا ہوا تھا، خط میں داخل ہوئے اور میری ران کا سہارا لے کر لیٹ گئے، اسی دوران ایسے لوگ آئے جن کے بدن پر سفید کپڑے تھے، اللہ ہی جانتا ہے وہ کتنے خوبصورت تھے، پھر ان میں کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک کے قریب بیٹھ گیا اور ایک گروہ آپ کے قدموں کے قریب بیٹھ گیا، پھر انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا: میں نے کسی بھی بندے کو ایسی نعمت پاتے ہوئے نہیں دیکھا جیسی اس نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پائی ہے۔

پھر انہوں نے کہا: اس کی مثال ایسے سردار کی سی ہے جس نے ایک محل بنوایا، پھر دستر خوان لگایا، پھر لوگوں کو اپنے کھانے پر بلایا، جس نے اس کی دعوت قبول کی اس نے اس کے کھانے میں سے کھایا اور جس نے دعوت کو قبول نہیں کیا اس نے نافرمانی کی، پھر وہ لوگ چلے گئے، اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے، آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے سنا انہوں نے کیا کہا اور وہ لوگ کون تھے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا: وہ فرشتے تھے، کیا تو جانتا ہے انہوں نے کیا مثال بیان کی؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا کہ: رحمٰن نے جنت بنائی ہے اور اپنے بندوں کو اس کی طرف بلاتا ہے، پس جو اس کی دعوت کو قبول کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جو اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو رحمٰن اس پر عقاب نازل کرتا ہے اور عذاب دیتا ہے۔

(عبداللہ بن مسعود: ۵۱۰ دار القلم دمشق)

جنات کو دعوت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہ صرف یہ کہ انسان کو اسلام کی دعوت دینے میں شریک رہے؛ بلکہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ سے آپ کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ روایتوں میں اس کے واقعات خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی منقول ہیں۔ دیکھیے: عبداللہ بن مسعودؓ ص: ۸۴، دار القلم دمشق۔

پیغام

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے جس قدر حالات دستیاب ہو سکے وہ ہم نے مختلف معتبر کتب کے حوالے سے آپ کے سامنے پیش کر دیے۔ یہ حالات وواقعات اس لیے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں؛ تاکہ ہم انھیں لکھ، پڑھ اور سن کر اپنی زندگی پر غور کریں، ان کے آئینۂ حیات میں اپنی عملی تصویر دیکھیں، ان کے نقوشِ پا تلاش کر صحیح راستے پر گامزن ہو جائیں، ان کے حیرت انگیز وولولہ خیز احوال پڑھ کر اپنے دلوں کو مضبوط بنائیں، اور اپنی بے کیف زندگی میں ان کے سوز وساز کا رنگ بھریں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی توفیق ارزانی نصیب فرمائیں۔ آمین

حضرت انس بن مالکؓ

از قلم:
رمّان اختر گلزار احمد مالیگانوی

سوانحی خاکہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

نام: انس بن مالک۔

کنیت: ابوحمزہ یا ابوثمامہ۔

لقب: خادمِ رسول۔

قبیلہ: خزرج کی شاخ بنونجار۔

ولادت: ہجرتِ نبوی سے نو یا دس سال قبل مدینہ میں۔

قبولِ اسلام: ہجرتِ رسول سے پہلے۔

غزوات: تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔

اولاد: مختلف بیویوں اور باندیوں سے ۱۰۰ سے زائد اولاد پیدا ہوئیں۔

وفات: راجح قول کے مطابق ۹۳ھ۔

عمر: ۱۰۳/ سال۔

نمازِ جنازہ: محمد ابن سیرین یا قطن ابن مدرک کلابی نے پڑھائی۔

مدفن: بصرہ کے قریب مقامِ طف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

رمّان اختر گلزار احمد مالیگانوی

کون ہیں وہ صحابی جنہیں کم عمری ہی میں سرکارِ دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گذاری کا شرف حاصل ہوا؟ اور کون ہے وہ ہستی جو ۱۰/ سال تک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت ہی قریب رہی؟ اور کون ہے وہ شخصیت جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھی؟ ان کی پُر کشش رنگت حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک رخِ انور کی یاد دلاتی تھی، ان کی دل نشیں آنکھیں سرکار کی چشمِ لامثال کی نقالی تھی، خوبصورت ابرو، ستواں ناک، حسین رخسار، دل آویز پلکیں سب کے سب تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھیں۔ وہ تو چھوٹا سا، ننھا منھا ۱۰/ سالہ بچہ تھا، جب ان کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے بعد دوڑتی بھاگتی ان کو لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اس قصد اور ارادہ کے ساتھ کہ یہ چھوٹا سا پیارا بچہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرے گا۔ یہ ننھا منھا بچہ وہی ہے جسے اربابِ سیر ''خادمِ رسول حضرت انس بن مالک'' کے نام سے جانتے ہیں اور یہ والدہ کوئی اور نہیں وہی عاشقِ رسول ہیں جسے تاریخ ''حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا بنتِ ملحان'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

ولادت، نام و نسب

آپ کی پیدائش ہجرتِ نبوی سے تقریباً نو یا دس سال قبل مدینہ میں ہوئی،

آپ کا نام: انس اور آپ کے والد کا نام: مالک ہے، قبیلۂ خزرج کی شاخ بنونجار سے تعلق رکھتے ہیں۔ پورا نسب اس طرح ہے: انس بن مالک بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ الانصاری الخزرجی النجاری۔

آپ رضی اللہ عنہ ''خادمِ رسول'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کنیت: ابوحمزہ تھی، خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو یہ کنیت عنایت فرمائی تھی، آپ کی ایک کنیت ''ابوثمامہ'' بھی ذکر کی جاتی ہے، نیز آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری کنیت ''بقلہ''، رکھی تھی، میں اس کو پسند کرتا تھا۔

(اصحابِ بدر: ۱۲۴، آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۳۹، صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۸۶۶)

والدۂ ماجدہ کا تعارف

والدہ مشہور صحابیہ تھیں جن کا نام غمیصا امِ سلیم رضی اللہ عنہا بنتِ ملحان ہے، یہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ہیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا کی مالک بن نضر سے جدائیگی کے بعد ان کو نکاح کا پیغام بھیجا؛ لیکن چوں کہ ابوطلحہ مشرک تھے؛ اس لیے انہوں نے بڑا عمدہ جواب دیا کہ: ''مہر اسلام ہوگا''۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا اور نکاح ہوگیا، امِ سلیم رضی اللہ عنہا کا شمار ان صحابیات میں ہوتا ہے جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بشارتِ بہشت دی تھی۔

حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا کے فضائل بے شمار ہیں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ازواجِ مطہرات کے علاوہ اگر کسی کے یہاں بہ کثرت آنا جانا رہتا

تو وہ امِ سلیم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا: مجھے امِّ سلیم پر رحم آتا ہے اس کا بھائی میرے دین کے لیے شہید ہوا ہے۔

ایک دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا تو کسی کے چلنے کی آہٹ سنی، میں نے پوچھا: کون ہے؟ بتایا گیا: غمیصا بنتِ ملحان یعنی امِ سلیم۔ (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: پندرہ جنتی صحابیات: ۲۴۱ تا ۲۶۰، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

والد ماجد کا تعارف

حضرت انس کے حقیقی والد تو مالک تھے جنھوں نے حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے سبب ان سے جدا ہو کر رختِ سفر باندھ لیا تھا۔ آپ کے سوتیلے باپ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نام زید بن سہل بن اسود ہے، کنیت ابوطلحہ ہے اور اسی سے مشہور ہیں، بنی نجار سے تعلق رکھتے ہیں، اسلام سے پہلے بت پرست تھے، رشتۂ مواخات میں حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے بھائی ہوئے، غزوۂ بدر واحد میں شریک رہے، بڑی جوانمردی سے مقابلہ آرا ہوئے، میدانِ جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے ڈھال تانے کھڑے ہو کر یہ رجز پڑھتے:

نفسي لنفسک الفداء		ووجهي لوجهک الوفاء

میری جان آپ پر قربان، اور میرا چہرہ آپ کے چہرہ کے سپر۔

جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر اٹھاتے تو فوراً سامنے آجاتے اور کہتے: ”نحري دون نحرک“ (میرا گلا آپ کے گلے سے پہلے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر

فرماتے: ''فوج میں ابوطلحہ کی آواز سو آدمی سے بہتر ہے''۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۱۶۲)

غزوۂ خیبر میں گدھے کے گوشت کی ممانعت کا اعلان کرنے کی وجہ سے ''منادیٔ رسول'' کہلائے، شہادت کے بڑے متمنّی تھے، اخیری عمر میں لوگوں کے منع کرنے کے باوجود جہاد کے لیے نکل گئے؛ لیکن شہادت نصیب نہ ہوئی، راستے ہی میں ۵۱ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور ایک جزیرہ میں مدفون ہوئے، عمر ۷۰ سال رہی۔

آپ رضی اللہ عنہ انصار میں بڑے مالدار تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا بَیرُ حاء نامی ایک عمدہ باغ تھا جو آپ کو بہت محبوب تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عموماً اس باغ میں جایا کرتے اور اس کا شیریں پانی پیتے تھے، جب آیت: {لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ} نازل ہوئی کہ جب تک تم اپنے پسندیدہ مال میں سے خرچ نہیں کرتے نیکی نہیں پاسکتے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا وہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۱۶۵)

خالہ اِم حرام بنتِ ملحان رضی اللہ عنہا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ امِ حرام رضی اللہ عنہا مشہور صحابیہ تھیں، جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ عنہا کے یہاں اکثر تشریف لے جاتے تھے، اور کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے یہاں تشریف لے گئے، کھانا کھانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہا حضور کے بالوں میں کنگھی کر

رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیند آ گئی، تھوڑی دیر بعد آپ اٹھے اور فرمایا کہ: میری امت کے کچھ لوگ سمندر پر جہاد کریں گے ان پر جنت واجب ہو گئی، حضرت امِ حرام رضی اللہ عنہا نے شمولیت کی دعا کروائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی، پھر دوبارہ آپ سو گئے اور اٹھنے کے بعد فرمایا: کچھ لوگ استنبول میں جنگ کریں گے وہ بخش دیے گئے، امِ حرام نے کہا: کیا میں اس میں شامل ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پہلی جماعت میں داخل ہو گئیں۔ (تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: پندرہ جنّتی صحابیات: ۳۰۱ تا ۳۰۸، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

ماموں حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں حرام بن ملحان ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ بنو سلیم کے ۷۰ / لوگوں کو قبیلۂ بنو عامر کی طرف تبلیغِ دین کے لیے بھیجا، اس میں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے پہلے میں جا کر ان کو دعوت دیتا ہوں، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ گئے، دریں اثنا کہ آپ پیغامِ محمدی پہنچا رہے تھے ایک شخص نے آپ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو سینہ سے پار ہو گیا، فوراً آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا: "الله أكبر فزت ورب الكعبة"، اللہ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم! میں تو کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچائی کہ وہ اپنے رب سے جا ملے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں اور وہ اپنے رب سے راضی ہیں۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۱۷۴-۱۷۵)

چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، آپ جنگِ بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے جس کا آپ کو بڑا صدمہ رہتا تھا اور کہتے تھے کہ: اب جو جنگ ہوگی اس میں خوب بہادری اور شجاعت سے دشمن کا مقابلہ کروں گا، چناں چہ جنگِ احد کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ملے تو ان سے کہا: بہ خدا! جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ احد پہنچنے کے بعد بڑی دلیری سے نبرد آزما ہوئے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۱۷۴)

بھائی براء بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی تھے۔ یہ بڑے جنگجو صحابی تھے، جنگِ یمامہ میں شریک ہوئے، مسلمان دیر تک محاصرہ کیے رہے، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: مجھے اٹھا کر دیوار کے پیچھے پھینک دو، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ کو دیوار پر چڑھایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ اندر کی جانب کود پڑے، دشمن کے تیر و تلوار کی پروا کیے بغیر ان کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے، یہاں تک کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیا، مسلمان اندر گھس گئے اور فتح یاب ہوئے اور اللہ نے مسیلمہ کا کام تمام کیا، اس جنگ میں آپ کے بدن پر تیر و تلوار کے اسّی سے زیادہ زخم آئے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مسلسل محنتوں اور پیہم کوششوں کے نتیجے میں جس وقت مدینہ میں اسلام کا بول بالا ہوا اسی زمانے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت

امِ سلیم رضی اللہ عنہا بھی مئے اسلام سے سرشار ہوئیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایامِ طفولیت سے گذر رہے تھے، والدہ اپنے بیٹے کو کلمۂ طیبہ سکھلاتیں اور دینی تعلیم دیا کرتی تھیں، جب ان کا باپ مالک دیکھتا کہ بیٹا "لا إله إلا الله محمد رسول الله" پڑھ رہا ہے تو بیوی پر برہم ہوجاتا کہ خود بھی بددین ہوگئی ہے اور میرے بیٹے کو بھی دین سے ہٹا رہی ہے۔ چناں چہ مالک ہمیشہ حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا کو دینی تعلیم دینے سے منع کرتا رہا؛ لیکن آپ رضی اللہ عنہا بڑا خوبصورت جواب دیتیں کہ اسے دین سے نہیں ہٹا رہی ہوں؛ بلکہ اسے سچے دین دینِ اسلام کی تعلیم دے رہی ہوں۔ شوہر کو دل کے جلے پھپھولے پھوڑنے کا موقع کسی طرح میسر نہ آیا تو بالآخر شام چلا گیا اور وہیں اسے موت نے آگھیرا یا اثنائے راہ کسی دشمن کے ہاتھوں قتل کردیا گیا۔

(صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا:۸۶۶،صور من حیاۃ الصحابہ:۱۶)

قدومِ میمنت لزوم

رات کے مسافر: مہ وانجم رختِ سفر باندھے الوداع کہہ رہے تھے، بساطِ شب اُلٹ رہی تھی اور ستاروں کے بجھتے ہوئے چراغوں سے دھندلکا سا نکل رہا تھا، اب سورج مشرق کے دریچے سے جھانکنے کو تھا کہ مدینہ کے بچے جوان بوڑھے سب اپنے گھروں سے نکل کر ایک جانب چل دیے اور دیر تک کسی کی آمد کا انتظار کرتے رہے؛ یہاں تک کہ جب مایوس ہوکر لوٹنے لگے تو کسی نے آواز دی کہ: وہ دیکھو! تمہارا مطلوب ومقصود آ گیا، بس! پھر کیا تھا لوگ خوشی کے مارے دیوانے ہوگئے، جوان اور بوڑھے استقبال کو لپکے اور بچے بھاگتے ہوئے گلیوں اور کوچوں

میں فرطِ مسرت سے ”جاء رسول اللہ“ کا نعرۂ محبت بلند کرنے لگے، ان میں ایک بچہ وہ بھی تھا جو سب سے زیادہ خوش قسمت تھا جسے دو جہاں کے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میسر آنے والی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں بچوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا کہ کسی کی آواز آئی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، میں دوڑا؛ لیکن مجھے کچھ نظر نہ آیا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں تشریف لے آئے اور مدینہ کی ایک غیر آباد جگہ آ کر جلوہ افروز ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دیہاتی آدمی کو بھیجا جو انصار کو ان دونوں حضرات کے آنے کی خبر کر دے، چناں چہ تقریباً پانچ سو انصار آپ کے استقبال کے لیے آ پہنچے، اور عرض کیا: آپ دونوں حضرات ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں، آپ مامون و محفوظ ہیں اور آپ کی بات مانی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان چل رہے تھے، تمام مدینہ والے استقبال کے لیے نکل آئے؛ یہاں تک کہ لڑکیاں گھروں کی چھت پر ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہی تھیں اور پوچھ رہی تھیں کہ ان میں محمد کون ہیں؟ ان میں محمد کون ہیں؟ اس جیسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

ایک اور موقع سے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس دن بھی دیکھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اور اس دن بھی دیکھا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا، ان

دونوں جیسا دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۳۵)

ننھا منا بچہ خادمِ رسول بن گیا

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبا سے مدینہ تشریف لے آئے تو حضرت امِ سلیم رضی اللہ عنہا ان کو لے کر درِ نبی پر حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "یارسول اللہ! لم یبق رجل ولا امرأة من الأنصار إلا وقد أتحفک بتحفة وإني لا أجد ما أتحفک به خیر ابني هٰذا، فخذه فلیخدمک ما شئت"، یارسول اللہ! انصارِ مدینہ میں کوئی عورت اور مرد ایسا نہیں رہا جس نے آپ کو تحفے تحائف نہ دیے ہوں، میں بھی آپ کو تحفہ دینا چاہتی ہوں؛ لیکن میں اپنے اس بیٹے سے بہتر تحفہ نہیں پاتی، آپ اس کو قبول فرمالیجیے، اور آپ اس سے جتنی خدمت لینا چاہیں لیں، یہ آپ کا خادم رہے گا۔ چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ امِ سلیم رضی اللہ عنہا کی اس درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اُس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر راجح قول کے مطابق ۱۰/ سال تھی، بعضوں نے آٹھ اور نو بھی لکھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

اب حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، اگر کبھی خدمت میں کچھ کمی کوتاہی ہوجاتی یا کچھ نقصان ہوجاتا تو آپ درگذر فرمادیتے اور اُف تک نہ کہتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ: میں دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہا، آپ نے نہ مجھے کبھی اُف کہا اور نہ کبھی میری گرفت فرمائی کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں

کام کیوں نہیں کیا؟ بلکہ گھر میں اگر مجھے کوئی ملامت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے اسے چھوڑ دو جو ہونا تھا ہو گیا۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۳۱۵،طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا، میں نے کہا: بہ خدا! میں نہ جاؤں گا؛ لیکن میرے جی میں تھا کہ ضرور جاؤں گا۔ چناں چہ میں چلا، راستے میں کچھ میرے ہم عصر لڑکے کھیلتے ہوئے نظر آئے تو چوں کہ میرے بچپن کا زمانہ تھا؛ اس لیے میں ان کے ساتھ کھیل میں مصروف ہو گیا۔ ابھی چند ساعت ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر کو آپہنچے، میں نے سوچا کہ: اب تو میری خیر نہیں؛ لیکن جب میں نے پیچھے مڑ کر آپ کا چہرۂ انور دیکھا تو آپ تبسم فرما رہے تھے، بس! کیا تھا ساری فکر یک دم کافور ہو گئی، بڑی فرحتِ قلبی سے آپ نے سب کو سلام کیا، کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی، محبّت سے میرا کان مروڑتے ہوئے صرف اتنا کہا: "یا أنیس أذهبت حیث أمرتک؟" اُنیس! کیا تم گئے تھے جہاں میں نے تمہیں بھیجا تھا؟ میں نے کہا: جی! ابھی جاتا ہوں۔ (صور من حیاۃ الصحابہ: ۱۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اکثر و بیشتر نمازِ فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وضو کا سامان مہیا کرنے کا شرف حاصل ہوتا، خود فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر سے پہلے فرمایا: آج روزہ رکھنے کا ارادہ ہے، اتنا سننا تھا کہ میں جلدی سے اٹھا اور کچھ کھجوریں اور پانی لے کر حاضر ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تناول فرما کر فجر کی تیاری کی۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفعِ حاجت کے لیے تشریف لے

جاتے تو میں اور ایک لڑکا ایک ڈول پانی لے کر پہنچ جاتے جس سے آپ استنجا فرماتے۔(صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا:۸۶۶)

آپ کی والدہ آپ کے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کوئی کھانا بھجواتیں تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلاتے اور گھر کے کنویں کا شیریں پانی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کرتے۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت گذاری کرتے رہے۔

آپ کو خدمت پر ابھارنے کے لیے کسی کی ضرورت نہ تھی، آپ کی سمجھداری اور محبتِ رسول نے آپ کو خدمت سے پیچھے ہٹنے نہ دیا؛ لیکن اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ، خالہ اور خاندان کی بوڑھی عورتیں آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پر ابھارتیں اور ترغیب دیا کرتی تھیں۔

(صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا:۸۶۶، انس بن مالک رضی اللہ عنہ :۷۹، دارالقلم دمشق)

یا ذاالأذنین ا یا بنيّ! یا أُنیس!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہنسی مزاح بھی فرما لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مزاحاً بڑے شیریں لہجے میں فرمایا: ”یا ذا الأذنین!“ اے دو کانوں والے!۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں اگرچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بہ حیثیت خادم کے پیش کیے گئے تھے؛ مگر آپ نے کبھی ان کے ساتھ خادم سیٹھ یا غلام آقا والا معاملہ نہیں فرمایا؛ بلکہ آپ کا سلوک ہمیشہ ایک شفیق باپ کا سا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر رہا،

یہی وجہ ہے کہ متعدد مواقع سے نصیحت کرتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل شفقت سے لبریز ہوجاتا اور نہایت شیریں لہجے میں آپ فرماتے: "یا بنيّ!" اے میرے پیارے بیٹے! اسی طرح "یا اُنیس!" کہہ کر بھی پکارا کرتے۔

ذخیرۂ احادیث میں ایسے دسیوں مواقع ملتے ہیں جہاں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "یابني!" کہہ کر یاد فرمایا اور خطاب فرمایا، بطورِ نمونہ مشتے از خروارے چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! جب گھر میں داخل ہوتو سلام کر، تجھ پر اور تیرے گھر والوں پر برکت ہوگی۔ ایک مرتبہ فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! نماز میں ادھر اُدھر نہ دیکھو؛ اس لیے کہ نماز میں ایسا کرنا ہلاکت ہے؛ لیکن اگر دیکھنا ضروری ہوتو نفل میں جائز ہے، فرض نماز میں اس کی گنجائش نہیں۔ (انس بن مالک: ۷۱، دار القلم دمشق)

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تجھ سے ہوسکے تو صبح اور شام اس حال میں کر کہ تیرے دل میں کسی کے بارے میں کوئی کھوٹ نہ ہو، اور فرمایا کہ: یہ میری سنّت ہے اور جس نے میری سنّت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (انس بن مالک: ۷۲، دار القلم دمشق)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک دعا

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے اکثر دعا فرماتے۔ ایک مرتبہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے گھر تشریف لے گئے اس وقت آپ رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے، آپ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے برکت کی دعا فرمائی۔ آپ کے بال بڑھے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کٹوالو یا حلق کروالو، یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میری ماں مجھ کو لیے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور کہا: یارسول اللہ! میرے لختِ جگر اور اپنے چھوٹے خادم کے لیے دعا فرما دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے دعا فرمائی: "اللھم اکثر مالہ و ولدہ و أطل عمرہ و اغفر ذنبہ"، اے اللہ! اس کے مال و اولاد میں برکت عطا فرما اور اس کی عمر دراز فرما اور اس کے گناہ بخش دے۔ بعض روایتوں میں "و أدخلہ الجنۃ" کا لفظ آیا ہے کہ اے اللہ! اسے جنت میں داخل فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ۹۸ یا ۱۰۲ بچے خود میں نے اپنے ہاتھوں دفن کیے اور میرا باغ سال میں دو مرتبہ بارآور ہوتا ہے اور میری عمر کا کیا کہنا اس سے میرا دل اچٹ گیا ہے اور رہ گئی چوتھی چیز (جنت و مغفرت) تو میں اس کی امید رکھتا ہوں۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۲)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مال میں اس قدر برکت رہتی تھی کہ آپ کے پوتے ثمامہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا، جب کہ عموماً باغات سال میں ایک مرتبہ ثمرآور ہوتے ہیں۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۲)

آپ کے باغ میں ریحان یعنی نازبو کے بوٹے ہوتے تھے جس کو پنجابی میں

’’بیری‘‘ کہتے ہیں، ان سے مشک کی سی خوشبو آتی تھی جو پورے باغ کو معطر کر دیتی تھی۔ (کاروانِ جنت: ۸۲)

اولاد کی کثرت کا حال یہ تھا کہ ڈاکٹر ذوالفقار صاحب اپنی کتاب: ’’صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا‘‘ میں اصابہ اور اسد الغابہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ: آپ کے انتقال کے وقت اسّی لڑکے، تین لڑکیاں اور بیس سے زائد پوتے موجود تھے۔ (صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا: ۸۷۶)

خود حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار اور کثیر اولاد والا ہوں، اور راوی فرماتے ہیں کہ: حجاج کے بصرہ آنے تک ان کی اولاد میں سے ایک سو بیس (۱۲۰) سے کچھ اوپر افراد وہاں آئے۔ صاحبِ ’’اصحابِ بدر‘‘ لکھتے ہیں کہ: آپ کی پشت سے ۷۸/ فرزند اور دو دختر حفصہ اور امِ عمرو پیدا ہوئیں۔ (اصحابِ بدر: ۱۲۴)

غزوات میں شرکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت فرمائی، بڑی ہمت وشجاعت اور پامردی کے ساتھ ہر جنگ میں حصہ لیتے رہے۔ ذیل میں ہم ہر غزوے میں آپ سے متعلق امور پر روشنی ڈالیں گے۔ اسلام میں سب سے پہلی جنگ غزوۂ بدر کے نام سے ہوئی۔

جنگِ بدر

میدانِ بدر جانے کے لیے قافلہ تیار ہو کر چل پڑا، اس میں ایک چھوٹا سا ۱۲/

سالہ بچہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے، ارے! اس بچہ کا اس غزوہ میں کیا کام؟ بھلا اتنا چھوٹا بچہ کیسے جہاد کرے گا؟ ہاں وہ چھوٹا تو ہے؛ لیکن وہ جہاد کی غرض سے نہیں جا رہا ہے؛ بلکہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت اسے میدانِ کارزار میں کھینچ لائی؛ تاکہ اتنا وقت بھی بغیر خدمت کے نہ گذرے۔ اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ یہ چھوٹا سا بچہ بعد میں خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا گیا۔ چوں کہ بدر کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر بہت کم تھی؛ اس لیے لوگوں کو اشتباہ ہوتا تھا کہ یہ بدر میں موجود تھے یا نہیں؟ چناں چہ ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کر بیٹھا کہ کیا آپ بدر میں موجود تھے؟ آپ گویا ہوئے: اللہ تیرا بھلا کرے، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہاں جدا ہوسکتا تھا!۔ (اصحابِ بدر: ۱۲۵، کاروانِ جنت: ۸۱)

جنگِ احد

معرکۂ احد میں بھی چوں کہ آپ کم سِن تھے؛ اس لیے وہاں بھی بہ حیثیتِ خادم ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جنگِ احد میں جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہو گئے تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور میری والدہ کو دیکھا کہ وہ اپنا دامن سمیٹے اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں لاتیں اور پیاسے مسلمانوں کو پانی پلاتیں۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۵۵)

اس کے علاوہ بھی اُحد کے سلسلے میں کئی واقعات آپ سے منقول ہیں۔

غزوۂ خندق و بنو قریظہ

خندق کے موقع پر آپ کا عنفوانِ شباب تھا یعنی آپ لگ بھگ ۱۶ / سال کے

نوجوان ہوکر نبرد آزمائی کے قابل ہوگئے تھے، اس لیے شرکت سے کوئی چیز مانع نہیں تھی، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ اس غزوے میں مجاہدین کے قدم بہ قدم اور دوش بہ دوش رہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کو دیکھا کہ بڑی مشقت سے خندق کھودرہے ہیں اور سردی بھی شدید تھی، ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جس سے کام لیتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو بارگاہِ الٰہی میں عرض گذار ہوئے:

اللهم إن العيش عيش الآخرة		فاغفر للأنصار والمهاجرة

اے اللہ! حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، پس تو انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما۔

صحابہ یہ سن کر کہتے:

نحن الذين بايعوا محمدا		على الجهاد ما بقينا أبدا

محمد مصطفیٰ کے ہاتھ پر ہم تو بیعت ہوگئے، اب صدا شمعِ رسالت پر رہیں پروانہ وار۔

("على الإسلام" کا لفظ بھی آیا ہے)۔

(انس بن مالک، عبدالحمید طھماز: ۹۷، دارالقلم دمشق)

یہودیوں کی سرکوبی کے لیے آپ غزوۂ بنوقریظہ میں بھی پیش پیش تھے۔

غزوۂ خیبر

غزوۂ خیبر میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ شریک رہے، خود فرماتے ہیں کہ: ہم رات کے وقت خیبر پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح تک جنگ نہیں چھیڑی، صبح کے وقت

جب یہودی اپنی کلہاڑیاں لیے قلعے سے باہر نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھ کر چلانے لگے: محمد، خدا کی قسم! محمد اور فوج!! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ اکبر کی صدا بلند فرمائی اور بالآخر خیبر تباہ ہو گیا۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۵۸)

جب خیبر پر فوج کشی ہوئی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی سواری حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری کے اتنی قریب تھی کہ آپ کا قدم حضور کے قدم کو مس کر رہا تھا۔

خیبر سے واپسی کے وقت اُحد پہاڑ نظر آیا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر مدینہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: اے اللہ! دو پہاڑوں کے درمیان والی اس جگہ کو حرم بناتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے اور اے اللہ! ہمارے صاع اور مد (پیمانوں کا نام) میں برکت عطا فرما۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۵۹)

غزوۂ موتہ میں شرکت

اس میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ شریک رہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں میدانِ جنگ میں آیا تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو یہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنے نفس سے کہہ رہے تھے:

یانفسي! ألا أراک تکرھین الجنة	أحلف باللہ لتنزلنه

اے میرے نفس! سن! میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو جنگ کو ناپسند کرتا ہے، میں اللہ

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو ضرور بالضرور اس میں داخل ہوگا۔

(انس بن مالک: ۱۰۱، دار القلم دمشق)

صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان

صلح حدیبیہ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ تا آخر شریک رہے، خود فرماتے ہیں کہ: ایک قریشی سہیل بن عمرو نے جب صلح کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کو کہا، تو اس قریشی نے کہا: ہم یہ نہیں جانتے، "**باسمه اللهم**" لکھو، چناں چہ وہی لکھا گیا۔ پھر آپ نے کہا: "**من محمد رسول الله**" لکھو؛ لیکن قریشی نے کہا کہ: اگر آپ کی رسالت تسلیم کر لیتے تو پھر کوئی بات ہی نہ تھی، تم اپنا اور اپنے والد کا نام لکھو، آپ نے اسے بھی قبول فرمالیا، اور یہ بھی شرط لگائی کہ کوئی مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے تو آپ واپس کر دیں گے اور تمہارا کوئی آدمی ہمارے یہاں چلا آئے تو ہم واپس نہیں دیں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تردد ہوا؛ لیکن آپ نے اسے بھی قلمبند کرنے کو فرمایا، اور کہا: جو ہم سے دور ہو جائے اس کا دور رہنا ہی بہتر ہے اور جو ہمارے یہاں آئے اللہ اس کے لیے راہ کھول دے گا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ عمرۃ القضا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ (صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۸۶۷)

فتحِ مکّہ وغزوۂ حنین

حنین سے پہلے آپ فتحِ مکہ میں بھی شریک رہ چکے تھے، جب ۸ سنہ ھ میں حنین کا موقع پیش آیا تو اس میں بھی بڑی جانبازی کے ساتھ شریک ہوئے، اور

مجاہدین کے شانہ بہ شانہ رہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حنین کے دن میری والدہ نے ایک خنجر تیار کیا تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: یہ کیسا خنجر ہے؟ امِ سلیم رضی اللہ عنہا عرض گذار ہوئیں: یارسول اللہ! اگر کوئی مشرک سامنے آئے گا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، آپ یہ سن کر ہنس پڑے۔

(پندرہ جنّتی صحابیات: ۲۵۵)

غزوۂ تبوک و حجۃ الوداع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں ہونے والا سب سے آخری غزوہ غزوۂ تبوک ہے جو سنہ ۹ ھ میں پیش آیا، اس میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ شریک رہے، آپ فرماتے ہیں: جب ہم تبوک سے لوٹتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب تم وادیوں کو عبور کر رہے تھے تو وہ اس وقت بھی تمہارے ساتھ تھے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ تو مدینہ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بات درست ہے؛ لیکن عذر نے انہیں روکے رکھا۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۶۴)

سنہ ۱۰ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کیا، اس میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ شریک ہوکر دونوں جہاں کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح سفر و حضر میں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، اور آپ کی مسلسل ۱۰/سال تک خدمت کرتے رہے؛ تا آں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہانِ فانی سے حیاتِ جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا صدمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض نے شدت اختیار کی اور درد کی شدت کی وجہ سے آپ پر غشی طاری ہونے لگی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے ابا جان کی تکلیف! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج کے بعد تیرے والد کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی، جب آپ کا انتقال ہوگیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہائے ابا جان! رب کے بلاوے پر آپ نے لبیک کہا، ہائے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ ہے، ہائے ابا جان! ہم جبرئیل کو آپ کے انتقال کی خبر کرتے ہیں۔ (انس بن مالک: ۸۲۔ ۸۳، دار القلم دمشق)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپ کی جدائی کا صدمہ کس کو نہ ہوا ہوگا، ہر ایک رنجیدہ اور مغموم ومحزون تھا، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اس دن سے زیادہ قبیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اے انس! تمہیں یہ بات کیسے گوارا ہوئی کہ گنجینۂ نبوت کو مٹی میں چھپا دیا اور واپس لوٹ آئے۔ جب ثابت بنانی اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر روتے کہ ان کی پسلیاں ایک دوسرے پر چڑھ جاتیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سامنے جب بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یا آپ کے ساتھ گذارے ہوئے مبارک اور روشن ایام کا تذکرہ ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی محبت اورآپ کو یاد کرکے آب دیدہ ہو جاتے، آپ کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں، حتی کہ بہت سی مرتبہ آنسو بہہ پڑتے اور زاروقطار رونے لگتے۔

(انس بن مالک: ۸۲، دارالقلم دمشق)

حضرت انس رضی اللہ عنہ وصالِ نبوی کے بعد کبھی کبھار فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے ہر رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے، پھر بےساختہ رونے لگتے۔

دورِ صدّیقی میں آپ کی خدمات

مرتدّین کے خلاف لڑی جانے والی بعض جنگوں میں بھی آپ نے نہ صرف حصہ لیا؛ بلکہ نہایت ہمّت وشجاعت سے کارہائے نمایاں انجام دیے، مسیلمۂ کذاب کے خلاف ہونے والی جنگِ یمامہ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ شریک تھے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جنگِ یمامہ میں جب ابتدائً مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خوشبو لگا کر میدانِ جنگ میں جانے کے لیے تیار ہیں، میں نے کہا: چچا جان! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمان شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں؟ ان کی غیرتِ ایمانی جوش میں آ گئی اور کہنے لگے: ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے، تم نے شکست کھا کر مسلمانوں کی بری عادت ڈال دی ہے، پھر کہا: اے اللہ! ان لوگوں (مرتدین) نے جو فتنہ کھڑا کیا ہے میں اس سے بری ہوں اور مسلمان جو شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں ان سے بھی بری ہوں۔ پھر کافروں سے نبرد آزمائی شروع کر دی؛ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۴۲)

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل مقرر کرنا چاہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انس کو ضرور امارت سپرد کریں، وہ عقلمند کاتب ہیں۔ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بحرین کی طرف بھیجا اور ایک خط لکھ دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی مہر لگائی، اس میں تین سطریں کندہ تھیں: پہلی سطر میں لفظِ محمد، دوسری میں رسول اور تیسری میں اللہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے صدقے کی وصول یابی کا عامل بنایا، جب میں واپس آیا تو آپ کی وفات ہو چکی تھی، میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے دریافت کیا: کیا کچھ سواریاں بھی لائے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اونٹنیاں ہمارے پاس لے آؤ اور مال تمہارا ہے، میں نے کہا: مال کی مقدار تو بہت زیادہ ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگرچہ کتنا ہی ہو! اور وہ مال چار ہزار درہم تھا؛ لہٰذا میں اہلِ مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو گیا۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۸۸-۹۱)

دورِ فاروقی میں آپ رضی اللہ عنہ کے کارنامے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اپنا دستِ مبارک بڑھایئے، میں اسی طرح بیعت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دستِ بابرکت پر بیعت کی تھی۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۹۵)

آپ رضی اللہ عنہ کے اندر جہاد کا ایسا شوق وجذبہ موجزن تھا کہ ۱۳ھ میں از خود حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر اللہ کے دشمنوں کے خلاف لڑنے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایران کی سمت چل پڑے اور بہت سے خوں ریز معرکوں میں دادِ شجاعت دی، ان میں سے معرکۂ حریق اور فتحِ تستر قابلِ ذکر ہیں، ان معرکوں میں آپ کے بھائی حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

معرکۂ حریق (عراق) میں

اسحاق بن عبد اللہ بن ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت براء رضی اللہ عنہ مقامِ حریق میں دشمنوں کے ایک قلعے کے پاس تھے، دشمن گرم زنجیروں میں لوہے کے آنکڑے لگا کر مسلمانوں کی طرف ڈالتے اور انہیں اپنی طرف کھینچ لیتے تھے، چناں چہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا، یہ دیکھ کر آپ کے بھائی حضرت براء رضی اللہ عنہ فوراً دیوار پر چڑھ گئے اور زنجیروں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور برابر تھامے رہے یہاں تک کہ زنجیر کی رسی کو کاٹ دیا، اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو ہڈیاں نظر آرہی تھیں یعنی ہاتھ کا سارا گوشت گرم لوہے کی وجہ سے جل کر ختم ہوگیا تھا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نجات عطا فرمائی۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۶۴)

قادسیہ میں شرکت

عراق کی جن بڑی بڑی جنگوں میں آپ رضی اللہ عنہ نے شرکت کی اس میں سے معرکۂ قادسیہ بھی ہے، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابنِ مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا خلیفہ مقرر کیا تھا، پھر اس کے بعد میں نے ان کو قادسیہ والے دن دیکھا

کہ ان کے ہاتھ میں کالا جھنڈا تھا۔ (انس بن مالک: ۱۰۵، دار القلم دمشق)

جنگِ تستر میں

معرکۂ تستر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ پیادہ فوج کے افسر مقرر ہوئے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگوں نے تستر کا محاصرہ کیا، تستر کا حاکم ہرمزان محاصرے سے تنگ آکر ہار مان گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کیا، سپہ سالار حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حکم سے میں اس کو لے کر مدینہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: کہو کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: زندہ رہنے والوں کی طرح کہوں یا مر جانے والوں کی طرح، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی خوف محسوس نہ کرو، ہرمزان نے کہا: اے جماعتِ عرب! اللہ نے جب تک معاملہ ہمارے اور تمہارے درمیان چھوڑے رکھا، ہم تمہیں غلام بناتے اور قتل کیا کرتے تھے اور تمہارے اموال چھین لیا کرتے تھے؛ لیکن جب سے اللہ تمہارے ساتھ ہو گیا ہے تب سے ہمارے اندر طاقت باقی نہ رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: انس! کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: یا امیر المؤمنین! میں نے تو بہت سے دشمن اپنے پیچھے چھوڑے ہیں اور سخت قوت اور طاقت چھوڑی ہے، اگر آپ اسے قتل کر دیں گے تو پھر اس کی قوم اپنی زندگی سے ناامید ہو کر مسلمانوں سے لڑنے میں اَور زیادہ زور لگائے گی؛ اس لیے آپ اسے قتل نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور مجزاۃ بن ثور کے قاتل کو کیسے زندہ چھوڑ سکتا ہوں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب مجھے خطرہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اسے قتل کیے بغیر نہیں رہیں گے، تو میں عرض گذار ہوا: آپ اسے قتل نہیں کر سکتے؛ کیوں کہ آپ اسے ''لا بأس'' یعنی مت ڈرو کہہ چکے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا لگتا ہے تم نے اس سے کوئی رشوت لی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے نہ کوئی رشوت لی اور نہ کوئی مفاد حاصل کیا۔ امیر المؤمنین کہنے لگے: تم اپنے اس دعویٰ (کہ ''لا بأس'' سے امان مل جاتی ہے) کی تصدیق کرنے والا کوئی گواہ اپنے علاوہ لاؤ؛ ورنہ تم ہی سے سزا کی ابتدا ہوگی، چناں چہ میں گیا اور حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ کو لے آیا، انہوں نے میری بات کی تصدیق کی، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس کے قتل سے رک گئے۔ یہ سارا ماجرا دیکھ کر ہرمزان حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوگیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بیت المال میں سے وظیفہ مقرر کیا۔

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سو قصے: ۷۰)

قلعۂ تستر فتح کرتے ہوئے نمازِ فجر کا وقت ہوگیا؛ لیکن قتال میں مشغول ہونے کی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نماز قضا ہوگئی، بعد میں قضا نماز پڑھی، ساتھ میں فاتحِ تستر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب بھی تستر کا ذکر آتا تو اس نماز کے قضا ہوجانے پر بہت روتے اور فرماتے کہ: اگر اس ایک نماز کے بدلے دنیا و مافیہا کی دولت بھی مل جاتی تو میں اسے ترجیح نہ دیتا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا بصرہ میں قیام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب بصرہ آباد ہوا اور تیزی سے اس کی آبادی میں اضافہ ہونے لگا تو خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نو یا دس عالم

وفاضل اجلّۂ صحابہ کو علمِ حدیث وفقہ کی تعلیم وتدریس کے لیے بصرہ روانہ فرمایا جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بھی تھے، تب سے آپ بصرہ میں مستقل اقامت گزیں ہوگئے؛ لیکن آپ شہر بصرہ میں نہیں رہے؛ بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وصیت کے مطابق اس کے قریب دو فرسخ کے فاصلے پر اپنا مکان بنایا، والیٔ بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے تو آپ رضی اللہ عنہ ان کو بصرہ کے احوال سناتے تھے۔ (انس بن مالک: ۱۴۸، دار القلم دمشق)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے نصفِ ثانی سے فتنوں کی آگ نے بھڑکنا شروع کر دیا تھا جو حضرت علی کے دورِ خلافت تک بھڑکتی رہی جس کا انجام جنگِ صفین اور جنگِ جمل کی شکل میں رونما ہوا، اس عرصے میں آپ زیادہ تر بصرہ ہی میں گوشہ نشین رہے۔ (صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا: ۸۶۸)

بصرہ کی ولایت

یزید ابنِ معاویہ کی وفات کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، اور آپ خلیفہ ہوگئے تو انھوں نے بصرہ کی ولایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، چناں چہ آپ نے ۴۰ / دن تک گورنری سنبھالی، اور یہی گورنری حجاج کے مشتعل ہونے کا سبب بنی تھی۔ (انس بن مالک: ۱۵۰، دار القلم دمشق)

بنوامیّہ کے دورِ خلافت میں

عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی جو سلطنتِ

امویہ کے مشرقی ممالک کا گورنر تھا، جب وہ بصرہ آیا تو اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بلا کر سخت زجر وتوبیخ کی، اور کہا: یہ کیسی چال بازی ہے کہ کبھی بنوامیہ کی حمایت کرتے ہو تو کبھی ابنِ اشعث کی؟ پھر ان کے ساتھ سخت بے احترامی سے پیش آیا؛ یہاں تک کہ آپ کو ذلیل کرنے کی خاطر اس بدبخت نے آپ کی گردن پر مہر لگوا دی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان تمام سزاؤں کو برداشت کیا اور خاموشی سے اپنے مکان واپس تشریف لائے اور خلیفہ عبدالملک کو خط لکھ کر ساری صورتِ حال سے مطلع کیا، عبد الملک نے حجاج کو سخت تہدید آمیز خط لکھا اور ان سے معافی مانگنے کا حکم دیا، چناں چہ حجاج اپنے رفقا کے ساتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ سے معافی مانگی۔ (انس بن مالک: ۱۶۲-۱۶۳، دارالقلم دمشق)

بعض تاریخ نگاروں نے ان کے باہمی مکالمے کی تفصیلات بھی لکھی ہے، ''آئینۂ سیرتِ انس'' میں ہے کہ حجاج اپنا ایک لشکر ابنِ اشعث کے قلع قمع کے لیے روانہ کر رہا تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپہنچے، حجاج نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: اے فتنہ پرداز! دھوکے باز! کبھی علی بن طالب کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو کبھی ابنِ اشعث کے ساتھ رہتا ہے۔ یاد رکھنا! تجھے اس طرح جڑ سے اکھیڑ دوں گا جس طرح گوند کو اکھیڑا جاتا ہے اور اسی طرح کھال کھینچوں گا جس طرح گوہ کی کھال کھینچی جاتی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ امیر کا بھلا کرے، کسے کہہ رہے ہیں؟ اس نے مشتعل ہو کر کہا: خدا تیرے کان کو بہرا کرے تو مخاطب ہے، آپ رضی اللہ عنہ یہ سن کر ''إنا لله وإنا إليه راجعون'' پڑھتے ہوئے چل دیے اور کہا: اگر بچوں کا خیال نہ آتا تو

وہیں اسے ایسی بات کہتا کہ اس سے جواب ہی نہ بن سکتا۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۹۴)

آپ کے تلامذہ جب آپ سے حجاج کے ظلم کی شکایت کرتے تو آپ انہیں صبر کی تلقین کرتے اور فرماتے: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک ایسا سال تمہارے سامنے آئے گا جس کے بعد شر ہی شر نظر آئے گا؛ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے مل جاؤ گے۔ (انس بن مالک: ۱۵۸، دار القلم دمشق)

واقعۂ حرّہ

واقعۂ حرّہ تاریخ کا ایک افسوس ناک واقعہ ہے جو ملوکیت کے خلاف ۲۷ / ذی الحجہ ۶۳ھ کو مدینۂ منوّرہ کے مقامِ حرّہ میں پیش آیا، اُس دن سات سو حفاظِ قرآن شہید ہوئے جن میں تین سو صحابہ تھے، اس خونریز معرکے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ بصرہ میں تھے، جب آپ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، آپ ان کی موت پر بڑے ملول ومحزون ہوئے؛ لیکن اس کے ساتھ آپ کا سر فخر سے بلند ہوگیا کہ انصار نے جس طرح کفر وشرک کے خلاف نبرد آزمائی کی، اسی طرح ''ملوکیت وآمریت'' کے خلاف لڑتے ہوئے دینِ متین کے خاطر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تسلّی کے لیے ایک تعزیت نامہ آپ کے نام تحریر کیا کہ: میں تم کو اللہ کی جانب سے ایک خوشخبری دیتا ہوں، میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! تو انصار اور ان کی

اولاد کو بخش دے۔(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۱۴۵)

وفات

آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نضر بن انس کہتے ہیں کہ: اواخرِ عمر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ: کاش! میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ: ''موت کی تمنا نہ کرو''، ورنہ میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۱۵۵)

جب آپ مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے تو لوگوں نے پوچھا: کیا طبیب کو بلا لائیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موئے مبارک ہے وہ لے آؤ، اور میری زبان کے نیچے رکھ دو، چناں چہ تعمیلِ ارشاد کی گئی۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہلِ خانہ سے فرمایا کہ: مجھے ''لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' کی تلقین کرو، چناں چہ آپ پے در پے کلمۂ طیبہ پڑھنے لگے، اسی حالت میں آپ کی روحِ مطہر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ (انس بن مالک:۱۶۷، دار القلم دمشق)

جب آپ رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے تو مورق عجلی بول اٹھے: آج آدھا علم رخصت ہو گیا، لوگوں نے کہا: یہ کیوں کر؟ انہوں نے کہا: میرے پاس ایک بدعتی آیا کرتا تھا وہ جب کسی حدیث کی مخالفت کرتا تو میں اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے جاتا، آپ اسے حدیث سنا کر مطمئن کر دیتے تھے، اب کون صحابی ہے

جس کے پاس میں جاؤں گا۔ (انس بن مالک: ۱۱۴، دار القلم دمشق)

وصیت

جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ امِ سلیم رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چمڑے کا گدا بچھا دیا کرتی تھیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیلولہ فرمایا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک اور گرنے والے پسینہ کو جمع کر لیتے تھے اور پسینہ ایک شیشی میں ڈال کر خوشبو کے ساتھ ملا دیتے تھے۔ ثمامہ کہتے ہیں کہ: وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ وہ خوشبو کفن میں لگا دی جائے، چناں چہ وہی خوشبو کفن میں لگائی گئی۔

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چھوٹی لکڑی تھی، آپ نے وصیت فرمائی کہ وہ لکڑی میرے ساتھ دفن کر دینا، چناں چہ اس کو آپ کے پہلو اور کرتے کے مابین رکھ دیا گیا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ: ۱۶)

غسل اور تکفین وتدفین

انتقال کے وقت آپ رضی اللہ عنہ نے یہ وصیت کی تھی کہ: مجھے محمد ابن سیرین غسل دیں اور وہی میری نمازِ جنازہ پڑھائیں؛ لیکن چوں کہ محمد ابنِ سیرین قید و بند میں محبوس تھے؛ اس لیے عمر بن یزید، امیرِ شہر کے پاس آئے اور محمد ابنِ سیرین کے لیے اجازت طلب کی، امیر بنو اسید کا ایک شخص تھا، اس نے اجازت دے دی، چناں چہ محمد ابنِ سیرین نے آپ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا اور تجہیز وتکفین کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ عمر بن یزید کے اس احسان پر محمد ابن سیرین آلِ عمر ابن یزید کا تا وفات

شکر ادا کرتے رہے۔

جب کہ بعضوں نے لکھا ہے کہ آپ کی جنازہ کی نماز قطن بن مدرک کلابی نے پڑھائی جیسا کہ ''صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا'' اور ''آئینۂ سیرت'' میں لکھا ہے۔ بصرہ کے قریب مقامِ طف میں اس خادمِ رسول کو سپردِ خاک کیا۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۶)

عمر شریف

راجح قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی وفات سنہ ۹۳ھ میں ہوئی، اور آپ کی پیدائش ہجرت سے دس سال قبل ہوئی، اس حساب سے آپ کی عمر ۱۰۳/ سال ہوتی ہے، جب کہ بعضوں نے آپ کا سنِ وفات سنہ ۹۱ھ اور سنہ ۹۲ھ بھی بیان کیا ہے۔

(صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۸۶۹)

وضع قطع

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے، کالے عمامے اور سفید ٹوپی کے ذریعے اپنے سر کو زینت بخشتے تھے۔ کبھی کبھی آپ ریشم کا عمامہ بھی پہنتے تھے، لوگوں کو اعتراض ہوتا تھا کہ آپ ہمیں ریشم کے استعمال سے منع فرماتے ہیں جب کہ خود اسے استعمال کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: ہمارے رؤسا ہمیں ریشم ہدیہ دیتے ہیں تو میں ان کی دلجوئی کی خاطر پہن لیتا ہوں۔ اسی طرح بسا اوقات رؤسا کا ہدیہ دیا ہوا ریشم کا جبہ اور ریشمی دھاری دار چادر بھی زیب تن فرمالیا کرتے۔ زرد رنگ کا پاجامہ پہنتے تھے، ڈاڑھی میں خضاب بھی لگایا کرتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ باریک سیاہ جبہ بھی پہننے میں شرم وحیا محسوس نہ کرتے، تمازتِ

آفتاب سے بچنے کے لیے سر پر کپڑا ڈال لیتے، اور اپنی دونوں پلکوں پر تر روئی رکھ لیتے تھے۔(طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۱-۱۴-۱۵)

اولاد اور ان کی تعلیم وتربیت

حرمازی کہتے ہیں کہ: بصرہ والوں میں سے تین آدمیوں نے اپنی حیات میں ۱۰۰/ صلبی اولاد دیکھی ہیں، ایک خلیفہ بن بدر، دوسرے ابوبکرہ، تیسرے انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔(انبیاء وصحابہ وتابعین: ۳۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مختلف بیویوں اور باندیوں سے ۱۰۰/ سے زائد اولاد پیدا ہوئیں، جن میں سے چند بیٹے جو مشہور ہوئے وہ عبداللہ، عبیداللہ، زید، یحییٰ، خالد، موسیٰ، ابوبکر، براء، علاء، عمرو غیرہ ہیں، اور مشہور بیٹیاں: حفصہ، امِ عمرو، رملہ، امیمہ اور امِ حرام ہیں۔(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۶۰)

آپ رضی اللہ عنہ اپنی اولاد سے بہت محبت کرتے تھے، اور ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہ ان کی تعلیم وتربیت کا بھی بڑا خیال رکھتے تھے، چناں چہ لڑکوں کو خود اپنے مکان میں تعلیم اور درسِ حدیث دیتے تھے، لڑکیاں بھی ان کے حلقۂ درس میں موجود رہتیں۔آپ کے کئی لڑکے فنِ حدیث میں شیخ اور امام کا درجہ رکھتے تھے، اور تابعین میں بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، یہ آپ ہی کی تعلیم کا اثر تھا۔

آپ نے ان کی تربیت میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ایک مرتبہ آپ کے بچے تیر اندازی سیکھ رہے تھے، آپ ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ ٹھیک نشانہ نہیں لگا پا رہے ہیں، چوں کہ آپ ایک ماہر تیر انداز تھے، ان سے تیر کمان لے کر

خود تیر پھینکے، جو سیدھے جا کر نشانے پر لگے، ایک بھی نشانے سے خطا نہیں گیا۔

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کے ساتھ ذاتِ عرق سے احرام باندھا، پھر اس کے بعد جب تک حالتِ احرام میں رہے سوائے ذکر اللہ کے کچھ بات چیت نہیں فرمائی، پھر جب احرام سے حلال ہوئے تو فرمایا: یہ احرام ہے، یعنی اس حالت میں محظورات وممنوعات سے بچنا ضروری ہے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۳)

زوجۂ محترمہ کو سنت کی طرف متوجہ کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک نکاح زینب بنتِ جابر سے کیا تھا، ایک دن گھر میں داخل ہوئے تو گھر والوں کو سلام کیا؛ مگر انہیں کوئی جواب نہیں ملا، دیکھا تو بیوی سوئی ہوئی تھیں، جب وہ بیدار ہوئیں تو کہا: میں ظہر کی نماز پڑھنا بھول گئی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **"من نام عن صلوٰۃ فکفارتھا أن یصلیھا إذا ذکرھا لا کفارۃ لھا إلا ذالک"۔**

ترجمہ: سونے کی وجہ سے جس کی نماز قضا ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اُسے یاد آئے تو وہ نماز پڑھ لے، اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔

پھر دونوں کھانے بیٹھ گئے، جب زینب بنتِ جابر کھانے سے فارغ ہوئیں تو ایک لفظ بھی نہیں بولیں، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اُس بندے سے راضی ہو جاتے ہیں جو کھانا کھانے یا پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے، اس پر حضرت زینب کی زبان پر فوراً **"الحمد للہ رب العالمین"** جاری ہو گیا۔ (ازواجِ صحابہ کرام: ۱۳۲)

تلامذہ

وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چوں کہ آپ ایک طویل عرصے تک حیات رہے؛ اس لیے آپ کے بہت شاگرد ہوئے، کبارِ تابعین نے آپ سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا، ان تلامذہ میں سے جن کا اسلام کی تاریخ میں بڑا حصہ رہا ہے حسنِ بصری، سلیمان تیمی، ثابت بنانی، محمد بن سیرین، انس بن سیرین، سعید بن جبیر، قتادہ، حمید الطویل وغیرہ قابلِ ذکر ہیں، اور وہ تلامذہ جو کثرت سے روایتیں نقل کرتے ہیں وہ زہری، عمر بن عبد العزیز، مکحول، عیسیٰ بن طهمان، عمر بن شاکر، ابن منکدر اور شعیب بن الحجاب وغیرہ ہیں۔

اپنے تلامذہ کو اکثر پند ونصائح سے نوازا کرتے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ: وہ علم علم ہی نہیں جس کو تم نے سیکھا؛ لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔ اور کہتے کہ: تم جو چاہو سیکھ لو؛ لیکن اللہ تم کو اجر نہیں دے گا جب تک تم اس پر عمل پیرا نہ ہو جاؤ، اور یہ ارشاد فرماتے: ''**إن العلماء همتهم الوعاية وإن السفهاء همتهم الرواية**''، علماء وہی ہیں جو اچھی طرح سمجھ کر محفوظ کر لیتے ہیں اور بے وقوف ہیں وہ لوگ جن کا کام صرف روایتیں نقل کرنا ہے۔ (انس بن مالک: ۱۰۹-۱۱۳، دار القلم دمشق)

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا: میرے نزدیک تم میرے بیٹوں سے زیادہ محبوب ہو، الّا یہ کہ کوئی خیر وبھلائی میں تمہارا ہمسر ہو۔

شاگرد بھی آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی امِ ولد جمیلہ بیان

کرتی ہیں کہ: جب ثابت آتے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے: اے باندی! میرے لیے خوشبو لے آتا کہ میں اسے اپنے ہاتھ پر مَل لوں؛ اس لیے کہ امِ ثابت کا بیٹا ہاتھ چومے بغیر راضی نہ ہوگا۔

ثابت کہتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: تمہیں مجھ سے جو کچھ حاصل کرنا ہے کرلو، تم مجھ سے بڑھ کر کسی اور سے ہرگز حاصل نہ کرسکوگے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیا ہے اور رسول اللہ نے جبرئیل سے اور جبرئیل نے اللہ بزرگ و برتر سے لیا ہے۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۸۴-۱۸۹)

مرویات

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ۱۰ / سال گذارے اور اس قربت کی برکت سے آپ بہ کثرت روایتیں نقل فرماتے تھے، روایتِ حدیث کے اعتبار سے آپ ''طبقۂ اولیٰ'' میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ سے ۱۲۸۶ / احادیث مروی ہیں، جن میں سے ۱۶۸ / احادیث متفق علیہ ہیں، ۸۳ / صرف صحیح بخاری اور ۷۱ / مسلم میں موجود ہیں۔ (صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۸۶۹)

جو اجلۂ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے روایتیں نقل کرتے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، عبداللہ بن رواحہ، فاطمہ، ثابت بن قیس بن شماس، عبدالرحمٰن بن عوف، عبادہ بن صامت، اسید بن حضیر، ابنِ مسعود، مالک بن صعصعہ، ابوذر، ابی بن کعب، ابوطلحہ، معاذ بن جبل، ابوہریرہ، والدہ: امِ سلیم، خالہ: امِ حرام، امِ فضل امرأۃِ عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (انس بن مالک: ۱۱۱، دارالقلم دمشق)

حدیث کے لیے سفر

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالمشافہہ حدیث حاصل کرنے پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ اگر کوئی نئی بات انہیں معلوم ہوتی تو اس کی تحقیق کرتے، چناں چہ ایک مرتبہ آپ نے ایک تابعی محمود بن ربیع سے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کو سنا جو آپ نے اس سے پہلے نہ سنی تھی، تو اس حدیث کو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالمشافہہ حاصل کرنے کے لیے آپ نے مدینہ کا سفر کیا، اوران سے سن کر اپنے ایک بیٹے کو کاغذ میں محفوظ کرنے کا حکم دیا۔

(انس بن مالک: ۱۱۰، دار القلم دمشق)

روایتِ حدیث میں احتیاط

حضرت انس رضی اللہ عنہ احادیث روایت کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اپنے تلامذہ سے کہتے تھے کہ: اگر مجھے غلطی کا ڈر نہ ہوتا تو میں ان تمام چیزوں کو بیان کرتا جو میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" نے مجھے روک دیا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے تو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (انس بن مالک: ۱۱۲، دار القلم دمشق)

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص آپ سے سوال کر بیٹھا: کیا تم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ یہ سوال سن کر آپ کا چہرۂ انور غصہ سے سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ: بہ خدا! ہم جو بھی حدیث بیان کرتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر ہی بیان کرتے ہیں؛ لیکن ہم میں سے بعض ایسے ہیں جو ہم پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔

جب بھی آپ رضی اللہ عنہ کوئی روایت بیان کرتے تو از راہِ احتیاط "أو کما قال" کہا کرتے تھے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۳)

اواخرِ عمر میں بھی احادیث اور مسائل بیان کرنے میں احتیاط برتنے لگے تھے، اگر کوئی حدیث پوچھتا یا مسئلہ دریافت کرتا تو اس کو اپنے تلامذہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ (انس بن مالک: ۱۱۲، دار القلم دمشق)

حفاظتِ حدیث

آپ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں اور شاگردوں کو حدیثیں قلم بند کرنے کا حکم دیتے، جس کی وجہ سے آپ کے پاس احادیثِ مبارکہ کے کئی صحائف جمع ہو گئے تھے، جب آپ کے تلامذہ حدیث بیان کرنے پر اصرار کرتے تو آپ انہیں ان مجموعۂ احادیث کا حوالہ دے دیتے، اور فرماتے: "قیدوا العلم بالکتابة" تم علم کو لکھ کر مقید کرلو۔ (انس بن مالک: ۱۱۲، دار القلم دمشق)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بہ حیثیتِ فقیہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے، آپ مسائل مستنبط کرنے میں زیادہ تر احادیثِ مبارکہ کا سہارا لیتے اور اپنے قیاس واجتہاد پر بہت کم اعتماد کرتے، چند مسائل قارئین کے حضور پیش کیے جاتے ہیں:

آپ سے دریافت کیا گیا کہ: کوئی جنبی آدمی غسل کرے اور غسل کا پانی

خالص پانی میں گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح حیض کی اکثرِ مدت دس دن ہے اور اس سے اوپر کا خون استحاضہ ہے اور نفاس کی اکثرِ مدت چالیس دن ہے؛ لیکن اس سے پہلے خون بند ہو جائے تو بند ہونے کے بعد طہر ہوگا۔

اسی طرح مسح علی الخفین کی مشروعیت کے متعلق آپ نے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استنجا کیا، پھر وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور عمامہ پر، پھر فرض نماز پڑھی۔ (لیکن عمامہ پر مسح ثابت نہیں؛ اس لیے کہ ابو داؤد اور ابنِ ماجہ میں جو حدیث آپ سے مروی ہے اس سے عمامہ کے نیچے مسح کرنا ثابت ہوتا ہے)۔

اسی طرح سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے خواہ جس جہت میں ہو، اور بارش کیچڑ وغیرہ عذر کے وقت فرض نماز بھی رکوع سجدہ کے اشارہ کے ساتھ جائز ہے۔

(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: انس بن مالک: ۱۲۴-۱۳۴، دار القلم دمشق)

اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا پر جان قربان کر دینے والے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی عکّاسی اور نقّالی کرتی تھی، اتباعِ سنّت کے دلدادہ تھے۔

ایک مرتبہ نانبائی نے پتلی روٹی بنائی تو فرمایا: تم ہی کھاؤ، مجھے علم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پتلی روٹی کھائی ہو، یہاں تک کہ آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اور نہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کا بھنا ہوا گوشت نوش فرماتے ہوئے دیکھا۔

آپ کدّو بہت پسند فرماتے تھے۔ تیمی کہتے ہیں کہ: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ کے کھانے میں کدّو نہ دیکھا ہو۔

ایک مرتبہ آپ کدّو تناول فرما رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے کدّو! تیرا کیا کہنا! تو مجھے صرف اس وجہ سے اتنا محبوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھ سے محبت کرتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سالن کے پیالے میں سے کدو چن چن کر نکالتے ہوئے دیکھا، اسی لیے میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی، میں بھی آپ کی معیت میں تھا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جَو کی روٹیاں اور سالن پیش کیا جس میں کدو اور گوشت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو کو پیالے میں تلاش کر رہے تھے، اُس روز سے میں بھی آج تک کدو پسند کرتا رہا ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ بچوں کو سلام کیا کرتے تھے، جب آپ کلام کرتے تو تین مرتبہ کرتے اور کہتے: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اہم بات تین مرتبہ بیان کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی عطر پیش کرتا تو عطر رد نہ فرماتے، دودھ پینے کے بعد تین مرتبہ کلی کرتے تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو امرا کے یہاں بہ کثرت جانے سے منع فرمایا تھا، اس نصیحت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ امرا کے یہاں تشریف نہیں لے جاتے تھے؛ مگر کوئی دینی ضرورت پیش آجائے یا ان کی اصلاح طلب بات ہو تو آپ رضی اللہ عنہ ضرور تشریف لے جاتے۔

(آئینۂ سیرت، انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۱۸۶-۱۸۹-۲۲۰، انس بن مالک:۸۹-۹۱، ۱۵۷، دار القلم دمشق)

عبادات

خشوع وخضوع والی نماز

حضرت انس رضی اللہ عنہ خود بھی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے، ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس بات میں کمی نہیں کروں گا، تمہیں اسی طرح نماز پڑھاؤں گا جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے، آپ قومہ اور جلسہ اتنی دیر تک فرماتے کہ لوگ سمجھتے کہ شاید حضور بھول گئے ہیں۔

ثابت کہتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چل رہا تھا کہ مؤذن نے اذان دی، آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً قدم مسجد کی طرف بڑھائے اور اپنے قدم قریب قریب رکھنے لگے تا آں کہ مسجد میں داخل ہوگئے، پھر کہا: ثابت پوچھتے نہیں، میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے کہا: آپ ہی بتلا دیجیے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تاکہ طلبِ نماز میں قدم زیادہ اٹھے اور ثواب زیادہ ہو۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۹۰-۱۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی نماز پڑھتے تھے کہ اگر ویسی آج کوئی پڑھے تو اس پر عیب تراشی ہونے لگے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خشوع وخضوع سے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی چھ رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کے بعد سے کبھی چاشت کی نماز ترک نہیں کی۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۲۲۳)

آپ رضی اللہ عنہ کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے مشابہ کسی کی نماز نہیں دیکھی، آپ اتنا لمبا قیام فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک سے خون نکلنے لگتا۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۳۱۵)

دعا

آپ اکثر یہ دعا کرتے تھے: ’’اللھم اجعل علینا صلاۃ قوم أبرار، لیسوا بأثَمَۃ ولا فجار، یقومون اللیل ویصومون النھار‘‘۔ اے اللہ! نیک لوگوں کی دعا ہمارے حق میں قبول فرما، جو نہ گنہگار ہوں اور نہ فساق وفجار ہوں، راتوں کو قیام کرتے ہوں اور دن میں روزہ رکھتے ہوں۔ (انس بن مالک:۱۶۸، دار القلم دمشق)

آپ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم رات کے وقت نماز پڑھیں تو رات کے آخری حصے میں ستر مرتبہ استغفار کریں۔

اپنی والدہ کے لیے دعا کرتے تھے کہ: اے اللہ! میری ماں کو بہترین بدلہ عطا فرما، اس نے میری بڑی اچھی پرورش کی۔

طریقۂ ختمِ قرآن

آپ جب قرآن ختم کرتے تو ایک سورۃ باقی رکھتے اور اپنے اہل وعیال کو جمع کرکے ان کے سامنے ختم کرکے ان کے لیے دعا فرماتے۔ (صفۃ الصفوۃ:۱/ ۳۱۶)

تقویٰ وپرہیزگاری

آپ رضی اللہ عنہ بڑے خاموش مزاج تھے، بہت کم گفتگو فرماتے، غیر ضروری باتوں اور

لہو ولعب سے پرہیز کرتے تھے۔ ابو غالب کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ گفتگو کرنے میں سب سے زیادہ بخیل تھے۔

ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ مجوسیوں کی ایک جماعت کے پاس تھے، انہوں نے آپ کو چاندی کے برتن میں فالودہ پیش کیا، تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا، پھر جب لکڑی کے برتن میں پیش کیا گیا تو آپ نے قبول کیا۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۳)

مہمان نوازی

آپ کے گھر جب بھی کوئی آتا تو آپ اس کی بڑی خاطر مدارات کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کی عیادت کے لیے آئے تو آپ نے باندی سے کہا: اے جاریہ! ہمارے دوستوں کے لیے کچھ لے آؤ، اگرچہ روٹی کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو؛ اس لیے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اچھے اخلاق جنت کے اعمال ہیں''۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۸۷)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

حضرت مصعب بن زبیر نے ایک انصاری سردار کو اس کے جرم کی پاداش میں ماخوذ کرنا چاہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو فوراً اٹھے اور امیر کے یہاں تشریف لے گئے، امیر تخت نشیں تھے، آپ نے جب انہیں یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کے امرا کے متعلق یہ وصیت کی تھی کہ ان کے ساتھ رعایت کی جائے، اچھوں کے ساتھ اچھا سلوک اور بروں سے درگذر کا برتاؤ کیا جائے۔ تو اس حدیث کا حضرت مصعب پر اتنا اثر ہوا کہ تخت سے اتر آئے اور فرش پر اپنا رخسار

رکھ کر کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر۔

عبید اللہ بن زیاد کے سامنے ایک مرتبہ حوضِ کوثر کا تذکرہ ہوا تو اس نے اس کے وجود میں شک کا اظہار کیا، جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو فرمایا: میں اسے سمجھاؤں گا، چناں چہ اس کے پاس پہنچے اور حوضِ کوثر کے متعلق حدیث سنائی۔

آپ نے اپنے زمانے کے لوگوں سے فرمایا: تم بہت سے ایسے اعمال کرتے ہو جسے عہدِ رسالت میں ہم مہلکات میں شمار کرتے تھے، جب کہ تم اسے بہت خفیف وہلکا سمجھتے ہو۔

جب آپ رضی اللہ عنہ بصرہ سے مدینہ آئے تو پوچھا گیا کہ: آپ کو عہدِ نبوی سے جداگانہ طریقہ کونسا نظر آرہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنی صفیں درست نہیں کرتے۔

ایک دن ظہر کی نماز کے بعد کچھ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے، جیسے ہی عصر کا وقت ہوا، آپ اٹھے اور نماز میں مشغول ہوگئے، ان لوگوں نے کہا: بڑی عجلت کی، تو فرمانے لگے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ منافقین کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں، جب سورج زرد ہونے لگتا ہے تو چار رکعت پڑھ لیتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۹۱-۱۹۳)

جانوروں پر ظلم کرنے سے روکنا

حکم بن ایوب، اموی حکومت کا امیر تھا، اس کی خوں ریزی انسانوں سے متجاوز ہوکر حیوانات تک پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے یہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ مرغی کے دونوں پاؤں باندھ کر تیر اندازی کر رہا ہے، جب

تیر نشانہ پر لگتا تو وہ خوب خوش ہوتا اور مرغی درد سے پھڑ پھڑانے لگتی، یہ دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ اس پر برہم ہوئے اور اس قسم کی حرکت کرنے سے منع فرمایا۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ :۱۹۵)

حق گوئی و بے باکی

کربلا کے دلدوز سانحے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عراق کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بھی وہاں موجود تھے، آپ نے دیکھا کہ عبید اللہ نے اپنے ہاتھ کی چھڑی سیدنا حسین کی آنکھ اور لب پر ماری اور آپ رضی اللہ عنہ کے خدوخال کے بارے میں گستاخانہ کلمات کہے، آپ رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، اور غیظ و غضب کی حالت میں یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ: جانتے ہو یہ چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور کے مشابہ ہے۔ (صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا:۸۶۹)

ابان بن عیاش کہتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حجّاج سے گفتگو ہوئی، تو اس نے کہا: اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم نہ ہوتے اور امیر المؤمنین کا تمہارے بارے میں خط نہ آتا تو تمہارے ساتھ کچھ اور ہی سلوک کرتا، اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خاموش رہ! جب میرے نتھنے ابھرنے لگے اور میری آواز بھاری ہو گئی یعنی جب میں جوان ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایسے کلمات سکھائے کہ اس کی وجہ سے کسی سرکش و جابر کا ظلم و جور مجھے ضرر نہیں پہنچا سکتا اور ہر ضرورت بہ آسانی پوری ہو جاتی ہے اور ہر مسلمان میرے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آتا رہے گا، یہ سن کر حجاج نے کہا: کاش کہ وہ کلمات تم مجھے بھی سکھا دیتے! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اس

لائق نہیں۔اس کے بعد حجاج نے اپنے دو بیٹوں کو دو ہزار درہم دے کر بھیجا کہ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، ہوسکتا ہے کہ تم وہ کلمات نکلوانے میں کامیاب ہو جاؤ؛ لیکن وہ نامراد واپس لوٹے۔

ابان کہتے ہیں کہ: جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو مجھے وہ کلمات سکھلائے اور کہا کہ: کسی نااہل کو نہ بتانا۔ابان فرماتے ہیں کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ نے مجھے بھی عطا فرمایا اور اللہ نے انہیں جن چیزوں سے دور رکھا تھا مجھے بھی دور رکھا۔(تفصیلی دعا کے لیے دیکھیے، آئینۂ سیرت حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک: ۲۷۵-۲۷۶)

حجاج نماز کو وقت سے مؤخر کر دیتا تھا تو آپ اسے برابر ٹوکتے، اگر کوئی شاگرد روکتا کہ ظالم اپنے ظلم سے باز نہیں آئے گا، تب بھی آپ نہ مانتے اور اس کو دعوت دے کر رہتے۔

رازِ رسول کی حفاظت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کم عمری کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ پر اعتماد و بھروسہ کرتے تھے، اور آپ رضی اللہ عنہ کو امانت دار سمجھتے ہوئے اپنی راز کی باتیں ارشاد فرماتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کا کسی کے سامنے افشا نہ کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے پاس ایک راز رکھا تھا، میں نے ابھی تک اسے کسی کے سامنے بیان نہیں کیا؛ حتی کہ میری والدہ نے مجھ سے دریافت کیا تب بھی میں نے نہیں بتایا۔

ایک اور روایت میں اسی اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: میں چند لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سلام کیا، پھر مجھے ایک کام کے لیے بھیجا، جس کی وجہ سے مجھے گھر جانے میں دیر ہوگئی، والدہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ آج کیوں دیر ہوگئی؟ میں نے عرض کیا: امی جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کسی ضرورت سے بھیجا تھا، ماں نے پوچھا: بیٹا! کس کام کے لیے بھیجا تھا؟ میں نے کہا: وہ تو راز کی بات ہے۔تو میری والدہ امِ سلیم رضی اللہ عنہا نے تلقین کی کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو کسی کے سامنے ہرگز بیان نہ کرنا۔ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب شاگرد ثابت سے فرمایا: بہ خدا! اگر اس راز کو کسی سے بیان کرنا ہوتا تو اے ثابت! تجھ سے بیان کرتا۔ (انس بن مالک: ۷۹، دار القلم دمشق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی تعظیم

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسمِ مبارک نقش کروا رکھا تھا، اس بنا پر آپ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے، جب بھی آپ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو پہلے انگوٹھی نکال لیتے، پھر داخل ہوتے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷/ ۱۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کرامت

آپ رضی اللہ عنہ گوناگوں محاسن، اخلاقِ جمیلہ اور خصائلِ حمیدہ سے آراستہ تھے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "مناقب أنس و فضائله كثيرة جدا"، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں۔

ایک مرتبہ آپ کا باغبان آیا اور شدید قحط سالی کی شکایت کی، آپ نے وضو کا پانی منگوایا اور وضو کر کے نماز کی طرف متوجہ ہوئے، پھر فرمایا: اے باغبان! آسمان کی جانب دیکھ، کچھ نظر آ رہا ہے؟ باغبان نے کہا: آسمان میں ذرّہ برابر تغیر نظر نہیں آ رہا ہے؟ آپ نے پھر نماز پڑھ کر یہی سوال کیا، اور باغبان نے یہی جواب دیا، جب تیسری یا چوتھی بار نماز پڑھ کر اس سے پوچھا کہ: کیا کچھ نظر آ رہا ہے؟ اب کی بار اس نے جواب دیا: جی ہاں! ایک پرندے کے پر کے برابر بادل کا ٹکڑا نظر آ رہا ہے، پھر آپ برابر نماز اور دعا میں مشغول رہے؛ یہاں تک کہ آسمان میں ہر طرف ابر چھا گیا اور خوب موسلا دھار بارش ہوئی، پھر آپ نے باغبان کو حکم دیا کہ: جاؤ دیکھو بارش کہاں تک پہنچی ہے؟ اس نے چاروں طرف گھوڑے دوڑائے اور آ کر کہا کہ: بارش ''مسیرین'' اور ''قضبان'' کے محلوں سے آگے نہیں بڑھی۔ (طبقات ابنِ سعد: ۷ / ۱۲، کراماتِ صحابہ: ۱۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متبرک چیزیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی چیزیں تبرکاً محفوظ رکھی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیالہ تھا، ایک مرتبہ وہ ٹوٹ گیا تو آپ نے اس کو چاندی کے تار سے جڑوا دیا، اس میں ایک لوہے کا حلقہ لگا ہوا تھا، آپ نے اس میں سونے یا چاندی کا حلقہ لگوانا چاہا تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے منع فرما دیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام میں تغیر نہ کرنا چاہیے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک بھی تھے، ہر ایک جوتے میں

دو تسمے تھے۔(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۱۸۶۔۱۸۷۔۲۱۱)

اسی طرح بال اور لکڑی کے بارے میں ماقبل میں تذکرہ گذرا۔

آگ نے رومال کو نہیں جلایا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک رومال تھا آپ نے اسے منگوایا، رومال بہت میلا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے گرم تنور میں ڈالنے کا حکم دیا، کچھ دیر بعد اسے تنور سے نکالا گیا تو وہ دودھ کی طرح سفید ہو چکا تھا، وہاں موجود لوگ بڑے استعجاب واستغراب میں پڑ گئے کہ آگ نے رومال کو نہیں جلایا؟ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: تو فرمایا: جس رومال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور مس ہوا ہو اُسے آگ کیسے چھو سکتی ہے!(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۲۵۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر بہ کثرت تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما ہیں اور نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے فرش کو صاف کروایا اور ہم کو اس پر نماز پڑھادی۔

آپ کی دادی مُلَیکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی، آپ نے کچھ کھانا تناول فرمایا پھر ارشاد ہوا: کھڑے ہو جاؤ، میں تمہیں نماز پڑھادوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک پرانا بوریا بچھا کر اس پر پانی چھڑک دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک یتیم بچہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو

رکعت پڑھائی۔

اسی طرح ایک روز آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے، گھر میں آپ کی والدہ اور خالہ امِ حرام تھیں، آپ نے فرمایا: کھڑے ہوجاؤ، میں تمہیں نماز پڑھادوں جب کہ وہ نماز کا وقت نہیں تھا، پھر آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

(آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۴۶)

آپ کے گھر میں مواخات

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مدینہ والے گھر میں انصار وقریش کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی اور بنی سلیم کے خلاف ایک مہینہ تک دعائے قنوت پڑھی۔

شیریں کنواں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر کے ایک کنویں میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیا تھا، تب سے مدینہ طیبہ میں اس کنویں سے زیادہ بہتر اور شیریں پانی کسی کنویں کا نہ تھا۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۵۰-۵۱)

محبتِ علی وعثمان

مشاجراتِ صحابہ کی گرم بازاری میں جب کہ اکثر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ میں سے کسی نہ کسی سے متنفّر تھے، ایسے وقت میں آپ علی الاعلان کہتے کہ: کون کہتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی، اللہ نے میرے دل میں دونوں کی محبّت کو جمع کر دیا ہے۔ (انس بن مالک: ۹۲، دار القلم دمشق)

آرزوئے انس

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ: قیامت کب آئے گی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس ایسا کوئی عمل تو نہیں جسے میں اللہ کے حضور پیش کرسکوں۔ اتنا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جس سے محبت کرتے ہو، اسی کے ساتھ رہوگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ جواب سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی؛ اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ ان ہی کے ساتھ رہوں گا؛ اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں۔ (آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ۱۸۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدۂ سفارش

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے بروزِ قیامت سفارش کا وعدہ کیا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا آپ میری سفارش فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں شفاعت کروں گا، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں آپ کو کہاں تلاش کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے پل صراط پر تلاش کرنا، عرض کیا کہ: اگر وہاں ملاقات نہ ہو تو کہاں تلاش کروں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میزان کے پاس رہوں گا، عرض کیا کہ: اگر وہاں بھی نہ ملے تو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حوضِ کوثر کے پاس ملوں گا، بس! ان ہی تین جگہوں میں سے کسی جگہ پر رہوں گا۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ اکثر یہ جملہ ارشاد فرماتے تھے: ”إني لأرجو

أن ألقیٰ رسول اللّٰہ في یوم القیامة فأقول له هٰذا خویدمک انیس "۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیۂ مبارک بیان کرنے کے بعد جوشِ مسرّت میں یہی جملہ ارشاد فرمایا کہ: مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی، اگر ایسا ہوگا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کروں گا: یارسول اللہ! آپ کا ادنیٰ غلام انس حاضر ہے۔ (صور من حیاة الصحابة: ۱۵-۱۶، انس بن مالک: ۶۷، دار القلم دمشق)

پیغامِ عمل

یہ تھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی کی جھلکیاں، ذرا ان کی سیرت کو دیکھیے، ان کی ایک ایک ادا نرالی تھی، ان کے ایامِ طفولیت کو دیکھیے، خدمتِ رسول، حبِ رسول اور اطاعتِ رسول کو دیکھیے، ان کے عادات واطوار، اخلاق واعمال کی جانب نظر کیجیے، جو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقالی کرتے تھے، والدہ سے اور اولاد وتلامذہ سے محبت کو دیکھیے، ان کی گھریلو زندگی اور جہادی زندگی کی طرف نگاہ کیجیے، معاملات ومعاشرت، جاں نثاری اور جرأت وبے باکی کو ملاحظہ کیجیے جو انہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ صحبت سے حاصل تھی۔ یقیناً ایسے شخص کا اسوہ ہمارے لیے بہترین اور کامیاب زندگی گذارنے کے لیے مشعلِ راہ ہے؛ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے اسوۂ حیات کو اپنائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر ان جیسی صفات پیدا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت عمار بن یاسرؓ

از قلم:
ثوبان بشیر بھروچی

سوانحی خاکہ

حضرت عمار بن یاسرؓ

نام: عمار بن یاسرؓ۔

کنیت: ابوالیقظان۔

آپ قحطانیُ النسل تھے۔

قبولِ اسلام: آغازِ اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے۔

ہجرت: ہجرتِ مدینہ۔

غزوات: تمام غزوات میں شریک رہے۔

مرویات: ۶۲/ احادیث مروی ہیں۔

شہادت: ۳۷ھ جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔

عمر: ۹۱/سال۔

نمازِ جنازہ: حضرت علیؓ نے پڑھائی۔

مدفن: کوفہ میں مدفون ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عمار بن یاسرؓ

ثوبان بشیر بھروچی

مجھے آج اپنے شکستہ قلم اور بوسیدہ کاغذ کی قسمت پر بڑا رشک آرہا ہے، کیوں کہ یہ قلم وقرطاس ایک ایسے شخص کی زندگی لیے میدان میں اترے ہیں جس کی زندگی کا ہر گوشہ حیاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک رہا ہے، ایک تعبیر بارہا کتابوں میں آپ کی نظروں سے گذری ہوگی "فداه أبي و أمي" یہ ذات اس جملہ کی کامل ومکمل مصداق ہے۔ تنومند، دراز قد، کشادہ سینہ اور نرگسی آنکھوں والے اِس آدمی نے ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں باریابی کی اجازت چاہی، ان کی آواز سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی، فرمایا: "مرحبا بالطیب المطیب" (خوش آمدید! پاکیزہ ومصفّا انسان!) یہ صاحب جن کو سرورِ کائنات فخرِ موجودات سید الانبیا والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "طیب المطیب" کے مہتم بالشان لقب سے نوازا، حضرت یاسر کے لختِ جگر، سمیہ کے لعل اور آلِ یاسر کے چشم وچراغ: سیدنا حضرت عمار بن یاسرؓ تھے۔

آیئے! حضرت عمارؓ کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ ظلمتوں کے اس دور میں یہی لوگ ''روشنی کے مینار'' ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام: عمارؓ اور کنیت: ابوالیقظان تھی۔

والدِ گرامی کا نام: یاسر اور والدۂ محترمہ مشہور اولوالعزم صحابیہ حضرت سمیّہ بنتِ خبّاط تھیں۔

(حضرت سمیہؓ کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: پندرہ جنتی صحابیات، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

والدِ محترم کی طرف سے نسب یہ ہے: عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن ابوذیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عَنْس بن مالک العنسی القحطانی۔

ولادت

حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا وطنِ اصلی تھا، وہ اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دو بھائیوں: حارث اور مالک کے ہمراہ مکۂ معظّمہ پہنچے، حسنِ اتفاق کہ مکہ کی آب وہوا اور وہاں کا ماحول دل کو بھا گیا، وہ دونوں واپس لوٹ گئے؛ لیکن حضرت یاسرؓ نے یہیں طرحِ اقامت ڈال دی، اور بنومخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کرلیا، بنومخزوم کے سردار ابوحذیفہ بن مغیرہ نے اپنی لونڈی سمیہ بنتِ خباط سے ان کا عقد کردیا، اسی سے عمّار پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمارؓ کو بچپن ہی میں آزاد کرکے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف ومحبت اور عنایت ومہربانی کے ساتھ اپنے سایۂ عاطفت میں رکھا، اسی مناسبت سے آپ کو ''مخزومی'' بھی کہا جاتا ہے۔

(حضرت یاسر کے تفصیلی حالات اسی کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں)۔

قبولِ اسلام

ابوحذیفہ کی وفات کے بعد اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمارؓ فطرتاً سلیم الطبع واقع ہوئے تھے، اسی سلامتِ طبع کے باعث آغازِ اسلام میں ہی دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئے۔ حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت صہیبؓ کو ارقم بن ابی ارقم کے دروازے پر دیکھا تو پوچھا: تم کس ارادے سے آئے ہو؟ وہ بولے: پہلے تم اپنا ارادہ ظاہر کرو، میں نے عرض کیا کہ: محمد سے مل کر کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں، بولے: میرا بھی مقصد یہی ہے۔ الغرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقیِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمارؓ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ: حضرت عمار بن یاسرؓ جس وقت ایمان لائے تو حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ صرف پانچ غلاموں اور دو عورتوں کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمارؓ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے تک صرف سات نفوس نے اسلام قبول کیا تھا۔

بقول ابنِ مسعود جن سات لوگوں نے مکّہ میں سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا تھا، وہ حضرات یہ ہیں: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (۲) حضرت ابوبکرؓ (۳) بلال حبشیؓ (۴) خباب بن ارتؓ (۵) صہیب رومیؓ (۶) عمار بن یاسرؓ (۷) سمیہؓ۔

لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے ''فتح الباری'' میں اور علامہ ابنِ اثیرؒ نے ''اسد الغابہ'' میں لکھا ہے کہ: فی الحقیقت اُس وقت تیس سے کچھ زائد نفوس مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے؛ البتہ مشرکین کے خوف سے انہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ ادا فرمارہے تھے اور ابھی علانیہ دعوت کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ الغرض جونسی بھی روایت صحیح ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمّار ''السابقون الاولون'' کے قافلۂ خدامست کے رکنِ رکین اور اہم شہسوار تھے۔

حاصل کلام یہ کہ بعثتِ نبوی سے پینتالیس سال پہلے مکہ میں آنے والا یہ خاندان اسلام کی عظیم الشان نعمت سے مالا مال ہوا۔

مشرکینِ مکّہ کی جانب سے تشدّد

یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ: ابوحذیفہ نے حضرت عمارؓ کو شیرخوارگی کے زمانے میں ہی آزاد کر دیا تھا؛ لیکن آپ کی والدہ حضرت سمیہؓ بدستور ان کی غلامی میں تھیں، ابوحذیفہ کے مرنے کے بعد بنومخزوم کے دیگر ورثا (ابوجہل وغیرہ) کی غلامی میں آ گئی تھیں۔

اِدھر یہ خاندان اسلام میں داخل ہوا اور اُدھر ظلم وستم کا ایک نیا باب شروع ہوا، اہلِ حق کے لیے یہ بڑا پُرآشوب زمانہ تھا، مکہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا وہ مشرکینِ قریش کے غیظ وغضب اور جور وتعدّی کا نشانہ بن جاتا تھا، مشرکین اس معاملے میں جب اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے تو ان غریب الوطن

اور بے یارومددگار باپ بیٹوں اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا کچھ روانہ رکھا گیا ہوگا۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ: اس خانماں برباد خاندان پر مشرکین نے قبولِ اسلام کے جرم میں ایسے ایسے لرزہ خیز مظالم ڈھائے کہ انسانیت کانپ کر رہ گئی اور اب جو مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تو بقولِ شاعر:

جو بلائیں تھیں سارے زمانے کے لیے
ہوگئیں موقوف سب، میرے مٹانے کے لیے

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دونوں بہت ضعیف اور کبیر السن تھے؛ لیکن کفّار کی تمام سختیوں کے باوجود ان کے قدم جادۂ حق سے لمحہ بھر کے لیے بھی ڈگمگا نہ پائے، یہی حال ان کے بیٹوں کا تھا، مشرکینِ مکّہ نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنایا، ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکّہ کی جلتی تپتی ریت پر لٹانا اور ان کی پشت کو دہکتے انگاروں سے داغنا ان کا روز مرّہ کا معمول بن گیا تھا؛ لیکن عزیمت و استقامت کے یہ پیکر نشۂ توحید میں ایسے مخمور تھے کہ راہِ حق سے ہٹنے کا نام بھی نہ لیتے تھے، جوں جوں کفار کا ظلم و ستم بڑھتا جاتا بادۂ توحید کی سرمستی اپنا رنگ دکھاتی جاتی۔

جنت کی بشارت

کوئی آزمائش نہیں جس سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کو نہ گذرنا پڑا ہو، حضرت امِ ہانی رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ: ایک دن جب یہ چاروں نفوسِ قدسی کفار کے ہاتھوں لرزہ خیز اذیتیں جھیل رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوا،

ان مبتلائے اذیت لوگوں کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا: صبر کرو اے آلِ یاسر! تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔

امام ترمذیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت تین لوگوں کی مشتاق ہے: علی، عمّار اور سلمان۔

امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت عثمانؓ کی روایت نقل کی ہے کہ: ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُس مقام سے گذرا جہاں آلِ یاسر کو عذاب دیا جارہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو! اے اللہ آلِ یاسر کی مغفرت فرما اور تو نے ان کی مغفرت کرہی دی۔

قربانیوں کا لامتناہی سلسلہ

بوڑھے یاسر یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہوگئے۔ ابوجہل نے حضرت سمیہؓ سے کہا کہ: تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صرف اس لیے ایمان لے آئی ہے کہ تو اس کے جمال پر فریفتہ ہوگئی ہے، پھر ابوجہل نے حضرت سمیہؓ کے نازک مقام پر اپنا برچھا کھینچ مارا جس کے صدمے سے وہ بھی شہید ہوگئیں۔ زمرۂ خواتین میں عہدِ رسالت کی یہ پہلی شہادت تھی جو راہِ حق میں پیش کی گئی۔ ظالم ابوجہل نے حضرت عبداللہ بن یاسرؓ۔ جو حضرت عمارؓ کے بھائی تھے۔ ان کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا۔

دین کی خاطر جان دینے والے جتنے بھی جاں نثار مجاہدین قیامت تک پیدا ہوں گے ان سب کی جاں نثاری کا سہرا حضرت عمارؓ کے والد: حضرت یاسرؓ اور والدہ: حضرت سمیہؓ ہی کے سر بندھے گا جنہیں کم بخت ابوجہل اور اس کے چیلوں

چپاٹوں نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر شہید کردیا۔

اب صرف حضرت عمارؓ باقی رہ گئے تھے، ان کو اپنی والدہ کی مرگِ بے کسی پر سخت صدمہ ہوا، روتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اور یہ واقعہ سنا کر عرض کیا: ''یارسول اللہ! اب توظلم کی انتہا ہوگئ''، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا: اے اللہ! آلِ یاسر کو دوزخ سے بچا۔

ایک ننھی سی جان اور یہ قربانیاں

والدین اور بھائی کی شہادت کے بعد بھی حضرت عمارؓ بدستور کفّار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ: ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمارؓ کو کرتہ اتارے ہوئے دیکھا تو ان کی پیٹھ پر داغ ہی داغ نظر آئے، پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اُن تکالیف کے نشانات ہیں جو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر مجھے دی جاتی تھیں۔

عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کا شمار ان کمزوروں میں ہوتا ہے جن کو مکے میں اسلام لانے کی پاداشت میں سخت تکلیف دی جاتی تھی؛ تاکہ وہ اپنے ایمان سے برگشتہ ہوجائے۔

محمد بن عمر فرماتے ہیں کہ: عمار بن یاسر ان مظلوم لوگوں میں سے تھے جن کا مکہ میں نہ کوئی رشتہ دار تھا، نہ کوئی مقام ومرتبہ تھا اور نہ کوئی طاقت وقوت تھی، قریشِ مکہ آپ کو دن کی تپتی ہوئی دھوپ میں اذیّت وتکلیف پہنچایا کرتے تھے؛ تاکہ آپ اپنے دین سے پھر جائے۔

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُدھر سے گذرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور فرمایا: اے آگ! عمار پر اِس طرح ٹھنڈی ہوجا جس طرح تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہوئی تھی۔

ابن جریج فرماتے ہیں کہ: میں نے عبداللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ {اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ}والی آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب کہ ان کو اللہ کے دین کے لیے عذاب ستایا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پانی میں اس قدر غوطے دیے کہ بالکل ہوش وحواس سے بیگانے ہوگئے، یہاں تک کہ ان ظالموں نے آپ کی زبان سے ایسے نازیبا جملے کہلوا لیے، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انکار اور معبودانِ باطلہ کا اقرار اور ان کی تعریف تھی، جب ہوش آیا اور ان بدبختوں سے جان چھوٹی تو روتے ہوئے زخمی دل اور زخمی جسم کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تم کو ایسی مصیبت کیا پیش آئی کہ تم رو رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: بہت بری خبر ہے یارسول اللہ! مجھے ان ظالموں نے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ میں نے آپ کے حق میں نازیبا جملہ نہیں کہا اور ان کے معبودوں کا ذکرِ خیر نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میرا دل تو بفضلہٖ تعالیٰ ایمان باللہ وایمان بالرسول

کے ساتھ مطمئن ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں، اگر آئندہ بھی وہ تمہاری اذیّت کے درپے ہوں اور اس قسم کا مطالبہ کریں تو جان بچانے کے لیے ایسا کر لینا۔

متعدّد مفسرین نے لکھا ہے کہ: سورۃ النحل کی یہ آیت اسی پس منظر میں نازل ہوئی: {**مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ**} جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے؛ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)۔

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیّت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے: خدا کی قسم! ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے۔

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اُن ہی گرفتارانِ مصائب میں سے تھے، جنہوں نے راہِ خدا میں صبر واستقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کیے، لیکن آئینۂ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی برہنہ پیٹھ دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ: اس وقت بھی کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ پر موجود تھے۔

ہجرت

حضرت عمارؓ مسلسل تیرہ سال مکہ میں رہ کر کفّار کے مظالم برداشت کرتے رہے۔آپ کی ہجرتِ حبشہ کے متعلق اربابِ سیر میں اختلاف ہے،بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ: آپ بعثت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایما پر حبش چلے گئے تھے اور کچھ عرصہ وہاں گذارنے کے بعد مکّہ واپس آ گئے؛ لیکن جمہور اربابِ سیر نے دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین کی جو فہرست دی ہے،اس میں حضرت عمارؓ کا نام شامل نہیں ہے۔

بہرصورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عمارؓ ان صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جنہوں نے ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مکّہ سے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی۔

صحیح بخاری کے مطابق جو نفوسِ قدسی سب سے پہلے مکّے سے مدینۂ منورہ کی طرف روانہ ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومیؓ (۲) حضرت عامر بن ربیعہ عنزیؓ (۳) حضرت لیلیٰ بنتِ ابی حثمہؓ (حضرت عامرؓ کی اہلیہ) (۴) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ (۵) حضرت عمار بن یاسرؓ (۶) حضرت بلال بن رباحؓ۔

حضرت عمارؓ پہلے قبا میں پناہ گزیں ہوئے، جہاں قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کے حضرت مبشر بن عبد المنذرؓ نے انہیں اپنا مہمان بنایا؛ یہاں تک کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بھی مکہ سے ہجرت کر کے قبا میں نزولِ اجلال فرمایا۔

مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجدِ قبا کی تاسیس فرمائی تو حضرت عمارؓ نے بھی دوسرے صحابہؓ کے ساتھ اس کی تعمیر میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا، یہاں تک لکھا گیا ہے کہ مسجدِ قبا کے لیے پتھر حضرت عمارؓ ہی نے جمع کیے اور اس کی تعمیر کا بیشتر کام بھی آپ ہی کے مبارک ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔

مدینہ کا قیام اور مواخاۃ

کچھ عرصہ قبا میں ٹھہرنے کے بعد حضرت عمارؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں قبا سے مدینہ آ گئے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمارؓ کو مدینہ میں مستقل سکونت کے لیے ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا، قیاس یہ ہے کہ یہ قطعۂ زمین انہیں ہجرت کے فوراً بعد نہیں؛ بلکہ کچھ عرصہ بعد عنایت کیا گیا ہوگا؛ کیوں کہ حضرت عمارؓ کچھ مدّت اصحابِ صفہ میں بھی شامل رہے ہیں۔

مدینۂ منورہ میں تشریف لانے کے کچھ عرصہ بعد جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں برادری اور اخوت قائم فرمائی تو حضرت عمارؓ کو حضرت حذیفہؓ بن یمان کا اسلامی بھائی بنایا۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت کے چھ سات ماہ کے بعد جب مسجدِ نبوی کی تعمیر کا آغاز فرمایا تو تمام صحابۂ کرامؓ نے اس کام میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا، خود سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسروں کی طرح برابر گارا اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، صحابۂ

کرامؓ منتیں کرتے تھے کہ حضور! آپ زحمت گوارا نہ فرمائیں، ہم یہ کام کرلیں گے؛لیکن آپ نے اس کو منظور نہیں فرمایا۔اس موقع پر حضرت عمارؓ اینٹیں اور گارا لالا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

نحن المسلمون نبتني المساجد ہم مسلمان ہیں،ہم مسجد بناتے ہیں

لئن قعدنا والنبي يعمل		لذاک منا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبیؐ کریم کام کریں تو یہ ہماری جانب سے گمراہ کن عمل ہے۔

مسجد تعمیر کرتے ہوئے مسلمانوں نے یہ رجزیہ شعر پڑھا:

اللهم لاخير إلا خير الآخرة		فاغفر للأنصار والمهاجرة

اے اللہ! حقیقی بھلائی تو آخرت ہی کی بھلائی ہے،لہٰذا انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عمار بن یاسر یہ رجزیہ اشعار کہہ رہے تھے:

لايستوي من يعمرا المساجدا		يدأب فيه قائما وقاعدا
ومن يرى الغبار حائدا		

وہ دو شخص برابر نہیں ہوسکتے جن میں سے ایک شخص تو مساجد کی تعمیر میں لگا ہوا ہو اور کھڑے بیٹھے خوب لگن سے کام کرتا ہو اور دوسرا شخص جو غبار سے دور کھڑا ہو کر نظارہ کررہا ہو۔

صاحبِ طبقات کہتے ہیں کہ: آپ کے ساتھ ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ”المساجدا“ کو بار بار دہراتے جاتے تھے۔

حضرت عمارؓ نے کس قدر تندہی اور جفاکشی اور کس ذوق وشوق کے ساتھ اس تعمیر میں حصہ لیا، اس کا اندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ: ہم ایک ایک اینٹ اٹھارہے تھے اور عمارؓ دو دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا، تو ان کے سر اور بدن سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے: ہائے عمار! تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی، تم اسے خدا کی طرف دعوت کروگے اور وہ تمہیں جہنّم کی طرف بلائے گی۔

اسی موقع پر کسی نے آپ کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلّا اٹھے کہ: آج عمار مرجائیں گے، آج عمار مرجائیں گے۔ وہ اس سے پہلے بھی تکلیف کی شکایت کرچکے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا: افسوس! ابنِ سمیہ! تمہیں ایک باغی گروہ قتل کردے گا۔

تیمم والا واقعہ

صحیح بخاری میں خود حضرت عمارؓ کی زبانی یہ واقعہ اس طرح منقول ہے کہ: ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ: مجھے غسل کی حاجت ہوگئی اور پانی نہیں ملا (تو کیا کروں) میں نے (یعنی حضرت عمارؓ نے جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہوگئی تھی) تو آپ نے اس حالت میں نماز نہیں پڑھی، اور میں نے یہ کیا کہ: میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیوں کہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا) پھر جب

ہم سفر سے واپس آئے تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: (زمین پر لوٹ پوٹ ہونے کی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لیے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ فرما کر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان کو پھونکا (تاکہ جو زائد خاک اور دھول لگی ہو وہ اڑ جائے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔

دیوار گرنے کی تردید

وکیع بن جراح فرماتے ہیں کہ: ہذیل نے خبر دی کہ: کوئی شخص نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور ان سے عرض کیا کہ: حضرت عمارؓ پر دیوار گر گئی اور وہ مر گئے، تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: عمار نہیں مر سکتے۔

غزوات میں شرکت

حضرت عمارؓ راہِ حق کے ایک سپاہی تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی عقیدت اور محبت، عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی، آپ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور ہر غزوے میں جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔

حضرت عمارؓ نے بدر کے دن عامر بن حضرمی جو بنی عبدِ شمس کا حلیف تھا اور حارث بن زمعہ اور زیدی بن عبد اللہ جو بنی مخزوم کا حلیف تھا اور علی بن امیہ بن خلف کو قتل کیا۔

غزوۂ بدر میں جب دو چھوٹے چھوٹے صحابی معاذ اور معوذ نے کبر ونخوت کے

پتلے ابوجہل کو خاک وخون میں ملا دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سرتن سے جدا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو بلا کر خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''**قد قتل اللہ قاتل أمک**''، ترجمہ: اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل کو قتل کر دیا۔

عہدِ رسالت کا شاید ہی کوئی شرف ایسا ہو جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو؛ بلکہ ابنِ سعد کی نقل کردہ روایت کے مطابق راہِ خدا میں انسان تو انسان، جنّات وشیاطین سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کا موقع ملا، خود فرماتے ہیں کہ: میں نے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ انسان اور جنّات سے مقابلہ کیا ہے، لوگوں نے ان سے کہا کہ: تمہارا انسان کے ساتھ قتال کرنا تو سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن تم جنّات کے ساتھ کیسے لڑے؟ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

آپؓ نے فرمایا: ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ہم کسی مقام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اترے، تو میں نے اپنی مشک اور ڈول لی اور پانی بھرنے کے لیے نکلا، پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: اے عمار! تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ، ٹھیک ہے، لیکن تمہیں پانی لینے سے روکا جائے گا؛ لیکن میں پانی بھرنے کے لیے چل پڑا، جب میں کنویں کے قریب پہنچا تو ایک سیاہ فام شخص جو بہت طاقتور تھا اس نے مجھ سے کہا کہ: بخدا! میں آج تجھے ایک ڈول بھی پانی بھرنے کے لیے بھی نہیں دوں گا، میں نے کہا: نہیں، میں پانی بھر کر جاؤں گا، چناں چہ ہمارے درمیان لڑائی ہوگئی اور ہم ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے، بالآخر میں نے اسے زمین پر

پشت کے بل پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر بیٹھ کر پتھر سے اس کی ناک توڑ دی، پھر میں اپنی مشک بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: کیا کنویں کے پاس تمہاری کسی سے ملاقات ہوئی تھی؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! ایک کالے رنگ کا آدمی تھا، آپ نے دریافت کیا کہ: تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے پورا واقعہ کہہ سنایا، آپ نے پوچھا: کیا تم اس کو جانتے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے فرمایا کہ: وہ شیطان تھا۔

ایک یادگار مہم جوئی

سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمارؓ کے اخلاق فی الدین اور جذبۂ فدویت کا اعتراف فرمایا کرتے تھے اور آپ کا بہت اعزاز واکرام کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو ایک دستے کا امیر بنا کر مہم جوئی کے لیے بھیجا، اس دستے میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شامل تھے، اثنائے راہ حضرت خالدؓ اور حضرت عمارؓ کے درمیان کسی بات پر اَن بَن ہوگئی، لشکر چلتے چلتے اس قبیلے کے قریب پہنچ گیا جس سے صبح جنگ کرنی تھی، چناں چہ رات کے آخری حصے میں وہیں پڑاؤ ڈال دیا، اس قبیلے کو کسی شخص نے مسلمانوں کی آمد کی اطلاع دے دی، وہ لوگ بھاگ گئے؛ البتہ ایک آدمی وہیں ٹھہرا رہا؛ کیوں کہ وہ اور اس کے گھر والے اسلام لا چکے تھے، بطورِ احتیاط اس کے اہلِ خانہ نے بھی فرار کے لیے سواریوں پر سامان لادلیا؛ لیکن اس شخص نے ان سے کہا کہ: ذرا ٹھہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو۔

اس کے بعد وہ مسلمانوں کے پڑاؤ میں آکر حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا: اے ابوالیقظان! میں اور میرے گھر والے اسلام لا چکے ہیں، کیا یہ بات مجھے نفع پہنچائے گی؟ میری قوم تو تم لوگوں کی آمد سن کر بھاگ گئی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ: تو ٹھہر جا، تجھے امن ہے۔ چناں چہ وہ آدمی اور اس کے گھر والے اپنی بستی میں ٹھہر گئے۔ علی الصباح حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس بستی پر چڑھائی کی، دیکھا کہ سب لوگ بھاگ گئے ہیں، انہوں نے اس آدمی اور اس کے گھر والوں کو پکڑ لیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: تمہیں اس آدمی سے کوئی تعرّض نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ یہ اسلام لا چکا ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں اس آدمی سے کیا واسطہ؟ کیا تم اسے پناہ دوگے؛ حالاں کہ امیرِ لشکر میں ہوں؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! میں پناہ دوں گا خواہ تم امیر ہو، یہ آدمی ایمان لا چکا ہے اور اگر چاہتا تو یہ بھی اسی طرح بھاگ جاتا جس طرح اس کی قوم بھاگ گئی ہے، میں نے ہی اسلام کی وجہ سے اس کو یہاں ٹھہرے رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس معاملے نے تلخ کلامی کی صورت اختیار کر لی۔

جب یہ دستہ واپس مدینہ آیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ دونوں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی صفائیاں پیش کرنی شروع کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے امن دینے کو برقرار رکھا؛ البتہ ہدایت فرمائی کہ: آئندہ کوئی شخص امیر کے مشورے یا اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہ دے۔

اسی موقع پر حضرت خالدؓ کے منہ سے غیظ وغضب کی حالت میں یہ الفاظ نکل گئے: یارسول اللہ! آپ کے سامنے یہ غلام مجھے سخت سست کہہ رہا ہے، خدا کی قسم! اگر آپ نہ ہوتے تو اس کی یہ جرأت نہ ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا: خالد! عمار کو سخت سست کہنے سے رک جاؤ، جو عمار کو برا کہتا ہے اللہ اس کو برا کہتا ہے، جو عمار کو مبغوض رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے اور جو عمار کی تحقیر کرتا ہے اللہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمارؓ تو اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چل دیے؛ مگر حضرت خالد بن ولیدؓ ان کو جاتا دیکھ کر ان کے پیچھے لپکے اور ان کے کپڑوں کو پکڑ لیا، پھر ان کو منانے لگے، یہاں تک کہ حضرت عمارؓ ان سے راضی ہوگئے، خود حضرت خالدؓ جب یہ واقعہ بیان کرتے تو فرماتے کہ: اس کے بعد مجھے عمار کی رضا سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی۔

''مستدرکِ حاکم'' میں حضرت خالد بن ولیدؓ سے روایت ہے کہ: یہ دن میرے لیے بڑا ہی سخت تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لیے استغفار کیجیے اور حضرت عمارؓ سے بھی معافی مانگی۔

حضرت ابوبکرؓ کا زمانۂ خلافت

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو قریب قریب سارے عرب کو آتشِ ارتداد نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، صدیقِ اکبرؓ نے عدیم المثال حوصلے اور استقامت سے اس فتنے کا مقابلہ کیا، اس سلسلہ میں متعدد خوں ریز معرکے پیش آئے۔ حضرت عمارؓ نے اکثر معرکوں میں مرتدّین

کے خلاف دادِ شجاعت دی، مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی لڑائی میں بھی شریک رہے، اس لڑائی میں حضرت عمارؓ نے حیرت انگیز شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ: یمامہ کی لڑائی میں حضرت عمارؓ کا ایک کان شہید ہو کر گر گیا جو پاس ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، مگر آپ بے پرواہی سے حملے پر حملے کیے جا رہے تھے، جس طرف رخ کرتے تھے دشمن کی صفوں کی صفیں اکھاڑ پھینکتے۔ ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو انہوں نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا: اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، آؤ! میرے پاس آؤ۔ اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکا یک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

جنگِ یمامہ کے وقت آپ کی عمر ۶۵ / برس کے قریب تھی؛ تاہم شجاعت وجاں بازی میں جوانوں پر بھی بازی لے گئے۔

حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو بہت بڑا مقام دیتے اور آپ کا بہت اعزاز و اکرام کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سردارانِ قریش حضرت ابوسفیان بن حربؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت سہیل بن عمروؓ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملاقات کے لیے آئے، عین اسی وقت حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ بھی اسی غرض کے لیے کاشانۂ خلافت پر پہنچے، امیر المؤمنین کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے پہلے حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت

صہیبؓ کو ملاقات کے لیے اندر بلایا اور سردارانِ قریش سے بعد میں ملاقات کی۔

حضرت ابوسفیانؓ نے اسے محسوس کیا اور امیر المؤمنین سے شکوہ کیا کہ: غلاموں کو تو فوراً باریاب کیا جاتا ہے اور ہم جو قریش کے سربرآوردہ لوگ ہیں، بیٹھے ہوئے راہ تکتے رہتے ہیں! امیر المؤمنینؓ نے فرمایا: اس کا جواب آپ لوگوں کو خود اپنے ضمیر سے پوچھنا چاہیے، اسلام نے ان سب کے ساتھ آپ کو بھی بلایا تھا؛ مگر یہ لوگ آپ پر سبقت لے گئے۔

ایک آدمی نے حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت عمارؓ کو گالی دی، جب یہ بات حضرت عمارؓ کو پہنچی تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا: اے اللہ! جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اس کے لیے دنیا کو کشادہ کر دے اور اس کو ایڑی کے بل پھیر دے۔

کوفہ کا گورنر

۲۰ سنہ ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کافہ کا والی (گورنر) بنایا، روانگی کے وقت حضرت عمرؓ نے اہلِ کوفہ کے نام حسبِ ذیل فرمان ارسال فرمایا: میں عمار بن یاسرؓ کو امیر اور ابنِ مسعودؓ کو معلّم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانے کا اہتمام وانصرام بھی ابنِ مسعودؓ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے؛ اس لیے ان دونوں کی فرماں برداری، اطاعت اور پیروی کرو، میں نے امِ عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔ عثمان بن حنیف کو عراق کی پیمائش پر مامور کر کے بھیجتا

ہوں اور اِن کے رسد کے لیے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں، جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیے مخصوص رہے گا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے۔

گورنر ہونے کے باوجود آپ کی سادگی و بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، باندھتے اور پھر اپنی پشت یا کندھے پر اٹھا کر لاتے تھے، گھر کا دوسرا کام کاج بھی اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ معذور لوگوں کا سودا سلف بھی خرید کر خود ان کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے، لباس بھی بے حد سادہ ہوتا تھا، پھٹ جاتا تو اس میں پیوند لگانے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی امارتِ کوفہ کے زمانے میں جنگِ نہاوند پیش آئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق جب آپ رضی اللہ عنہ کوفہ سے کمک لے کر نہاوند پہنچے تو اس وقت تک جنگ ختم ہو چکی تھی اور مسلمان فتح یاب ہو چکے تھے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اور شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی لشکریوں کے لیے مالِ غنیمت میں سے حصہ طلب کیا، فاتح لشکر کے آدمی اس پر برافروختہ ہو گئے، انھوں نے کہا: آپ جنگ میں شریک نہیں تھے؛ اس لیے مالِ غنیمت کے مستحق نہیں ہیں، حضرت عمار رضی اللہ عنہ بڑے بردبار تھے، انھوں نے کسی سے الجھنا مناسب نہ سمجھا؛ البتہ امیر المؤمنین کو خط لکھ کر سارے احوال عرض کر دیے، وہاں سے جواب آیا: بلاشبہ مالِ غنیمت ان لوگوں کا حق ہے جو عملاً لڑائی میں شریک ہوں۔

اسی زمانے میں مسلمانوں کو مدائن میں کسی قبر میں زربفت کے کپڑوں میں لپٹی ہوئی ایک لاش ملی، اسی کے پاس بہت سارو پیہ بھی رکھا ہوا تھا، کفن اور روپیہ حضرت عمارؓ کے پاس کوفہ لایا گیا، آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ: دونوں چیزوں کو خزانے میں جمع کردوں یا پانے والوں کو دے دوں؟ امیر المؤمنین نے جواب دیا: یہ چیزیں پانے والوں کو دے دو اور ان سے نہ لو۔

اس کے علاوہ ایران اور شام کے بعض معرکوں میں بھی آپ نے نہ صرف شرکت فرمائی؛ بلکہ بھرپور مقابلہ کرکے دادِ تحسین وصول فرمایا۔

حضرت عمارؓ نے ایک سال نو ماہ تک امارتِ کوفہ کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے؛ لیکن اسی دوران اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کی باہمی منافست اور حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری نے اہلِ کوفہ کو ان سے ناراض کردیا۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے: بصرہ کی کثرتِ آبادی کے لحاظ سے اس صوبے کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا باسبندان کا پرگنہ (ضلع) بصرہ میں شامل کردیا جائے۔ کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسرؓ والیٔ کوفہ سے خواستگار ہوئے کہ وہ اس کی مخالفت کریں، اور رامہر مزاور ایزج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں؛ کیوں کہ ان دونوں کو اہلِ بصرہ کی اعانت وامداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا۔

لیکن حضرت عمارؓ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا: مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضب ناک ہوکر کہا: اے کَن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟ حضرت عمارؓ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ: افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔

حضرت عمارؓ کی غیر جانبداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض علاقے صوبۂ بصرہ میں شامل کردیے گئے، اس پر اہلِ کوفہ نے دربارِ خلافت میں حضرت عمارؓ کے خلاف شکایتوں کا طومار باندھ دیا اور بار بار لکھا کہ: عمار ایک کمزور امیر ہیں، انہیں سیاست نہیں آتی، اس سے پہلے اہلِ کوفہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے خلاف شکایتیں بھیج کر انہیں معزول کرا چکے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کو اہلِ کوفہ کے طرزِ عمل پر افسوس ہوا اور انہوں نے فرمایا: اہلِ کوفہ کی طرف سے مجھ کو معذور رکھنے والا کون ہے؟ اگر میں ان پر قوی کو حاکم بناتا ہوں تو یہ اس کے خلاف سرکشی کرتے ہیں اور اگر کسی ضعیف کو ان کا امیر بناتا ہوں تو یہ اس کی تحقیر کرتے ہیں۔ تاہم انہوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو معزول کرکے ان کی جگہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ کا والی بنا دیا۔

معزولی کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عمارؓ سے پوچھا: تم معزولی کے حکم سے ناراض تو نہیں ہوئے؟ حضرت عمارؓ نے جواب دیا: آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو اس منصب پر اپنے تقرّر سے خوش تھا اور نہ اب اپنی

معزولی سے ناخوش ہوں۔

حضرت عثمانؓ کا زمانۂ خلافت

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہدِ خلافت میں بھی آپ کو بڑا امتیاز مقام حاصل رہا، چناں چہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت کے نصفِ ثانی میں جب فتنوں نے سر اٹھایا، تو ۳۵ھ میں امیر المؤمنینؓ نے شورش کے اسباب معلوم کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ایک رکن حضرت عمارؓ بھی تھے، اس جماعت کو فتنہ پردازی کے اصل مرکز مصر بھیجا گیا، کمیٹی کے دوسرے ارکان تو جلد واپس آ گئے اور اپنے اپنے متعلّقہ علاقوں کی صورتِ حال سے امیر المؤمنینؓ کو آگاہ کر دیا؛ لیکن حضرت عمارؓ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، جب ایک عرصہ کے بعد وہاں سے واپس مدینۂ منورہ آئے تو انقلاب پسند گروہ کے بعض مطالبوں اور شکایتوں کی کھلے عام تائید فرمائی، اسی بنا پر انہیں ایک مرتبہ سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔

چوں کہ آپ عام مجمعوں میں علانیہ حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکومت اور عُمّال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرف دارانِ خلافت سے جھڑپ بھی ہو جاتی، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم میں خراش آ گئی، اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا۔ بنو مخزوم نے - جن سے جاہلیت میں حلف وموالات کا تعلّق تھا - یہ سن کر کاشانۂ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ: اگر حضرت عمار بن یاسرؓ

اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔

اگر یہ روایت درست ہے تو باور کرنا چاہیے کہ جو کچھ ہوا، امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے علم اور ایما کے بغیر ہوا؛ کیوں کہ وہ اس قدر نیک طینت، حلیم الطبع اور خیر خواہِ امت تھے کہ آخری دم تک انہوں نے اپنے حامیوں کو باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ سلفِ صالحین نے ''مشاجراتِ صحابہؓ'' کے بارے میں کفِّ لسان ہی کو بہترین شعار قرار دیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ بعض معاملات میں حضرت عمارؓ کو امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ ذوالنورین سے اختلاف تھا۔

حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت

خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت عمارؓ نے ان کی پُرجوش حمایت کی اور تاحیات ان کے دست و بازو ثابت ہوئے۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی آپ دین کی خدمت واشاعت میں لگے رہے اور معرکوں میں برابر حصے لیتے رہے اور خوب شجاعت و بہادری کا مظاہرہ فرمایا۔

حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دفعہ کوفہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو حضرت علیؓ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہوکر کہا: اے فاسق! کیا تو امیر المؤمنین کی مذمت کر رہا ہے؟ میرے دوست نے معذرت

خواہی کر کے کہا: ابوالیقظان! جانے دو، میرے مہمان ہیں۔ اُس وقت میں نے پہچانا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ یہی ہیں۔

جنگِ جمل سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ بھیجا؛ تا کہ وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کریں، کوفہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا رویہ غیر جانبدارانہ تھا جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں تھا، وہ جامعِ کوفہ میں لوگوں کو غیر جانبدار رہنے کی تلقین فرما رہے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو پیچھے ہٹا کر منبر پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو خلیفۂ برحق کی حمایت پر آمادہ کرنے کے لیے ایک پُرجوش تقریر فرمائی۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے کہا: لوگو! میں جانتا ہوں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمِ محترم ہیں؛ لیکن اس وقت اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے رہا ہے کہ تم اس کی فرماں برداری کرتے ہو یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی؟ کوفہ کے ایک صاحبِ اثر صحابی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پُرزور تائید کی، اس طرح کوفہ کے تقریباً دس ہزار آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہونے کے لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیے۔

جنگِ جمل میں میسرہ کی افسری اور جنگِ صفّین

جنگِ جمل کا آغاز ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو میسرہ کا افسر بنایا،

چوں کہ آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برسرِ حق ہونے کا پورا یقین تھا، اس لیے غیر معمولی جوش اور ثابت قدمی سے لڑے؛ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتح ہوئی۔

جنگِ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات شدید سے شدید تر ہوتے گئے، یہاں تک کہ صفین کی لڑائی چھڑ گئی، اس لڑائی میں بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پُر جوش حصہ لیا۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہوکر میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے تو بار بار کہتے جاتے تھے کہ: الٰہی! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر، پانی میں ڈوب کر یا آگ میں جل کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا، تو میں ہر طریقے سے تجھے خوش کرتا، اب میں لڑنے جا رہا ہوں تو اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں مجھے ناکام نہ کرے گا۔

اُس وقت آپ کی عمر ۹۰ / برس سے اوپر تھی (باختلافِ روایت اکانوے، ترانوے یا چورانوے برس) لیکن قویٰ مضبوط اور خود جوش وجذبے سے سرشار تھے، اس لیے جنگ میں محیر العقول شجاعت ومردانگی دکھائی، جس طرف رخ کرتے تھے صفیں درہم برہم ہوجاتی تھیں۔

ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے علَم بردار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو بولے: میں اسی علم بردار سے تین دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم! اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقامِ ہجر تک بھی پسپا کردیں، جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق پر

ہیں اور وہ غلطی پر۔

شہادت

ہیثمی فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ بار بار آپ پر بے ہوشی کا دورہ پڑنے لگا، آپ بے ہوش ہو جاتے، پھر جب افاقہ ہوتا تو اپنے اردگرد رونے والوں کی آواز سنتے، دریافت فرماتے کہ: تم کیوں رو رہے ہو؟ کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ میں مر گیا؟ میں اپنی موت نہیں مر سکتا؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یہ خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ: اے عمار! باغی لوگ تجھے قتل کریں گے، اور تیرا آخری کھانا دودھ ہوگا۔

۳۷ھ مطابق ۶۵۷ء کے کسی نامبارک دن جنگِ صفین جاری تھی، آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور وشور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا تو آپ کے سامنے دودھ پیش کیا گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے اتار کر بولے: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ: دودھ کا گھونٹ تیرے لیے دنیا کی آخری خوراک ہوگی۔ اور یہ کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ: آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔

حضرت ہاشم بن عتبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علَم اٹھا رکھا تھا، ان پر نظر پڑی تو کہا: اے ہاشم! آگے بڑھو، جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے اور موت نیزوں کے کناروں پر، جنت کے دروازے کھولے جا چکے ہیں اور حورانِ بہشتی مزیّن

ہو چکی ہیں۔ کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے؛ لیکن اسی حالت میں ابو غادیہ نامی ایک شامی کے نیزے نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور ایک دوسرے بدقسمت شامی نے آگے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا، "إنا لله وإنا إليه راجعون"۔ (صاحبِ طبقات نے قاتلین میں عقبہ بن عامر اور عمر بن حارث خولانی کا نام ذکر کیا ہے) اور اس طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ پیشین گوئی حرف بہ حرف ثابت ہوئی کہ: عمار! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی اور حضرت عوفؓ نے فرمایا کہ: میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کہ: عمار کا قاتل جہنّم میں جائے گا۔

قاتل کی گواہی

حَوِی سَکْسَکِی اور ابو غادیہ مزنی نے حضرت عمار بن یاسرؓ پر حملہ کیا تھا اور ان ہی لوگوں نے آپؓ کو قتل کیا تھا۔

ابو غادیہ سے پوچھا گیا کہ: تو نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کیسے قتل کیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ: جب وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر ہماری طرف بڑھے تو ہم بھی ان کی جانب آگے بڑھے، وہ لشکر کو للکار کر کہہ رہے تھے کہ: کیا ہے کوئی مقابلہ کرنے والا؟ کیا کوئی مقابلے کے لیے تیار ہے؟ وہ آئے تو قبیلۂ سکاسک کا ایک آدمی صف میں

سے نکلا، میدان میں آیا، دونوں لڑتے رہے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے، اخیر میں کامیابی کا تاج حضرت عمار بن یاسرؓ کے سر پر رکھا گیا، آپ نے اس کو خاک آلود کردیا، پھر دعوتِ مبارزت دی کہ کوئی مقابلہ کرنا چاہتا ہے؟ تو قبیلۂ حمیر کا ایک نوجوان باہر نکلا اور مقابلہ کے لیے تیار ہوا، آپؓ نے اسے بھی جہنم رسید کردیا۔

پھر آپ نے کہا: کون ہے جو مجھ سے مقابلہ آرائی کرے؟ بالآخر میں نکلا، لڑائی شروع ہوئی اور ہمارے درمیان کافی دیر تک لڑائی چلتی رہی، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ نے کام کرنا چھوڑ دیا، پھر میں نے ان پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑے اور میں نے ان کو قتل کردیا۔ لوگوں کا اس بات کو سننا تھا کہ وہ کہنے لگے کہ: تو نے ابوالیقظان کو قتل کیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے، میں نے کہا: تم اپنا کام کرو، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تم کون ہو؟ اور بخدا! میں اس دن عمار بن یاسرؓ کو جانتا نہیں تھا۔

حضرت عمارؓ کی شہادت سے درحقیقت حق وناحق کا فیصلہ ہوگیا، حضرت خزیمہ بن ثابتؓ جنگِ جمل اور معرکۂ صفین میں شریک تھے؛ لیکن اُس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار کو بے نیام نہیں کیا تھا، حضرت عمارؓ کی شہادت نے ثابت کردیا کہ انہیں حیدرِ کرارؓ کا ساتھ دینا چاہیے، چناں چہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت وخون کے بعد شہادت حاصل کی، اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہؓ بھی جو پس وپیش کررہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کے طرفدار ہوگئے، یہاں تک کہ امیرِ معاویہ کے سب سے بڑے

حلیف وطرف دار حضرت عمرو بن العاصؓ بھی اس جنگ سے کنارہ کشی کے لیے تیار ہوگئے؛ لیکن امیرِ معاویہؓ نے یہ کہہ کر تسلّی دی کہ عمارؓ کے قاتل ہم نہیں ہیں؛ بلکہ وہ جماعت ہے جوان کو میدانِ جنگ میں لائی۔

تجہیز وتکفین

حضرت علیؓ نے جب اپنے مونس وجاں نثار کی شہادت کی خبر سنی تو سرد آہ کھینچ کر فرمایا کہ: اللہ نے عمار پر رحم کیا جس دن وہ ایمان لائے، اللہ نے عمار پر رحم کیا جس دن وہ شہید ہوئے، اللہ ان پر رحم فرمائے گا جس دن وہ اٹھائے جائیں گے، میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب صرف چار یا پانچ صحابہؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، قدیم صحابہ میں سے کسی کو ان کی مغفرت میں شک نہیں ہوسکتا، عمار اور حق لازم وملزوم تھے؛ اس لیے ان کا قاتل یقیناً جہنّمی ہوگا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے تجہیز وتکفین کا حکم دیا، خود جنازے کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ / برس کی عمر میں رحمتِ عالم کے اس عظیم المرتبت جاں نثار حامیٔ حق کو ارضِ کوفہ میں سپردِ خاک کر دیا، سرزمینِ کوفہ کے لیے کسی صحابیٔ رسول کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔

جہنم کے لیے جھگڑا

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: دو قاتل جنھوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو قتل کر دیا تھا جھگڑتے ہوئے امیرِ معاویہؓ کے دربار میں پہنچے؛ کیوں کہ ان میں کا ہر ایک اس کارنامے کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا (کہ میں انعام کا مستحق ہوں) حضرت عمرو

بن العاصؓ حاضرِ دربار تھے، انہوں نے کہا: خدا کی قسم! یہ دونوں جہنم کے لیے جھگڑ رہے ہیں، حضرت امیرِ معاویہؓ نے برہم ہوکر کہا: عمرو! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیے اپنی جانیں قربان کررہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو؟ تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! ایسا ہی ہے، کاش! آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی۔

اولاد

حضرت عمارؓ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام محمد بن عمارؓ تھا، اس سے حدیث روایت کی جاتی ہے۔ اور آپ کی ام الحکم نامی ایک لڑکی بھی تھی۔

فضل وکمال اور علم واخلاق

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: عمار کے اندر ہڈیوں تک ایمان بھرا ہوا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمار سر سے لے کر پاؤں تک ایمان سے پُر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عمار قدموں تک ایمان سے بھرپور ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: {أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ} کے مصداق حضرت عمار بن یاسرؓ ہیں۔

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ما خير عمار بين أمرين إلا اختار أرشدهما"، عمار کو جب بھی دو معاملوں میں اختیار دیا گیا انہوں

نے دونوں میں سے زیادہ ہدایت والا معاملہ ہی اختیار کیا۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بے شک جنت ان چار آدمیوں کی مشتاق ہے: عمارؓ، علیؓ، سلمانؓ اور مقدادؓ۔

حضرت عمار بن یاسرؓ طویل مدّت تک نبوّت کے سرچشمۂ فیض سے براہِ راست سیراب ہوئے تھے؛ اس لیے علم وفضل کے اعتبار سے بہت اونچا مقام رکھتے تھے؛ لیکن آپ بہت کم گو اور روایتِ حدیث میں بے حد محتاط تھے، یہی سبب ہے کہ آپ سے صرف ۶۲ / احادیث مروی ہیں، متفق علیہ دو، صرف بخاری میں تین اور مسلم میں ایک ہے، آپ کا شمار راویانِ حدیث صحابہ کے طبقۂ چہارم میں ہوتا ہے۔ آپ کا ایک خصوصی اعزاز یہ بھی تھا جس کو آپ خود فرماتے تھے کہ: میں عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہم سن ہوں۔

حضرت عمارؓ کے صحیفۂ حیات میں سبقت الی الاسلام، جفاکشی، صبر واستقامت، حبِّ رسول، شوقِ جہاد، زہد وورع، شغفِ عبادت، علم وتحمل، سادگی، تواضع اور انکساری سب سے روشن ابواب ہیں۔

شوقِ جہاد کی یہ کیفیت تھی کہ راہِ حق میں ہر وقت سربکف رہتے تھے، عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرفروشانہ شریک ہوئے، زہد وورع اور شغفِ عبادت میں ان کی ذات مثالی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: عبادت کے شوق وذوق کا یہ عالم تھا کہ اپنے گھر میں نماز کے لیے مسجد کے نام سے باقاعدہ ایک کمرہ مختص کر رکھا تھا۔ حضرت عمارؓ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش

میں خاص لطف آتا تھا، رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے۔
{أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَائِمًا يَّحْذَرُ الآخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهِ}۔ حضرت عمارؓ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے۔

خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کر کے بیٹھے رہے، لوگوں نے پوچھا کہ: آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے: اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی، وہ مجھے الجھانا اور غفلت میں ڈالنا چاہتا تھا۔ معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔

حرام تو حرام مشتبہات تک سے اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیتے تھے، خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں "طیب المطیب" کے لقب سے نوازا۔

ایک حدیث میں ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو وزرا اور رفقا و نجبا سات سات ملتے رہے ہیں، مجھے چودہ ملے ہیں: حمزہؓ، جعفرؓ، ابو بکرؓ، علیؓ، عمرؓ، حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، سلمانؓ، عمارؓ، ابوذرؓ، حذیفہؓ، مقدادؓ، بلالؓ۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمرو بن عاصؓ کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجتے تھے اور اس لشکر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سبھی صحابہؓ ہوتے تھے، کسی نے حضرت عمروؓ سے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کو امیر بناتے تھے اور اپنے قریب رکھتے تھے اور آپ سے محبت کرتے تھے۔ حضرت عمروؓ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میری تسلّی کے لیے مجھ سے محبت فرماتے تھے یا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو

مجھ سے محبت تھی؛ لیکن میں تمہیں ایسے دو آدمی بتاتا ہوں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے محبت تھی۔ ایک: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور دوسرے: حضرت عمار بن یاسرؓ۔

مزاج میں بے حد سادگی، قناعت اور تواضع تھی، ساری عمر کوئی مکان نہیں بنایا۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنا مکان بنوایا اور انہیں دکھانے کے لیے لے گئے تو فرمایا: سخت چیز بنائی اور لمبی امید کی۔

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرشِ خاک آپ کے لیے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیر ہ کے موقع پر بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا: ابو الیقظان! چلو دیکھیں، یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلّفی کے ساتھ سو رہے۔

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورۂ یٰسین تلاوت فرماتے تھے، خطبہ نہایت فصیح وبلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز واختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی دانشمندی کی علامت ہے۔

نہایت بردبار اور متحمّل مزاج تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے ''اے کان کٹے'' کہہ کر ان کو غصہ دلانا چاہا، انہوں نے نہایت نرمی سے جواب دیا: اے عمدہ کان

والے! مجھے کیوں عار دلا رہے ہو؟ میرا یہ کان تو اللہ کی راہ میں کاٹا گیا ہے۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس پر ہمت وجرأت کے ساتھ اڑ جاتے تھے اور کسی خطرے اور مصیبت کو خاطر میں نہ لاتے تھے، ہر کام میں ان کی نیت یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے، دنیوی منفعت کو انہوں نے کبھی اپنا مطمحِ نظر نہیں بنایا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کی خواب میں زیارت

ابو میسرہ نے خواب میں ایک سرسبز وشاداب باغ کو دیکھا جس میں چند گنبد بنے ہوئے تھے، اس میں ایک گنبد میں حضرت عمار بن یاسر تھے اور دوسرے گنبد میں ذوالکلاع تھے، میں نے کہا: تمہیں یہ مقام کیسے ملا؟ حالاں کہ تم کو تو قتل کیا گیا تھا؟ میسرہ فرماتے ہیں کہ: کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا: انہوں نے اپنے رب کو بہت زیادہ مغفرت کرنے والا پایا۔

وما علینا إلا البلاغ

مآخذ ومراجع

(۱) طبقات ابنِ سعد، جلد سوم (۲) صفۃ الصفوۃ، جلد اول
(۳) فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار (۴) سیر الصحابہ، جلد دوم
(۵) شہداء الاسلام فی عہد النبوۃ (۶) اصحابِ بدر
(۷) کاروانِ جنت (۸) صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا
(۹) ۳۰۰/ پروانے شمعِ رسالت کے (۱۰) پندرہ جنّتی صحابیات
(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سو قصّے (۱۲) انبیاوصحابہ وتابعین

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

از قلم:
محمد حنظلہ مشتاق دھولیوی

سوانحی خاکہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

نام: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔

کنیت: ابوالسائب۔

والد کا نام: مظعون۔

والدہ کا نام: سخیلہ بنت العنبس۔

قبیلہ: بنو جمح۔

قبولِ اسلام: مکّہ معظّمہ میں تقریباً چودھویں نمبر پر۔

ہجرت: دو مرتبہ حبش کی جانب اور ایک مرتبہ مدینۂ منوّرہ کی جانب۔

امتیازی شان: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رضاعی بھائی۔

خصوصیت: جنت البقیع کا سب سے پہلا مدفون۔

اولاد: دو فرزندِ ارجمند: عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سائب رضی اللہ عنہ۔

زوجۂ محترمہ: خولہ رضی اللہ عنہا بنتِ حکیم، جو رشتہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خالہ ہوتی ہیں۔

وفات: رمضان المبارک ۲ھ میں غزوۂ بدر میں شرکت کے کچھ عرصے بعد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

محمد حنظلہ مشتاق دھولیوی

کاروانِ علم وادب کا ہر شخص جانتا ہے کہ اس دنیائے فانی میں جہالت وضلالت کے افق پر آفتاب و ماہتاب (انبیائے کرام علیہم السلام) طلوع ہوتے رہے ہیں اور آفتاب کی کرنوں سے اکتسابِ فیض کر کے شبِ دیجور میں گم کردۂ راہ کو منزل تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینے والے ستارے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) بھی چمکتے دمکتے رہے ہیں، اور یہ نجومِ ہدایت (صحابہ رضی اللہ عنہم) اپنے سینے کو جلا کر نہ صرف یہ کہ انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں؛ بلکہ سمائے انسانیت کے لیے جھومر اور سمائے آدمیت کے لیے زینت ورونق قرار پاتے ہیں، اسی لیے فطرت کے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے قرآن کہتا ہے: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذرّوں کو
ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہوکر

ان ہی آسمانِ رسالت کے نجوم وکواکب میں سے ایک خوش قسمت ستارہ، گلستانِ نبوت کی مہک، خزینۂ رسالت کا انمول ہیرا اور مہر ووفا کی دلکش تصویر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی ذاتِ پاک بھی ہیں۔ آیئے! ان کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر ڈال کر اپنا جائزہ لیتے ہیں۔

نام ونسب اور حلیہ

نام: عثمان، کنیت: ابو السائب، والد کا نام: مظعون اور والدہ کا نام: سخیلہ بنت العنبس تھا، آپ قریش کے خاندانِ بنو جمح سے تھے، والدِ گرامی کی جانب سے سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لؤی بن غالب القرشی الجمحی۔

اور والدۂ محترمہ کی جانب سے آپ کا نسب یہ ہے: عثمان بن سخیلہ بنت العنبس بن وہبان بن حذافہ بن جمح۔

حضرت عثمان گندمی رنگ اور درمیانے قد کے تھے اور لمبی ڈاڑھی رکھتے تھے۔

دامنِ اسلام میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً سلیم الطبع، نیک نفس و پاک باز تھے، خدائے عز وجل نے آپ کو نہایت نیک اور صالح فطرت سے نوازا تھا، ایامِ جاہلیت میں بچہ بچہ شراب کا عادی اور گھر گھر مے کدہ تھا؛ لیکن آپ کی زبان اُس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی، اسی فطری پاک بازی کے باعث آپ کا لوحِ دل بالکل صاف رہا اور شراب کی اس قدر گرم بازاری کے باوجود آپ اپنا دامن صاف بچا لے گئے۔ عرب عموماً جن اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھے آپ ان سے بچے ہوئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدائے حق پردۂ سماعت سے ٹکراتے ہی بادِ مخالف کی پروا کیے بغیر دل وجان سے اسلام قبول کر کے ''السابقون الاولون'' کے مقدس گروہ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا اور کیوں نہ ہو؛

کیوں کہ فطرت میں اگر پاکیزگی کے چراغ جل رہے ہوں تو قدم خود بہ خود منزل کی طرف جانے والی شاہراہ پر اٹھ جاتے ہیں؛ بلکہ کہنا چاہیے کہ منزل خود اس طالبِ صادق کے قدموں سے لپٹ جاتی ہے۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ: ابھی تو صرف تیرہ نفوسِ قدسی حلقہ بگوشِ اسلام ہو پائے تھے کہ ایک دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سلمہ بن الاسد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بارگاہِ نبوت میں جبینِ نیاز خم کر کے سرفروشانِ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے۔ اُس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دارِ ارقم کو اپنا مرکز نہیں بنایا تھا۔

ہجرتِ حبشہ

لبادۂ اسلام کو زیب تن کرنے کے بعد وہ بھی دوسرے حق پرستوں کی طرح مشرکینِ مکہ کے ظلم وجور اور تضحیک واستہزا کے الاؤ میں کود پڑے، آپ کے قبیلے بنو جمح نے آپ کو اذیتیں دینی شروع کر دیں، سب سے بڑھ کر امیہ بن خلف آپ کے درپے تھا اور اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ حالات دیگرگوں ہوتے گئے اور ظلم وستم کے سلسلے ناقابلِ برداشت صورت اختیار کرتے گئے، ذاتِ رحمۃ للعالمین یہ کب گوارا کر سکتی تھی! آپ نے فوراً مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ: ”تم لوگ فی الحال یہاں سے نکل کر حبش چلے جاؤ، وہاں نیک دل اور منصف مزاج بادشاہ کی حکومت ہے وہ تمہیں پناہ دے گا، جب تک اللہ تعالیٰ یہاں اچھی صورت پیدا نہ

کردے وہیں ٹھہرے رہنا‘‘۔ بارگاہِ نبوّت کا یہ فرمان سن کر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہجرت پر آمادہ ہوگئی؛ لیکن بیک وقت اتنی کثیر تعداد میں مکّے سے نکل جانا نامناسب تھا؛ کیوں کہ قریش کو مسلمانوں کا یوں بچ کر نکل جانا کیوں کر گوارا ہوسکتا تھا۔

چناں چہ سب سے پہلے بارہ مرد اور چار خواتین پر مشتمل ایک مختصر سے گروہ نے ملکِ حبش کی راہ لی، اس قافلے میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہوئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقام ومرتبے کا اندازہ لگایئے اس قدر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس اولین بے خانماں گروہ کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ طے پاتے ہیں۔

اس موقع پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلۂ بنوجمح پر اظہارِ تأسف کرتے ہوئے اور امیّہ بن خلف کو خبردار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے:

أ أخرجتني من بطن مكة أمنا		وأسكنتني في صرحٍ بيضاء تقازع
تريش نبالا لايواتيک ريشها		وتبري نبالا ريشها لک أجمع

ترجمہ: کیا تو نے مجھے بے خوف وخطر ہوکر وادئ مکہ سے نکال دیا ہے اور بد کلامی کرتے ہوئے مجھے سفید محل میں رہنے پر مجبور کردیا ہے، تو تیروں کو پَر لگاتا ہے؛ مگر ان سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور تو تیر تراشتا ہے ان کے سارے پر تیرے لیے اکٹھے کیے جائیں گے۔

یہ اولوالعزم صحابہؓ حالات سے مجبور ہوکر بادلِ ناخواستہ چھپتے چھپاتے شعیبیہ کی بندرگاہ تک پہنچ گئے، اور حبشہ جانے والے تجارتی جہاز میں سوار ہوگئے۔ اسی دوران یہ خبر اڑتے اڑاتے قریش کے کانوں تک پہنچی، وہ تیزی سے مسلمانوں کے تعاقب میں ساحل تک گئے؛ لیکن تب تک جہاز نم آنکھوں سے ساحلِ سمندر کو الوداع کہہ چکے تھے۔

الغرض راہِ حق کے یہ مسافر بڑی مشکلوں کا سامنا کرتے ہوئے ملکِ حبشہ پہنچے، اور نہایت امن سکون کے ساتھ زندگی گذارنے لگے؛ لیکن ابھی وہاں تین مہینے ہی گذرے تھے کہ انہیں یہ خبر ملی: تمام مشرکینِ مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے، یا یہ کہ قریش اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان صلح ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ترک کردی ہے۔ یہ خبر سن کر وہ فرطِ مسرّت سے جھوم اٹھے، خوشی کے آثار ان کے چہروں پر چمکنے دمکنے لگے اور سب رختِ سفر باندھے مکۂ معظّمہ کی جانب چل پڑے؛ مگر جیسے ہی وہ مکّہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ اطلاع بے بنیاد تھی۔

ولید بن مغیرہ کی پناہ میں

اب یہ خانماں جماعت حواس باختہ ہوگئی، اور شش و پنج میں مبتلا ہوگئی کہ واپس حبشہ چلے جائیں یا پھر دوبارہ مشرکینِ مکہ کے ظلم وجور کا سامنا کرنے کے لیے کمر کس لے۔ آخر وہ اس کشمکش سے جلد ہی جھٹکارا پا کر اس نتیجے پر پہنچے کہ اپنے غیر مسلم اعزہ واحباب یا قریش کے بعض سرداروں کی حمایت حاصل کرکے شہر میں

داخل ہوجائیں۔ چناں چہ سب کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بنومخزوم کے رئیس ولید بن مغیرہ (حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے والد) نے پناہ دی، جس کی وجہ سے آپ مکے میں امن وسکون کے ساتھ رہنے لگے؛ لیکن ایک سچا عاشق یہ کب گوارا کرسکتا ہے کہ محبوب اوراس کے ساتھیوں کی دہلیز پر مصائب وآلام ڈیرہ ڈال دے اور ظلمت اُن کے در وبام کا طواف کرے، اور وہ خود ایک مشرک کی حمایت میں امن وسکون سے رہے، آپ اپنے آپ کو بار بار کوستے اور کہتے کہ: یہ تو محض نفس پرستی ہے، میرے شام وسحر ایک مشرک کی وجہ سے پُرامن طور پر بسر ہو رہے ہیں جب کہ میرے دوست اللہ تعالیٰ کے راستے میں آزمائشوں میں گھرے ہوئے ہیں۔

عثمان صرف خدا کی پناہ چاہتا ہے

آخر کار جب طبیعت مضطرب رہنے لگی اور بے چینی کا پیمانہ چھلک اٹھا، تو آپ ولید کے پاس جا پہنچے اوراس سے کہا:

''اے ابوعبدِ شمس! تم نے اپنی حمایت کا حق ادا کردیا، اب میں تمھاری پناہ میں رہنا نہیں چاہتا، میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اصحاب کا نمونہ کافی ہے''۔ ولید نے کہا: بیٹے! آخر بتاؤ تو سہی! کیا ہوا؟ کیا کسی نے تمھیں کوئی تکلیف دی ہے؟ یا تمھاری عزت پامال کی گئی؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں، اب عثمان صرف خدائے عزّ وجلّ کی پناہ چاہتا ہے، کسی دوسرے کی حمایت مجھے درکار نہیں ہے۔ ولید نے کہا: اگر تمھاری مرضی یہی ہے تو حرم میں جاکر بانگِ

دہل یہ کہہ دو کہ ''مجھے ولید کی پناہ کی ضرورت نہیں''؛ کیوں کہ میں نے بھی تمھیں اسی طرح پناہ دی تھی۔

ایک جاں باز اور سر بکف مجاہد کے لیے یہ ادنیٰ سی بات تھی، فوراً تیار ہو گئے، حالاں کہ ولید بن مغیرہ کی پناہ سے دست بردار ہونا اُس جور و ستم کا استقبال کرنا تھا جو سینہ تانے مشرکینِ مکہ کی شکل میں سامنے کھڑا تھا؛ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے سرفروشانِ اسلام کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے؛ آرام اور راحت سے بے نیاز مردانہ وار اس جور و ستم کے الاؤ میں کود پڑے۔ ولید ان کو ساتھ لے کو حرم میں گیا، اور مجمعِ عام کے سامنے ان کی خواہش کا اظہار کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی، اور اعلان کیا کہ: اے اہلِ مکہ! میں نے ولید کو ایک وفادار اور شریف انسان پایا، اس نے میری حمایت کا پورا حق ادا کر دیا؛ مگر مجھے اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پناہ میں رہنا گوارا نہیں، اس لیے میں ولید کی پناہ سے دست بردار ہوتا ہوں۔

آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی

اسی دوران مکے میں جاہلی عرب کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کا ورود ہوا، مشرکینِ مکہ نے اس کی بہت تعظیم کی، اور جا بجا مجلسیں اس کے شعر و سخن سے گرم رہنے لگیں۔ ایک دفعہ وہ قریش کی ایک مجلس میں اپنے اشعار سنا رہا تھا، اتفاق سے اس مجلس میں توحیدِ خالص کے سچے پرستار حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، جیسے ہی اس نے یہ مصرع ''ألا كل شيء ما خلا الله باطل''، (خبردار! اللہ

کے سوا ہر چیز باطل ہے) پڑھا بے اختیار پکار اٹھے: ''بالکل بجا ہے، تم نے سچ کہا''، لیکن جب انہوں نے دوسرا مصرع پڑھا: ''**وکل نعیم لا محالۃ زائل**''، (اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے) تو فوراً آپ بولے: ''تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں ابدی ہیں اور کبھی زائل نہیں ہوں گی''۔

پھر کیا ہوا؟ اتنا بولتے ہی سارے مجمع میں کھلبلی مچ گئی، لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہنے لگے، اور لبید سے دوبارہ یہ شعر پڑھنے کی فرمائش کی، جب اس نے اس شعر کی تکرار کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی بلاخوف وخطر اپنے نظریے کا اعادہ کیا، اس پر لبید بہت غضبناک ہوا، غصہ سے لال پیلا ہوگیا اور قریش سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: اے برادرانِ قریش! خدا کی قسم! پہلے تمہاری مجلسوں کی یہ کیفیت نہ تھی، نہ ان میں بیٹھنا باعثِ شرم وحیا تھا، اور نہ کبھی بدتمیزی نے ان میں راہ پائی تھی، تمہارا ساتھی اس طرح تو کبھی ذلیل نہ ہوا تھا، اگر یہ شخص مجھے ٹوکتا رہا تو میں اپنا کلام سنا چکا۔ لبید کی یہ باتیں سن کر مشرکین بھڑک اٹھے اور ایک آدمی کہنے لگا: اسے قابلِ توجہ نہ جانو، یہ ایک بے وقوف آدمی ہے اور ان بے وقوف لوگوں کا ساتھی ہے جنھوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے، تم اس کی وجہ سے ملال نہ کرو۔

راہِ حق میں پہلا طمانچہ

اس کے بعد بنو مغیرہ کا ایک بد بخت عثمان بن عبد اللہ بن ابو امیہ اٹھا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر اس زور سے طمانچہ رسید کیا کہ ان کی آنکھ نیلی پڑ گئی اور اس پر ورم آگیا، لوگوں نے کہا: عثمان! خدا کی قسم! تم ولید کی حمایت میں نہایت معزّز

تھے اور رسوا کن سلوک سے محفوظ تھے، اگر اس کی پناہ میں ہوتے تو تمہاری آنکھ اس صدمے سے محفوظ رہتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''خدا کی حمایت سب سے زیادہ محفوظ و معزز اور امن و اکرام والی ہے اور جو میری دوسری آنکھ صحیح و سالم ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمے میں شریک ہونے کی متمنی ہے''۔ ولید نے بھی کہا: ''عثمان! بہتر ہے کہ تم میری پناہ میں پھر آ جاؤ''، انہوں نے بلا تأمل جواب دیا: ''میرے لیے صرف اللہ عزوجل کی پناہ کافی ہے''، اور اس کے بعد یہ اشعار کہے:

لا إرب لي يا ابن المغيرة في الذي		تقول ولكني بأحمد واثق
رسول عظيم الشان يتلو كتابه		له كل من يبغي التلاوة وامق

اے مغیرہ کے بیٹے! تم جو پیش کش کر رہے ہو مجھے اس کی قطعی ضرورت نہیں، میں تو احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفاداری نبھانے کا عہد کرتا ہوں، وہ عظیم الشان رسول ہیں وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور جو اس کی تلاوت کا ارادہ کرتا ہے وہ اس کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔

طمانچہ کا ''ناک شکن'' جواب

جب عثمان بن عبد اللہ بن ابی امیہ نے آپ کی آنکھ پر تھپڑ مارا تو اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے، وہ بڑے بہادر انسان تھے، اپنے مسلمان بھائی پر جارحیت کا یہ منظر برداشت نہ کر سکے اور عثمان بن عبد اللہ پر چڑھ دوڑے؛ یہاں تک کہ جوشِ غضب میں اس کی ناک توڑ ڈالی جس سے اس کا خون بہنے لگا۔ یہ راہِ اسلام میں دشمن کے بہائے

جانے والے اولین خونوں میں سے ایک تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لبید کے جس مصرع کی تصدیق کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسے سچا قرار دیا اور اس کی تحسین فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”**أصدق کلمة قالها الشاعر کلمة لبید ألا کل شيء ما خلا اللّٰه باطل**“۔ ترجمہ: سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید کی یہ بات ہے: خبردار اللہ کے سوا ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔

ایک بار پھر حبشہ کی طرف ہجرت

اس واقعے کے بعد مشرکینِ مکّہ نے پہلے سے دو چند قوّت کے ساتھ مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے شروع کر دیے، اور جب یہ ستم آرائیاں حدودِ صبر وبرداشت سے تجاوز کر گئیں، تو بارگاہِ نبوت سے پرستارانِ حق کو دوبارہ حبش جانے کی اجازت مرحمت ہوئی؛ لیکن اب کی بار مکہ سے نکلنا انتہائی مشکل امر تھا؛ لیکن پھر بڑی منصوبہ بندی کے بعد ۸۳ / مرد اور ۲۰ / خواتین حبش جانے میں کامیاب ہو گئے، ان میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، ان کے کمسن صاحبزادے سائب رضی اللہ عنہ اور دو بھائی قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

مشرکینِ مکہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ مسلمان اتنی کثیر تعداد میں حبش جا کر امن وسکون کے ساتھ رہنے لگے ہیں، تو وہ آگ بگولہ ہو گئے اور انہوں نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ نجاشی شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا؛ تاکہ وہ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر ابھارے کہ وہ مہاجرین کو اپنے

ملک سے نکال کر واپس مکہ بھیج دے۔لیکن خدا کا کرنا کہ ان کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، اور وہ بے نیل ومرام واپس آ گئے؛ بلکہ اس کا اُلٹا اثر یہ ہوا کہ خود نجاشی پرستارانِ حق کی صف میں شامل ہو گیا۔

حبشہ سے مکّہ اور مکّہ سے مدینہ

مہاجرین کو حبش میں رہتے ہوئے پانچ سال گذر چکے تھے، ایک دن انہیں اطلاع ملی کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں، یہ حضرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت ومصاحبت حاصل کرنے کو بے تاب ہو گئے؛ لیکن تنگ دستی وتنگ دامنی اور مدینۂ منورہ کا طویل سفر بظاہر ناممکن معلوم ہو رہا تھا؛ لیکن پھر بھی ۳۳/ مردوں اور آٹھ خواتین نے مکۂ معظّمہ کے راستے سے مدینۂ منورہ جانے کے لیے رختِ سفر باندھا، چناں چہ چند دنوں میں بعافیت مکہ پہنچ گئے۔ اس قافلے میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادے سائب اور دونوں بھائی بھی تھے۔ چند دن مکّہ میں قیام کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام اہلِ خانہ سمیت مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: آپ مکّہ سے اس طرح رخصت ہوئے کہ آپ کے خاندان کا ایک فرد بھی وہاں نہ رہا، اور آپ کے مکانوں میں قفل پڑ گئے۔ مدینۂ منورہ پہنچ کر ان تمام نے حضرت عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسے ہی ان کی آمد کی اطلاع ملی تو آپ بہت مسرور ہوئے اور خوشی کی کرنیں رخسارِ مبارک سے پھوٹنے لگیں۔ اس طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

کو راہِ خدا میں تین تین ہجرتوں کا شرف حاصل ہو۔

خدمت ونصرت کے لیے قرعہ اندازی اور عقدِ مواخاۃ

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد آہستہ آہستہ تمام مہاجرین ہجرت کرتے ہوئے مدینہ تشریف لا چکے تو انصار ان مہاجرین کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے اور کہنے لگے: ہم ان کو اپنے گھر میں ٹھکانہ دیں گے، نوبت بہ ایں جا رسید کہ قرعہ اندازی کرنی پڑی، اور جب قرعہ اندازی کی گئی تو ہمارے حق میں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی خدمت کا موقع ملا۔

اب یہ تینوں برادران مدینہ میں رہنے لگے، کچھ روز گذرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائیوں کو ایک وسیع وعریض زمین بھی عطا فرمائی۔ چند ماہ بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابی حضرت ابو الهیثم بن التیّہان انصاری رضی اللہ عنہ کا دینی بھائی بنایا۔ (ایک قول کے مطابق حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ آپ کے مواخاتی بھائی تھے)۔

جنگِ بدر میں شرکت

رمضان المبارک ۲ سنہ ھ میں حق وباطل کا معرکۂ اول پیش آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اس میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا، اس معرکے میں انہوں نے خوب شجاعت وبہادری کا مظاہرہ کیا، اس کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ اثنائے جنگ قریش کا ایک جنگجو اوس المعبر بن نوران مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر وار کر رہا

تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شمشیر بکف اس کی طرف بڑھے، اسی اثنا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس کے سر پر پہنچ گئے، اور ان دونوں نے آناً فاناً اس بد بخت کو جہنم رسید کر دیا۔ اسی طرح ایک اور مشرک حنظلہ بن قبیصہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مغلوب کر کے زندہ گرفتار کر لیا۔

وفاتِ حسرت آیات

قسمت کی بات کہ جب میدانِ جنگ سے واپس آئے تو علیل ہو گئے، انصاری بھائی اور ان کے خاندان والوں نے خوب تیمارداری کی؛ لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، یہاں تک کہ ہجرت کے تقریباً ۳۰/ ماہ بعد شعبان میں روحِ اطہر عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیماری کا پورا زمانہ حضرت امّ العلاء انصاریہ رضی اللہ عنہا کے گھر گذارا تھا، اور وہیں فرشتۂ اجل نے روحِ اطہر قبض کر لی اور طائرِ روح قفسِ عنصری سے آزاد ہو گیا، اِس طرح یہ چمکتا دمکتا سورج جو افقِ مکہ پر طلوع ہوا تھا اجل کے آنچل میں غروب ہو گیا، اور سچ پوچھیے تو غروب کیا ہوا؛ بلکہ ہمیشہ کے لیے طلوع ہو گیا؛ اس لیے کہ اس کی حیاتِ طیبہ کی کرنیں قیامت تک ہر گم کردۂ راہ کے لیے منزل تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیتی رہیں گی۔

وفات کی خبر جیسے ہی مدینۂ منورہ میں پھیلی پورے شہر میں کہرام مچ گیا، جس جس کو یہ خبر پہنچی وہ بے حد مغموم ہوا، چہروں سے مسرت و مسکراہٹ اس طرح زائل ہو گئی گویا وہ ان کے معنیٰ جانتے ہی نہ ہو۔

اشک آلود چشمِ جمال

جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ بہ ذاتِ خود بادیدۂ گریاں حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مفارقت کا اتنا شدید صدمہ تھا کہ آپ نے تین مرتبہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، بوسہ دیتے ہوئے پیمانۂ محبت چھلک اٹھا، آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری ہوئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رخسار تر ہو گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا (شدتِ غم کے باعث) میں نے دیکھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے رخسار پر بہہ رہے ہیں، پھر سر مبارک اٹھا کر بھرّائی ہوئی آواز میں فرمایا: ''ابو السائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں، تم دنیا سے اس طرح رخصت ہوئے کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوث وآلودہ نہ ہونے پایا''۔

اشک آلود ہوئی میرے لیے چشمِ جمال	مجھ سا دنیائے محبت میں گنہگار نہیں

جنت کا بہتا ہوا چشمہ

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''ابو السائب! تم پر خدا کی رحمت ہو، میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ نے تمہیں معزز کیا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: ام العلاء! تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اللہ تعالیٰ ابو السائب جیسے

آدمی کو عزت نہ دے گا تو اور کسے دے گا؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ عثمان اخلاص کے انتہائی درجے پر فائز تھا اور مجھے اس کے لیے اللہ سے بہتری کی امید ہے؛ لیکن خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہو کر بھی خود یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔ (یہ ارشاد لوگوں کو سمجھانے کے لیے تھا کہ مسلمان کی موت پر یقینی طور پر کچھ نہ کہو، اس لیے کہ دلوں کا حال اور پوشیدہ اعمال خدا ہی بہتر جانتا ہے)۔

حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نہایت مغموم تھی، اسی حالت میں جب میں سوئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہتا ہوا چشمہ ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب سنایا تو آپ نے فرمایا: یہ ان کے اعمال ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور ان کا جنازہ اٹھا تو ایک بڑھیا نے ان کے جنازے کے پیچھے سے آواز بلند کی: ”هنيئاً لك أبا السائب الجنة“، اے ابو السائب! تم کو جنت مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا: آپ کو کیا معلوم کہ وہ جنتی ہے یا نہیں؟ تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو ابو السائب ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! ہم ان کی جانب سے سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتے ہیں، اور تیرے لیے تو صرف اتنا کافی ہے کہ تو اس طرح کہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا تھا۔

عظمتِ عثمان

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ: عثمان بہت نیک اور سلیم الطبع شخص تھے؛

لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کم درجہ کے صحابی تھے؛ کیوں کہ ان کو شہادت نصیب نہیں ہوئی تھی، اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ: دیکھو یہ وہ شخص ہے جو دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبتی کرنے والا تھا؛ لیکن اسے شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس دنیا سے چل بسے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس دنیا کو خیر آباد کہتے ہوئے چل دیے، اور ان میں سے کسی کو شہادت میسر نہ ہوئی، تب میں نے غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہم میں سے جو سب سے بہتر تھے وہ سب آہستہ آہستہ عالمِ بالا کی طرف کوچ کر رہے ہیں، اس کے بعد میرے دل میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وہی عظمت گھر کر گئی جو پہلے تھی۔

امتیازی شان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے مدینہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا، ان کی وفات کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''مقامِ بقیع'' کو اس کے لیے منتخب فرمایا۔ چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے صحابی ہیں جنہیں یہ شرف حاصل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر کے کنارے کھڑے ہو کر اہتمام سے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے دفن فرمایا۔ تدفین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے سرہانے ایک پتھر نصب کر کے فرمایا: ''آج سے میں بقیع کو مسلمانوں کا قبرستان قرار دیتا ہوں، آئندہ جو مسلمان مدینہ میں فوت ہوگا وہ یہیں دفن کیا جائے گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ بارہا آپ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔

بہترین پیش رَو

مزید برآں بارگاہِ نبوت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بشارتِ عظمیٰ کا پروانہ ملا، چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**نعم السلف هو لنا**“ عثمان ہمارے بہترین پیش رو ہیں۔ نیز بارگاہِ رسالت سے انہیں ”سلفِ خیر“ کے خطاب سے نوازا گیا، چناں چہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا: ”**الحقي بسلفنا الخير عثمان بن مظعون**“، جہاں ہمارا بہترین پیش رو عثمان بن مظعون پہنچ چکا ہے تم بھی وہاں چلی جاؤ۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر	راہ رَو آتے گئے کارواں بنتا گیا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے: عبدالرحمٰن اور سائب رضی اللہ عنہ۔

عبدالرحمٰن کے حالات کتبِ سیر میں مل نہیں سکے؛ البتہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی، ابتدائی دنوں میں اسلام قبول کر کے دوسری ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کا شرف حاصل کیا، مدینہ میں شہیدِ بدر حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتۂ اخوت قائم ہوا، اجلۂ صحابہ میں شمار کیے گئے، اپنے والد کی طرح بہادر وشجاع تھے، اور ماہر تیر انداز صحابہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ شریک ہوتے رہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی بڑی قدر فرماتے تھے، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

غزوۂ بواط کے لیے تشریف لے گئے، تو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو مدینۂ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگِ یمامہ ہوئی تو آپ اس میں بھی شریک ہوئے اور اس قدر کمالِ جانبازی سے لڑے کہ شدید زخمی ہوگئے اور اسی وقت سے فرشتۂ اجل ان کے تعاقب میں چل پڑا، نتیجتاً کچھ عرصہ کے بعد اسی زخم سے وفات پائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر تیئیس سال سے کچھ زائد تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ کا نام خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا تھا، یہ قبیلہ سلیم سے تھیں اور مسندِ احمد ابن حنبل کی روایت کے مطابق رشتے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خالہ ہوتی تھیں، ان کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، عبادت گذار اور نیک سیرت خاتون تھیں، ان سے پندرہ حدیثیں مروی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حد درجہ محبت رکھتی تھیں، جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے نہایت غمگین دل سے یہ اشعار کہے:

يا عين جودي بدمع غير ممنون		علىٰ رزية عثمان ابن مظعون
علىٰ امرئٍ كان في رضوان خالقه		طوبىٰ له من فقيد الشخص مدفون
طاب البقيع له سكنىٰ وغرقده		وأشرقت أرضه من بعد تفتين
وأورث القلب حزنا لا انقطاع له		حتى الممات وما ترقى له شيوني

ترجمہ: اے میری آنکھ! تو آنسو بہا جو کبھی ختم نہ ہو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر، ایسی شخصیت پر جو رضائے الٰہی کی جستجو میں لگی رہی، مدفون عثمان کے لیے

خوشخبری ہے جو بے مثال تھے، وہ بقیع جہاں اُن کا مسکن ہے اور قبر ہے وہاں کی فضا خوشگوار ہوگئی اور ویرانیوں اور تاریکیوں کے بعد وہاں کی زمین روشن ومنور ہوگئی ہائے! میرے دل کو ایسا غم پہنچا ہے جو موت تک ختم ہونے والا نہیں ہے اور میرے آنسو بھی خشک ہو چکے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھائی بہن

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے تین بھائی تھے، تینوں السابقون الاولون میں سے ہیں اور تینوں کو آپ کی طرح ہجرتِ حبشہ و مدینہ کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ: یہ آپ کے حقیقی بھائی تھے، اولین مہاجرین میں شمار ہوتے ہیں، بدر میں بھی شامل ہوئے۔ تاریخِ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

(۲) ابوعمرو قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ: یہ آپ کے علاتی بھائی تھے، ان کی والدہ غَزِیّہ بنتِ حویرث ہیں، بدر واحد اور جملہ معرکوں میں حاضر رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ بنتِ خطاب آپ کے عقد میں تھیں، دورِ فاروقی میں بحرین کے گورنر مقرر ہوئے۔ ان کی معزولی کے بعد عثمان بن ابی العاص ان کے جانشین ہوئے۔ ۳۶ سنہ ھ میں ۶۸ / سال کی عمر پا کر انتقال فرمایا۔

(۳) عبد اللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ: یہ بھی آپ کے علاتی بھائی تھے، ان کی والدہ سُخیلہ بنتِ عنبس ہیں، کنیت ابو محمد تھی، سہیل بن عبید اللہ بن معلّیٰ انصاری رضی اللہ عنہ کے مواخاتی بھائی قرار پائے، جملہ غزوات میں شریک رہے، بہ عہدِ خلافتِ عثمانی کے عہد سنہ ۳۰ھ میں ۶۰ / سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بہن زینب بنتِ مظعون رضی اللہ عنہا حضرت عمر کی زوجہ اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہوتی ہیں۔

اوصاف وکمالات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا صحیفۂ اخلاق سلامتیٔ طبع، استقامت فی الدین، حبِّ رسول، جرأت وشجاعت، شرم وحیا اور زہد وورع جیسے گلہائے رنگارنگ سے آراستہ تھا۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: ایامِ جاہلیت میں عربوں کا بچہ بچہ شراب کا عادی تھا؛ لیکن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اس زمانے میں بھی شراب سے نفرت رہی، اور کہا کرتے تھے: شراب پینے سے آدمی کی مَت ماری جاتی ہے، عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ ماں بہن کی بھی تمیز نہیں رہتی اور اسے ہر کس وناکس کے تمسخر کا نشانہ بننا پڑتا ہے، پھر کوئی شریف ایسی ناپاک چیز کیوں کر استعمال کرے؛ اس لیے میں ہرگز شراب نہیں پی سکتا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس قدر احتراز! معلوم ہوا کہ سخت اندھیروں میں روشنی کی کرن سر اٹھا سکتی ہے، اور آندھیوں میں چراغ اپنی لَو کو بچا سکتا ہے۔

یہ تو زمانۂ جاہلیت کی بات ہے قبولِ اسلام کے بعد یہ رنگ اور نکھر گیا، وہ بروں میں اچھے اور اچھوں میں سب سے اچھے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی اور ایک شخص نے آپ کو اس حرمت کی اطلاع دیتے ہوئے آیتِ کریمہ آپ کے سامنے تلاوت فرمائی، تو آپ نے اسے جواب دیا کہ: شراب نیست ونابود ہو، میرے نزدیک تو اس کے لیے پہلے سے یہی حکم ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ طبقۂ صحابہ میں نہایت معزّز شمار ہوتے تھے، عبادت میں بھی ممتاز تھے، اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ صاحبِ مشکوٰۃ الاکمال فرماتے ہیں: ''**كان عابدا مجتهدا من فضلاء الصحابة**''۔ آپ عابد ومجتہد اور کبارِ صحابہ میں سے تھے۔

سنّت مشعلِ راہ ہے

اکثر دن میں روزے سے ہوتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو ان کو بلوا بھیجا اور کہا: عثمان! کیا تم کو میری سنّت سے اعراض ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی سنّت تو میرے لیے مشعلِ راہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سنو! میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، عثمان! اللہ سے ڈرو، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، اس لیے تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سویا بھی کرو۔

علامہ ابنِ سعد یہ واقعہ کچھ اس طرح لکھتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عبادت میں انہماک اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ بیوی بچوں سے بھی بے نیاز ہونے لگے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اہلیہ نے بناؤ سنگھار ترک کر دیا، اور بہت ہی سادہ بغیر زیب وزینت کے رہنے لگیں۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو بڑے تعجب سے پوچھا: خولہ! یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے،

تمہارے شوہر تو قریش کے خوش عیش لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، وہ بولیں: میرا ان سے کیا واسطہ! وہ تو سارا دن روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھتے رہتے ہیں۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا، آپ فوراً ان کے گھر تشریف لے گئے، اور ان سے فرمایا: عثمان کیا میری ذات تمہارے لیے نمونہ نہیں ہے؟ تم مسلسل روزہ رکھتے ہو اور رات بھر عبادت کرتے ہو، ایسا ہرگز نہ کرو، تم پر تمہاری آنکھوں کا، تمہارے جسم کا اور تمہاری بیوی بچوں کا حق ہے؛ لہٰذا تم نمازیں بھی پڑھو اور افطار بھی کرو۔

اس واقعے کے چند دن کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ کو پھر حرمِ نبوی میں آنے کا اتفاق ہوا، تو انہوں نے زیب وزینت اور بناؤ سنگھار کر رکھا تھا، اور نہایت فرحاں وشاداں دلہنوں کی طرح معطر تھیں۔

لا رهبانية في الإسلام

صحیح بخاری میں ہے کہ: ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دنیا سے سخت بیزار ہو گئے؛ حتی کہ انہوں نے چاہا کہ وہ اپنی شہوانی قوتوں کو فنا کر کے رہبانیت یا دشت نوردی اختیار کر لیں اور دنیا کی تمام تر نعمتوں اور لذتوں کو خیر آباد کہہ دے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بلا کر سمجھایا اور کہا کہ: جو شخص جان بوجھ کر اپنے قوائے شہوانیہ کو فنا کرے گا (خصّی بنے گا یا خصّی کرے گا) وہ میری امت میں سے نہیں ہے، تمہیں میری ذات کو نمونہ بنانا چاہیے، میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور اپنی بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور

افطار بھی کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہمائش پر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے ایک گھر کو لازم کر لیا تھا، جس میں وہ یکسوئی و گوشہ نشینی کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے، یہ بات اڑتے اڑاتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کر دروازے پر کھڑے ہوگئے، اور فرمایا: اے عثمان! سنو، اللہ نے مجھے رہبانیت کے لیے نہیں بھیجا۔ یہ جملہ دو یا تین مرتبہ کہا، پھر فرمایا: میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا اور حج و عمرہ کرنا ہے۔

عثمان نہایت ہی باحیا ہے

پاکبازی اور شرم وحیا کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ بارگاہِ نبوت میں عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! میں اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر دکھانا پسند نہیں کرتا، ارشاد ہوا کیوں؟ تو عرض کیا کہ: حیا دامن گیر ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیوی کو تمہارے لیے اور تمہیں اس کے لیے پردہ بنایا ہے۔ جب وہ مجلس سے رخصت ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعریفی لہجے میں فرمایا: عثمان بن مظعون نہایت ہی باحیا اور پردہ پوش ہے۔

حافظ ابنِ حزم نے آپ کا شمار ان صحابۂ کرام میں کیا ہے جن سے چار احادیث مروی ہے۔

آپ کی سیرتِ مبارکہ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ زاہدِ مرتاض ہی نہیں تھے؛ بلکہ میدانِ جہاد کے بھی شیر تھے جس کے جوہر آپ نے

میدانِ بدر میں دکھائے تھے۔غرض یہ کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جملہ اوصافِ حسنہ واخلاقِ حمیدہ سے وافر حصہ پائے ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔خدا کرے کہ امت کے ہر نوجوان میں یہ اوصاف زندہ ہوجائے کہ اس چودھویں صدی میں قرنِ اول کے یہی پاکباز نوجوان مشعلِ راہ ہیں۔

مآخذ ومراجع

(۱)طبقات ابن سعد: جلد سوم

(۲)فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار، جلد چہارم

(۳)صفۃ الصفوۃ، جلد یکم

(۴)بقیع الغرقد

(۵)اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم

(۶)کاروانِ جنت

(۷)تیس پروانے شمعِ رسالت کے

(۸)صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا

(۹)سیر الصحابہ، جلد دوم

حضرت براء بن معرورؓ

از قلم:
محمد طلحہ بمبوی

سوانحی خاکہ

حضرت براء بن معرورؓ

نام: براء بن معرور۔

کنیت: ابو بشر۔

قبیلہ: خزرج کی شاخ بنو سلمہ۔

قبولِ اسلام: بیعتِ عقبۂ کبیرہ سے قبل۔

بیعت: بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں سب سے پہلے بیعت کی۔

بیعت کے بعد بنو عبید بن عدی بن غنم کے نقیب منتخب کیے گئے۔

وفات: بیعت کے دو ماہ بعد ہجرت سے ایک ماہ قبل ماہِ صفر میں۔

نمازِ جنازہ: ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبر پر پڑھائی۔

ازواج واولاد: خلیدہ؛ ان سے ایک بیٹا بشر بن براء تھا۔

دوسری بیوی حمیمہ ان سے ایک بیٹے مبشر اور تین بیٹیاں: ہند، وہاب، سلافہ تھیں۔

کچھ اور بیٹیاں بھی ہیں: ظبیہ بنتِ براء، امِ انس بنتِ براء، امِ بشر بنتِ براء، امِ مبشر بنتِ براء۔

خصائص: سب پہلے کعبہ کی جانب رخ کرنے والے سب سے پہلے تہائی مال کی وصیت کرنے والے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ

محمد طلحہ بمبوی

انسانیت میں انبیا کے بعد سب سے مقدس جماعت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اپنے آپ کو ایسی صفات اور ایسے کمالات سے سنوارا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مستحق بن گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا وآخرت کی کامیابیوں سے نوازا۔ ویسے تو اس مقدس جماعت کا ہر فرد لائقِ اقتدا ہے؛ لیکن اس میں چند نفوسِ قدسیہ ایسے بلند پایہ گذرے ہیں کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت عنایت فرمائی، ان سعادت مند حضرات میں سے ایک قبیلۂ خزرج کی شاخ بنوسلمہ کے سردار سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

نام، نسب اور خاندان

آپ کا اسمِ گرامی: براء ہے، اور کنیت: ابو بُشر ہے۔ آپ کے والد کا نام معرور ہے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا گیا ہے: براء بن معرور بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن الخزرج الانصاری الخزرجی السلمی۔ آپ کی والدہ کا اسمِ گرامی رباب تھا جو رشتہ میں قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہوتی ہیں۔

والدہ کی طرف سے آپ کا نسب نامہ یوں مذکور ہے:

براء بن رباب بنتِ نعمان بن امرؤ القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن اوس۔

عاشقِ کعبہ کا اسلام و بیعت

بیعتِ عقبۂ کبیرہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے، اور اس عظیم کارواں میں شریک ہوکر بیعت کی دولتِ بے پایاں سے سرفراز ہوئے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ عقبۂ اولیٰ میں بیعت کی تھی؛ لیکن اس روایت کے ناقل صرف محمد ابنِ اسحاق ہے، باقی اصحابِ سیر اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔

جو بیعت عقبہ کی رات کی گئی، وہ زبردست اہمیت کی حامل ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی درجِ ذیل روایت سے کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: میں عقبہ کی رات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا پکا عہد کیا، میرے نزدیک لیلۃ العقبہ (کی بیعت) بدر کی لڑائی میں حاضری سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، ہر چند کہ لوگوں میں بدر کا چرچا اس سے زیادہ ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگرچہ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم زیادہ فضیلت کے حامل ہیں؛ کیوں کہ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں اسلام کو قوت وعظمت نصیب ہوئی؛ لیکن بیعتِ عقبہ کی اہمیت وفضیلت یہ ہے کہ یہ اسلام کے فروغ کا سبب بنی اور اسی بیعت کی بنا پر معرکۂ بدر پیش آیا۔

آپ قبلے ہی پر تھے

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ -جو لیلۃ العقبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں شامل تھے- کا بیان ہے کہ: ہم اپنی قوم کے مشرکین کے ساتھ حج کے لیے نکلے، اس وقت تک ہم نماز وغیرہ کے متعلق دینی سمجھ بوجھ حاصل کر چکے تھے، ہمارے ساتھ سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے ہم سے فرمایا: اے لوگو! میرا دل چاہتا ہے کہ میں اِس عمارت یعنی کعبہ کی طرف پشت نہ کروں، اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھوں، ہم نے کہا: بہ خدا! ہمیں تو یہی خبر پہنچی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام (مسجدِ اقصیٰ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنا نہیں چاہتے، اس پر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں تو کعبے ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھوں گا، ہم نے کہا: لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔

چناں چہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ہم سب شام (بیت المقدس) کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے اور وہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ ہم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر انہیں معتوب ٹھہرایا؛ لیکن وہ اسی پر ڈٹے رہے۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ آگے بیان فرماتے ہیں کہ: جب ہم مکّہ پہنچ گئے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ مجھ سے فرمانے لگے: بھتیجے! میرے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلو؛ تا کہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے اِس سفر میں کیے عمل کی صحت یا عدمِ صحت دریافت کرلوں؛ اس لیے کہ جب سے میں تم کو اس معاملے میں اپنی مخالفت کرتے دیکھ رہا

ہوں، میرے دل میں اس معاملے کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہو گئے ہیں۔

چناں چہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرنے کے لیے نکلے؛ لیکن دشواری یہ تھی کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے؛ کیوں کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا۔ چناں چہ ہم نے ایک مکّی شخص سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ملیں گے؟ وہ پوچھنے لگا: کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے نفی میں جواب دیا، تو وہ کہنے لگا: کیا ان کے چچا عباس بن عبد المطلب کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: مسجدِ حرام چلے جاؤ، اللہ کے رسول وہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ جب ہم مسجدِ حرام میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں، ہم نے سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے ابو الفضل! کیا تم ان دونوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، یہ اپنی قوم کے سردار براء بن معرور ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔ کعب کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کبھی نہیں بھول سکتا، آپ نے دریافت فرمایا: ''الشاعر؟'' (کیا آپ وہی کعب ہیں) جو شاعر ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں!

اس کے بعد حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ!'' میں اس سفر میں نکلا، اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت سے نوازا، مجھے خیال گذرا کہ میں اِس

عمارت (بیت اللہ) کی طرف پیٹھ نہ کروں؛ لہٰذا میں اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا رہا؛ مگر اس سلسلہ میں میرے ساتھی مجھ سے متفق نہیں ہوئے اور میں تذبذب میں پڑ گیا، سو یا رسول اللہ! آپ اس معاملے کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپ قبلے ہی پر تھے، کاش! اس پر قائم رہتے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق اقصیٰ ہی کو اپنا قبلہ بنا لیا اور یوں وہ ہمارے ساتھ شام (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے لگے، پھر ہم نے حج کے افعال ادا کیے۔

سب سے پہلی بیعت اور جذبۂ جاں نثاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے عقبہ میں ایامِ تشریق کے درمیان ملنے کا وعدہ فرمایا تھا، چناں چہ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو اس رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں شعب میں جمع ہو گئے، کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بھی تھے، جو ابھی ایمان کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، چناں چہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس تاریخی اجتماع میں لوگوں سے خطاب کیا۔

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر ہم نے ان سے کہا: ہم نے آپ کی ساری باتیں سن لی ہیں اور سب کچھ اچھی طرح سوچ سمجھ لیا ہے، اللہ کے رسول! اب آپ ارشاد فرمائیں، آپ اللہ تعالیٰ اور اپنی ذاتِ گرامی کے سلسلے میں جو عہد چاہے لے لیں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کا آغاز کیا، اولاً قرآن کی تلاوت

فرمائی، بعدازاں ابنائے آدم کو ان کے خالق و مالک کا پیغام سنایا اور اسلام کے فضائل بیان فرمائے، پھر ارشاد فرمایا: ”أبایعکم علیٰ أن تمنعوني مما تمنعون منه نسائکم و أبنائکم“، ترجمہ: میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس طرح حفاظت کروگے جس طرح تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

اس پر حضرت براءؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑا اور فرمایا: ”والذي بعثک بالحق لنمنعک مما نمنع منه أزرنا“، اُس ذاتِ پاک کی قسم! جس نے آپ کو حق وصداقت کے ساتھ مبعوث کیا، ہم اپنی جانوں کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے۔

اس کے بعد فرمانے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم سے بیعت لے لیجیے، اللہ کی قسم! ہم نے جنگوں کا دودھ پیا ہے اور ہم اسلحے کی کاٹ کے ماہر ہیں، نسل در نسل سے ہمارا یہی شیوہ چلا آرہا ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے بیعت لی۔ حضرت براءؓ ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دیا، پھر تمام مجمع نے یکے بعد دیگرے بیعت کرلی۔

حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابنِ عباسؓ کا بیان ہے کہ: عقبہ کی رات سب سے پہلے حضرت براء بن معرورؓ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی۔

ابنِ اسحاق کعب بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ: سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت براء بن معرورؓ ہے۔

نقیبِ قوم

جب بیعت کے ذریعے پیمانِ وفا باندھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سربراہ منتخب کر لیے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب (نمائندے) اور اس بیعت کی دفعات پر عمل درآمد کرنے اور کروانے کے لیے اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا: ''**أخرجوا إليّ منكم اثنتي عشر نقيبا يكونون علىٰ قومهم بما فيهم**''، آپ لوگ میرے سامنے اپنی صفوں سے بارہ نقیب پیش کریں، وہی لوگ اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر نقیبوں کا انتخاب فی الفور عمل میں آ گیا، نو نقیب خزرج سے منتخب کیے گئے اور تین اوس سے، بنو عبید بن حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ خزرجی نقباء میں سے قبیلۂ بنو سلمہ کے نقیب منتخب کیے گئے۔

نقیبوں کا انتخاب ہو چکا تو بلحاظِ عہدہ ان کی نئی ذمہ داری کے پیشِ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی: ''**أنتم علىٰ قومكم بما فيهم كفلاء ككفالة الحواريين لعيسىٰ بن مريم، وأنا كفيل علىٰ قومي**''، ترجمہ: ''آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں جس طرح حواری عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرف سے کفیل ہوئے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں''۔ سب سرداروں نے اپنے فرائض پورے کرنے کا یقین دلایا اور ذمہ داری قبول کر لی۔

اوس و خزرج سے خطاب

ابنِ جوزی کی نقل کردہ روایت کے مطابق حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں

جنھوں نے لیلۃ العقبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے پہلے گفتگو کرنے کا شرف حاصل کیا تھا، جب کہ اکثر انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف ملاقات کی تھی۔

پھر بیعت و انتخابِ نقبا کے بعد حضرت براء رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انصار سے ایک مسرت آمیز و اطاعت انگیز خطاب فرمایا تھا جس میں باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "الحمد لله الذي أكرمنا بمحمد وحبانا به، فكنا أول من أجاب، فأجبنا الله ورسوله وسمعنا وأطعنا، يامعشر الأوس والخزرج! قد أكرمكم الله بدينه، فإن أخذتم السمع والطاعة والمؤازرة بالشكر فأطيعوا الله ورسوله"۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی اور جس نے آپ کی ذاتِ مبارک عطا فرمائی، ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے بات قبول کی، ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی بات قبول کی اور سنی اور ہم نے اطاعت کی۔ اوس و خزرج والو! اللہ نے تمھیں اپنے دین کے ذریعے عزت بخشی، سو اگر سمع و طاعت اور قدردانی کے ساتھ دین کی پشت پناہی کرنا چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس کے بعد یہ حضرات مدینہ واپس آ گئے، بیعت کے بعد یہ عاشقِ کعبہ دو ماہ گزار پایا تھا کہ پیغامِ اجل آ پہنچا۔

وفات

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے تہائی مال کی حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وصیت فرمائی اور کہا کہ: خانۂ کعبہ کی طرف میرا رخ کردو، پھر فرمایا: مجھے میری قبر میں بھی کعبہ کی جانب رخ کر کے لٹانا۔ جوں ہی بیت اللہ کی طرف آپ کا رخ کیا گیا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگیا، اس طرح اِس عاشقِ کعبہ نے ماہِ ذی الحجہ میں بیعت ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد صفر میں انتقال فرمایا، إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ اور جنت کی بشارت

یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لانے سے ایک ماہ قبل پیش آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی:

"اللھم صل علی البراء بن معرور ولاتحجبه عنک یوم القیامة وأدخله الجنة وقد فعلت"، اے اللہ! آپ براء بن معرور پر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں اور قیامت کے روز اسے اپنے سے حجاب میں نہ رکھیے گا اور اسے بہشت میں داخل فرمایئے اور مجھے یقین ہے کہ ایسا تو آپ نے کر دیا ہے۔

ابنِ سعد رحمہ اللہ نے اسحاق بن خارجہ کے حوالے سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ جس دن تحویلِ قبلہ کا واقعہ پیش آیا سیدہ امِ بشر رضی اللہ عنہا۔ جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: یا رسول اللہ! یہ براء کی قبر ہے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا فرمائی، چوں کہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے سولہ ماہ بعد پیش آیا تھا، اس اعتبار سے گویا آپ رضی اللہ عنہ کی

وفات کے تقریباً سترہ ماہ بعد نمازِ جنازہ ادا کی گئی؛ مگر پہلی روایت ہی زیادہ راجح ہے اور اسی کو اکثر اربابِ سیر نے ذکر کیا ہے۔

ازواج واولاد

آپ رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں: (۱) خلیدہ (۲) حمیمہ۔

پہلی زوجہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خلیدہ بنتِ قیس بن ثابت بن خالد بن اشجع من بنی دہمان۔

آپ رضی اللہ عنہ سے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کے ایک ہی صاحبزادے حضرت بشر بن براء تولّد ہوئے، یہ بھی بیعتِ عقبہ میں اپنے والد کے ساتھ شریک تھے۔ نیز انہوں نے بدر واُحد میں شرکت کی، ۷ھ کے شروع میں خیبر میں ان کا انتقال ہوا، ان کی وفات کا سبب وہی زہریلی بکری کا لقمہ بنا جو انہوں نے خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نوش فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اور واقد بن عبداللہ تمیمی کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم کرا دیا تھا، اور یہ وہی صحابی ہیں جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من سيدكم يا بني سلمة؟ قالوا: الجد بن قيس على بخل فيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: وأي داءٍ أدوى من البخل؟ بل سيدكم، الأبيض الجعد بشر بن براء"۔ ترجمہ: اے بنی سلمہ! تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا: جد بن قیس اپنے بخل کے باوجود، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کونسی بیماری بخل سے بڑی ہوسکتی ہے؟ بلکہ تمہارے سردار سفید گھنگریالے بالوں والے بشر بن براء ہے۔

دوسری بیوی کا نسب نامہ طبقات میں یوں بیان کیا گیا ہے: حمیمہ بنتِ صیفی بن صخر بن خنساء بن سنان بن عبید من بنی سلمہ۔

صاحبِ اصابہ فی تمییز الصحابہ کا خیال ہے کہ: یہ حضرت براءؓ کی چچازاد بہن تھی؛ کیوں کہ حضرت براء بن معرورؓ کا نسب بھی صخر بن خنساء انصاری جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے جا ملتا ہے اور یہ صخر بیان کردہ نسب کے اعتبار سے ان دونوں کے دادا ہوتے ہیں۔ حضرت حمیمہؓ نے حضرت براءؓ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد حضرت زید بن حارثہؓ سے نکاح کیا، یہ اسلام اور بیعت کی نعمت سے بھی مالامال ہوئیں۔ ان سے حضرت براء بن معرورؓ کے ایک بیٹے: مبشر اور تین بیٹیاں: ہند، سلافہ اور رباب پیدا ہوئیں، اور یہ تینوں بھی بیعت کی دولت سے سرفراز ہوئے تھے۔

آپؓ کی اس کے علاوہ کچھ اَور بیٹیوں کا بھی صاحبِ اصابہ فی تمییز الصحابہ نے مع اختلافِ رواۃ تذکرہ کیا ہے۔ ظبیہ بنت براء یہ ابوقتادہ انصاری کی زوجہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسبیحِ جہاد بتلائی تھی، جو آپ کے شوہر ابوقتادہؓ ہی سے مروی ہے:

"عن أبي قتادة: أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال لظبية بنت البراء بن معرور امرأة أبي قتادة: ليس عليكن جمعة ولا جهاد فقالت: علّمني يارسول الله! تسبيح الجهاد، فقال: قولي: سبحان الله ولا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد"۔ ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظبیہ بنتِ براء بن معرورؓ سے (جو کہ ابوقتادہ کی زوجہ تھی) فرمایا: تم عورتوں پر نہ جمعہ فرض ہے

اور نہ جہاد، تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے تسبیحِ جہاد سکھا دیجیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو ”سبحان الله ولا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد“ پڑھا کر۔

آپ کی ایک بیٹی کا نام امِّ انس بنتِ براء ہے، ان سے بھی حدیث مروی ہے۔

ایک بیٹی امِ بشر بنتِ براء بھی ہے، بعض حضرات نے ان کا نام ”امِ مبشر“ نقل کیا ہے، اور بعض نے ”سلاف“۔ اور بعض حضرات نے تو خلیدہ بھی بیان کیا ہے؛ لیکن یہ صحیح نہیں؛ اس لیے کہ خلیدہ آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نہیں؛ بلکہ آپ کی زوجۂ محترمہ تھیں، ان سے بھی چند احادیث مروی ہیں، ان میں سے ایک قابلِ ذکر حدیث وہ ہے جو امام زہری نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک کے حوالے سے نقل کی ہے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”لما حضرت كعبا الوفاة أتته أم بشر بنت البراء بن معرور، قالت: يا أبا عبد الرحمٰن! إن لقيت أبي فأقرأه مني السلام، فقال: لعمر الله يا أم بشر! لنحن أشغل من ذٰلك، فقالت: أما سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: إن أرواح المؤمنين نسمة تسرح في الجنة حيث تشاء، وإن نسمة الفاجر في سجين؟ قال: بلىٰ، قالت: هو ذاك“۔

ترجمہ: جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نزع کی حالت میں تھے تو ان کے پاس امِ بشر بنتِ براء تشریف لائی اور فرمایا: اے ابوعبدالرحمٰن! اگر تمہاری میرے والد سے ملاقات ہو تو تم ان کو میری جانب سے سلام کہنا، تو انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم!

اے امِ بشر! ہم ان سے زیادہ مشغول ہیں، تو وہ فرمانے لگی: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ مؤمنین کی روحیں جنت میں چرتی ہیں جہاں چاہتی ہیں، اور گنہگار کی روح قید خانہ میں ہوتی ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں، تو وہ کہنے لگی کہ: وہ (میرے والد) وہیں ہیں۔

ایک اور بیٹی کا تذکرہ آیا ہے امِ مبشر بنتِ براء، یہ زید بن حارثہ کی زوجہ تھی جیسا کہ بعض لوگوں کا قول ہے، ان سے بھی چند احادیث مروی ہیں۔

خصائص وامتیازات

آپ رضی اللہ عنہ ہی پہلے وہ شخص تھے جنھوں نے نقبا میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی۔

صاحبِ طبقات تحریر فرماتے ہیں: ”وكان البراء أول من تكلم من النقباء ليلة العقبة حين لقي رسول الله السبعون من الأنصار“۔

اسی طرح سب سے پہلے خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی ہیں جیسا کہ طبقات ابنِ سعد میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے۔

”كان البراء بن معرور أول من استقبل القبلة حيا وميتا“۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے زندگی میں بھی اور مر کر بھی قبلے کی طرف رخ کیا۔

نیز آپ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اپنے تہائی مال کی وصیت فرمائی، جیسا کہ مطلب بن عبداللہ سے مروی ہے:

"البراء أول من أوصى بثلث ماله فأجازه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم"، حضرت براء رضی اللہ عنہ پہلے وہ آدمی ہیں جنہوں نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا۔

اسی طرح یہ شرفِ عظیم بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کو عطا کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے اپنے اصحاب کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی، اور رحمت و مغفرت کی دعا فرمائی، جیسا کہ یحییٰ بن عبد اللہ نے اپنی والدہ کے واسطے سے اپنے نانا سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"أول من صلى عليه النبي صلى الله عليه وآله وسلم حين قدم المدينة البراء بن معرور انطلق بأصحابه فصلّى عليه، وقال: اللهم اغفر له وارحمه وارض عنه وقد فعلت"۔

ترجمہ: سب سے پہلا شخص جس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی براء بن معرور تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو لے کر تشریف لے گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی قبر پر نمازِ جنازہ ادا کی اور کہا: اے اللہ! تو اس کی مغفرت فرما اور تو اس سے راضی ہو جا اور ایسا تو تو کر چکا ہے۔

اسی طرح اس دارِ فانی سے کوچ کرنے میں بھی آپ دیگر نقباء سے سبقت کر گئے جیسا کہ محمد بن عمر سے مروی ہے:

"وكان البراء بن معرور أول من مات من النقباء"۔ براء بن معرور ہی وہ شخص تھے جنہوں نے نقباء میں سے سب سے پہلے وفات پائی۔

یہ تھے سیدنا حضرت براء بن معرورؓ جو خانۂ کعبہ سے عشق و محبت کا ایسا لازوال رشتہ قائم کیے ہوئے تھے کہ صرف حیات ہی میں نہیں؛ بلکہ بعد الممات بھی اپنے کو قبلہ رخ رکھنے کی وصیت کر گئے، یہ وہ غیر معمولی وصف تھا جسے تاریخ آج تک اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ راقم الحروف قارئین اور تمام امتِ مسلمہ کو اپنے گھر کی زیارت کا شرف عطا فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی اتباع نصیب فرمائے، آمین۔

ماخذ ومراجع

(۱) الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، جلد اول۔ ہشتم
(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد اول
(۳) طبقات ابنِ سعد، جلد سوم
(۴) صفۃ الصفوۃ، جلد سوم
(۵) کاروانِ جنّت
(۶) شمعِ رسالت کے تیس پروانے
(۷) سیرت انسائیکلو پیڈیا، جلد سوم

حضرت ضِمَام بن ثعلبہؓ

ازقلم:

اویس عبدالعزیز کنجری

سوانحی خاکہ

حضرت ضِمَام بن ثعلبہؓ

نام: ضمام بن ثعلبہ۔

قبیلہ: بنوسعد۔

قبولِ اسلام: سنہ ۹ ھ۔

کارنامے: لات وعزّٰی کے خلاف سب سے پہلے آواز اٹھانا، پورے قبیلے کو اسلام کے دامن میں لے آنا۔

اوصاف ومناقب: جنّتی، دانشور وعقلمند، سنجیدہ ومتین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ضِمَام بن ثعلبہؓ

اویس عبدالعزیز کنجری

فتحِ مکّہ کے بعد اسلام کے تیزی سے پھیلنے کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ عربوں میں مکّہ اور باشندگانِ مکّہ کو ایک خاص تقدّس حاصل تھا، مکّہ کے اردگرد کے قبائل اس انتظار میں تھے کہ کفر و اسلام کے اس معرکے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کا آفتابِ عالمتاب روز افزوں ترقی کرتا جارہا ہے، حتی کہ ان کی عقیدتوں کے مرکز مکۂ معظّمہ پر بھی پرچمِ اسلام لہرانے لگا، تب پھر وفود کا تانتا بندھ گیا، جوق در جوق ہر ہر قبیلے کے نمائندہ افراد کا وفد درِ اقدس پر حاضر ہوتا اور دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوکر واپس جاتا اور اپنے قبیلے اور اطراف کے علاقوں میں دعوتِ اسلام کا کام شروع کردیتا، دیکھتے ہی دیکھتے پیروانِ اسلام کا یہ قافلہ اتنا بڑھا کہ حجۃ الوداع کے موقع سے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کا مجمع تیار ہوگیا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل		راہ رو آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

فتحِ مکہ کے بعد جن بااثر اور طاقتور لوگوں نے اسلام کا دامن تھاما، ان میں سے ایک قبیلۂ بنوسعد کے نمائندے حضرت ضمام بن ثعلبہؓ ہیں، زیرِ نظر سطور میں آپ کے حالات پر روشنی ڈالنے کی طالبِ علمانہ سعی کی گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثمر یاب و بارآور فرماوے۔

نام

آپ کا نام ضِمَام (ضاد مکسورہ اور میمِ اولیٰ مفتوحہ) اور والد کا نام ثعلبہ تھا، آپ قبیلۂ بنو سعد سے تعلق رکھتے تھے اور اس کی ایک شاخ کے رئیس تھے، بعض اربابِ سیر نے آپ کو ''تمیمی'' کہا ہے؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ ''سعدی'' (بنو سعد) تھے۔ (الاستیعاب:۲/۷۵۱)

قبولِ اسلام سے پہلے

ضمام شروع ہی سے شریف النفس، سلیم الفطرت اور نظیف الطبع واقع ہوئے تھے، اسی بنا پر جب سارا عرب ضلالت وگمراہی کی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا تھا، تو یہ اپنے آپ کو خرافات ورسومات سے بچا کر پاک، صاف اور شفّاف زندگی بسر کر رہے تھے، حسنِ اخلاق شرافت ومودّت اور انسانیت کے اعلیٰ اوصاف سے آراستہ تھے۔ (سیر الصحابہ:۶/۱۰۶)

قبولِ اسلام

جب آفتابِ اسلام اپنی پوری طاقت سے تمام عرب میں اپنی شعاعیں پھیلانے لگا تو تقریباً ۹ سنہ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوسعد بن بکر کی طرف اپنے ایک صحابیؓ کو اپنا ایلچی بنا کر روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلامی تعلیمات اور احکامِ الٰہی سے آگاہ کیا اور انہیں دعوتِ اسلام دی۔ اس قاصد کے جانے کے بعد حضرت ضمام بن ثعلبہؓ نے قبیلۂ بنو سعد کے ایک نمائندے کی حیثیت سے بغرضِ تفتیش مدینۂ منورہ کا ایک سفر کیا؛ تاکہ معلوم کرے کہ وہ کون شخص

ہے جو نیا دین پھیلا رہا ہے۔ضمام بڑے مضبوط جسم کے مالک تھے، ان کے بال لمبے تھے جن کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو چوٹیاں بنا رکھی تھیں۔

بہر حال اسی مشن کو لے کر آپؓ مدینہ پہنچے، اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔حضرت عمرؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور کئی دوسرے جلیل القدر صحابۂ کرامؓ بارگاہِ رسالت میں ماہتابِ نبوت کے ارد گرد ہالہ بنائے بیٹھے تھے، حضرت ضمامؓ مسجد کے دروازے کے قریب اونٹ باندھ کر اندر داخل ہوئے، اور بدویانہ لب ولہجہ میں بلند آواز سے پوچھا کہ: تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کون ہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ: یہ گرامی قدر جو تکیہ لگائے ہوئے ہیں یہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔اس پر حضرت ضمام اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان درجِ ذیل گفتگو ہوئی:

ضمام: آپ ہی ابنِ عبد المطلب ہیں؟

حضور: ہاں! میں نے تمہاری بات سن لی، میں ہی عبد المطلب کا بیٹا ہوں، فرمائیے۔

ضمام: محمد آپ کا نام ہے؟

حضور: جی ہاں!

ضمام: میں آپ سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں، میری زبان کی درشتی کی وجہ سے آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟ (حافظ ابنِ حجر نے اس پیشگی معذرت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس معذرت نے یہ واضح کر دیا تھا کہ گفتگو کرنے والا نہایت عقلمند اور ذی شعور آدمی ہیں)

حضور: نہیں، کہیے! تم جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو بے تکلفی سے پوچھو، میں ہرگز کبیدہ خاطر نہ ہوں گا۔

ضمام: اے محمد! آپ کا قاصد ہمارے پاس ہمارے قبیلے میں آیا تھا، اس نے ہمیں بتایا کہ آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ آپ کو اللہ نے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔

حضور: "**اللھم نعم**"، اللہ کی قسم! ہاں۔

ضمام: آسمان وزمین کس نے بنایا؟

حضور: اللہ نے۔

ضمام: ان پہاڑوں کو کس نے قائم کیا اور ان میں انواع واقسام کی چیزیں کس نے بنائیں؟

حضور: اللہ نے۔

ضمام: اسی اللہ کی قسم جس نے زمین وآسمان اور پہاڑوں کو بنایا ہے کیا واقعی اللہ نے آپ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

حضور: جی ہاں۔

ضمام: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

حضور: اس نے سچ کہا۔

ضمام: اس نے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ سال میں ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں۔

حضور: جی ہاں! اس نے سچ بتایا۔

ضمام: اس نے بتلایا کہ ہمیں سال میں ایک مرتبہ اپنے اموال کی زکاۃ نکالنی ہے؟

حضور: اس نے سچ کہا۔

ضمام: اس نے کہا تھا کہ ہم پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا بھی فرض ہے؟

حضور: جی ہاں! اس نے سچ بتلایا ہے۔

ضمام: میں آپ کو آپ کے معبود اور آپ سے پہلے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے معبود کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم صرف اُس اکیلے رب ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے شریکوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟

حضور: ہاں! اللہ کی قسم! مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

ضمام: اے محمد! کیا ان تمام کاموں کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے واقعی حکم دیا ہے؟

حضور: ہاں! اسی نے حکم فرمایا ہے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۲۱۶-۲۱۸، سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۱۰/ ۷۳)

حضرت ضمام رضی اللہ عنہ اسی طرح دیگر عبادات کے متعلق بھی سوالات کر چکے تو پھر مطمئن ہو کر کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے، پھر کہنے لگے کہ: اے اللہ کے رسول! میں فرائض کی پابندی کروں گا، جن باتوں سے آپ منع کریں گے میں رک جاؤں گا، اور نہ میں اس میں زیادتی کروں گا اور نہ کسی قسم کی کمی کروں گا۔ میرا نام ضمام ہے اور میرا تعلق بنو سعد بن بکر سے ہے، میں اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا ہوں، باقی رہیں شراب خوری اور دوسری بے حیائی کی باتیں تو اس سے ہم جاہلیت

کے زمانہ میں بھی دور رہتے تھے۔

اتنا کہہ کر ضمام وہاں سے اٹھے، مسجد سے باہر نکلے اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چل دیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إن يصدق ذو العقيصتين دخل الجنة“، اگر دو چوٹیوں والے نے سچ کہا ہے تو یہ ضرور جنت میں جائے گا۔

(کاروانِ جنت: ۱۹۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مہذّب، متین اور سنجیدہ گفتگو سن کر بے تاب ہو اٹھے اور بے ساختہ کہنے لگے: میں نے ضمام سے بہتر اور مؤثر گفتگو کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔

اس قسم کا ایک قصہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں چوں کہ نام کی صراحت نہیں؛ اس لیے ابنِ بطال، قاضی عیاض اور ابن العربی کا کہنا ہے کہ: وہ ضمام ہی تھے، جب کہ علّامہ قرطبی، شیخ الاسلام بلقینی اور حافظ ابنِ حجر نے دلائل کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے کہ یہ دو الگ الگ اشخاص تھے۔ (فتح الباری: ۱/ ۲۵)

امام بخاری رحمہ اللہ کا ماننا یہ ہے کہ ضمام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے؛ لیکن علامہ قرطبی اور بعض دوسرے علما نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بالمشافہ گفتگو کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ دونوں قسم کی روایتوں میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ وہ اسلام سے متأثر تو پہلے ہی ہو چکے تھے؛ البتہ عملی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہی انہوں نے اسلام قبول کیا۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۲۲۰)

دعوتِ اسلام

حضرت ضمام رضی اللہ عنہ چوں کہ قبیلے کے نمائندے کی حیثیت سے آئے ہوئے تھے، اس لیے قبیلے میں پہنچ کر لوگوں کو جمع کیا اور ایک اللہ کی بڑائی کی دعوت دینا شروع کردی اور لات وعزیٰ کی برائی کرنے لگے، اس دعوتی خطبے میں ان کا سب سے پہلا جملہ تھا: ''بئست اللات والعزیٰ''، لات وعزیٰ بہت برے ہیں۔ ان کے قبیلہ کے لوگوں نے ان کو روکنا چاہا اور ڈراتے ہوئے کہنے لگے کہ: اے ضمام! باز آجاؤ؛ ورنہ تم ان معبودوں کی طرف سے بلا ومصیبت میں گرفتار ہوجاؤ گے، تم مجنون اور کوڑھی ہوجاؤ گے؛ لیکن آپ باز نہیں آئے اور ایمان افروز جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: لات وعزیٰ کے ہاتھ میں نہ کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ نفع پہنچانا ہے، یہ طاقت تو صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ نے اپنے رسول کو بھیج دیا ہے اور اس پر اپنی کتاب اتاری ہے، اس کتاب کے ذریعہ تمہیں ان خرافات سے نکالا ہے جن میں تم پڑے ہوئے تھے۔ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے اوامر ونواہی کا ذکر فرمایا۔

اس طرح دن بھر دعوت دیتے رہے جس کا نتیجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں: ''إن قومه أطاعوه، ودخلوا في الإسلام بعد رجوعه إليهم''، بالآخر شام ہونے نہ پائی تھی کہ قوم کے تمام افراد نے آپ کی بات مان لی

اور سب کے سب مرد وعورت حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ (کاروانِ جنت:۱۹۶)

اس زود اثری وخیرِ کثیر کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ: وفود میں افضل وفد بنوسعد کا تھا۔ (سیرتِ احمد مجتبیٰ:۳/ ۳۶۲)

حلیہ اور فضائل ومناقب

بدن دہرا، قد لمبا، رنگ گورا، گیسو کانوں کی لَو تک نکلے ہوئے تھے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چالیس جاں نثار:۲۱۷)

آپ کی عظیم المرتبت ہستی اور رفیع الشان شخصیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ چند کارنامے اور اقوال کافی ہیں:

(۱) اپنے پورے قبیلے کو ایک ہی دن میں مشرف بہ اسلام کرنا۔

(۲) قبیلہ میں سب سے پہلے لات وعزّٰی کی علانیہ مذمت وتوہین کرنا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ان کو جنّتی بتلانا۔

(۴) حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ: خود دانائے کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: ضمام بن ثعلبہ عقلمند آدمی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے اوصاف کے آپ حامل تھے۔

ایمان افروز باب

ہم اپنا مضمون جناب طالب الہاشمی صاحب کے ایک البیلے اقتباس پر ختم کرتے ہیں۔

جناب طالب الہاشمی اپنے عاشقانہ انداز میں اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے

ہیں کہ: وہ آیا تو اس کے نہاں خانۂ دل میں یقین وتشکیک کے درمیان جنگ بپا تھی، وہ اُس ذاتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا سینہ مہبطِ وحی تھا اور مخزنِ انوارِ الٰہی تھا، اس نے پوچھا، انہوں نے جواب دیا اور جب وہ واپس چلا گیا تو اس کا ذہن، دل اور دماغ یقین اور ایمان کے نور سے معمور تھے، وہ اپنی قوم میں گیا، اس نور کو اس نے اپنے اور اپنی قوم کے سینے میں اتارا اور پھر تاریخ کی پنہائیوں میں ہمیشہ کے لیے مستور ہو گیا۔

خدائے علیم وخبیر کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا بچپن کیسا تھا اور اس کا بڑھاپا کیسے گذرا؛ لیکن اس کا آنا، پوچھنا، سننا اور لوٹنا تاریخِ اسلام کا ایک ''ایمان افروز باب'' بن گیا، اس کے مختصر سے کردار نے صفحۂ تاریخ پر جو نقوش رقم کیے وہ آج بھی جگمگا رہے ہیں اور ان کی ضیا پاشی قلوب واذہان کو منور کر رہی ہے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چالیس جاں نثار: ۲۱۷)

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گذر گئے
جی چاہتا ہے کہ چوم لے ان کے نقشِ قدم

حضرت کلثوم بن الہِدمؓ

از قلم:
شہزاد چاند خان اورنگ آبادی

سوانحی خاکہ

حضرت کلثوم بن الہِدم

نام: کلثوم بن ہدم۔

لقب: صاحبِ رحلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کنیت: ابوقیس۔

قبیلہ: قبیلۂ اوس بنوعمرو بن عوف۔

قبولِ اسلام: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت سے پہلے۔

وفات: مسجدِ نبوی اور ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر کے وقت بدر سے پہلے۔

مدفن: جنت البقیع۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت کلثوم بن الہِدم رضی اللہ عنہ

شہزاد چاند خان اورنگ آبادی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن اصحابِ کرام کو زبانِ رسالت سے جنت کی بشارت ملی، ان میں سے ایک حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دستیاب احوال قارئین کے حضور پیش ہیں، اس امید کے ساتھ کہ یہی احوال ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہوں گے۔

نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی: کلثوم، لقب: صاحب رحلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کنیت: ابو قیس تھی، آپ انصار کے مشہور قبیلۂ اوس کے خاندانِ عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے، اسی وجہ سے آپ کی نسبت: عمری ہے، صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ انصار کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: کلثوم بن الہِدم (الھدم ہا کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ بحوالہ فتح الباری) بن امرؤ القیس بن حارث بن زید بن عبید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

''صاحبُ رحلِ رسول اللہ'' کی وجہِ تسمیہ

''التراتیب الاداریہ، نظام الحکومۃ النبویۃ'' مؤلفہ عبدالحیٔ الکتّانی میں مرقوم

ہے کہ: بعض حضراتِ صحابہؓ حضور علیہ السلام کا کجاوہ مبارک رکھنے کے ذمہ دار تھے، مثلاً: (۱) حضرت اسلعہؓ (۲) حضرت اسلم بن شریکؓ (۳) حضرت براء بن مالکؓ (حضرت انس بن مالکؓ کے بھائی) ان ہی حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت کلثوم بن الہدمؓ بھی تھے جس کی وجہ سے آپؓ کو ’’صاحبُ رحلِ رسول اللہ‘‘ کہا جاتا ہے۔

قبولِ اسلام

بنوعمرو بن عوف قباء میں آباد تھے، اور حضرت کلثومؓ کا مکان بھی وہیں تھا، اور اس وقت آپؓ بنوعمرو بن عوف کی شاخ بنوعبید کے سردار تھے، جب اسلام کا آفتاب و ماہتاب فاران کی چوٹیوں سے نمودار ہوا، اور اس کی ضیا پاش کرنیں عالمِ رنگ و بو کو منور کرنے لگیں، اُس وقت حضرت کلثومؓ پر عالمِ پیری سایہ فگن تھا، اہلِ سیر نے ان کی عمر کی صراحت نہیں کی، بس اتنا لکھا ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر بہت زیادہ تھیں، آپؓ اپنی زندگی کے اس مرحلے کو پہنچ چکے تھے، جس میں انسان کے خیالات اور عقائد بہت پختہ ہوجاتے ہیں، اور ان کو بدلنا پتھر پر نقش شدہ چیز کی طرح بھاری ہوتا ہے۔ لیکن حضرت کلثومؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سلیم سے وافر مقدار میں نواز رکھا تھا، ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے انہوں نے توحیدِ الٰہی کا چرچا اور رسالتِ محمدی کے برحق ہونے کو سنا تو بلا چوں وچرا فوراً صدائے حق پر لبیک کہا اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت کلثومؓ بن الہدم ایک نیک

سرشت انسان تھے اور عمر کے اعتبار سے سن رسیدہ تھے، حضور علیہ السلام کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہی اسلام کے دامن سے وابستہ ہو چکے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف

ہجرتِ نبوی کے موقع سے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قباء میں نزولِ اجلال فرمایا تو حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا عظیم اور قابلِ فخر شرف حاصل ہوا، حضور علیہ السلام جب تک قباء میں مقیم رہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے یہاں رہا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ ہجرت فرمائی تو حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے یہاں نزولِ اجلال فرمایا۔ صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں کہ: حضور علیہ السلام نے حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے پاس یعنی قبیلۂ بنو عمرو بن عوف میں چار دن قیام فرمایا، یعنی پیر، منگل، بدھ اور جمعرات اور ان ہی دنوں میں حضور علیہ السلام نے مسجدِ قباء کی بنیاد رکھی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر متعلقین سے ملاقات کرنی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کی فرودگاہ پر تشریف لے جاتے؛ کیوں کہ وہ تنہا تھے، اور ان کا پورا گھر مردوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے گھر فروکش ہوئے تھے، تینوں حضرات رات کو وہیں قیام فرماتے تھے، اور دن کے اوقات حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے یہاں گذارتے تھے۔ طبری کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے قباء تشریف

لائے تو وہ بھی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔

''سیر الصحابہ'' میں ہے کہ جس وقت حضور علیہ السلام نے قبیلۂ عمرو بن عوف میں نزولِ اجلال فرمایا اور حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام پذیر ہوئے، تو حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ نے اپنے نوکر کو آواز دی: ''یا نجیح!''، عرب چوں کہ شگون اور فال کے عادی ہوتے تھے، اسی وقت لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہوا: ''انجحت یا أبا بکر!'' اے ابوبکر! ہم سب کامیاب ہو گئے۔

حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کا مکان: مرکزِ استقبال

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ بشمولِ حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے مکان پر فروکش تھے، نیز صاحبِ طبقات نے لکھا ہے کہ: حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے یہاں ہجرت کے موقع سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت اتری تھی، جن میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت مقداد بن عمرو، حضرت کلثوم بن الارت، حضرت سہیل وحضرت صفوان ابنا بیضاء، حضرت عیاض بن زہیر، حضرت عبد اللہ بن مخرمہ، حضرت وہب بن سعد بن ابی سَرح، حضرت معمر بن ابی سَرح، حضرت عمرو بن ابی عمرو بنو محارب بن فہر میں سے، حضرت عمیر بن عوف جو سہیل ابنِ عمرو کے غلام تھے۔رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ ایک قول کے مطابق حضرت حمزہ، زید بن حارثہ، ابومرثد کنّاز بن حصین اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ابوکبشہ بھی حضرت کلثوم بن ہدم کے یہاں

رہائش پذیر ہوئے، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانتیں لوٹا کر تین دن بعد قباء پہنچے تو کلثوم بن ہدم کے گھر ہی قیام فرمایا تھا۔

چناں چہ صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں: "وکان بیته (کلثوم بن الهدم) مرکز استقبال المهاجرین قبل توزعهم علیٰ بیوتِ الأنصار"۔

اسی موقع سے صاحبِ طبقات نے حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: وہ ایک سچے پکے مسلمان اور ایک نیک سرشت انسان تھے، ان کے اسلام کے متعلق کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا۔

حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو اپنی زمین ہدیتاً پیش فرمائی

صاحبِ فتح الباری لکھتے ہیں کہ: جس وقت حضور علیہ السلام حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے تو حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹوں کے باندھنے کی ایک جگہ (طبیلہ) یا کھجوریں خشک کرنے کی جگہ حضور علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں ہدیتاً پیش فرمائی، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول فرما کر اس جگہ مسجد تعمیر فرمائی اور وہاں نماز ادا کی، اور کہتے ہیں کہ: یہ وہ مسجد ہے جس کی اسلام میں سب سے پہلے بنیاد ڈالی گئی، اس طرح ایک بڑی سعادت آپ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔

مسجدِ قباء کے امام

بخاری شریف کی ایک روایت میں ان ہی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ واقعہ مذکور ہے کہ: مدینۂ منورہ کی مسجدِ قباء میں ایک صحابی (حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ) مصلیوں کی امامت کرتے تھے؛ لیکن وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ضرور

پڑھتے، پھر اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھ کر رکوع کرتے۔ مصلیوں نے ان سے دریافت کیا کہ: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جب کہ سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سورت پڑھنا کافی ہے، کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہر رکعت میں سورۂ "قل هو الله أحد" اور اس کے بعد کوئی ایک سورۃ پڑھنا ضروری ہے؟ یا تو آپ صرف سورۂ اخلاص پڑھیے یا پھر اس کو چھوڑ کر کوئی اور سورۃ پڑھیے، انہوں نے جواب دیا کہ: میں سورۂ اخلاص کو کسی حالت میں ترک نہیں کرسکتا، اگر تم کو میری اس طرح امامت پسند نہ ہو تو مجھے اجازت دے دو میں چلا جاؤں گا، کسی اور کو تم اپنا امام بنالو؛ لیکن مسجد کے سارے مصلیوں کو ان کی امامت پسند تھی؛ گویا وہ ان سے خوش تھے، اس لیے کسی دوسرے کو پسند کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔

بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ صورتِ حال بیان کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام صاحب کو طلب فرمایا، اور دریافت کیا: آخر کیا بات ہے؟ تم ہر رکعت میں "قل هو الله أحد" کیوں پڑھتے ہو؟ امام صاحب نے کہا: یارسول اللہ! مجھ کو "قل هو الله أحد" سے بے حد محبت ہے۔ یہ سن کر آپ نے بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "حبک إیاها ادخلک الجنة" یعنی پھر تم کو اس کی محبت جنت میں داخل کردے گی۔ اس روایت کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، روایت کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے "کان رجل من الأنصار یؤمهم في مسجد قباء" اور اتمام "حبک إیاها ادخلک الجنة" پر ہوتا ہے، پوری روایت ملاحظہ فرمائیں:

قال عبيد الله عن ثابت عن أنس كان رجل من الأنصار يؤُمُّهم في مسجد قباء وكان كلما افتتح سورة يَقْرَأ بها لهم في الصلاةِ مما يُقْرَأ به افتتح بقل هو الله أحد حتى يَفرغ منها ثم يَقرَأ بسورة أخرىٰ معها۔ وكان يَصْنع ذٰلک في كل ركعة۔ فكلَّمَه أصحابُه وقالوا: إنک تفتتح بهٰذه السورة ثم لا نرى أنها تجزئک حتى تَقْرَأ بأخرىٰ فإما تقرأ بها وإما أن تدعها وتقرأ بأخرىٰ فقال: ما أنا بِتارِكِهَا إن أحببتم أن أؤمَّكم بذٰلک فعلتُ وإن كرهتم تركتم وكانوا يرون أنه من أفضلهم وكرهوا أن يؤمَّهم غيرُه۔ فلما أتاهم النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أخبروه الخبرَ فقال: يا فلان! ما يمنعک أن تَفْعَلَ ما يأمُرُک به أصحابک؟ وما يَحمِلُک علىٰ لزوم هٰذه السورة في كل ركعة؟ فقال: إني أُحِبُّهَا، قال: حُبُّک إياها ادخلک الجنةَ۔ (رواه البخاري:۱۰۷)

مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا منشأ سورۂ ''قل هو الله أحد'' کی محبت ہے، نماز کے طریقے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، نماز تو اسی طریقے سے پڑھی جائے گی جو احادیث اور عملِ صحابہ میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ سورۂ اخلاص سے خصوصی محبت رکھنا، ایسا بڑا اجر وثواب ہے جس کی جزا سوائے جنت کے اور کیا ہوسکتی ہے، گویا جس نے سورۂ اخلاص سے محبت رکھی یہ محبت اس کو جنت میں داخل کردے گی۔

یہ بشارت حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے یا کسی اور کے

کتبِ حدیث میں اس قسم کی تین روایتیں آئی ہیں اور تینوں میں سورۂ اخلاص

کی فضیلت کا بیان ہے، اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ اِس حدیث کے مصداق حضرت کلثوم رض ہیں، جنہیں جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے؛ البتہ باقی دو روایتوں کے مصداق حضرت کلثوم رض معلوم نہیں ہوتے اور وہ روایتیں یہ ہیں:

عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم بعث رجلا علىٰ سرية و كان يقرأ لأصحابه في صلاتهم فيختم بـ (قل هو الله أحد) فلما رجعوا ذكروا ذٰلک للنبي صلى الله عليه وآله وسلم فقال: سَلُوْه لأي شيء يصنع ذٰلک فسألوه فقال: لأنها صفة الرحمٰن، و أنا أحِبُّ أن أقرأَ بها، فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: أخْبِرُوْه ان الله يحبه"۔ (رواه البخاري)

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستہ روانہ کیا، اس دستے کا امیر جب بھی نماز پڑھاتا تو ہر نماز میں قرأت "قل هو الله أحد" پر ختم کرتا۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ: مجھے یہ سورت اس لیے محبوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور میں اس سورت کے پڑھنے کو پسند کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے پسند کرتا ہے۔

عن عبيد الله بن عبيد الرحمٰن بن عبيد بن حنين مولىٰ اٰل زيد بن الخطاب أنه قال: سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: أقبلت مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فسمع رجلا يقرأ "قل هو الله أحد"، فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم:

وجبت، فسألته ماذا يا رسول الله، قال: الجنة"۔ (مؤطا امام مالک: ۲۷)

حضرت عبید اللہ بن عبید الرحمٰن بن حنین جو کہ آلِ زید بن خطاب کے آزاد کردہ غلام ہیں، نقل کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آیا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا جو "قل هو الله أحد" پڑھ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وجبتْ یعنی واجب ہوگئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حضور! کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا: جنت۔

رہا یہ سوال کہ یہ احادیث ایک ہی آدمی سے متعلق ہیں یا دو، یا تین سے؟ بعض شارحینِ حدیث کی عبارتوں سے مغالطہ ہوتا ہے کہ پہلی دو روایتوں کا تعلق ایک شخص سے ہے، اور بعض علما نے تو شاید تینوں روایتوں کو ایک ہی شخص کے بارے میں خیال کیا ہے، حالاں کہ تینوں روایات کا تعلق جدا جدا افراد سے ہے اور یوں تین حضرات کے حصے میں بشاراتِ خاصّہ آتی ہیں، اس کے دلائل یہ ہیں:

(۱) تینوں احادیث کی سندیں مختلف ہیں، حتیٰ کہ روایت کرنے والے صحابہ بھی مختلف ہیں۔

(۲) الفاظِ احادیث صاف صاف یہ بتا رہے ہیں کہ یہ الگ الگ تین افراد سے تعلق رکھتی ہیں۔

(الف) حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ میں ہے: "بعث رجلا علىٰ سرية" کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو سالارِ دستہ بنا کر بھیجا، جب کہ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ میں قباء کے انصاری امامِ مسجد کا واقعہ بیان ہوا ہے "كان رجل من الأنصار يومهم

في مسجد قبا"۔

(ب) سالارِ دستہ اپنی قرأت کو "**قل هو الله أحد**" پر ختم کرتا تھا، اس میں "**يختم**" کا لفظ آیا ہے، جب کہ قبا کے امام صاحب سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت کا آغاز "**قل هو الله أحد**" سے کرتے تھے، اس میں "**افتتح**" کا لفظ آیا ہے۔

(ج) حدیثِ انس میں ہے کہ قبا کے مقتدیوں نے امام صاحب سے بات کی جس کے جواب میں انہوں نے کہا: میں اس سورت کو چھوڑ نہیں سکتا جب کہ حدیثِ عائشہ میں ایسا نہیں ہے۔

(د) سالارِ دستہ کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ: تم اس سے پوچھو: وہ ایسا کیوں کرتا ہے، جب کہ قباء کے امام سے حضور علیہ السلام نے خود دریافت فرمایا۔

(ھ) دونوں بشارتوں کے الفاظ بھی مختلف ہیں، حدیثِ عائشہؓ میں ہے: "**أخبروه: إن الله يحبه**" تم اسے بتادو کہ اللہ اس سے محبت رکھتا ہے، اور حدیثِ انس میں ہے: "**فقال: حبك إياها أدخلك الجنة**"۔

رہ گئی تیسری حدیث تو وہ حتمی طور پر ایک جداگانہ واقعہ ہے، حضرت ابوہریرہؓ صاف صاف لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ایک شخص کو "**قل هو الله أحد**" پڑھتے سنا، جب کہ پہلے دونوں واقعے روایتاً آپ تک پہنچے؛ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ یہ تینوں بشارتیں تین الگ الگ صحابۂ کرامؓ کے بارے میں وارد ہیں۔

مسجدِ قبا کے امام صاحب کا نام ''مرقاۃ المفاتیح'' میں ''کلثوم'' نقل کیا گیا ہے، سالارِ دستہ کا نام ''قافلہ'' اور تیسرے صحابیؓ کا اسمِ گرامی معلوم نہ ہوسکا، مذکورہ مضمون کی ابتدا اور انتہا میں جو کچھ مختصر حالات پیش کیے گئے ہیں وہ امامِ قبا کے ہیں۔

وفات

مسجدِ نبوی اور ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تعمیر جاری تھی، اور بدر کو بہت کم عرصہ باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کلثومؓ کا پیغامِ اجل آپہنچا، بایں وجہ حضرت کلثومؓ کسی غزوے اور معرکے میں شریک نہ ہوسکے۔ ''سیر الصحابہ'' میں ہے کہ: ہجرتِ نبوی کے بعد صحابہؓ میں یہ پہلی موت تھی یعنی حضرت کلثوم بن ہدم پہلے صحابئ رسول تھے جنہوں نے ہجرتِ نبوی کے بعد سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ابن قتیبہ اور سہیلی نے کہا ہے: کلثوم بن ہدم انصار میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے فوت ہوئے، نیز طبری اور کچھ حضرات کا کہنا ہے جن میں اصحاب المغازی بھی شامل ہیں کہ: حضرت کلثومؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے، واللہ اعلم۔

تدفین

ہجرتِ نبوی کے بعد چوں کہ یہ پہلا سانحۂ وفات تھا؛ اس لیے جنت البقیع میں اولاً آپؓ ہی کو مدفون کیا گیا، ''فتح الباری'' ودیگر کتب میں لکھا ہے کہ: حضرت عثمان بن مظعونؓ کو دفن کیا گیا ہے، لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، مہاجرین میں سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو دفن کیا گیا اور انصار میں سے حضرت کلثومؓ بن ہدم کو دفن کیا گیا، ''وهو أول من مات بالمدينة من الأنصار

بعد هجرة النبي صلى الله عليه وآله وسلم إليها"۔ (فتح الباری)

اس طرح یہ ایک سعادت بھی آپ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی ہے۔

خلاصہ

مختلف کتبِ سیر میں آپ رضی اللہ عنہ کے قدرے حالات اور اوصاف پر کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے؛ لیکن یہاں تقریباً ان تمام احوال کا خلاصہ لکھ دیا گیا ہے، اس سے زائد حالات نہیں مل پائے۔ **لعل الله يحدث بعد ذٰلك أمرا**۔

مآخذ ومراجع

(۱) فتح الباری (۲) بخاری شریف
(۳) موطا امام مالک (۴) مرقاۃ المفاتیح
(۵) التراتيب الادارية = نظام الحكومة النبوية
(۶) طبقات ابنِ سعد، جلد چہارم
(۷) سیر الصحابہ
(۸) فرسان النهار من الصحابة الأخيار، جلد ششم
(۹) صفة الصفوة، جلد یکم
(۱۰) کاروانِ جنت
(۱۱) یہ تیرے پُراسرار بندے
(۱۲) سیرت انسائیکلو پیڈیا: جلد چہارم
(۱۳) حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو

حضرت ذکوان بن عبدِ قیسؓ

ازقلم:
لطف الرحمن مولانا یعقوب انکلیشوری

سوانحی خاکہ

حضرت ذکوان بن عبدِ قیس رضی اللہ عنہ

نام: ذکوان بن عبد قیس۔

کنیت: ابو سَبُع۔

نسب نامہ: ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زُریق۔

قبیلہ: مدینہ کے مشہور معروف قبیلۂ خزرج کی شاخ بنو زُریق۔

قبولِ اسلام: ہجرت سے قبل۔

بیعت: بیعتِ عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ دونوں۔

غزوات میں شرکت: غزوۂ بدر اور احد۔

وفات: غزوۂ احد میں شہادت۔

مدفن: کہسارِ احد کا دامن۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ذکوان بن عبدِ قیس رضی اللہ عنہ

لطف الرحمٰن مولانا یعقوب انکلیشوری

کاروانِ علم وادب کا ہر فرد یہ جانتا ہے کہ پانچ سو سال کی تیرہ وتاریک شبِ دیجور کے بعد وحئ الٰہی کی روشنی جب عرش سے فرش تک پہنچی تو اس کی روشن کرنوں نے سب سے پہلے جن حضرات کے قلوب کو روشن کیا وہ ''صحابۂ کرام'' کی مقدس جماعت تھی، جن کی سیرت آفتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عکس سے کچھ اس طرح ضوفشاں ہوئی کہ صبحِ قیامت تک گم گشتۂ راہ اس کے ذریعہ سے ہدایت پاسکتا ہے، اور یہی وہ صحابہ ہیں جن کی مقدس وپاک زندگیوں سے بہت سے راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوؤں نے راہ پائی اور ایسی راہ پائی کہ وہ خود دوسروں کے لیے رہبر ورہنما بن گئے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی حضرت ذکوان بن عبدِ قیس رضی اللہ عنہ ہیں، جو اوائلِ اسلام میں ہی توحید ورسالت کا اقرار کر کے غلامانِ مصطفیٰ میں شامل ہو گئے تھے، طبقۂ صحابہ میں یہی وہ واحد فرد ہیں جو ہجرت اور نصرت دونوں طرح کی فضیلتوں کے حامل قرار پائے۔ آیئے! اس شخصیت کے درخشاں پہلو پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام: ذکوان، اور آپ کی کنیت: ابوسَبُع ہے، والدِ گرامی کا نام: عبدِ قیس ہے، والدۂ محترمہ کا نام کتبِ سیر میں نہیں مل پایا؛ البتہ اتنی بات ملتی ہے کہ

آپ کی والدہ کا تعلق قبیلۂ اشجع سے تھا، اور والدِ گرامی مدینہ کے مشہور ومعروف قبیلۂ خزرج کی شاخ بنوزُرَیق سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

البتہ آپ کا ایک بھائی تھا جس کا نام ''حارث بن عبدِ قیس'' ذکر کیا گیا ہے۔

والدِ گرامی کی جانب سے نسب نامہ کچھ اس طرح ذکر کیا جاتا ہے: ذکوان بن عبدِ قیس بن خَلدہ بن مُخَلد بن عامر بن زُرَیق انصاری خزرجی الزرقی انصاری مہاجری۔

مدینہ کے پہلے مسلمان

حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ایک روز آپ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ میں عتبہ بن ابی ربیعہ کے پاس کسی کام کی غرض سے تشریف لے گئے، جب مکّہ پہنچے تو انہوں نے کسی سے نبیِٔ امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سنا، دونوں حضرات بجائے عتبہ کے سیدھے دربارِ رسالت کی طرف لپکے، علیک سلیک کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ پڑھ کر سنائی، خدا جانے اس دعوت میں کیسا خلوص اور تلاوت میں کیسا سوز واثر تھا کہ فوراً دونوں حضرات کلمہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے اور عتبہ سے ملے بغیر ہی واپس مدینہ آگئے۔

قبولِ اسلام کے بعد مدینہ پہنچتے ہی دعوت کا کام شروع فرمایا جس کی برکت سے رفتہ رفتہ مدینہ کے ہر گھر و در میں اسلام پہنچا۔ غرض یہ کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ مدینہ

کے ''السابقون الاولون'' میں سے تھے، جنہیں سب سے پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ: سرزمینِ یثرب میں سب سے پہلے ان دونوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہی اسلام قبول کیا۔

دو بیعتیں

اس خصوصیت کے علاوہ حضرت ذکوان بیعتِ اولیٰ اور ثانیہ میں بھی شریک رہے، اس طرح ان کو دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل ہوا، بیعت کے بعد عشقِ نبوی کا کچھ ایسا غلبہ ہوا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ مکۂ مکرمہ ہی تشریف لے آئے اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔

ایک ہی صحابی، مہاجر بھی اور انصاری بھی

حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت کا حکم ملنے تک وہیں مقیم رہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کا حکم صادر فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے، اس طرح آپ دوہرے ثواب کے مستحق ٹھہرے، ہجرت کے بھی اور نصرت کے بھی، بایں معنیٰ آپ وہ واحد صحابی ہیں جن کو بیک وقت مہاجر اور انصار ہونے کی فضیلت حاصل ہوئی۔

ابن عبد البر آپ رضی اللہ عنہ کے حالات کے تحت رقم فرماتے ہیں کہ: ''ذکوان بیعتِ عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں شریک ہوئے، اور بیعت کے بعد مدینہ سے مکہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس رہنے لگے؛ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم نازل ہونے کے بعد مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی، اسی وجہ سے ان کو ''مہاجر انصاری صحابی'' کہا جاتا ہے''۔

بشارتِ عظمیٰ

احد کے روز معرکۂ کارزار گرم ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دامنِ کوہ میں جلوہ افروز تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ: مشرکین کے چیلینج ”هل من مبارز“ (ہے کوئی جو ہمارا مقابلہ کرے؟) کے جواب میں کون نکلے گا؟ یہ سنتے ہی فوراً حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے آپ کو اس عظیم کام کے لیے پیش کیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”من أحب أن ينظر إلىٰ رجل يطأ بقدمه غدا خضرة الجنة فلينظر إلىٰ هٰذا“، یعنی جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہے جو کل اپنے پاؤں سے جنت کی ہریالی کو روندتا پھرے گا وہ ان کو دیکھ لے۔

شہادت اور انتقامِ حیدری

آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے اور غزوۂ احد میں بھی، اور احد ہی میں جہاد کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا، آپ کو ابوالحکم اخنس بن شریق نے شہید کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے قتل کا بھرپور بدلہ لیا، اخنس گھوڑے پر سوار تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر شیر کی طرح حملہ آور ہوئے اور اس کے پیر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا پاؤں آدھی ران سے کٹ گیا، اور وہ اسی حالت میں حیدرِ کرّار کے ہاتھوں جہنّم رسید ہوا۔

خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے: فرماتے ہیں کہ: احد کے دن جنگ ختم ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ”من له علم بذكوان بن عبد قيس؟“ ذکوان بن عبد قیس کے بارے میں کون جانتا ہے؟ میں نے کہا: یا

رسول اللہ! میں نے خَود پہنے ایک گھوڑ سوار کو دیکھا جس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی؛ یہاں تک کہ وہ ذکوان کے قریب پہنچ گیا اور وہ یہ کہہ رہا تھا: ”لا نجوتُ إن نجوتَ“، یعنی آج یا تو تو بچے گا یا میں بچوں گا۔ چناں چہ اس نے آپ پر اپنا گھوڑا دوڑا دیا، چوں کہ ذکوان پا پیادہ تھے، اس لیے اس کی زد میں آ گئے، اس طرح اس بد بخت نے ان کو شہید کر دیا۔ یہ منظر دیکھتے ہی میں اس کی طرف لپکا، ابھی تک وہ گھوڑے پر ہی سوار تھا، میں نے اس کے پاؤں پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا پیر آدھی ران سے کٹ گیا، پھر میں نے اس کو گھوڑے سے گرا دیا، اور چشم زدن میں اسے جہنم رسید کر دیا، جب میں نے خَود ہٹا کر اس کو دیکھا تو وہ ابو الحکم اخنس بن شُرَیق تھا۔

فضائل ومناقب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی پہرہ داری کی سعادت

جنابِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند پہرے دار تھے جو سفر وحضر میں آپ کی پہرے داری وحفاظت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے، ان میں ایک ہمارے ممدوح حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بذریعۂ وحی کہلا بھیجا کہ: ”واللہ یعصمک من الناس“ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں سے یہ کہہ کر: ”انصرف فإن اللہ قد عصمني“، اپنی پہرہ داری ہٹوادی۔

ان پہرہ داروں کی تعداد آٹھ تھی، جن کے نام یہ ہیں: حضرت سعد بن ابی

وقاص، حضرت سعد بن معاذ، حضرت ذکوان بن عبدِ قیس، حضرت زبیر بن عوام، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت عباد بن بشر، حضرت ابوایوب اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم۔

سیرت النبویہ میں ابنِ ہشام نے ذکر کیا ہے کہ: ایک مرتبہ کسی سفر میں اسلامی قافلے نے وادیٔ قریٰ میں پڑاؤ ڈالا، اُس وقت حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مل کر پاسبانی کی خدمت انجام دی تھی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ: حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر سے لوٹ رہے تھے اور مقام ''منطقۃ الشیخین'' میں پہنچے تھے کہ شام ہوگئی، چناں چہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مغرب اور پھر عشا کی نماز پڑھی اور اسی جگہ رات گذاری۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کی حفاظت کے لیے ۵۰ / افراد کو پسند کیا جو لشکر کے اردگرد گھوم رہے تھے، ان کے قائد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے میں آرام فرما رہے تھے، اس وقت جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہرہ داری کی ذمہ داری حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ نے لی اور رات بھر وہیں خیمۂ رسول سے چمٹے رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی وہاں سے جدا نہیں ہوئے۔

تین کے بجائے ایک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنگِ بدر سے فارغ ہوکر واپس مدینہ کی طرف لوٹ رہے تھے تو راستہ میں مقامِ اُثَیل پر آپ کا گذر ہوا۔ (اُثَیل ایک وادی ہے جس کی لمبائی تین میل ہے، اُثَیل اور بدر کے درمیان دو میل کا فاصلہ ہے گویا

کہ آپ نے بدر سے چار میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال کر رات گذارنے کا فیصلہ کیا) غروبِ شمس ہو چکا تھا اور اندھیرا پوری طرح چھا چکا تھا، محبوبِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ: "من رجل الليلة يحفظنا؟" یعنی آج رات پہرہ داری کون کرے گا؟ کچھ لمحے کے لیے خاموشی چھائی رہی، پھر ایک جوان اٹھے اور کہا: یارسول اللہ! میں حاضر ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "من أنت؟"، جواب میں عرض کیا گیا: "ذکوان بن عبدِ قیس"، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔

پھر کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا: "من رجل الليلة يحفظنا"، پھر ایک شخص اٹھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "من أنت؟" جواب ملا: "ابنِ عبدِ قیس"، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیٹھ جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر تیسری مرتبہ دریافت فرمایا کہ: آج رات کون پاسبانی کے فرائض انجام دے گا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: "من أنت؟" اس آدمی نے جواب میں کہا: ابوسَبُع۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تینوں شخص کھڑے ہو جاؤ، حضرت ذکوان بن عبدِ قیس اکیلے کھڑے ہوئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: "فأين صاحباك؟"، یعنی تمہارے دونوں ساتھی کہاں ہیں؟ تو حضرت ذکوان نے جواب دیا: "یا رسول الله! أنا الذي أجبتك الليلة" یعنی یارسول اللہ! میں

نے ہی آپ کو تاریکی میں تینوں مرتبہ جواب دیا تھا۔ اس جذبۂ جاں نثاری و جوشِ فداکاری پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو دعا دی: ''**فحفظک اللہ**'' (پھر تو اللہ تمہاری حفاظت کرے)۔ چناں چہ اس رات آپ تنِ تنہا مسلمانوں کے پہرہ دار بنے رہے۔

یہ تھے حضرت ذکوان بن عبدِ قیس رضی اللہ عنہ جنہوں نے اسلام کے دامن میں آتے ہی اپنے آپ کو سراپا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کے لیے وقف کر دیا، یہاں تک کہ اسی شرفِ غلامی کے لیے اپنے وطنِ عزیز کو بھی خیر باد کہا، اور اسی عاشقانہ غلامی میں جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ **اللھم اجعلنا منھم۔**

راہِ وفا میں کچھ بھی سلامت نہ رہا		اک دل بچا تھا سو وہ تیرے نام کر گئے

مآخذ و مراجع

(۱) سیرت ابنِ ہشام

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد

(۳) فرسان النہار من الصحابۃ الأخیار، جلد چہارم

(۴) کاروانِ جنت

(۵) صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا

(۶) جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد

(۷) عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا اور شہدائے اسلام

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدِ ربہ رضی اللہ عنہ

ازقلم:
زید عمر دیاوی

سوانحی خاکہ

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدِ ربہؓ

نام: عبداللہ۔

کنیت: ابو محمد۔

لقب: صاحب الاذان۔

والد کا نام: زید۔

قبیلہ: خزرج کی شاخ بنو حارث۔

اسلام: بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے موقع سے۔

غزوات: بدر، احد، خندق اور دیگر غزوات میں شریک رہے۔

فتحِ مکہ کے وقت بنو حارث بن خزرج کا علم انہیں کے ہاتھ میں تھا۔

شرف: حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے بال بنوائے تو کچھ بال آپ کو عنایت فرمائے۔

وفات: سنہ ۳۲ھ میں بمقام مدینہ۔

نمازِ جنازہ: حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔

عمر: ۶۴/ سال۔

اولاد: ایک صاحبزادی اور ایک محمد نامی صاحبزادہ۔

زوجہ: سعدہ بنتِ کلیب بن یساف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ

زبیر عمر دیواوی

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
دنیا میں تم سے لاکھ سہی مگر تم کہاں

گناہ آلود ماحول، بری سوسائٹی اور مذموم گرد و پیش، قدم قدم پر فتنوں کا ہجوم اور برائیوں کا جمگھٹا، نفس کی رغبت، لذّت اور میلان کے لیے ہر قسم کی سہولتیں و آرائشیں موجود، مے خانے بھی آباد ہیں اور قمار خانوں کی بھی کثرت ہیں، نغمے اور رقص کی محفلیں بھی سجتی ہیں اور فحش کاری کے اڈے بھی بد اخلاقی کے مرکز بنے ہوئے ہیں، جس طرف جاؤ برائیوں کے جھنڈے لگے تھے اور بدچلنی کے جال بچھے تھے۔

اس سراپا معصیت والے ماحول میں ایک غیّور نوجوان اٹھا، جس نے شہادتِ حق کی خاطر جینے اور مرنے کا سلیقہ سیکھا، جو قرنِ اول کا علَم بردار بنا، جس نے مشعلِ راہ کو اٹھایا اور بھٹکے ہوؤں کو سیدھا راستہ دکھایا، اُس معطّر اور پاکیزہ خوشبوؤں کا حصہ بنا جو گلدستۂ نبوت کے رنگارنگ پھولوں میں پنہاں تھیں، جس کے کردار کی تابش سے دنیا ہمیشہ جگمگاتی رہے گی۔

ایسا نیک بخت اور خوش نصیب جس کو خواب میں وہ کلمات بتلائے گئے جو دن میں پانچ مرتبہ مشرق میں، مغرب میں، شمال میں جنوب میں اور زمین کے آخری

کناروں تک کڑک کڑک کر، گرج گرج کر بلند میناروں سے سنائی دیتے ہیں، یہ وہی نوجوان ہے جسے ''صاحب الاذان'' کا لقب ملا، تاریخ شمعِ رسالت کے اس پروانے کو ''حضرت عبد اللہ بن زید بن عبدِ ربّہؓ'' کے نام سے یاد کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ آئندہ سطروں میں آپ ہی کی زندگی کی کچھ جھلکیاں لکھی گئی ہیں، بایں امید کہ گم گشتۂ راہ امت کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

نام، نسب اور خاندان

آپ کا اسمِ گرامی: عبد اللہ، کنیت: ابو محمد، لقب: صاحب الاذان ہے۔

آپ کے والدِ محترم کا نام: زید بن ثعلبہ ہے؛ مگر آپ اپنے پردادا ''عبدِ ربّہ'' کی طرف منسوب ہو کر ''عبد اللہ بن زید بن عبدِ ربّہ'' کہلاتے ہیں۔

آپ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے: عبد اللہ بن زید بن بن ثعلبہ بن عبدِ ربّہ بن زید بن حارث بن خزرج۔ (طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۸۷)

آپ ایک انصاری صحابی ہیں اور قبیلۂ خزرج کے باعزّت خاندان بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے، آپؓ کا آبائی پیشہ زراعت و باغبانی تھا۔

جائے ولادت اور بچپن

آپؓ نے آنکھیں مدینہ کی پُرسکون فضا میں کھولیں، وہی مدینہ جو وادیوں، پہاڑوں، کہساروں اور جگہ جگہ سجے نخلستانوں سے خوبصورتی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ آہستہ آہستہ قدم سنبھلے، چلنا سیکھا، تلوار چلانے، نیزہ پھینکنے اور تیر نشانے پر لگانے میں ماہر بنے۔ ایک وقت آیا کہ آپ نے عہدِ طفولیت سے نکل کر جوانی کی

دہلیز پر قدم رکھا۔

دامنِ اسلام میں

نبوت کا دسواں سال ہے، موسمِ حج کا وقت ہے، لوگ اطراف واکناف سے اللہ کے اِس باعزت گھر۔ جو مرجعِ خلائق اور دنیا بھر کا معبد ہے۔ کا چکر لگانے سرزمینِ مکہ آنے لگے۔ اس عظیم فریضے کو ادا کرنے کے لیے شہرِ مدینہ سے بھی ایک وفد آیا، اُن دنوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجیوں کو دین کی دعوت دیتے اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے۔ اسی اثنا میں مدینہ کے تقریباً چھ لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ''عقبہ'' (گھاٹی) میں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دینِ اسلام کا حسن بتایا اور قرآنِ کریم کی کچھ آیات سنائیں، آیتوں کا کان میں پڑنا تھا کہ دل کی دنیا بدل گئی، یہ حق کی نوا تھی؛ جو دل سے نکلی اور سیدھی دل پر جالگی، نبوت کے بارہویں سال پھر چھ انفاسِ قدسی کی یہ مختصر سی جماعت بارہ میں بدل گئی اور سچ پوچھو تو جماعت نہیں؛ دل اور زندگیاں بدل گئیں۔

تیسرے سال یعنی نبوت کے تیرہویں سال جب مدینہ کے لوگوں نے حج کے لیے رختِ سفر باندھا تو اس قافلے میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور کچھ اور لوگ بھی تھے، مکّہ پہنچنے پر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ ہم حج کے ارادے سے اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی لائے ہیں، اور آپ کی قدم بوسی کے منتظر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو وسطِ ایامِ تشریق میں تہائی رات گذرنے کے بعد عقبہ (گھاٹی) میں ملنے کو کہا۔ راست بازوں کا یہ گروہ اس

متبرّک مقام پر جہاں دو سال سے اس شہرِ یثرب کے مشتاق حاضر ہوا کرتے تھے، رات کی تاریکی میں اس طرح چپکے چپکے دبک دبک کر پہنچا جیسے چڑیا گھونسلے سے سکڑ کر نکلتی ہے اور اللہ کے برگزیدہ رسول بھی اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے ہمراہ آپہنچے۔

چوں کہ ان میں سے بہت سوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، آپ کا اتنا روشن اور دل کش چہرہ دیکھا تو اندھیرے میں ایسا لگا جیسے بدرِ کامل بادل کی اوٹ سے نکل آیا ہو، وہ مہتابِ نبوت کے گرد ہالے کی طرح مؤدب بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن کی آیتیں تلاوت فرمائیں، ایک ایک لفظ وفد کے دل میں نشتر کی طرح اترنے لگا، بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اللہ کے کلام کی تاثیر نے قلوب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، کفر و بے یقینی کے چراغ آن کی آن میں بجھ گئے، کفر حیران تھا، انگشت بدنداں تھا اور مغموم تھا کہ یہ کیا سے کیا ہوگیا! بتوں کے پجاری یکا یک ایک خدا کی بارگاہ میں سر جھکانے لگے ؎

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

انہیں خوش قسمت پاسبانوں میں سے ایک حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کے دل و دماغ نے زبان کے ساتھ مل کر "**أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله**" کہا اور اپنے لیے سعادتِ ابدی کا اعلان کر دیا، نورِ ایمان کی شعاعوں نے ان کے چہرے پر چھائی کفر کی تاریکی کو بالکل ختم کر دیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ اسلام کا قافلہ بڑھتا اور اس کا آفتاب چڑھتا گیا۔

صاحب الاذان کا لقب

بعثت کے کچھ عرصے کے بعد نمازیں فرض ہوگئی تھیں؛ لیکن دس بارہ سال کا طویل وقت گذرنے کے باوجود کوئی ایسی صورت نہیں تھی جس سے تمام صحابہؓ بیک وقت مسجد میں جمع ہوکر باجماعت نماز ادا کرسکے، یہاں تک کہ ہجرت کے بعد جب یثرب ''مدینۃ النبی'' قرار پایا اور نخلستانوں اور کہساروں سے سجا یہ متبرک شہر ''اسلام کا پہلا دارالخلافہ'' بنا؛ تب پھر یہ بات دوبارہ اُٹھی کہ کیسے وقت پر سب کو ایک ساتھ جمع کیا جاوے؟ جب مشورہ کے لیے بیٹھے تو کسی نے کہا کہ: ناقوس بجادیا جائے، دوسرے نے رائے دی کہ: کسی اونچی جگہ پر آگ جلائی جائے، تیسرے نے بتایا کہ: بُوق یا قَرن (بگل یا نرسنگا) بجایا جائے، اِس طرح جس کے دل میں جو آیا کہتا گیا؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کی تجویز رد فرمادی۔

وجہ یہ تھی کہ ناقوس بجانے میں نصاریٰ، آگ جلانے میں مجوسیوں اور بوق میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی تھی، نتیجتاً بغیر کوئی فیصلہ لیے مجلس برخاست ہوگئی اور مسئلہ یوں ہی زیرِ غور رہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ فکرمند تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تفکّر اور خیال کا حضرت عبداللہ بن زید بن عبدِ ربّہ پر بہت اثر ہوا، وہ گھر جاکر بستر پر لیٹے لیٹے بھی یہی سوچ رہے تھے کہ ایسا کیا کیا جائے جس سے سب صحابہ ایک ساتھ مسجد میں جمع ہوجائیں، یہی غور وفکر کرتے کرتے سوگئے، خدا کا کرنا کہ ایک سچا خواب دیکھا، جس کو انہوں نے خود صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا کہ:

ایک سبز پوش ناقوس ہاتھ میں لے کر گزرا، میں نے پوچھا: اس ناقوس کو بیچو گے؟ اس نے سوال کیا کہ: تم خرید کر کیا کرو گے؟ میں نے جواب دیا: اس سے نماز کے لیے بلایا کریں گے، سبز پوش نے کہا: کیا میں اس سے بہتر اور عمدہ تدبیر بتلاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! ضرور بتلایئے، پھر اس نے یہ کلمات کہنے شروع کیے: ”اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر إلخ“۔ پھر اقامت سکھائی کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو ”حي علی الفلاح“ کے بعد ”قد قامت الصلوٰۃ“ دو مرتبہ زیادہ کہو۔ یہ خواب سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ”إنہا لرؤیا حق إن شاء اللّٰہ، فقم مع بلال فألق علیہ ما رأیت فلیؤذن بہ فإنہ ندیٰ صوتا منک“۔

ترجمہ: اللہ کے حکم سے یہ سچا خواب ہے، اب تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ خواب میں دیکھا ہے اسے بتا دو، وہ اس کے مطابق اذان دے گا؛ کیوں کہ وہ تم سے زیادہ خوش الحان اور بلند آہنگ ہے۔

چناں چہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے حضرت بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر وہ الفاظ سنائے جو خواب میں سنے تھے، پھر جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اقامت خود حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے کہی۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے جب اذان سنی تو جلدی جلدی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ: اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں نے بھی اس طرح کا خواب دیکھا ہے جس طرح انہیں دکھایا گیا ہے۔ مگر یہ سعادت حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے حصے میں تھی، جس سے خوش

ہو کر آپ یہ اشعار کہا کرتے تھے:

أحمد الله ذا الجلال و ذا الإكرام		حمدا على الأذان كثيرا	
إذ أتاني به البشير من الله		فأكرم به لدى بشيرا	
في ليال والى بهن ثلاث		كلما جاء زادني توقيرا	

میں بزرگی وعظمت والے خدا کی بہت تعریف بیان کرتا ہوں اذان کی توفیق پر۔ جب میرے پاس اللہ کی جانب سے خوش خبری دینے والا آیا پس اس کا خوشخبری میرے پاس لانا کیا ہی معزز تھا۔ مسلسل تین راتوں میں جب جب بھی میرے پاس آیا میری عزت بڑھ گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

عاشقِ صادق کا ایک واقعہ

شمعِ رسالت کے اس پروانے کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انتہا درجے کی محبت تھی، جس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شہرِ مدینہ سے باہر ایک باغ میں کام کر رہے تھے، جب ان کے لڑکے نے ان کو آ کر خبر دی تو دل میں عشق کے جذبات موجزن ہوئے، انہوں نے ہاتھ اٹھائے اور کہا: ”اللهم اعمني حتى لا أرى شيئا بعده إلىٰ أن ألقاه“ اے اللہ! اگر آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا تو میری بینائی سلب کر لے؛ تاکہ جب تک میں آپ کو نہ دیکھ لوں اور کسی چیز کو نہ دیکھ سکوں۔ ابھی یہ الفاظ زبان سے نکلے ہی تھے کہ وہیں کھڑے کھڑے آپ رضی اللہ عنہ کی بینائی ختم ہو گئی۔

امام فخر الدین رازی یہ واقعہ لکھ کر فرماتے ہیں: ”فكان يحب النبي حبا شديدا، فجعله الله معه في الجنة“۔ (تفسیرِ کبیر: ۱ / ۱۷۰) کہ حضرت عبداللہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبّت تھی تو اس کا صلہ انہیں یہ ملا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت نصیب فرمائی۔

نوٹ: یہ واقعہ تفسیرِ کبیر میں ذکر کیا گیا ہے؛ مگر ”رجل من الأنصار“ کرکے، جب کہ نام کی صراحت ترجمان السنہ: ۶ / ۳۴۵ سے لی گئی ہے۔

ایک اور سعادت

آپ ”صاحب الاذان“ ہونے کے بعد سعادتِ ابدی کی اور بہت سی راہوں سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ چناں چہ حجۃ الوداع کا موقع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکریاں تقسیم فرما رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن زیدؓ پاس میں کھڑے ہیں؛ مگر ان کو کچھ نہ دیا؛ لیکن قسمت میں ایک لازوال دولت لکھی تھی، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بال بنوائے اور کچھ ان کو عنایت فرمائے۔ یہ بال جو مہندی سے رنگے ہوئے تھے ان کے خاندان میں تبرکاً محفوظ رہے۔

دولتِ دنیا سے بے نیاز

ابنِ اثیر کی ”اسد الغابہ“ کے حوالے سے صاحبِ سیر الصحابہ نے آپ کی جائیداد سے متعلق یہ قصہ لکھا ہے کہ: آپ کے پاس بہت ہی قلیل جائیداد تھی جس سے آپ اپنے بال بچوں کی پرورش کرتے تھے؛ لیکن انہوں نے کل کی کل صدقہ کردی، آپ کے والد نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر واقعہ بیان کیا، آپ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ: خدا نے تمہارا صدقہ قبول کیا؛ لیکن اب باپ کی میراث کے نام سے تم کو واپس دیتا ہوں، تم اس کو قبول کرلو۔

دیگر حالاتِ زندگی

کفر واسلام کے درمیان سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر کے نام سے جانا جاتا ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی شریک رہے اور اپنی تیغ زنی کے جوہر دکھائے سنہ ۳ھ میں غزوۂ احد کے موقع پر تیروں کی بارش اور انتقام کے برستے شعلوں کے درمیان جان ہتھیلی پر رکھ کر دیوانہ وار لڑتے رہے۔ شہرِ مکّہ - جو نافِ ارض ہونے کی وجہ سے گویا زمین کی مملکت کا دار السلطنت تھا۔، جس روز ''دار السلام'' بنایا گیا اس روز بنو حارث بن خزرج کا علم اٹھانے کا شرف بھی حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوا۔

وفات

گردشِ وقت کا پہیا گھومتا ہوا ۳۲ سنہ ھ تک جا پہنچا، تاریکی وخاموشی نے رختِ سفر باندھا، ستاروں نے دم توڑ دیا، سورج معمول کے مطابق نکلا؛ مگر آج کچھ زیادہ ہی گرمی برسا رہا تھا، اس کی زرد زرد شعاعوں میں سرخی بھی ملی ہوئی تھی، دیکھنے پر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی کوئی محبوب چیز کھونے والا ہو، ہر کوئی اس کے بدلے ہوئے تیور کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یکا یک مدینہ میں ہلچل مچ گئی، جس نے سنا سر پکڑ کے بیٹھ گیا، جسے پتہ چلا وہ بے ساختہ بول اٹھا کہ: ''محبت کا چراغ بجھ گیا''۔

اس عاشقِ رسول نے ۶۴/ سال کی عمر پا کر اس دارِ فانی کو الوداع کہا، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کو جنگِ احد میں شہید کردیا گیا؛ مگر زیادہ معتبر قول اول الذکر ہے۔

اولاد وحلیہ

آپ کا ایک صاحبزادہ تھا جس کا نام محمد تھا، ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی کنیت "ابومحمد" ہوئی۔ بقول ابنِ سعد: اِن کی والدہ کا نام سعدہ بنتِ کلیب بن یساف تھا، یہی محمد اپنے والد کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "کان رجلا لیس بالقصیر ولا بالطویل"، آپ نہ بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ بہت زیادہ پست، بلکہ مناسب قد کے حامل تھے۔

اس کے علاوہ مؤرخین نے ایک صاحبزادی کا بھی ذکر کیا ہے؛ مگر ان کا نام معلوم نہ ہوسکا، تاہم یہ بات ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ صاحبزادی دربارِ فاروقی میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: میرے والد بدر میں شریک تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر جو مانگنا ہو مانگو، انہوں نے کچھ مانگا اور کامیاب وبامراد واپس ہوئیں۔

حدیث میں آپ کا مقام

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: آپ سے صرف ایک ہی حدیث ۔جو اذان سے متعلق ہے۔مروی ہے؛ مگر حافظ ابنِ حجر عسقلانی کو ۶، ۷ حدیثیں ملیں،

جن کو انھوں نے علیحدہ ایک جزء میں جمع کیا ہے۔آپ کے راویانِ حدیث میں حسبِ ذیل نام ملتے ہیں: محمد، عبداللہ بن محمد، سعید بن مسیب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ۔

امام بخاری وترمذی کی بات مان بھی لی جاوے تو اس سے آپ کی عظمت میں کیا فرق پڑتا ہے کہ بھلے سے ایک ہی حدیث مروی ہے؛ مگر وہ ایسی زندہ تابندہ ہے کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کرنے کے لیے کافی ہے۔اس ایک فضل وکمال کے علاوہ جو ہزاروں کمالات پر فوقیت رکھتا ہے، آپ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے۔

پیغام

مذکورہ بالاسطروں میں شمعِ رسالت کے جس پروانے کا ذکر ہوا جب ہم اس کی زندگی کے ہر گوشے پر نظر ڈالتے ہیں تو محبّت، زہد، شجاعت اور جواں مردی کے علاوہ اور بھی بہت سے اوصاف ہیں، جن کو ہمیں اپنی زندگی میں اپنانا چاہیے اور جس مہتم بالشان مقصد کی تبلیغ اور تکمیل کے لیے انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلند مقصد کی تبلیغ کے لیے قبول فرمائیں اور ان کی زندگی کو مشعلِ راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وما توفيقي إلا بالله

مآخذ ومراجع

(۱) سیرۃ المصطفیٰ، جلد اول (۲) سیر الصحابہ، جلد پنجم

(۳) سیرت انسائیکلوپیڈیا، جلد چہارم

(۴) طبقات ابنِ سعد، جلد سوم (۵) کاروانِ جنت

حضرت عبداللہ بن زید
بن عاصم انصاریؓ

ازقلم:
وسیم الدین عثمان رادھنپوری

سوانحی خاکہ

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاریؓ

نام: عبداللہ۔

والد کا نام: زید بن عاصم۔

والدہ کا نام: امِّ عمارہ نُسَیبہ بنتِ کعب۔

کنیت: ابو محمد۔

قبیلہ: خزرج کا خاندانِ بنونجّار۔

اولاد: دو صاحبزادے: خلاد اور علی۔

اسلام: بیعتِ عقبۂ ثانیہ سے پہلے۔

غزوات: بدر کے علاوہ غزوات میں شریک رہے۔

اہم کارنامہ: مسیلمہ کذّاب کے قتل میں شرکت۔

شہادت: ماہِ ذی الحجۃ ۶۳ھ واقعۂ حرّہ۔

مدفن: مدینۂ منورہ۔

عمر: تقریباً ۷۵۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری رضی اللہ عنہ

وسیم الدین عثمان رادھنپوری

انسانیت ایک اندھیر نگری میں زندگی کا سفر طے کر رہی تھی، قعرِ مذلّت کی گہرائیوں کو اپنا مسکنِ حقیقی سمجھ بیٹھی تھی اور گم کردۂ راہ ہوکر کفر وضلالت کی بھول بھلیّوں میں غلطاں وپیچاں تھی، جہاں نورِ ایمانی کی ذرا سی روشنی بھی نہیں پہنچ سکتی تھی، زندگی کا کوئی شرارہ نہ تھا، الفت ومحبّت کا کوئی جلوہ نہ تھا، حسن وجمال کی کوئی شوخی نہ تھی، غرض انسانیت کا پہیّہ تعفن زدہ نشیبی راہوں پر آگے سے آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ حراء کے ''پربت'' سے رشد وہدایت کی صبحِ درخشاں طلوع ہوئی اور اس کے طلوع ہوتے ہی ظلم کی تہہ بہ تہہ اندھیریاں چھٹ گئیں، عہدِ جاہلیت کے باطل توہمات کے فلک بوس قلعے زمین دوز ہوگئے۔

اس آفتابِ رسالت کی ضیاپاش کرنیں جزیرۃ العرب کے بہائم صفت انسانوں پر کیا پڑیں کہ کایا پلٹ گئی۔ جزیرۃ العرب کے یہی باشندگان جن پر کوئی حکومت کرنا پسند نہ کرتا تھا دامنِ اسلام میں پناہ لے کر جنت کی ابدی نعمتوں کے مستحق ٹھہرے، ان کے قلوب معرفتِ الٰہی سے لبریز ہوگئے، عشقِ رسول کی چنگاری ان کے دلوں میں فروزاں ہوئی، ایمان ویقین اور عشق ومحبت کے امتزاج نے اُنہیں اشاعت وحفاظتِ اسلام پر ابھارا اور انہوں نے اپنا سب کچھ اس کے لیے نچھاور کر دیا؛ حتی کہ اپنی جانِ عزیز بھی اس کے لیے نثار کر گئے۔

راہِ وفا میں کچھ بھی سلامت نہ رہا
ایک دل بچا تھا وہ بھی تیرے نام کر گئے

ان ہی قدسی صفات انسانوں میں سے ایک جاں باز وجواں مرد ''حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ'' بھی ہے، جن کی حیاتِ طیبہ ہم غافلوں اور گنہگاروں کے لیے اسوہ ونمونہ ہے کہ

راہ ملتی ہے شب کو تاروں سے		اور ہدایت نبی کے یاروں سے

راقم آپ ہی کی زندگی کی چند جھلکیاں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے، اس دعا کے ساتھ کہ بارِ الٰہا! ہمیں ان اصحابِ رسول کی صحیح معنیٰ میں پیروی کی توفیق نصیب فرما اور اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما، آمین یارب العالمین۔

نام، نسب وخاندان

نام: عبداللہ، کنیت: ابومحمد۔

نسب: عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

والد کا نام: زید تھا، آپ نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان بھی ہوئے، تاہم آپ کی وفات کا علم نہ ہوسکا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے مشہور قبیلہ ''خزرج'' سے تھا، آپ رضی اللہ عنہ خزرج کی معزز ترین شاخ بنونجّار کے چشم وچراغ تھے۔

تربیت و پرورش

حضرت عبداللہؓ نے اُس جلیل القدر ماں کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی تھی جس کی کتابِ حیات میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت اور راہِ حق میں اپنی جان، مال اور اولاد قربان کردینے کے ابواب اتنے روشن ہیں کہ آج بھی ان کی تابانی سے آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، یہ خاتون تھیں ''نُسَیبہ بنتِ کعب'' جو تاریخ میں اپنی کنیت ''امِ عمارہ'' سے مشہور ہیں، یہ وہ خاتون تھیں جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ تعلّق ہونے کی وجہ سے ہر وقت دشمنانِ اسلام کی موت کے تعاقب میں لگی رہتی تھیں اور یہ اُنہیں جاں نثارانِ اسلام میں سے ایک ہیں جو ایک پکار پر بے تابانہ لپک جاتے تھے، اور یہ وہی خاتون ہیں کہ جب بھی اشاعتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال کی نوبت آئی تو بے خوف وخطر میدانِ جنگ میں کود پڑیں اور شمشیر زنی اور تیر افگنی کے جوہر دکھلائے۔

امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں حضرت امِ عمارہؓ کے جہاد اور دوسرے واقعات میں شرکت کو نقل کیا ہے کہ آپؓ لیلۃ العقبہ میں حاضر رہیں، اسی طرح اُحد، حدیبیہ، غزوۂ حنین اور یمامہ میں شرکت کرکے وہ مجاہدانہ وسرفروشانہ کارنامے انجام دیے کہ جس سے ہماری عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، یہی خاتون ہیں جنہیں اسلامی تاریخ میں ''اول مجاہدہ'' ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ضمرہؓ بن سعد المازنی اپنی دادی (نُسیبہ) کے حوالے سے نقل کرتی ہے کہ: میری دادی بھی غزوۂ احد میں حاضر ہوئی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلانے کی

خدمت انجام دی تھی۔ میری دادی نے مجھے بتلایا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”لمقام نسيبة بنت كعب اليوم خير من مقام فلان و فلان“ آج نسیبہ بنتِ کعب کا مقام فلاں اور فلاں کے مقام ومرتبہ سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امِ عمارہؓ کو دیکھ رہے تھے کہ آپؓ اپنی کمر کے ساتھ پٹکا باندھے ہوئے جوش وولولہ کے ساتھ لڑ رہی ہیں، یہاں تک کہ جنگ کے دوران آپؓ کو تیرہ زخم لگے۔ حضرت ضمرہؓ ہی سے مروی ہے کہ جب میں حضرت امِ عمارہؓ کی وفات کے وقت حاضر ہوئی اور غسل دیا، تو میں نے آپؓ کے جسم پر زخم کے نشان شمار کیے تو وہ تیرہ تھے اور ان میں سب سے بڑا زخم وہ تھا جو غزوۂ احد کے دن ابنِ قمئہ کے ہاتھوں لگا تھا۔ (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: پندرہ جنّتی صحابیات: ۵۷ تا ۹۲، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

یہ تھی وہ باہمت خاتون کے جس کی آغوشِ تربیت میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے تربیت پائی۔

قبولِ اسلام

آپؓ کی والدہ حضرت امِ عمارہؓ نہایت نیک فطرت خاتون تھیں، ان کا شمار انصار کے ”السابقون الاولون“ میں ہوتا ہے، یہ اس زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں جب بیعتِ عقبۂ اولیٰ (۱۲ نبوی) پیش آئی، بیشتر روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ اور ان کے بھائی حضرت حبیبؓ اپنی والدۂ محترمہ کے ساتھ ہی سعادت اندوزِ اسلام ہوکر عقبہ میں شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے اور بعض

روایتوں میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ تشریف لائے تو وہ اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شرکت کی سعادت

یثرب کے محلوں میں شمعِ ایمان روشن ہونے لگی اور ایک ایک گھرانہ اس کی مقدس کرنوں سے ضیابار ہونے لگا، ان خوش قسمت گھرانوں میں سرِ فہرست حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا گھرانے بھی تھا، اس گھرانہ کے مبارک افراد دل کی دنیا کو ایمان کے فانوس سے سجائے ۱۲ نبوی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حجِ مبرور کے لیے تشریف لے گئے، خانۂ دل میں یہ والہانہ شوق وتڑپ تھی کہ اس اقلیمِ نور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ رہروانِ عشق دشت وجبل، صحرا اور ریگستان قطع کرتے ہوئے مکۂ مکرمہ کی مقدس زمین پر پہنچ گئے، دن گذرا، سورج ڈوبا، رات نے اپنا سیاہ لبادہ اوڑھ لیا اور پورا مکّہ نیند کی آغوش میں جا چھپا۔

اس تاریک رات میں بھی چند آنکھیں بیدار رہیں؛ اس لیے کہ دانائے سبل اور مولائے کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی تڑپ نے ان کی آنکھوں سے نیند کے خمار کو سلب کر لیا تھا، منیٰ کے قریب ایک گھاٹی میں ۷۳ / انصاری مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ کیے سراپا انتظار تھا، رات گئے وہ پیکرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوئے، ساتھ میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عمِّ مکرم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ حق شناس اور پاکباز انقلابی

انسانوں کا مجمع تھا، جو اپنے دل کے چراغوں کو مشکاۃِ نبوی کے لَو سے روشن کرنا چاہتا تھا، یقیناً حضور رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب ان مقدس اور پاکباز ہستیوں کو اپنے حضور دیکھا ہوگا تو دل قدردانی کے جذبات سے اور آنکھیں شکر و امتنان سے بھر آئی ہوں گی۔

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو کچھ فرمایا اور جن امور پر ان سے عہد و پیمان لیا، اس کے ایک ایک لفظ نے ان کو مسحور و منوّر کر دیا، پھر انہوں نے یک زبان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مدینۂ منورہ تشریف لانے کی درخواست کی، آپ نے اس قافلۂ حق سے اشاعتِ حق میں بھرپور تعاون کرنے کا معاہدہ لیا، اور تاریخ گواہ ہے کہ جس جذبے سے انہوں نے رسولِ خدا محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی اس کو اتم و اکمل طریقے سے پورا کرنے کے لیے انہوں نے اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں وقف کر دیں۔

امِ عُمارہ رضی اللہ عنہا خود اس واقعہ کو بیان کرتی ہیں کہ: میں عقبہ کی رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کے لیے حاضر ہوئی اور قوم کے لوگوں کے ساتھ ہو کر اس رات بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا بیعت کے طریقہ کو بیان کرتی ہیں کہ: لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہو رہے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، پھر جب میں اور امِ منیع رضی اللہ عنہا باقی رہیں تو بیعت ختم ہونے کے بعد میرے شوہر نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ دو عورتیں امِ عمارہ رضی اللہ عنہا اور امِ منیع بنتِ عمرو بن عدی بھی بیعت کے لیے

آئی ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**قد بايعتهما على ما بايعتكم عليه إني لاأصافح النساء**“، ترجمہ: جن باتوں پر میں نے تم سے بیعت لی ان ہی پر ان سے بھی بیعت لیتا ہوں، مصافحے کی ضرورت نہیں، میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ اس طرح حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کے خاندان نے بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شرکت کر کے سعادت مندی حاصل کی۔

اس بیعت کے بعد تو زندگی کی کایا ایسی پلٹ گئی کہ یہ ایک جلیل القدر صحابیہ، عابدہ، زاہدہ اور جاں باز ”خاتونِ احد“ کی حیثیت سے جانی پہچانی گئیں، ان کی عالی حوصلگی نے اور شجاعت و بسالت نے مردانِ حُر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ بھی ان ہی کے فرزندِ ارجمند تھے، آخر وہ کیسے پیچھے رہتے؛ آیئے! دیکھتے ہیں کہ ماں بیٹے نے مل کر کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

غزوات

غزوۂ بدر میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض اربابِ سیر کے نزدیک وہ غزوۂ بدر میں شریک رہے اور بعض نے لکھا ہے کہ: ان کی عمر اس وقت پندرہ برس سے کم تھی؛ اس لیے اس میں شریک نہ ہوسکے؛ البتہ غزوۂ بدر کے بعد عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں ان کے شریک ہونے پر سبھی اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

غزوۂ احد کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احزاب میں بھی دادِ شجاعت دی،

۶ سنہ ھ میں انہوں نے حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل کیا اور یوں ''اصحاب الشجرۃ'' کی اس مقدس جماعت میں شامل ہو گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی و بشارت عنایت فرمائی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {لَقَدْ رَضِيَ اللہُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ إلخ}، ترجمہ: تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے ہمراہ غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئے، پھر ۷ سنہ ھ میں والدہ کے ساتھ عمرۃ القضا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل کیا۔ ۸ سنہ ھ میں آپ کو ان دس ہزار قدسیوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی جو فتحِ مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب تھے، اور جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے توریت (کتاب استثنا) میں یوں پیشین گوئی کی گئی تھی:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے آتشِ شریعت تھی''۔

اِسی سال انہوں نے غزوۂ حنین میں شجاعت کے جوہر دکھلائے، اور اسی طرح جنگِ یمامہ میں بھی نہایت نمایاں حصہ لیا۔

غزوۂ احد میں ماں بیٹے کی شجاعت

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ: ۶/شوال ۳ سنہ ھ بعد نمازِ جمعہ پیغمبرِ اعظم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں باز صحابہ کو لے کر وادیٔ احد کی طرف کوچ فرمایا، اور کہسارِ احد کے دامن میں پڑاؤ ڈالا، اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ۷۰۰/ سے متجاوز نہ تھی؛ مگر عجب کیف ومستی کے ساتھ شہادت کا جام پیے وہ دشمنوں سے ٹکر لینے کو چلے جارہے تھے، عجب تھے وہ لوگ جو شہادت کی خاطر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے، دوسری طرف کفر کے ۳۰۰۰/ سورماؤں کا ایک جمِ غفیر تھا جو بدر کا انتقام لینے کے لیے سفاک بھیڑیوں سے خوں ریزی اور مکار لومڑیوں سے عیاری مانگ کر آیا تھا، جنگ کا آغاز ہوا اور قریش کے سورما قوت وشجاعت کے نشے میں چور ہوکر سپاہیانِ اسلام سے جاٹکرائے؛ مگر مسلمانوں نے اپنی تیر افگنی وشمشیر زنی سے ان کا منہ پھیر دیا، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بسالت وشجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ اپنے پرائے سبھی عش عش کراٹھے۔

لیکن پھر ایک اجتہادی خطا سے مسلمان انتشار کا شکار ہوگئے اور ایسے ہی نازک وقت میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابو جہل نے عقب سے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا، انتشار اور افراتفری کا یہ عالم تھا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے تتّر بتّر ہوگئے، صرف چودہ شیدائیانِ حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد باقی رہ گئے، اس سے پہلے حضرت امِ عُمارہ رضی اللہ عنہا دوسری خواتین کے ساتھ مل کر مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلا رہی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کررہی تھیں، جب اس جواں ہمت بزرگ خاتون نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ایمانی غیرت وحمیت جاگ اٹھی، لمحوں میں بپھری ہوئی شیرنی کی طرح دفاعِ حق وصداقت کے لیے میدانِ کارزار میں کود

پڑی، خَود وآہن میں غرق کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھ رہے تھے اور یہ ''کمزورعورت''، مکمل مورچہ بن کر دادِ شجاعت دے رہی تھیں۔

وہ خود فرماتی ہیں کہ: جب لوگ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگنے لگے اور گنے چنے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس باقی رہ گئے تو میں، میرا شوہر اور میرے دو لڑکے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرنے لگے۔ میرے پاس ڈھال نہیں تھی اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ گذر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جانے والے شخص سے فرمایا: ''**الق ترسک إلیٰ من یقاتل**'' جو جنگ کر رہا ہے اس کو ڈھال دیتے جاؤ۔ اس نے ڈھال پھینکی، میں نے اس کو اٹھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہونے والے حملوں کو روکتی رہی۔ شجاعت و بسالت سے بھرپور لہجے میں یہ بھی فرماتی ہیں کہ: ہمارا مقابلہ گھوڑ سواروں سے تھا، اگر وہ ہماری طرح پا پیادہ ہوتے تو ہم ان کے قدم اکھیڑ دیتے۔

ایک دوسرے موقع سے وہ فرماتی ہیں کہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی ڈھال سے دشمنوں کے حملے روک رہی تھی کہ اتنے میں ایک گھوڑ سوار مشرک آیا، اس نے مجھ پر وار کرنا چاہا تو میں نے اپنی ڈھال سے روک دیا، جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگا تو میں نے پیچھے سے ایسا وار کیا کہ گھوڑا مع سوار کے نیچے آگرا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر میرے بیٹے سے کہنے لگے: ''**یا ابن أم عمارة! أمک أمک**''، اے امِ عمارہ کے بیٹے! اپنی والدہ کی اعانت کرو، پھر اس نے میری مدد کی اور ہم دونوں نے مل کر اس کا کام تمام کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کے مجاہدانہ کارناموں کو دیکھ کر یوں گویا ہوتے ہیں: ”ما التفت يمينا ولا شمالا إلا وأنا أراها تقاتل دوني“، میں غزوۂ احد میں جس جانب رخ کرتا اپنے دائیں بائیں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کولڑتے ہوئے پاتا۔

زخمی عبداللہ اور بہادر ماں

خاتونِ احد بڑی بے جگری اور پامردی سے دادِ شجاعت دے رہی تھیں کہ اچانک ان کے فرزندِ ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے، بائیں بازو میں ایسا زخم آیا کہ خون کسی طرح تھم نہیں رہا تھا، چنانچہ ماں نے مرہم پٹی کی، پھر بڑی ہمت سے فرمایا: ”انهض بنا نضارب القوم“ آؤ! میدانِ جنگ میں حصہ لو۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کی اس شجاعت وبسالت کی ستائش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”ومن يطيق ما تطيقين يا أم عمارة!“، اے امِ عمارہ رضی اللہ عنہا! جتنا حوصلہ تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں! اسی اثنا میں وہی مشرک جس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کیا تھا پلٹ کر حملہ آور ہوا، حضرت رسولِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”هٰذا ضارب ابنک“، امِ عمارہ رضی اللہ عنہا تیار ہوجاؤ، یہ وہی بدبخت ہے جس نے تیرے لختِ جگر عبداللہ کو زخمی کیا تھا، حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر متبسم ہوگئے، یہاں تک کہ آپ کے نواجذ نظر آنے لگے، اور فرمایا: الحمد لله الذي ظفرک، وأقر عينک من عدوک وأراک ثارک بعينک“، ساری ستائش اس اللہ کے لیے ہے جس نے تمہیں

کامیاب کیا، تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کیا اور تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے بدلہ دکھلا دیا۔

آج تک تاریخ کا ہر صفحہ ان کی شجاعت و بسالت کی افشاں اپنے ماتھے پر سجانے کو فخر محسوس کرتا ہے اور آج بھی ان کی اسلام دوستی و کفر دشمنی عہدِ جدید کے مسلمانوں کو صدا دے رہی ہے کہ:

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کب تک
تیرے بازو میں ہے پروازِ شاہینِ قہستانی

برادرِ گرامی حضرت حبیب کی شہادت

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ خلافت پر براجمان ہوئے، تو یکا یک سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی، مرتدین میں سب سے طاقتور نجدی قبیلہ بنو حنیفہ تھا جس کے رئیس مسیلمۂ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر کے اپنی مکارانہ چال بازیوں کے بل پر چالیس ہزار بدوی جنگجو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیے تھے، اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ کے بھائی حضرت حبیبؓ بن زید عمان سے مدینہ آ رہے تھے کہ ظالم مسیلمہ کے ہاتھ پڑ گئے، اس نے ان کو بھی ارتداد پر مجبور کیا؛ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا، وقت کا سفاک، کینہ توز انسان، ابلیسی فتنوں کا علمبردار قبائے شرافت و انسانیت کو تار تار کرنے کے لیے بے تاب تھا، اس لیے اس نے ان کو اپنے دربار میں بلایا، اور خبیثانہ لہجہ میں ان سے یوں گویا ہوا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول

ہیں؟ جواب ملا: ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ بن زید نے بڑے تمسخرانہ انداز میں فرمایا: تمہاری بات میرے کان نہیں سنتے، یہ سن کر وہ آگ بگولہ ہوگیا اور جلاد کو بلا کر کہا کہ: ہر مرتبہ ایک ایک سوال پر ان کا ایک ایک عضو کاٹتے رہو، جلاد حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر زمین پر ڈالتا رہا؛ لیکن وہ آخری دم تک بڑی ہمت و جرأت کے ساتھ کہتے رہے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں''، سچ فرمایا ہے علامہ اقبال نے ؎

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ان کی مظلومانہ شہادت کی خبر سن کر حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی پر خدا کا شکر بجالائے اور عہد کرلیا کہ مسیلمہ سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

بھائی کا انتقام اور مسیلمہ کا قتل

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور کیا تو حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ دونوں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہوگئے، مسیلمہ نے لڑائی کی زبردست تیاری کررکھی تھی، اس نے چالیس ہزار جنگجو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑے کیے، عقرباء (یمامہ) کے مقام پر مرتدین اور اہلِ حق کے درمیان گھمسان کا رَن پڑا، کبھی مسلمان پیچھے ہٹ جاتے

اور کبھی وہ مرتدین کو پیچھے دھکیل دیتے، بقول مؤرخین: مسلمانوں نے اس سے سخت معرکہ کبھی نہیں لڑا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب لڑائی کا یہ رنگ دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں کے تمام قبائل کو الگ الگ کر دیا اور اعلان کیا کہ: ہر قبیلہ اپنے اپنے علَم کے نیچے لڑے؛ تاکہ پتہ چلے کہ آج کون شجاعت اور عزم وثبات کا حق ادا کرتا ہے، میدانِ جنگ میں یہ حکمتِ عملی کامیاب رہی۔ اب ہر قبیلہ دادِ شجاعت دینے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کر رہا تھا، مسیلمہ کو اپنی ہزیمت وشکست کے آثار نظر آنے لگے تو اس نے اپنے مریدوں کو پکار کر کہا کہ: اپنی عزت وناموس بچانا ہو تو بچا لو۔

حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زید شروع ہی سے مسیلمہ کذاب تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، اب انہوں نے اسے تاک لیا، حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا زخم پر زخم کھاتی اور اپنی برچھی سے راستہ بناتی اس کی طرف بڑھیں، اس کوشش میں انہیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا، آخر کار وہ مسیلمہ کذاب تک پہنچنے میں کامیاب ہوئیں، بس اپنی برچھی سے وار کرنا چاہتی تھی کہ دو ہتھیار بیک وقت اس دشمنِ خدا پر ٹوٹ پڑے، دائیں بائیں نظر دوڑائی تو پہلو میں اپنے بیٹے عبداللہ بن زید کو پایا اور قریب میں ہی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ اول الذکر نے تلوار سے وار کیا اور آخر الذکر نے اپنی برچھی سے نشانہ بنایا۔

حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں اس کو مارنے کے لیے اس تک پہنچی،

اپنی برچھی کے ذریعے وار کیا ہی چاہتی تھی کہ یکا یک اس دشمنِ خدا پر دو وار ایک ساتھ ہوئے، میں دیکھتی ہی رہ گئی کہ یہ کون ہے؟ نظر گھما کر دیکھا تو قریب ہی میں اپنے بیٹے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو پایا، کہ وہ اپنی تلوار خون سے رنگین کیے ہوئے کھڑے ہیں، پوچھا: کیا تم نے اس کو قتل کیا؟ فرمانے لگے کہ: میں نے اس پر اپنی تلوار کا وار کیا اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی طرف نیزہ پھینکا، اب معلوم نہیں کہ کس کے وار سے یہ بد بخت جہنم رسید ہوا۔

مسیلمہ کذاب کا خاک چاٹنا امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے حد درجہ سکون وراحت کا باعث ہوا، انہوں نے دشمن کی موت پر اپنے رب کے حضور وہیں سجدۂ شکر ادا کیا، جو یمامہ کی روحِ زمین میں نقشِ تاباں بن گیا، مجاہدین نے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بلند کیے اور اللہ کا شکر بجالائے۔

وفات

اس واقعے کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زید طویل عرصہ تک حیات رہے؛ لیکن خلفائے راشدین اور امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے مشاغل اور سرگرمیوں کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں سنہ ۶۳ھ میں وہ اس وقت منظرِ عام پر آگئے جب اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ کر حضرت عبداللہ بن حنظلہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنالیا، یزید کو اہلِ مدینہ کے طرزِ عمل کی اطلاع پہنچی تو اس نے ان کو بزورِ شمشیر مطیع بنانے کے لیے ایک مضبوط لشکر بھیجا، حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے اہلِ شہر سے اس بات پر بیعت لینا شروع کردی کہ آخری دم

تک یزیدی لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو بیعت کے لیے کہا گیا تو انہوں نے پوچھا: بیعت کی شرط کیا ہے؟ جواب ملا: موت، انہوں نے فرمایا کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس شرط پر کسی سے بیعت نہیں کرسکتا۔

بخاری شریف میں خود آپؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ: "**لا أبايع على هٰذا أحدا بعد رسول الله** صلى الله عليه وآله وسلم" کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس شرط پر کسی سے بیعت نہیں کرسکتا۔

حضرت عبد اللہ بن حنظلہؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے باوجود وہ یزید کی حکومت سے سخت بیزار تھے اور اس کے لشکر کے خلاف لڑنا ان کے نزدیک جہاد کی حیثیت رکھتا تھا، چناں چہ اپنے دو بیٹوں: خلّاد اور علی کو ساتھ لے کر دوسرے اہلِ مدینہ کی طرح یزیدی لشکر سے نبرد آزما ہوئے، اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے بیٹوں سمیت شہید ہوگئے۔ یہ ماہِ ذی الحجہ کی اخیری تاریخوں کا واقعہ ہے، اسے تاریخ میں "واقعۂ حرّہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

"**شهداء الإسلام في عهد النبوة**" میں مذکور ہے کہ جب آپ کی شہادت ہوئی تو آسمان میں ایک نور روشن ہوا اور اس وقت آپؓ روزے سے تھے۔

بقولِ واقدیؒ اُس وقت آپ ۷۰ / برس کے تھے؛ لیکن بعض محقق اہلِ نظر کے نزدیک یہ صحیح نہیں؛ اس لیے کہ غزوۂ احد میں ان کی شرکت مسندِ احمد میں بالتصریح مذکور ہے اور اسماء الرجال کے تمام مصنفین کا بھی اس بات پر اتفاق ہے؛ بلکہ بعض نے تو بدر کی شرکت بھی تسلیم کی ہے، غزوہ کی شرکت کے لیے ۱۵ / سال کی

عمر شرط ہے، اس بنا پر وہ احد میں کم از کم پندرہ برس کے ضرور تھے اس حساب سے وفات کے وقت ان کی عمر ۷۵/ سال ٹھہرتی ہے۔

جنت کی بشارت

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ روایت کرتے ہیں کہ: میں اُحد کے دن شریکِ جنگ رہا، جب لوگوں میں سخت افراتفری اور سراسیمگی کا ماحول پیدا ہوا اور لوگ منتشر ہونے لگے تو میں اور میری والدہ (امِ عمارہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں آپ کے قریب آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے ابنِ امِ عمارہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ! ارشاد ہوا: ”اِرْم“ پھینکو، چناں چہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک مشرک کو پتھر مارا جو گھوڑے پر سوار تھا، وہ پتھر گھوڑے کی آنکھ میں لگا جس سے گھوڑا مع سوار قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے گرا، میں برابر پتھر مارتا رہا؛ یہاں تک کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صورتِ حال دیکھی تو مسکرائے۔

اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میری والدہ کے شانہ پر پڑی تو دیکھا کہ کاری زخم لگا ہوا ہے، فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مدد کے لیے پکارا: ”**أمک أمک! اعصب جرحها**“، عبداللہ! اپنی ماں کی خبر لو، ان کے زخم پر پٹی باندھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**بارک الله علیکم من أهل البیت، لمقام أمک خیر من مقام فلان و فلان، رحمکم الله أهل البیت**“، خدا تمہارے گھر والوں پر برکتیں نازل کرے، تمہاری ماں آج فلاں فلاں سے بازی لے گئیں، بارِ الٰہا!

اس خاندان پر رحم فرما۔

حضرت امِ عمارہؓ نے جب زبانِ رسالت سے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے سنا تو زندگی کی حسین ترین آرزو جو دل کی گہرائیوں میں نہ جانے کب سے موجزن تھی زبان پر آ گئی کہ: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے دعا کر دیجیے کہ ہمیں جنت میں بھی آپ کی رفاقت نصیب ہو جائے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر اپنے رب کے حضور یوں التجا کی: "**اللهم اجعلهم رفقائي في الجنة**"، خدایا! انہیں جنت میں میرے رفقا میں شامل فرما۔

اولاد

حضرت عبداللہؓ کے دو لڑکے تھے: خلّاد، علی، جو سانحۂ حرہ میں شہید ہوئے۔

فضل وکمال

علم وفضل میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ ایک خاص مقام رکھتے تھے، کتبِ حدیث میں آپ سے مروی متعدد احادیث موجود ہیں جن میں سے چار صحیحین میں موجود ہیں۔ آپ کے راویوں کے اسماء حسبِ ذیل ہیں: (۱) عباد بن تمیمؒ (بھتیجے) (۲) سعید بن مسیّبؒ (۳) یحییٰ بن عمارہؒ (۴) عبادہ بن حبیبؒ (۵) واسع بن حبّانؒ (۶) ابوسفیانؒ (۷) مولیٰ ابن ابی احمد۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو

مسندِ احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن زیدؓ پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کے مکان پر تشریف

لے جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ پانی لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کرنے کا طریقہ یاد کرلیا۔ چناں چہ ایک زمانہ کے بعد لوگوں نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا طریقہ پوچھا: تو انہوں نے خود ان کے سامنے وضو کر کے بتلایا اور فرمایا: "ھٰکذا کان وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح وضو کرتے تھے۔

تابوت کا آخری کیل

وہ کرن گم ہوگئی؛ لیکن اس کی تابانیاں اب بھی موجود ہیں، ان کی عظمتوں کے خاموش جھومر سے اب بھی روشنی آتی ہے، وہ ہدایت کے جگنو ماضی کے گھنے جنگلوں میں اوجھل ہو گئے؛ لیکن ان کی تہ بہ تہ چمک اب تک منزل کے دھندلکے دکھاتی ہے، یہ نئی اور ترقی یافتہ دنیا آوازہ کستی ہے کہ: تم قدامت پرست ہو، تم میں اس نئی زندگی کے دوش بہ دوش چلنے کی صلاحیت نہیں، چوں کہ تم نے دیرینہ افسانوں کو نشانِ منزل ٹھہرایا ہے۔ کیا کہا اے گستاخ! اگر اپنے اسلاف کے نقوشِ پا پر چلنا قدامت ہے تو میں قدامت پرست ہی سہی، اے لوگو! میں دنیا کی ساری داستانیں جلا چکا ہوں، مجھے اصحابِ رسول کے گن کے سوا کچھ یاد نہیں رہا، اے محبوب صحابیٔ رسول میرے سرتاج وسردار عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ! میں زمانے کے ان طعنوں اور آوازوں سے خجل نہیں ہوں گا، مجھے تمہاری غلامی پر ناز ہے۔

جی ہاں! ضرور ضرور اے دنیا والو! صحابہ کی قدم بوسی میں تمہاری تاج پوشی

ہے، ہاں! تاریخ کی دوربین سے ماضی کے نشیب وفراز کی تصویریں دیکھو، کامیابی وناکامی کے دوراہے پر کھڑی قومیں اسی نشانِ منزل کی محتاج نظر آئیں گی (مدینہ کی جانب ہوا میں ہاتھ پھیلائے ہوئے) میں صحابہ کا غلام تھا، صحابہ کا غلام ہوں، صحابہ کا غلام رہوں گا۔

مآخذ ومراجع

(۱) سیر الصحابہ
(۲) شہداء الاسلام فی عہد النبوۃ (الدکتور علی سامی)
(۳) فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار
(۴) سیدات مبشرات بالجنۃ
(۵) الاستیعاب
(۶) الاصابہ
(۷) صور من حیاۃ الصحابیات
(۸) المغازی
(۹) سیر اعلام النبلاء
(۱۰) مسندِ احمد
(۱۱) طبقات ابنِ سعد
(۱۲) کاروانِ جنت (مولانا محمد عبداللہ صاحب)

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ

از قلم:
محمد سعد مقبول بیلگامی

سوانحی خاکہ

نام: حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی۔

لقب: سفیرِ رسول۔

نکاح: درّہ بنتِ ابی لہب (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چچا زاد بہن)۔

اہم ترین خدمت: سفارتِ رسول بجانبِ شاہِ روم ہرقل۔

وفات: عہدِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان میں تقریباً ۴۵ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

محمد سعد مقبول بیلگامی

اہلِ سنّت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اس دنیا میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے مقدّس ومعزّز جماعت ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم'' کی ہے، اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ہر ایک کی اپنی خصوصیت اور ہر ایک کا اپنا جداگانہ کمال ہے، گویا چمنستانِ محمدی کے ہر شگفتہ پھول کا رنگ وروپ اور خوشبو اپنی جگہ ایک ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی عدالت میں مشہور ہے تو کوئی سخاوت میں، کوئی شجاعت میں ممتاز ہے تو کوئی اطاعت میں، کسی کے دامنِ اوصاف کا سب سے نمایاں موتی صداقت ہے تو کسی کا امانت، غرض یہ کہ: ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

جو صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے کسی خصوصی وصف یا نمایاں کام کی وجہ سے ''طبقۂ صحابہ'' میں ممتاز قرار پائے ان میں سے ایک گلستانِ محمدی کا گلِ سرسبد، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معتمدِ خاص، سفیرِ رسول حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی ہیں، آیئے! ان کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں کہ یہی چیز نظر وفکر کے معیار کو بڑھاتی اور سالکِ راہِ حق کو منزل تک پہنچاتی ہے۔

نام، نسب اور خاندان

آپ کا نام: دحیہ اور لقب: سفیرِ رسول ہے، آپ کے والدِ گرامی کا نام: خلیفہ

ہے، آپ قبیلۂ بنو کلب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ’’کلبی‘‘ کہلائے۔ آپ کا نسب یہ ہے: دحیہ بن خلیفہ بن فروۃ بن فضالہ بن زید بن امرؤالقیس بن الخزرج بن عامر بن بکر بن عامر الاکبر بن عوف الکلبی۔ آپ کی دو بہنیں تھیں: (۱) خرنق بنتِ خلیفہ کلبیہ (۲) شراف بنتِ خلیفہ کلبیہ۔

مفضل بن غسّان العلابی اپنی تاریخ میں علی بن صالح سے اور علی بن مجاہد سے نقل کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خولہ بنتِ ہذیل سے (جو خرنق بنتِ خلیفہ کی صاحبزادی ہیں) سفرِ شام میں نکاح فرمایا؛ لیکن رخصت وخلوت سے قبل دورانِ سفر ہی وہ اس دنیا سے کوچ کرگئیں۔ پھر نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خولہ کی خالہ شراف بنتِ خلیفہ (جو حضرت دحیہ کی خواہرِ ثانی ہیں) سے نکاح فرمایا؛ لیکن وہ بھی اثنائے سفر خلوت سے پہلے ہی اس دارِ فانی سے رحلت فرما کر دارِ بقا کی طرف روانہ ہوگئیں۔ گویا اس طرح حضرت دحیہ کی دو قریبی رشتہ دار صحابیات یکے بعد دیگرے نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حرمِ اطہر میں آئیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی اور آپ کا ہمسر نہیں۔

ازدواجی تعلق

آپ کا نکاح درّہ بنتِ ابولہب بنتِ عبدالمطلب الہاشمیہ (جو نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی چچازاد بہن ہیں) سے ہوا۔

قبولِ اسلام

آپ کے قبولِ اسلام کے متعلق صراحتاً کوئی واقعہ یا روایت نہیں مل سکی؛ تاہم

اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابتدائی سالوں میں ہی اسلام قبول کر کے صحابیت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے: "**وأسلم دحية بن خليفة قديما ولم يشهد بدرا**" کہ آپ نہایت قدیم الاسلام صحابی ہیں؛ تاہم غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ "**قال ابن حجر: أول مشاهده الخندق وقيل: أحد، ولم يشهد بدرا**"۔ (فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/۳۲۹)

غزوات میں شرکت

سب سے پہلا غزوہ جس میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے شرکت فرمائی بعض حضرات کے مطابق غزوۂ خندق ہے اور بعض کے مطابق غزوۂ احد ہے؛ البتہ احد کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت یقینی ہے۔ ابنِ سعد رقم طراز ہیں: "**وشهد دحية مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم المشاهد بعد بدر**"۔ ترجمہ: حضرت دحیۂ کلبی نے بدر کے بعد تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اختیار کی۔

(طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۱۸۵، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۲/ ۲۳۱)

سفارتِ رسول اور جنت کی بشارت

سنہ ۶ ھ میں صلحِ حدیبیہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریشِ مکہ کی طرف سے اطمینان ہوگیا، تو آپ نے گرد ونواح کے ملوک وسلاطین کو پیغامِ اسلام پہنچانے کے سلسلہ میں پروگرام مرتّب فرمایا، پہلی قسط میں آپ نے چھ سفارتیں روانہ فرمائیں جس میں حضرت دحیۂ کلبی کو شاہِ روم کی طرف روانہ فرمایا۔

نامور محقق علامہ ابنِ قیّم اپنی کتاب "زاد المعاد" میں صحیح ابنِ حبان اور ابوحاتم

کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قیصرِ روم کے پاس اپنا نامۂ گرامی بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو ارشاد فرمایا: ”**من ينطلق بصحيفتي هٰذه إلىٰ قيصر وله الجنة**“۔ ترجمہ: کون میرا یہ خط قیصر (شاہِ روم کا لقب ہے) کے پاس لے جاکر بہشت کا حق دار بننا چاہتا ہے؟ اس پر ایک آدمی نے اٹھ کر دریافت کیا: خواہ قیصرِ روم اسلام قبول کرے یا نہ کرے دونوں ہی صورتوں میں خط کا لے جانے والا بہشت کا مستحق ہوگا؟ جواب میں ارشاد ہوا: ہاں، اس پر ان صحابی نے اس اہم اور نازک مہم کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ (کاروانِ جنت: ۱۸۳)

صحیح ابنِ حبان ہی کے حوالے سے سیرت انسائیکلو پیڈیا: ۸ / ۲۳۶ میں یہ روایت یوں نقل کی گئی ہے کہ: ”**من ينطلق**“ کے جواب میں ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھے قتل نہ کیا جائے پھر بھی میرے لیے جنت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: ہاں، چاہے تمہیں قتل نہ بھی کیا جائے۔

اس خطرناک مہم پر لبیک کہنے والے صحابی کوئی اور نہیں، ہمارے ممدوحِ گرامی حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اُس وقت شام کے تمام شہروں اور راستوں سے واقف تھے۔ (سیرت انسائیکلو پیڈیا: ۸ / ۲۳۶)

آیئے! اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ پسِ منظر سمیت جانتے ہیں:

خطرناک مہم

عہدِ نبوت میں اُس وقت کی دنیا کی سب سے سپر پاور قومیں ایران اور روم تھیں، جب رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کرلیا تو اس کے بعد رومی سلطنت

دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئی، اس کی سرحدیں اِدھر مشرق میں روس تک اور اُدھر مغرب میں اندلس تک پھیلی ہوئی تھیں، یہ واحد حکومت تھی جو پوری دنیا کے تین برِّ اعظموں (ایشیا، افریقہ اور یورپ) پر پنجے گاڑے ہوئے تھی، اس سلطنت کے ٹھاٹھ باٹھ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب قیصرِ روم فتح کی منّت پوری کرنے کے لیے مسجدِ اقصیٰ روانہ ہوا تو پورے راستے میں اس کے لیے قیمتی مخملی فرش بچھائے گئے، اور فرشِ مخملی پر گلاب کی پتیاں اور پھول نچھاور کیے گئے۔ قیصر جب دربار لگاتا تو سر پر سنہرا تاج پہن کر بیٹھتا جس میں انمول ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے، دربار میں جو بھی حاضر ہوتا اس کے لیے تخت کے سامنے سجدہ ریز ہونا لازمی تھا۔

اب اندازہ لگایئے کہ صحرائے عرب کا ایک باشندہ، یتیمی میں پل کر جوان ہوئے نبئ امّی کا ایک خط لے کر اتنے عظیم الشان دربار میں داخل ہوتا ہے، پھر نہ تو یہ قاصد کوئی ساز وسامان سے آراستہ ہے، نہ اس کا بھیجنے والا کسی طمطراق کا مالک، نہ ہدایا اور تحائف کا کوئی سہارا، نہ ساتھ میں کوئی جماعت کہ شاہی وفد محسوس ہو، نہ سفیر دربار میں سر جھکا کر داخل ہونے کو تیار، گویا آدابِ شاہی سے یکسر بے بہرہ اور لاتعلّق، پھر وہ نہ تو کوئی قصیدہ خواں اور سلیس شاعر ہے، نہ دامن پھیلا کر آنے والا سوالی، الٹا وہ تبدیلئ مذہب کی دعوت لے کر آیا ہے، طُرفہ یہ کہ وہ جو نامۂ اقدس پیش کرنے والا ہے، اس میں نہ کوئی منّت سماجت، نہ شاہی آداب کی بلاوجہ کی رو رعایت؛ بلکہ ترغیب کے ساتھ تربیتی سطریں، اب سوچیے کہ وہ شاہی دربار جہاں

بڑے بڑے سفرائے ممالک کا پتّہ پانی ہوجاتا ہو، وہاں ایک صحرا نشین تمام رواج ورسومات اور من گھڑت آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جادھمکے تو کتنی بڑی جرأت کی بات ہوگی اور ''نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد'' کے بمصداق یہ جرأت کتنے سنگین نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ فریضہ انجام دینے والے کے حق میں زبانِ نبوت سے ''ولہ الجنۃ'' کی بشارت صادر ہوئی۔

اسی خطرناکی اور نازکی کے پیشِ نظر اس مہم کو ''سریہ'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ چناں چہ صاحبِ طبقات مشہور تابعی مجاہد کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ: ''بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دحیة الکلبي سریة وحده'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ رض کو تنِ تنہا ایک مہم جوئی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ اس سے جہاں حضرت دحیہ رض پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتماد وبھروسہ جھلکتا ہے وہیں حضرت دحیہ رض کی قابلیت وصلاحیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۱۸۴)

روانگی

بہرحال شام اُس زمانہ میں رومی سلطنت کا ایک طاقتور صوبہ تھا، اس علاقے میں عرب بڑی تعداد میں آباد تھے، شام کا ہر فرماں روا ''غسّان'' کہلاتا تھا، اور اس وقت جو ''غسّان'' حکومت کررہا تھا اس کا نام حارث تھا، وہ گویا قیصر کے ماتحت بطورِ گورنر کام کررہا تھا، بصریٰ شہر صوبائی دارالحکومت تھا۔

حضرت دحیہ رض کی روانگی ۶ سنہ ھ کے اخیر میں ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ: میرا خط حاکمِ بصریٰ کے توسط سے قیصر تک پہنچایا

جائے۔ عجیب اتفاق کہ اُن دنوں یہ گورنر بصریٰ کی بجائے حمص میں مقیم تھا، تاکہ بادشاہ کی منّت کے سلسلہ میں اس کے پیدل سفر کے انتظامات بہ خوبی کر سکے۔ حضرت دحیہؓ وہیں حمص جا کر اس سے محرم ۷ھ میں ملے تو اس نے آپ کے ساتھ ایک آدمی کو روانہ کر دیا؛ تاکہ وہ آپ کو قیصر تک پہنچا دیں۔

ہرقل کا خواب

اُدھر قیصر منازلِ سفر طے کرتا ہوا بیت المقدس پہنچ گیا۔ ابنِ ناطور نامی گورنر قیصر کی طرف سے بیت المقدس پر تعینات تھا، اس کا بیان ہے کہ بیت المقدس میں قیام کے دوران ہرقل کو ایک دن صبح دیکھا تو اس کا مزاج کافی بگڑا ہوا تھا، کسی سردار نے اس سے پوچھ لیا: حضور! آج خیریت تو ہے؟ ہرقل فنِ نجوم کا ماہر تھا، بولا کہ: آج رات میں نے ستاروں کی طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ ختنہ کرانے والی قوم کا سردار نمودار ہو چکا ہے، یہ بتاؤ کہ کون لوگ ختنہ کرایا کرتے ہیں، تم اپنے ماتحت گورنروں کو گشتی حکم جاری کر دو کہ وہ یہودیوں کو چن چن کر مروا دیں۔

ابھی سوچ بچار ہو ہی رہا تھا کہ ایک آدمی جس کو شامی گورنر نے بھیجا تھا قیصر کے سامنے کھڑے ہو کر عربی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سنانے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ شارحِ بخاری فرماتے ہیں کہ: شاید یہ حاتم طائی کے بیٹے عدی ہوں جو اس وقت دینِ نصاریٰ پر تھے؛ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حضرت دحیہؓ کے پیچھے ان کی امداد اور تائید کے لیے روانہ فرما دیا تھا، عربی النسل ہونے کی وجہ سے عربوں کے دستور کے مطابق وہاں کے نصرانی بھی ختنہ کراتے تھے، ہرقل نے

اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ اس عربی کو لے جا کر دیکھو کہ کیا یہ ختنہ شدہ ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو ہرقل نے کہا: بس! پھر یہی عرب کا بادشاہ ہے جس کا ظہور ہو چکا ہے۔ (کاروانِ جنت: ١٧٨)

نامۂ مبارک ہرقل کو پہنچانا

سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ جب شاہِ روم ہرقل کے پاس پہنچے تو اُس وقت وہ بیت المقدس آ رہا تھا، اس کے راستے پر ایک خوبصورت بچھونا (قالین) بچھایا گیا تھا، اس بچھونے پر کسی اور کو چلنے کی اجازت نہ تھی، سیدنا دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ نے نامۂ مبارک ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے قیصر کو گزرنا تھا، اور وہ خود ایک طرف ہو گئے، جب قیصر وہاں سے گذرا تو اس کی نظر خط پر پڑی، اس نے اسے اٹھالیا اور سردار بشپ کو طلب کر کے وہ خط پڑھوایا تو اس نے ہرقل سے کہا کہ: مجھے بھی اس خط کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے جتنا کہ آپ کو معلوم ہے۔ ہرقل نے بہ آوازِ بلند اعلان کیا کہ: جس نے بھی خط یہاں ڈالا ہے، اسے امان دی جاتی ہے وہ سامنے آجائے، یہ سن کر دحیہ سامنے آ گئے، تب ہرقل نے کہا: جب دربار لگے تم اس وقت آ جانا۔

(سیرتِ انسائیکلو پیڈیا: ٨ / ٢٣٩)

مذکورہ بالا روایت صحیح ابنِ حبان کے حوالے سے سیرت انسائیکلو پیڈیا: ٨ / ٢٣٩ پر نقل کی گئی ہے؛ مگر دو وجوہات سے اس روایت پر مزید غور کرنا چاہیے: ایک تو یہ کہ اس قسم کا کام وہ شخص کرے گا جسے قیصر تک رسائی نہ مل پائے؛ جب کہ آپ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت کے مطابق حاکمِ بصریٰ کے واسطے سے اور عدی

ابن حاتم (مقامی بااثر آدمی) کی رہبری میں تشریف لے گئے تھے؛ لہٰذا آپ کو دربار تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک صحابیٔ رسول جو جی جان سے نبی کا عاشق اور فدا کار ہوتا ہے اس سے یہ بات بعید ہے کہ وہ نامۂ مبارک کو اس طرح سلاطینِ عالم کے قدموں میں ڈال دے۔

یہی وجہ ہے کہ عام سیرت نگاروں نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ: شامی گورنر۔ جو حمص میں مقیم تھا۔ اس نے دحیہ کو نامۂ گرامی کے ہمراہ بیت المقدس روانہ کر دیا، درباریوں نے حضرت دحیہؓ سے کہا کہ: دربار میں داخل ہو کر تخت کے سامنے سجدہ کرنا؛ مگر آپ نے نہایت بے باکی کے ساتھ دوٹوک جواب دے دیا کہ: مسلمان کا سر ایک اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا۔

(کاروانِ جنت: ۱۷۸)

بہرکیف دربارِ رسالت کا سفیر قیصر کے دربار میں پہنچ گیا، ہرقل کی طرف سے گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا، نامۂ اقدس پیش کیا گیا، جس کا مضمون یہ تھا:

نامۂ گرامی کا متن اور اس کا ترجمہ

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من محمد بن عبد اللہ ورسولہ إلیٰ ھرقل عظیم الروم۔ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ، أما بعد! فإني أدعوک بدعایة الإسلام، اسلم تسلم، یؤتک اللہ أجرک مرتین، فإن تولیت فعلیک إثم الأریسین، یا أھل الکتاب! تعالوا إلیٰ کلمة سواء بیننا وبینکم ألا نعبد إلا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون اللہ، فإن

تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون۔

ترجمہ: اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے عظیم روم کے بادشاہ ہرقل کے نام! سلام اس پر جو ہدایت (راہِ مستقیم) کا پیروکار ہو، اما بعد! میں تجھے کلمۂ اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تو اسلام لے آ بچ جائے گا، اللہ تجھے دُہرا ثواب دے گا، اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تمام رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہلِ کتاب! تم ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہم میں اور تم میں برابر (مشترک) ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنالیں، اگر وہ نہیں مانتے تو تم ان سے کہہ دو کہ: اس بات کے گواہ رہو کہ تم اسلام لا چکے ہیں۔ (سیرت انسائیکلو پیڈیا: ۸/۲۴۰)

ہرقل کا بھتیجا

جب یہ نامۂ گرامی پیش کیا گیا اور بہ آوازِ بلند خواندگی شروع ہوئی تو قیصر کا ایک بھانجا جو سرخ رنگ اور نیلی آنکھوں والا تھا، بول اٹھا کہ: یہ خط نہ پڑھا جائے، ان لوگوں کو خط لکھنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے، اپنے نام سے شروع کر رکھا ہے، لکھا ہے: "**من محمد بن عبد الله ورسوله**"، جب کہ انہیں قیصرِ روم کے نام سے آغاز کرنا چاہیے تھا؛ مگر ہرقل نے اس اعتراض کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آگے جب جملے "عظیم الروم" پر پہنچے تو اس بھانجے نے پھر اعتراض کیا کہ: اس نے "ملک الروم" نہیں لکھا؛ مگر ہرقل نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "عظیم الروم" تو لکھا ہے، بات تو ایک ہی ہے۔ ہرقل نے خط پڑھے جانے کے بعد کہا: "**هٰذا كتاب لم أسمع بمثله**" اس

جیسا خط میں نے کبھی نہیں سنا۔ (کاروانِ جنت:۱۷۹)

سفیرِ نبوی اور ہرقل کے درمیان مکالمہ

خط کی خواندگی کے بعد ہرقل اور حضرت دحیہؓ کے مابین جو گفتگو ہوئی، سیدنا دحیہؓ نے اس کی تفصیل بتائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے قیصر سے کہا: اے قیصر! مجھے تمہارے پاس اُس شخصیت نے بھیجا ہے جو تم سے بہتر ہے، اور جس ذات نے انہیں مبعوث فرمایا ہے وہ اُن سے اور تم سب سے بہتر ہے، میری بات عاجزی سے سننا اور پھر خیر خواہانہ طریقہ سے جواب دینا، اگر تم نے میری بات انکساری سے نہیں سنی تو تم بات سمجھ نہیں پاؤ گے، اور اگر تم خیر خواہی کا جذبہ بروئے کار نہیں لائے تو انصاف کرنے سے قاصر رہو گے، قیصر نے کہا: ٹھیک ہے، آپ اپنا پیام سنایئے۔

حضرت دحیہؓ نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ مسیحؑ نماز پڑھتے تھے؟ قیصر نے کہا: جی ہاں مجھے معلوم ہے، حضرت دحیہؓ نے کہا: تو پھر میں آپ کو اُس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کرنے کی تدبیر کی جب کہ مسیحؑ ابھی اپنی ماں کے پیٹ ہی میں تھے، میں تمہیں اُسی نبی کی دعوت پیش کرتا ہوں جن کی بشارت جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اس کے بارے میں خود آپ کے پاس اس قدر معلومات ہیں کہ آپ اس نبی کو نہ بھی دیکھیں تب بھی آپ کو معلومات کفایت کر جائیں گی، اور آپ کو صرف خبر ہی پر یقین آ جائے گا، اگر آپ نے یہ دعوت قبول کر لی تو آپ کو دنیا بھی ملتی رہے

گی اور آپ کی آخرت بھی سنور جائے گی، اگر آپ نے یہ دعوت قبول نہیں کی تو آخرت تو خراب ہوگی ہی، ساتھ ہی دنیا بھی چلی جائے گی۔ یاد رکھئے! آپ کا رب ایک ہے جو بڑے بڑے جابروں کو ہلاک کر دیتا ہے اور نعمتوں کو چھین لیتا ہے۔

قیصر نے یہ باتیں سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نامۂ مبارک اپنے ہاتھ میں لیا، اسے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا، پھر کہا: اللہ کی قسم! میں نے ساری کتابیں پڑھ رکھی ہے اور اپنے تمام علما سے پوچھ لیا ہے۔

(سیرتِ انسائیکلوپیڈیا: ۸/ ۲۴۰)

قیصر کی تائیدِ مزید

رومیہ، رومی مملکت کا ایک شہر تھا وہاں کا حاکم بڑا صاحبِ علم تھا، اور اسے حکومتی منصب کے ساتھ دینی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی، ''فتح الباری'' میں اس کا نام ''ضغاطر'' لکھا ہے۔ بیت المقدس کے دربار کے بعد قیصر نے سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ کو ''ضغاطر'' کے نام ایک خط دے کر رومیہ روانہ کیا، اور تاکید کی کہ اس کا جواب لے کر میرے پاس آنا۔ قیصر کا مقصد ضغاطر کی رائے معلوم کرنا تھا۔

دحیہ وہاں پہنچ کر اس سے ملے، اس نے حالات سن کر کہا کہ: واقعی یہ خط تمہیں بھیجنے والے نبی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان ہی کے بارے میں بشارت دی تھی۔ پھر ضغاطر نے کپڑے تبدیل کیے، سفید لباس پہن کر باہر آیا اور رومیوں کے مجمع میں تقریر کر کے خود کلمۂ شہادت پڑھا اور انہیں بھی اسلام کی دعوت دی؛ مگر رومی نصرانی مذہب ترک کرنے پر غضبناک ہوگئے، شور ہوگیا، کچھ لوگوں نے مار

دھاڑ شروع کردی؛ یہاں تک کہ جوشِ غضب میں سب دیوانے ہوگئے۔ ادھر حضرت دحیہؓ ضغاطر کا تحریری و عملی جواب لے کر چکے سے قیصر کے پاس واپس آگئے۔ (کاروانِ جنت: ۱۸۳)

جس وقت حضرت دحیہؓ ضغاطر کے پاس ہرقل کا پیغام لے کر گئے تھے اس دوران ہرقل خط کی تصدیق کی مسلسل کوشش کرتا رہا، ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے ساتھ ہرقل کا مشہور مکالمہ اسی دور میں پیش آیا تھا جس کی تفصیلات کتبِ سیر میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

متاعِ آخرت سے محرومی

بہرحال جب حضرت دحیہؓ قیصر کے پاس ضغاطر کا جواب لے کر واپس آگئے تو وہ اس وقت تک حمص ہی میں مقیم تھا، قیصر نے جب ضغاطر کا مفصل حال سنا تو حضرت دحیہؓ سے کہا: دیکھ لیا تم نے؟ سمجھتا میں بھی ہوں، واقعی تمہیں بھیجنے والے نبی ہیں؛ لیکن کیا کروں؟ اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے بھی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور حکومت تو جاتی ہی رہے گی۔

اس کے بعد قیصر نے حمص ہی میں اپنے درباری امرا کو ایک محل کے اندر بلایا، محل کے تمام دروازے بند کرادیے، اور امرائے سلطنت سے یوں مخاطب ہوا: اگر تم کامیابی اور ہدایت چاہتے ہو اور تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت برقرار رہے تو اس نبی کی پیروی کرلو۔ اتنا سنتے ہی سارے درباری وحشی جانوروں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، شور وہنگامہ ہوگیا، ایک طوفانِ بدتمیزی بپا کردیا گیا،

آگے چوں کہ دروازے بند تھے، جب ہرقل نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا اور (ملازمین سے) کہا: انہیں واپس بلاؤ، جب سب لوگ دوبارہ آکر اپنی نشست پر بیٹھ گئے، تو ہرقل نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا کہ: ہم سچ مچ تھوڑا ہی ایمان لانا چاہتے تھے، ہم تو تمہیں آزمانا چاہتے تھے کہ تم کس حد تک اپنے دین پر پختہ ہو، سو ہم نے دیکھ لیا۔ یوں حبِّ جاہ ومال ہرقل کے ایمان لانے کی راہ کا سب سے بڑا روڑا بن گیا، اور وہ متاعِ آخرت سے ہمیشہ ہمیش کے لیے محروم رہ گیا۔ (کاروانِ جنت: ۱۸۴)

بعض سیرت نگار نقل کرتے ہیں کہ: قیصر نے امرائے سلطنت سے یہ بھی کہا تھا کہ: اگر تم اس نبیٔ عربی پر ایمان لے آؤ گے تو مجھے یقین ہے کہ آدھا علاقہ شام کا اور پورا روم تمہارے پاس رہ جائے گا، ورنہ تو مجھے اندیشہ ہے کہ شام سارا کا سارا اور آدھا روم تمہارے پاس سے نکل جائے گا، ان لوگوں نے اس بات پر کان نہ دھرے؛ مگر قیصر دل میں سب کچھ سمجھ چکا تھا، چناں چہ جب وہ بیت المقدس کے سفر سے واپس اپنے دار الحکومت قسطنطینیہ جانے لگا تو اس نے راستے میں ایک جگہ شام کی طرف رخ کرکے یہ الوداعی جملہ کہا: ”السلام علیک یا أرض سوریة تسلیم المودع“۔ اے سرزمینِ شام! تجھے الوداعی سلام! (فتح الباری: ۱/ ۲۲۴)

بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ ہرقل نے اپنے درباریوں کے سامنے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ صحیح نکلا، عہدِ صدیقی میں شام کی طرف فتوحاتِ اسلامی کا سلسلہ شروع ہوا اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں پورا شام، مصر اور رومی سلطنت کا

پیشتر علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا۔ خاص قسطنطینیہ کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کا آغاز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا، میزبانِ رسول سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات اسی سفرِ جہاد میں ہوئی، ان کی قبر قسطنطینیہ کی فصیل کے سائے میں بنی، جہاں سے سبھی لوگ حتی کہ نصاریٰ بھی برکتیں حاصل کرتے رہے، بعد میں ترکی کے نوجوان خلیفہ سلطان محمد فاتح نے اس نا قابلِ تسخیر شہر کو اسلام کے زیرِ نگیں لانے کا کارنامہ انجام دیا۔ اب اس قسطنطینیہ کا موجودہ نام ''استنبول'' ہے جو اس وقت ترکی کا سب سے بڑا تجارتی وسیاحتی شہر ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''**لتفتحن قسطنطينيه إذا هلک قيصر فلاقيصر بعده**''۔ (مسندِ احمد)

ضرور بالضرور قسطنطینیہ فتح ہوگا، جب موجودہ قیصر ہلاک ہو جائے تو پھر کوئی قیصر پیدا نہ ہو سکے گا۔

قیصر کا جوابی خط

''سیرت انسائیکلو پیڈیا'' میں صحیح ابنِ حبان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوابی خط لکھا کہ: میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اس نے آپ کی طرف کچھ دینار بھی تحفے کے طور پر بھیجے تھے، قیصر کا جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**كذب عدو الله، ليس بمسلم وهو على النصرانية**''، اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوا، وہ ابھی تک عیسائیت ہی پر قائم ہے، بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کے بھیجے ہوئے دینار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

میں تقسیم کر دیے۔

نامۂ مبارک کی تاریخ

حافظ ابنِ حجرؒ، سہیلی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: ہرقل نے نامۂ گرامی کو تعظیماً سونے کی ایک ڈبیہ میں رکھ لیا اور نسلاً بعد نسلٍ وہ منتقل ہوتا رہا، حتی کہ وہ اس فرنگی بادشاہ کے پاس آ گیا جس نے طلیطلہ (ہسپانیہ کا ایک صحت افزا مقام ہے) پر قبضہ کر لیا تھا، پھر اس کے بعد اس کے بیٹے کو ملا، ایک مسلمان سپہ سالار کی اس بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس کے پاس مکتوب شریف دیکھ کر مسلمان جرنیل کے آنسو نکل آئے، اس نے بادشاہ سے کہا کہ: وہ اسے مکتوب کو ایک مرتبہ چوم لینے کی اجازت دے؛ مگر وہ نہ مانا۔

آگے چل کر علامہ ابنِ حجرؒ نے سیف الدین منصوری کی زبانی نقل کیا ہے کہ: مغربی علاقہ کے مسلمان بادشاہ نے مجھے فرنگی بادشاہ کے پاس کسی کام سے بھیجا، اس نے وہ کام تو جلدی کر دیا، پھر مجھے مزید ٹھہرنے کو کہا، میں نے انکار کر دیا، تو کہا: آپ رہ جائیں، آپ کو ایک عجیب وغریب چیز دکھاؤں گا۔ چناں چہ اس نے ایک صندوق نکالا، پھر اس سے ایک خط نکالا جو ریشمی غلاف میں لپٹا ہوا تھا اور کہا: یہ تمہارے پیغمبر کا خط ہے جو میرے جدِّ اعلیٰ قیصر کے نام آیا تھا، ہم میں وراثتاً منتقل ہوتا چلا آیا ہے اور ہمارے بزرگوں کی وصیت ہے کہ جب تک یہ ہمارے پاس رہے گا بچی کھچی سلطنت رہے گی، اس لیے ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم وتکریم میں بھی کسر نہیں چھوڑتے۔

سفیرِ رسول کے ساتھ چھیڑ خانی

حضرت دحیہؓ جب قیصرِ روم کو خط پہنچا کر لوٹے تو راستے میں ہنید بن عریض الجذامی اور اس کے باپ نے آپ کے ساتھ چھیڑ خانی کی، اور آپ کے پاس جو سامان تھا وہ لے لیا، پھر ان ہی کے ایک آدمی نعمان ابن ابی جعال نے ان سے وہ سامان واپس لے کر حضرت دحیہ کلبیؓ کو دے دیا۔ اس موقع سے حیان ابن رملہ نے بھی آپ کی مدد کی اور ایک طویل فاصلہ تک آپ کے ساتھ چلتے رہے؛ تاکہ کوئی آپ کو گزند نہ پہنچا سکے۔ بعد میں جب اس بات کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں پانچ سو مجاہدین روانہ فرمائے، اس سریے میں وادی القریٰ کے قریب ڈاکوؤں کو شکست ہوئی، ایک ہزار اونٹ اور پانچ سو بکریاں ہاتھ آئیں اور ایک سو جذامی قیدی بنا لیے گئے۔

(الاصابہ:٦/ ١٣٥، معجم الطبرانی:٢٠/ ٨٠١)

اسی قصہ کو ڈاکٹر ذوالفقار صاحب نے اپنی کتاب ''صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا'' میں سیرت ابنِ ہشام اور المغازی کے حوالے سے شام کی طرف روانگی کے وقت ذکر کیا ہے؛ لیکن عام سیرت نگاروں نے اسی موقع سے ذکر کیا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو وزیروں کا ذکر

حافظ ابن الجوزیؒ چھٹی صدی ہجری میں ایک نامور محدث گذرے ہیں، وہ روایات قبول کرنے میں بڑے ہی متشدّد اور سخت مزاج واقع ہوئے ہیں، بعض

اوقات اچھی بھلی صحیح روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں، ایسے محدّث کا کسی روایت کو نقل کرنا بجائے خود اس روایت کی صحت کی دلیل ہے، درجِ ذیل روایت ان کے حوالے سے نقل کی جا رہی ہیں۔

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب قیصر نے اپنے امرا کی روش دیکھی تو اگلے روز خفیہ پیغام بھیج کر مجھے بلوایا، میں گیا تو مجھے ایک عظیم الشان محل میں لے گیا، اس میں حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی تین سو تیرہ تصاویر رکھی ہوئی تھیں، مجھ سے کہا: دیکھو! تمہیں اپنے پیغمبر کی کون سی تصویر نظر آتی ہے، میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر دیکھی تو کہا: یہ ہے، اس نے میری تصدیق کی، پھر کہا: ان کے دائیں بائیں کس کی تصویریں ہیں؟ میں نے بتایا کہ: یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم کے آدمی ہیں، دائیں طرف والے کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور بائیں طرف والے کا نام عمر رضی اللہ عنہ، اس پر ہرقل کہنے لگا: ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ تمہارے نبی کے ان دو ساتھیوں کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوگی۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میں مدینہ واپس آیا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سارا قصہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے سچ کہا، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعے اشاعتِ اسلام کے کام کو مکمل فرمائیں گے، اور ان کے ہاتھوں پر فتوحات ہوگی۔ (تاریخِ عمر بن الخطاب: ۴۷)

ضغاطر کے نام مکتوبِ گرامی

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رومی پادری ضغاطر کی طرف بھی حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ دعوتی خط ارسال فرمایا تھا، اس نامۂ

مبارک کا متن یہ ہے: "سلام علیٰ من اٰمن، أما علیٰ أثر ذٰلک فإن عیسی ابن مریم روح اللہ و کلمته ألقاها إلیٰ مریم الزکیة، وإني أومن باللہ وما أنزل إلینا وما أنزل إلیٰ إبراهیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والأسباط وما أوتي موسیٰ وعیسیٰ وما أوتي النبیون من ربهم، لانفرق بین أحد منهم ونحن له مسلمون، والسلام علیٰ من اتبع الهُدیٰ"۔

سلامتی ہو اس پر جو ایمان لائے، اما بعد! بے شک عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے پاکیزہ مریم کی طرف ڈال دیا، میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں، اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا، جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرماں بردار ہیں، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ (سیرتِ انسائیکلوپیڈیا: ۸/ ۳۰۱)

حلیۂ مبارکہ

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حسنِ صورت میں لاثانی، چال ڈھال میں سراپا وقار وتمکنت، گفتگو میں نہایت سنجیدہ اور معقول، معاملہ فہم اور موقع شناس اور اپنے قبیلہ کے رکنِ رکین تھے، تجارت پیشہ تھے، دنیوی مال ومتاع سے تو حظِ وافر ملا ہی تھا، کلمۂ شہادت پڑھ کر اخروی دولت بھی سمیٹ رکھی تھی۔

حضرت جبرئیل اکثر آپ کی شکل وصورت میں آتے تھے اس کے متعلق چند

حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں:

”روى الطبراني من حديث عفير بن معدان، عن قتادة عن أنس، أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: كان جبرئيل يأتيني على صورة دحية الكلبي و كان دحية رجلا جميلا“۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جبرئیل میرے پاس دحیہ کلبی کی شکل میں آتے ہیں، آگے حضرت انس گواہی دیتے ہیں کہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نہایت خوبصورت آدمی تھے۔

اس قسم کی متعدد روایات ہیں، مثلاً: **”وروى النسائي بإسناد صحيح عن يحيى بن معمر عن ابن عمر رضي الله عنه كان جبرئيل يأتي النبي صلى الله عليه وآله وسلم في صورة دحية الكلبي، وروى العجلي في تاريخه عن عوانة بن الحكم، قال: أجمل الناس من كان ينزل جبرئيل على صورته“۔**

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت دحیہ کی شکل میں آتے تھے۔ اور علّامہ عجلیؒ نے اپنی تاریخ میں عوانہ بن حکم سے نقل کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے خوبصورت وہ ہے جس کی صورت میں جبرئیل اترتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **”كان دحية إذا قدم المدينة لم تبق معصر إلا خرجت تنظر إليه، فالمعنى بالمعصر العاتق“۔**

ترجمہ: جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو ان کی خوبصورتی کے چرچے سن کر عورتیں ان کو دیکھنے کے لیے باہر نکلی تھیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا دیدار حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی سے گفتگو فرما رہے تھے، پھر جب آپ گفتگو سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: امِ سلمہ! جانتی ہو یہ کون تھے؟ میں نے کہا: وہ تو دحیہ کلبی تھے، پھر حضرت امِ سلمہ فرماتی ہیں کہ: مجھے نہیں معلوم کہ وہ جبرئیل تھے، یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اصحاب کے ساتھ ان ہی کے متعلق بات کرتے سنا۔

اسی سے ملتا جلتا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑی چھلانگ لگائی، میں نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ کے ساتھ ایک آدمی ترکی گھوڑے پر سوار تھے اور ان پر ایک سفید عمامہ تھا، جس کا کنارا دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ہاتھ ترکی گھوڑے پر رکھے ہوئے تھے، بعد میں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کی چھلانگ پسند آئی، وہ دوسرا کون تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: تو نے ان کو دیکھ لیا؟ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: کس کو دیکھا؟ میں نے کہا: دحیہ کلبی کو، تو فرمایا: وہ جبرئیل تھے۔

(المرويات التاريخية لأم المؤمنين عائشة: ٢٠٦، مرآة الزمان في تاريخ الأعيان: ٤٨٩)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے سامنے انبیا کو پیش کیا گیا۔ چناں چہ میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو دیکھا پھر جب میں نے ان کو غور سے دیکھا تو وہ عروہ بن مسعود کے مشابہ تھے، اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، پھر جب میں نے ان کو غور سے دیکھا تو وہ

تمہارے ساتھی (یعنی میرے) مشابہ تھے، اور میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، پھر جب غور سے دیکھا تو وہ دحیہ کلبی کے مشابہ تھے۔

(رواہ مسلم: ١٦٧، فرسان النهار من الصحابة الأخيار: ۴/ ٣٢٥)

بعض روایتوں میں حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے متعلق بھی مذکور ہے کہ: حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے کئی بار جبرئیلِ امین علیہ السلام کی زیارت کی ہے، چناں چہ خود فرماتے ہیں کہ: یوم الصورین میں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام دحیۂ کلبی کی شکل میں ہمارے پاس آئے اور مسلّح ہونے کا حکم دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دن حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کا گذر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام بیٹھے آہستہ آہستہ گفتگو فرما رہے تھے، حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سلام کیے بغیر خاموشی کے ساتھ گذر گئے، بعد میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حارثہ سے ملے تو سلام نہ کرنے کی وجہ دریافت کی، حضرت حارثہ نے عرض کیا: میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ کی گفتگو میں خلل انداز ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا تھا جس سے میری گفت وشنید ہو رہی تھی؟ عرض کیا: جی ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ارے وہ جبرئیل تھے؛ کہہ رہے تھے کہ: اگر یہ صاحب سلام کرتے تو میں جواب دیتا اور یہ اسّی لوگوں میں سے ہیں، میں نے پوچھا: اسّی کا کیا مطلب؟ فرمایا: ایک موقع پر اسّی آدمیوں کے سوا تمام لوگ بھاگ جائیں گے (حنین کی طرف اشارہ تھا) نیز تمہارے اہلِ خانہ کے لیے یہ خوش خبری سنائی کہ ان کا اور ان کی اولاد کا

رزق جنت میں اللہ تعالیٰ کے ذمّے ہے۔

(پندرہ جنتی صحابیات: ۴۹-۵۰، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

خیبر کا واقعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کی فتح کے بعد جب گرفتار شدہ قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر ایک کنیز کی درخواست کی، آپ نے ان کو اختیار دے دیا کہ وہ جسے چاہے اپنے لیے منتخب کرلیں، چناں چہ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ مگر چوں کہ وہ تمام اسیرانِ جنگ میں سب سے ذی وقعت تھیں، اس لیے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! صفیہ تو قبیلۂ بنونظیر کی رئیسہ میں سے ہیں، وہ ایک سردار کی بیوی ہے، خاندانی وقار ووجاہت، شرافت ونجابت ان کے چہرے سے عیاں ہیں، آپ نے اسے دحیۂ کلبی کے حوالہ کردیا، حالاں کہ وہ ان کے لیے بالکل مناسب نہیں، وہ تو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لائق نہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ رئیسۂ عرب کے ساتھ دوسری عورتوں کا سا برتاؤ کرنا مناسب نہیں۔ (سیر الصحابیات: ۹۱)

بعد ازاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سمیت بلوا بھیجا اور ان کو اس کے بدلہ دوسری سات باندیاں عطا کیں جس پر وہ راضی ہوگئے، پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرکے اپنے حرمِ اطہر میں شامل کردیا۔ (ازواجِ مطہرات: ۲۴۴، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

وفات

کتبِ سیر میں ہے کہ آپ نے چاروں خلفائے راشدین کے زمانے کو پایا اور حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک بقیدِ حیات رہے، اس دوران برابر معرکوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ یرموک کی مشہور لڑائی میں بھی آپ نے جوہرِ شجاعت دکھائے تھے، اس موقع سے آپ قابلِ شہسواروں کے ایک بڑے دستے کے امیر طے پائے تھے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۱۸۵، صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا: ۹۶۷)

غرض اسی طرح اشاعتِ اسلام وحفاظتِ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ پیغامِ اجل آپہنچا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغامبر تقریباً ۴۵ھ میں سرزمینِ شام سے موت کے پیغام پر لبیک کہتے ہوئے اپنے محبوب سے جاملا، انا للہ وانا إلیہ راجعون۔

فضائل ومناقب

۱۔ طبقات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو امیہ کے تین آدمیوں کو مشابہ قرار دیا: دحیہ کو جبرئیل کے مشابہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو عیسیٰ بن مریم کے مشابہ اور عبدالعزیٰ کو دجال کے مشابہ۔

۲۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر ان ہی کی شکل میں حضورِ خدمت ہوا کرتے تھے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفیر بننے کا انہیں شرف حاصل ہوا۔

۴۔ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی بھانجی حضرت خولہ بنتِ ہذیل اور

ان کی بہن شراف بنتِ خلیفہ سے نکاح فرمایا۔

۵۔ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو احادیث مروی ہیں: (۱) روی أحمد من طریق الشعبي عن دحية، قال: قلت یارسول اللہ! ألا أحمل لک حمارا علیٰ فرس فینتج لک بغلا فترکبها؟ قال: إنما یفعل ذٰلک الذین لایعلمون"۔

ترجمہ: حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کے لیے گدھے کو گھوڑی پر چڑھاؤں کہ وہ خچر دے، پھر آپ اس پر سواری کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ حرکت وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں علم نہیں ہوتا۔

(۲) عن دحية کلبي أنه قال: أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقباطي فأعطاني منها قبطية، فقال: أصدعها صدعین فاقطع أحدهما قمیصا و اعط الأخر امرأتک تختمر به، فلما ادبر قال: وأمر امرأتک أن تجعل تحته ثوبا لایصفها"۔ (رواہ أبو داؤد، کتاب اللباس)

ترجمہ: حضرت دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند قبطی کپڑے آئے ہوئے تھے، آپ نے مجھے اُن کپڑوں میں سے ایک کپڑا عطا کیا اور فرمایا کہ: اس کے دو حصّے کردو، ان میں سے ایک سے قمیص بنالو اور دوسرا نصف اپنی بیوی کو دے دو؛ تا کہ وہ اس کی اوڑھنی بنالے، پھر جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ: اس کے نیچے ایک اور

کپڑا رکھ لیں؛ تا کہ اندرونی حصہ ظاہر نہ ہو۔

یہ تھے وہ صحابئ رسول جنہوں نے اپنی پوری زندگی اتباعِ رسول میں گذار دی۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ آسمانِ ہدایت کے وہ روشن ستارے ہیں جن کی ضیا پاش کرنیں رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی کرتی رہیں گی، اس کی روشنی میں زندگی کے بہت سے لاینحل عقدوں کو حل کیا جاسکتا ہے اور صحیح مسلکِ حیات کی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو ان کے طریقے اپنی زندگیوں میں لانے کی اور ان کے کامل اتباع کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از قلم:
یاسین یوسف مانیکپوری

سوانحی خاکہ

حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نام: ثوبانؓ ابن بجدد یا جحدد۔

کنیت: ابوعبداللہ۔

لقب: مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

قبیلہ: یمن کے مشہور خاندانِ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔

اولاد: حضرت ثابت بن ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

زوجہ: امِ ثوبان۔

روایتِ حدیث: ۱۲۷۔

خدمت: اصحابِ علم وافتا میں سے ایک۔

وفات: سنہ ۵۴ھ بمقامِ حمص۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یاسین یوسف مانیکپوری

خدا قادر و مطلق ہے، وہ جب چاہتا ہے وقت کے ہامان کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے راہ چلتے فقیر کو تخت و تاج کا مالک بنا دیتا ہے۔ یمن کے حمیری خاندان کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ کسی زمانے میں اس خاندان کے لوگ یمن کے تختِ سلطنت پر فائز تھے؛ مگر گردشِ وقت سے خدا جانے کیسا انقلاب آیا کہ غلامانِ یمن میں شمار ہونے لگا، اسی خاندان کا ایک غلام بکتے بکاتے مکّے کی سنگلاخ وادی میں پہنچا اور وہاں سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیرِ ملکیت آیا، اس آغوشِ رحمت میں آنا تھا کہ غلام کی قسمت بدلنی شروع ہوئی اور اتنی بدل گئی کہ شاہانِ وقت کو بھی رشک آنے لگا۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس پاک شریف النفس غلام کو آزاد کر کے فرمایا کہ: چاہو تو اپنے خاندان والوں کے پاس واپس چلے جاؤ اور اگر ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو تو ہمارے گھر والوں میں تمہارا شمار ہوگا، اس آزاد شدہ غلام نے یہی کیا جو ایک عاشقِ زار کرتا ہے یعنی اپنے خاندان کے مقابلے میں آغوشِ نبوت کو اور آزادی کے مقابلے میں رسالت کی غلامی و خدمت کو ترجیح دی اور وہیں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے رہ پڑے، ایسی جاں نثارانہ اور فداکارانہ زندگی بسر کی کہ "مولیٰ رسول اللہ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام و خادم)

ان کے نام کا جزو بن گیا۔ جانتے ہو اس خوش قسمت غلام کا نام کیا تھا؟ ''حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''۔

زیرِ نظر اوراق میں آپ ہی کی حیاتِ مبارکہ کی جھلکیاں دکھانے کی طالبِ علمانہ سعی کی گئی ہے، خدا کرے کہ یہ ہم سب کے لیے مفید و نفع بخش ثابت ہوں۔

نام ونسب

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے نام ونسب کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے کہ آپ کا نام: ثوبان، کنیت: ابوعبداللہ، اور لقب: مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا، آپ کے والد کا نام: ''بجدد'' یا ''جحدد'' تھا۔ آپ یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، یہ خاندان تاج وتخت کا مالک تھا، پتہ نہیں کیا افتاد پڑی کہ بادشاہی سے نکل کر غلامی میں آ گئے اور پھر کوچۂ غلامی سے نکل کر اُس مقام تک پہنچ گئے جہاں بہت سے عالی نسبت ہزار شرافتوں اور دنیوی ساز وسامان کے باوجود نہ پہنچ سکے، ''ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء''۔ (صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۹۴۵)

عاشقِ رسول کا جذبۂ اتباع

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر ارشاد کی نہ صرف تعمیل کرتے؛ بلکہ آپ کے فرمودات کو حرزِ جاں بنا لیتے اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی اس پر عمل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

خود آپ سے یہ روایت مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کا عہد کرے (اور پورا بھی کرے) کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرے

گا، اس کے لیے میں جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے بعد میں کبھی کسی انسان سے کچھ نہیں مانگوں گا۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ: آپؓ اس فرمانِ نبوی پر پوری شدت کے ساتھ عمل پیرا رہے، یہاں تک کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوتے اور آپ کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو آپ اسے اٹھانے کے لیے خود اترتے، اپنا ذاتی کوڑا بھی کسی سے مانگنا گوارا نہ کرتے۔

عن عبد الرحمٰن بن يزيد عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من يتقبل لي بواحدة و اتقبل له بالجنة؟ قال: قال ثوبان: أنا، قال: لاتسأل الناس شيئا، قال: فكان ثوبان يقع سوطه وهو راكب فلايقول لأحد ناولنيه حتى ينزل فيتناوله۔ (ابن ماجہ: ۱۸۳۷ بحوالہ صفة الصفوة: ۱/۲۹۷)

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابہ'' میں اس سے ملتی جلتی روایت اس طرح بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ بیت کے لیے دعا کی، اُس وقت حضرت ثوبانؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کیا میں بھی اہلِ بیت میں سے ہوں؟ ارشاد ہوا: ہاں! جب تک تم کسی امیر کے پاس سائل بن کر نہ جاؤ یا کسی دروازے کی چوکھٹ پر نہ جاؤ۔ حضرت ثوبانؓ نے اس کے بعد عمر بھر کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔

(تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۸۳-۱۸۴، صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۹۴۶)

فضل وکمال

حضرت ثوبانؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادمِ خاص تھے، جس کی بناء پر انہیں

خلوت وجلوت ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، آپؓ سے ۱۲۷/ حدیثیں بھی مروی ہیں۔ آپ حدیث کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی نشر واشاعت کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ: حضرت ثوبانؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیث یاد کی اور اس کو پھیلایا؛ یہاں تک کہ لوگ آپ سے درخواست کر کے مستقل احادیث سنتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے حدیث سننے کی خواہش کی، آپ نے فرمایا: جو مسلمان خدا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگذر کرتا ہے۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۸۵)

آپؓ اس قدر وسیع المرتبت محدّث تھے کہ لوگ آپ سے احادیث کی تصدیق کروانے کے لیے آتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن معدان نے۔ جو ایک بلند پایہ محدث ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ سے کوئی روایت سنی، آپ سے تصدیق چاہی، تو آپؓ نے اس کی توثیق وتصدیق فرمائی۔

فضل وکمال اور رسوخ فی العلم کا یہ حال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جو جماعت صاحبِ علم وافتا تھی آپ ان کے ایک اہم رکن تھے۔

آپؓ کے طلبہ کا دائرہ بھی وسیع تھا، معدان بن طلحہؓ، راشد بن سعدؓ، جبیر بن نضیر، عبد الرحمٰن بن ختمؓ، ابو ادریس خولانی وغیرہ آپ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ (سیر الصحابہ: ۳/ ۲۴۰)

حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن

میں سے چند احادیث درجِ ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کا سلام پھیر کر ایک جانب بیٹھتے تو تین مرتبہ استغفار پڑھتے، اور پھر کہتے: "اللھم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والإکرام"۔ (صحیح مسلم)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو بہشت کی تفریح میں رہتا ہے جب تک کہ وہ عیادت سے واپس نہ آئے۔ (صحیح مسلم)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو مسلمان صبح وشام ان کلمات کو تین مرتبہ پڑھے تو لازماً اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو قیامت کے دن خوش کردے گا، "رضیت باللہ ربا وبالإسلام دینا وبمحمد نبیا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ "میں اللہ کی ربوبیت اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے راضی ہوگیا"۔ (جامع الترمذی)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صحیح راستے پر جمے رہو؛ مگر اس کا حق ادا نہیں کرسکتے، اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین کا سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مؤمنِ کامل کے اور کوئی شخص نہیں کرسکتا۔ (مؤطا امام مالک)

(تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۸۵-۱۸۷)

جنت میں رفاقت

امام بغوی اور دیگر مفسرین نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک عجیب روایت

نقل کی ہے، فرماتے ہیں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ تعلق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر آپ رضی اللہ عنہ کو بالکل چین نہیں آتا تھا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو ان کا رنگ بدلا ہوا تھا، اور چہرہ پر رنج وملال کی کیفیت طاری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا ہوا ثوبان! تمہارا رنگ پھیکا پڑا ہوا ہے؟ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے نہ بیماری ہے اور نہ کوئی تکلیف، میں جب آپ کو دیکھتا نہیں ہوں تو بہت گھبراہٹ ہوتی ہے، مجھے آخرت کا خیال آیا کہ میں وہاں آپ کو کیسے دیکھ سکوں گا، آپ تو پیغمبر ہیں، آپ جنت میں بلند پایہ مقام پر ہوں گے اور میں پست جگہ رہوں گا، اور اگر خدانخواستہ میں جنت میں نہیں گیا تو دیکھنے کا سوال ہی نہیں ہوتا، میرا کیا حال ہوگا؟۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: {وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ أَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِکَ رَفِیْقًا}۔

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور رسول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے (کامل) انعام فرمایا ہے یعنی نبیوں اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ اور وہ سب (حضرات) بڑے اچھے ساتھی ہیں۔ (تیسیر القرآن، از مفتی محمود بارڈولی مدظلّہ) (کاروانِ جنت: ۸۴)

گستاخ زبان! خاموش ہو

آپ کو نبوّت کے احترام وآداب کا حد درجہ خیال رہتا تھا، کوئی لفظ بھی ایسا

نہیں سن سکتے تھے جس سے احترامِ نبوی میں کوتاہی ہو۔ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "**السلام علیک یا محمد**" کہہ کر سلام کیا، آپ رضی اللہ عنہ کو اس کے اندازِ تخاطب پر سخت غصہ آیا اور اس کو ایک طمانچہ رسید کیا یا اس زور سے دھکّا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا، اس نے سنبھل کر سبب پوچھا: تو آپ کڑک کر بولے کہ تو نے یارسول اللہ کہہ کر کیوں نہیں پکارا؟، اس نے کہا: اس میں کیا گناہ تھا میں نے آپ کا خاندانی نام لے کر پکارا؟ تب پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میرا خاندانی نام محمد ہے۔ (تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۸۲)

غلامیٔ مصطفیٰ پر جان بھی قربان ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس والہانہ وعاشقانہ تعلّق کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ اپنے ساتھ غلامی کی نسبت کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی ان کی اس نسبت کا خیال رکھیں۔

ایک مرتبہ حمص کے قیام کے دوران آپ بیمار ہوئے، اتفاق سے وہاں کا والی عبداللہ بن قرط الازدی آپ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے نہیں آیا، تو آپ نے گورنر کے نام ایک رقعہ کلاعیین کے آدمی سے لکھوایا کہ: اگر آپ کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام کا غلام ہوتا تو کیا تم اس کی عیادت کے لیے نہ آتے؟ جب والیٔ محترم کو خط پہنچا تو وہ نہایت نادم وپشیمان ہوکر اس قدر جلدی سے آپ کی عیادت کے لیے نکلے جیسے کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آ گیا ہو، پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر معذرت چاہی اور بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر مزاج پرسی کرتے

رہے اور جب ان کے پاس گھنٹہ بھر بیٹھ کر اٹھنے لگے تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے ان کی چادر پکڑ لی اور کہنے لگے: بیٹھو! میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی ایک حدیث سناتا ہوں، تو (امیر) عبداللہ بن قرط بیٹھ گئے، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے:

"لیدخلن الجنة من أمتي سبعون ألفا لا حساب علیھم ولا عذاب مع کل ألف سبعون ألفا"، میری امت کے ایسے ستّر ہزار لوگ جنت میں داخل ہوں گے جن سے نہ کوئی حساب وکتاب ہوگا اور نہ انہیں عذاب ہوگا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔

پھر جب عبداللہ بن قرط ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ! مجھے اُن کے حوض سے ایک گھونٹ پلا دیجیے، تو اہلیہ محترمہ امِ ثوبان رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا: کون سا حوض؟ تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: "إن حوضي ما بین عدن إلیٰ عمان، أکوابه عدد النجوم، ماؤہ أشد بیاضا من ثلج واحلی من العسل، وأکثر الناس وردوا علیه فقراء المھاجرین"۔ میرے حوض کی وسعت عدن سے عمان تک کی ہے، اس کے پیمانے تعداد میں ستاروں جتنے ہیں، اس کا پانی برف سے بھی زیادہ سفید اور شہد سے بھی زیادہ شیریں ہے، اور اس پر آنے والوں میں سب سے زیادہ فقرائے مہاجرین ہوں گے۔

ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ان فقرا کا حلیہ ہمیں بتا دیجیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: ”شعث الرؤوس دنس الثوب توسخ الثياب الذين لاينكحون المتنعما ولاتفتح لهم السدد والأبواب، الذين يعطون ما عليهم ولايعطون ما لهم“۔ بکھرے بال خستہ حال، بوسیدہ کپڑے، جو نرم و نازک عورتوں سے نکاح نہیں کرتے، اور نہ ہی ان کے لیے دروازے کھلتے ہیں، ان کے پاس جو کچھ موجود ہوتا ہے وہ اسے دے دیتے ہیں، جب کہ ان کو کوئی حق نہیں دیتا۔ (ازواجِ صحابۂ کرام: ۱۹۴-۱۹۵، سیر الصحابہ: ۳/۲۴۱، تیس پروانے شمعِ رسالت کے: ۱۸۴)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جس درجہ کے عاشقِ رسول تھے اور جس طرح انہوں نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث کی حفاظت و اشاعت کا فریضہ انجام دیا، بعینہ اسی طرح آپ کی زوجۂ محترمہ امِ ثوبان رضی اللہ عنہا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاشق اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتوں کی شائق تھیں، یہی وجہ ہے کہ گھر اور گھر کے باہر اکثر ان کی زبان پر احادیثِ رسول کا ذکرِ خیر رہتا تھا، جس طرح حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مردوں کے مجمع میں احادیثِ رسول کی روشنی بانٹا کرتے تھے اسی طرح امِ ثوبان مستورات میں یہ فریضہ انجام دیتی تھیں۔ چناں چہ حضرت امِ ثوبان رضی اللہ عنہا انصار کی ایک عورت کے پاس گئیں جس کا بیٹا دم توڑ رہا تھا، تو سیدہ امِ ثوبان رضی اللہ عنہا بولیں: اس کو کلمۂ شہادت پڑھنے کی تلقین کرو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”لقنوا موتاكم شهادة أن لا إله إلا الله، فمن قال عند موته وجبت له الجنة“۔ اپنے مرنے والوں کو ”لا إله إلا الله“ پڑھنے کی تلقین کیا کرو کہ جس نے اسے مرتے وقت پڑھ لیا اس پر جنت

واجب ہوگئی۔

اس پر وہ انصاریہ بولیں: اگر کسی نے اسے صحت وتندرستی کی حالت میں پڑھ لیا تو؟ حضرت امِ ثوبان رضی اللہ عنہا بولیں: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تو اور زیادہ واجب ہوگئی۔

اسی طرح سیدہ امِ ثوبان رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے اپنی بیٹی کا نام ''برّہ'' رکھا ہے، تو انہوں نے اس سے فرمایا: ''**لا تزكوا أنفسكم، إن الله أعلم بأهل البر منكم**''، اپنی پاکبازی کا اظہار مت کیا کرو، اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیک اور صالح ہے، وہ عورت کہنے لگیں: تو پھر اس کا کیا نام رکھوں؟ تو امِ ثوبان رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اس کا نام زینب رکھ دو۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک یہودی عالم آیا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیسیوں سوال کیے، اس کے تمام سوالات کے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشفّی بخش جوابات دیے؛ مگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یہی وہ یہودی عالم تھا جس کے ساتھ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا دھکا ملی والا واقعہ پیش آیا تھا۔

جب حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے یہودی عالم والا پورا واقعہ اہلیہ کو سنایا تو وہ ہنس پڑیں اور پھر پوچھنے لگیں: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کا اعتراف کرنے کے بعد اس نے کلمہ نہیں پڑھا، تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بولے: بندروں اور خنزیروں کے بھائی نے ایسا نہیں کیا۔

علم کی طلب اور ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ اکثر اپنے شوہرِ نامدار حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے دینی امور کے متعلق دریافت کرتی رہتی تھیں، ایک مرتبہ حضرت امِ

ثوبان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: سب سے بہتر دینار کون سا ہے؟ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**أفضل دينار دينار ينفقه الرجل علىٰ عياله ودينار ينفقه الرجل علىٰ دابته في سبيل الله ودينار ينفقه علىٰ أصحابه في سبيل الله**"، سب سے افضل دینار وہ دینار ہے جو آدمی اپنے بال بچوں پر خرچ کرے، اور وہ دینار جو آدمی راہِ خدا میں اپنے جانور پر خرچ کرے اور وہ دینار جو آدمی اللہ کی راہ میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔

اسی طرح سیدہ امِ ثوبان رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے رشوت کے بارے میں سوال کیا: تو انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر اور جو اُن کے درمیان رابطے کا کام انجام دیتا ہے لعنت بھیجی ہے۔

حضرت امِ ثوبان رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے ان عورتوں کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے شوہروں سے بغیر کسی وجہ کے طلاق مانگتی ہے، تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بولے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ کے طلاق مانگتی ہے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، اور فرمایا: جو عورتیں خلع لیتی ہیں بغیر کسی وجہ کے وہ منافق ہوتی ہیں، اور کوئی عورت ایسی نہیں جو اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ کے طلاق مانگے اور جنت کی خوشبو پا جائے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہی کی طرح سیدہ امِ ثوبان رضی اللہ عنہا بھی گفتار کے ساتھ ساتھ کردار کی غازی تھیں، فرامینِ رسول پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتیں، اگر اتفاق سے کبھی کوئی عمل چھوٹ جاتا اور اس پر عمل کرنے کا موقع نہ ہوتا تو بے چین ہو جایا

کرتی تھیں۔ایک دفعہ جب حضرت ثوبانؓ اپنے گھر واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی بڑی غمگین اور خاموش ہیں، انہوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ تو حضرت امِ ثوبانؓ بولیں: میں نے ایک نیکی کے بارے میں پوچھا تھا؛ مگر وہ نیکی نہیں کرسکی، حضرت ثوبانؓ نے کہا: کیا تم نے کسی اور کو بھی اس نیکی کا راستہ نہیں دکھایا؟ تو حضرت امِ ثوبانؓ کہنے لگیں: یہ تو میں نے کیا ہے، حضرت ثوبانؓ کہنے لگے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "**الدال علی الخیر کفاعله**" نیکی کا راستہ دکھانے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔(ازواجِ صحابہ کرام: ۱۸۷-۱۸۹)

اولاد

حضرت ثوبانؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے متعلق معتبر کتب کی تفتیش کے بعد صرف اتنا معلوم ہوا کہ آپ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام حضرت ثابت بن ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور اسی کتاب میں آپؓ کے پوتے۔جس کا نام عبدالحمید تھا۔کا ذکر ملتا ہے۔(شعب الایمان: ۹/ ۱۷۷، رقم: ۶۴۴۸)

وفات

حضرت ثوبانؓ جب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے، وصال تک برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے، آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد تک مدینہ ہی میں رہے؛ لیکن آقا کے سانحۂ رحلت نے گلشنِ مدینہ کو خار بنادیا؛ اس لیے یہاں کا قیام چھوڑ کر رملہ (شام) میں اقامت اختیار کرلی اور مصر کی فتوحات میں شریک ہوتے رہے اور جب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی مہم پر مقرر کیا تو آپ بھی مجاہدین کے لشکر میں شامل ہو گئے اور تمام معرکوں میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ مصر سے واپس آئے تو رملہ سے منتقل ہو کر حمص میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور وہیں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم: ۳/۲۴۰)

(يقول ابن الجوزي) يكنى أبا عبد الله أصابه سباء فاشتراه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فأعتقه فلم يزل معه حتّى قبض، ثم نزل حمص فمات سنة أربع وخمسين۔ (صفة الصفوة: ۱/۲۹۷)

ترجمہ: ابن جوزی فرماتے ہیں کہ: ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی، ان کو غلام بنالیا گیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا، پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا، پھر وہ حمص گئے، ۵۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

پیغام

آج بھی بہت سارے عاشق اور حبِ نبوی کے دعوے دار مل جاتے ہیں، لوگ ''جان نثارِ رسول اور خادمِ رسول'' کے القاب سے پکارے جاتے ہیں؛ مگر وہ گرمئ عشق اور سوزِ جگر کہاں جو حضرت ثوبان کے نہاں خانۂ قلب میں موجزن تھا، عمل و اتباع کی وہ حرارت کہاں جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے قلبِ سوزاں کو تپائے رکھتا تھا۔ آؤ! فضا میں نعرے بازی کا کھیل ختم کر کے عملی میدان میں عاشقِ رسول بننے کے ارادے کریں کہ یہ وہ جوہر ہے جو روز بہ روز مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت یاسر بن عامرؓ

ازقلم:
انس محمد علی نزولی

سوانحی خاکہ

حضرت یاسر بن عامرؓ

آپ کا نام: یاسر بن عامر۔

کنیت: ابو عامر۔

نسل: قحطانی۔

پیدائش: ملکِ یمن میں۔

مستقل اقامت: مکۂ مکرمہ میں۔

حلیفانہ تعلق: ابوحذیفہ بن مغیرہ۔

نکاح: سمیہ بنتِ خباط سے۔

اولاد: عبداللہ، حرّیث اور عمارؓ۔

وفات: ہجرت سے قبل مکۂ مکرمہ میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت یاسر بن عامرؓ

انس محمد علی ندوی

عہدِ جاہلیت میں انسان نما درندے جب ایمان وایقان اور علم وعرفان کے اوصافِ حمیدہ سے متّصف ہوکر دربارِ محمدی کے خوشہ چیں بنتے ہیں اور کفر وضلالت کے قعرِ مذلت سے نکل کر آسمانِ ہدایت کے اوجِ ثریا کی جانب اُڑان بھرتے ہیں اور ''شرّ البریّۃ'' کے لقب سے ملقّب کائنات کی ایک ارذل اور اسفل انسانی جمعیت ''خیر البریّۃ'' کا تمغہ پاکر کرۂ ارض کے اعلیٰ وافضل گروہ بننے کا شرف حاصل کرتی ہے، اور یہی قافلہ جب نبیٔ آخر الزماں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کرتا ہے تو وہ ''صحابۂ کرامؓ'' کے مقدس نام سے موسوم ہوکر گم کردۂ راہ لوگوں کے لیے نجومِ ہدایت بن جاتا ہے۔

جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

(مرحوم اکبر الہ آبادی)

درسگاہِ نبوت سے فیض یافتہ اِس جماعت نے حفاظت واشاعتِ دین کی ایسی نظیریں پیش کیں جن کو پیش کرنے سے دنیا قاصر وعاجز ہے، لات وعزّٰی کے یہ پرستار جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے تھے تو اپنا سب کچھ دینِ حق کے لیے نچھاور کر دیتے تھے، اسلام کا یہ سرسبز وشاداب چمن جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہے، یہ

انہیں مقدس ومطہر شخصیات کے خون سے سینچا ہوا ہے۔

جاں نثارانِ دینِ حنیف اور غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِس پاکباز جماعت کے ایک فردِ فرید حضرت یاسر بن عامرؓ بھی ہیں جن کی حیاتِ مستعار کا ایک ایک لمحہ دینِ اسلام کی حفاظت اور شمعِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی میں گذرا، یہاں تک کہ اِسی راہ پر چلتے چلتے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔راقم آثم نے آپ ہی کی زندگی کے لمحات کو چند سطروں میں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے، بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ وہ پاک ذات ہمیں اُن مقدس شخصیات کا صحیح معنیٰ میں پیروکار بنائے، آمین۔

نام ونسب

آپؓ کا نام: یاسر اور کنیت: ابو عامر تھی، آپ قحطانی النسل اور ملکِ یمن کے باشندے تھے۔(سیر الصحابہ: ۷/۲۴۹)

کتبِ تاریخ میں آپ کا نسب نامہ یوں مذکور ہے: یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک بن اود بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب قحطان۔(طبقات ابنِ سعد: ۴/۱۰۰)

گم شدہ بھائی کی تلاش میں

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً پینتالیس سال قبل یمن سے ایک قافلہ بغرضِ تجارت شہرِ مکّہ کی جانب رواں دواں ہوا، تجارت کے اِس قافلہ میں عامر کے تین بیٹے: یاسر، مالک اور حارث بھی شریک تھے، جن کی غرضِ سفر تجارت نہ تھی؛ بلکہ وہ

اپنے ایک مفقود الخبر بھائی - جس سے وہ بے پناہ محبت کرتے تھے - کی تلاش وجستجو کے خاطر کارواں کے ہم رکاب ہوئے تھے۔ کاروانِ تجارت تو مکّہ کے بازاروں میں خرید وفروخت اور کاروباری لین دین میں مشغول ہوگیا؛ لیکن یہ تینوں بھائی اپنے گم شدہ بھائی کی تلاش میں مکّہ کی گلیوں کے چکر کاٹ رہے تھے، تلاشِ بسیار کے باوجود وہ اپنی اِس متاعِ گم شدہ کا سراغ نہ لگا سکے، بالآخر تاجروں کا یہ کارواں واپس ملکِ یمن کی جانب سرگرمِ سفر ہوا۔ یاسر بن عامر کے دونوں بھائی مالک وحارث بھی قافلہ کے ہم رکاب ہوکر ملکِ یمن کو چلے؛ لیکن سرزمینِ مکّہ کی مقناطیسی کشش نے یاسر کے پاؤں پکڑ لیے، چناں چہ انھوں نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور پھر ہمیشہ کے لیے اسی کے ہوکر رہ گئے۔ (کاروانِ جنت: ۶۴)

حلیفانہ تعلّق اور شادی

جزیرۃ العرب کا عظیم الشان شہر مکّۂ مکرمہ اُس زمانے میں انسان نما بھیڑیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، شرافت ورحم دلی، مروّت ومحبّت معدوم ہوچکی تھی، زور آور قبیلوں کا بول بالا تھا، انسانیت وآدمیت کو بالائے طاق رکھ کر یہ درندے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے تھے، ایسے پُرخطر حالات میں یاسر بن عامر کو ایک ایسے شخص کی پشت پناہی کی ضرورت تھی جو اس کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوسکے، چناں چہ ان کو قبیلۂ بنومخزوم کے ایک شخص ابو حذیفہ بن مغیرہ کی پناہ گاہ نصیب ہوئی، یاسر بن عامر نے ان سے حلیفانہ تعلّق قائم کرکے اپنی حفاظت وصیانت کا سامان پیدا کرلیا۔

اِس تعلق میں استواری آتی گئی تو ابوحذیفہ نے ان کی شادی اپنی باندی سمیہ بنتِ خبّاط سے کردی، ان ہی کے بطن سے اللہ نے انہیں ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام عمار رکھا گیا، اِس خوشی میں ابوحذیفہ نے اپنی باندی سمیہ کو آزاد کر دیا؛ مگر ان لوگوں نے ابوحذیفہ کے ساتھ ہی رہنا پسند کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عبداللہ اور حرّیث نامی دو بیٹے عطا کیے، حریث کو قبل از اسلام ہی قبیلۂ بنوالدیل نے قتل کر دیا تھا۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: یہ چھوٹا سا کنبہ ابوحذیفہ کے ساتھ ہی رہتا تھا، ابو حذیفہ بھی پورے خاندان کو حسنِ سلوک سے رکھتا تھا، تا آں کہ ابوحذیفہ کا انتقال ہو گیا۔ (طبقات ابنِ سعد: ۴/ ۱۰۱، صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۱۹۸-۲۰۰)

اسلام کے سائے میں

ابوحذیفہ کی وفات کے کچھ عرصے بعد آفتابِ اسلام کی ضیا پاش کرنیں ارضِ مکّہ کو منور کرنے لگیں، آسمانِ اسلام پر سپیدۂ سحر کے نمودار ہوتے ہی جن پاکیزہ نفوس نے اسلام کی ضیا پاشیوں سے اکتسابِ فیض کیا، ان ہی گنے چنے چند افراد میں سے حضرت یاسر بن عامرؓ، ان کی بیوی حضرت سمیہؓ اور دونوں بیٹے عمار و عبداللہؓ بھی ہیں، اُس وقت تک صرف تیس پینتیس افراد حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئے تھے۔

آزمائش کی پُرخار وادیوں میں

شجرِ اسلام کی شاخیں جوں جوں مضبوط ہو رہی تھیں، کفارِ مکہ کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ کہیں پورا مکہ اِس شجرِ سایہ دار کے نیچے پناہ نہ لے لے، اسی فکر نے انہیں ظلم و تشدّد پر برانگیختہ کیا، چناں چہ انہوں نے بے یار و مددگار مسلمانوں پر اِس قدر

ظلم وستم کے پہاڑ توڑے کہ آسمان بھی ششدر وحیران رہ گیا۔ حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ اور ان کا کنبہ چوں کہ پہلے ابو حذیفہ مخزومی کے ساتھ رہتا تھا، اور اس کے انتقال کے بعد قبیلۂ بنومخزوم کے لوگ ان کے وارث وحلیف ٹھہرے۔ یاسر اور آلِ یاسر کے قبولِ اسلام کے بعد بنومخزوم کے بے حس درندے ان پرنت نئے ظلم ڈھانے لگے، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بنومخزوم کی غلامی میں تھیں اور ان کے شوہر اور بچے ان کے بارِ احسان تلے دبے ہوئے تھے، اِس وجہ سے بنومخزوم نے اِن سب کو مشقِ ستم بنا رکھا تھا، نصف النہار کی شدید دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے، اتنا زدوکوب کرتے کہ بے ہوش ہو جاتے، ہوش میں آتے تو جبابرۂ بنومخزوم ان سے پوچھتے: تم دینِ محمدی سے باز آتے ہو یا نہیں؟ ان کا جواب یہی ہوتا کہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہزار جانیں قربان، ہم مذہبِ اسلام سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ وہ سفاک لوگ ان کو کبھی گرم گرم ریت پر لٹاتے، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے، کبھی پانی میں غوطے دیے جاتے تو کبھی دہکتے انگاروں پر جلائے جاتے، غرض یہ کہ:

جو بلائیں وقف تھیں سارے زمانے کے لیے
ہوگئیں موقوف سب میرے مٹانے کے لیے

ایک مرتبہ یہ چاروں کفار کی آزمائش کی گرم بھٹیوں میں تپائے جا رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گذر ان کے پاس سے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر فرمایا: اے آلِ یاسر! صبر کرو تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، فرماتے ہیں: ”أقبلت أنا ورسول الله،

وهو آخذ بيدي حتىٰ أتينا على أبي عمار وعمار وأمه وهم يعذبون، فقال ياسر: الدهر هٰكذا! فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم! اصبر! اللهم اغفر لآل ياسر وقد فعلت"۔ فرماتے ہیں کہ: میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوعمار، عمار اور ان کی والدہ کے پاس آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، ان کو سزائیں دی جا رہی تھیں، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا: زمانہ تو ایسا ہی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو! اے اللہ! آلِ یاسر کی مغفرت فرما، اور یقیناً تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔

(صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۵۱، یہ تیرے پُراسرار بندے: ۳۱)

حضرت سمیّہ بنتِ خباط رضی اللہ عنہا کے اجمالی حالات

ان کا نام "سمیہ" اور والد کا نام "خباط" تھا، یہ ایران کے علاقۂ کسکر کی خاتون تھیں، کسی طرح زمانے کی گردش نے انہیں طائف پہنچا دیا تو وہاں ان کو "سمیہ" نام دیا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام کا اظہار کیا ان کی تعداد سات ہے: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمار رضی اللہ عنہ (۴) اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ (۷) حضرت مقداد رضی اللہ عنہ۔

قبولِ اسلام کی وجہ سے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، ان کے خاوند حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور بیٹے عمار رضی اللہ عنہ بارہا کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ بنومخزوم کے کسی محلّے سے گذرتے ہوئے دیکھا کہ کفار نے سن رسیدہ خاتون حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو

لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے، پاس کھڑے لوگ اِس ظالمانہ کرتوت پر فخر یہ قہقہے لگا کر کہہ رہے ہیں کہ: محمد کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھو، مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اوران سے مخاطب ہو کر فرمایا: صبر کرو، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔

ابو جہل ظلم وستم کے تمام طریقے آزما کر تھک جاتا تو آپے سے باہر ہو جاتا اور اس کا جنون نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا، اس کی یہ حالت دیکھ کر حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل جاتی، یہ دیکھ کر ابو جہل کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھتی اور وہ اپنی اس لاچاری پر ہاتھ ملتا رہ جاتا، وہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی بہت سزائیں دیا کرتا تھا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اپنے اوپر ہونے والے ظلم وستم تو سہہ لیتیں؛ لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر ہونے والے مظالم دیکھ کر وہ اکثر بے قابو ہو جاتیں۔

ایک مرتبہ بیٹے کی محبت میں ابو جہل کو برا بھلا کہنے لگیں: تو اس نے وحشت ودرندگی کے عالم میں آپ رضی اللہ عنہا کی نازک جگہ پر نیزہ مارا جو جسم سے پار ہو گیا، بوڑھی جان تھی تاب نہ لاسکی اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ (حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: پندرہ جنّتی صحابیات: ۱۸۱-۱۹۰، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالاتِ زندگی

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے ساتھ ہی اوائلِ اسلام میں دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، اور اُن سات حضرات میں اِن کا بھی شمار ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں پیش قدمی کی، ان کے والدین کے ساتھ اِن کو بھی کفارِ مکّہ بہت

اذیتیں پہنچاتے، کبھی دہکتی آگ پر لٹا دیا جاتا تو کبھی جھلسا دینے والی ریت پر ڈال دیا جاتا تو کبھی پانی میں غوطے دیے جاتے۔

حضرت عمارؓ مہاجرین اولین میں سے ہے، ہجرتِ حبشہ میں ان کی شرکت کے متعلق اختلاف ہے، بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ: ۶ سنہ نبوی میں دوسری ہجرتِ حبشہ میں شامل ہوئے تھے۔ تاہم تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ قبل مدینہ کی جانب ہجرت کرنے والے ۶/ صحابۂ کرامؓ میں حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شامل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت تک قبا میں مبشر بن عبدالمنذر کے مہمان رہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر مسجدِ قبا کی تعمیر میں حصہ لیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ سے عقدِ مواخات قائم ہوا۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے دوران حضرت عمارؓ اینٹ گارا اٹھا رہے تھے جس سے جسم مٹی سے اَٹ گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بدن سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرمایا: ہائے عمار! اس کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت عمارؓ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**مرحبا بالطیب المطیّب**" (خوش آمدید اے پاکیزہ و مصفیٰ انسان!)۔

عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عمارؓ تمام غزوات و سرایا میں شامل ہوئے اور خلفائے راشدین کے دور میں بھی جنگوں میں حصہ لیا، حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوفے کا گورنر بنایا تھا، آپؓ وہاں ایک سال نو ماہ گورنر رہے۔ سنہ ۳۵ھ میں

حضرت عثمانؓ نے فتنوں کی تحقیقات کے لیے ایک جماعت کے ساتھ مصر بھیجا تھا، ۳۶ھ میں حضرت علیؓ کی جانب سے جنگِ جمل میں میسرہ کے افسر تھے۔

جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی جانب سے شامی فوجیوں سے لڑ رہے تھے کہ دورانِ جنگ ہی پانی طلب فرمایا، دودھ پیش کیا گیا تو پی کر فرمایا: ''الیوم ألقی الأحبة''، (آج پیارے دوستوں سے ملیں گے)، ایک عورت دوبارہ دودھ لائی وہ بھی پیا، پھر فرمایا: ''الحمد للہ الجنة تحت الأسنة''، (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جنت نیزوں کے نیچے ہے) آپؓ اس جنگ میں شجاعت کے جوہر دکھلا رہے تھے کہ ایک شامی فوجی نے خفیہ طور پر نیزے سے زخمی کر کے گرا دیا، اور دوسرے نے سر کاٹ دیا۔ اُس وقت آپؓ کی عمر نوّے سال سے زائد تھی۔ (حضرت عمارؓ کے تفصیلی حالات زیرِ نظر کتاب میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔)

حضرت یاسر بن عامرؓ کی شہادت

بوڑھے اور ناتواں حضرت یاسرؓ کے سامنے جب ان کی رفیقۂ حیات سمیّہ اور جگر گوشے عبداللہ کو شہید کر دیا گیا، تو آپؓ اس کی تاب نہ لا سکے، اور جلد ہی اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، ایک روایت میں ہے کہ کفار نے انہیں بھی برچھی مار کر شہید کر دیا تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ: حضرت سمیہؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو حضرت یاسرؓ کی وفات کے بعد شہید کیا گیا، صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِن تینوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(یہ تیرے پُراسرار بندے: ۳۲)

خلاصۂ کلام

معزز قارئین! یہ ہے نبیٔ آخرالزماں سرورِکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انسان سازی کے نمونے جو کبھی لامحدود خواہشات کے آسیب کا شکار نہ ہوسکے، ہماری طرح جھوٹی آرزوں کے محل انہوں نے تعمیر نہیں کیے، معیارِ زندگی کی پرستش سے ہمیشہ کترا کر نکل گئے۔ آج کے دورِ انتشار میں جب کہ ہر طرف بددیانتی وبدعہدی، دھوکہ اور فریب کا راج ہے، دینی غیرت وحمیّت سے امتِ مسلمہ بے زار ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہم ان اصحابِ رسول کے عادات واطوار، گفتار وکردار کو اپنے لیے نمونہ بنائیں اور ان کے زرّیں کارناموں میں اپنے لیے مشعلِ راہ تلاش کریں اور عظمت کے ان سرچشموں کی طرف لوٹیں۔ اگر ایسا ہوگیا تو یقینِ کامل ہے کہ یاسیت وقنوطیت کا جمود ٹوٹے گا، ساون کے سیاہ خوفناک بادل چھٹیں گے، امید کی شمعیں جلیں گی، کانٹوں کی چبھن سہہ کر چلنے کا سلیقہ آئے گا، ایمان ویقین کا بول بالا ہوگا اور مردِ دانا اقبال کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ

از قلم:
فیصل افتخار اندوری

سوانحی خاکہ

حضرت ربیعہ بن کعبؓ

آپ کا نام: ربیعہ بن کعب بن مالک۔

قبیلہ: بنوسلمہ۔

کنیت: ابوفراس۔

مرتبہ: خادمِ رسول اور اصحابِ صُفَّہ میں سے تھے۔

وفات: یزید بن معاویہ کے دورِ خلافت میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ربیعہ بن کعبؓ

فیصل افتخار اندوری

ابتدائے آفرینش ہی سے خالقِ ارض وسما کا یہ قاعدہ وقانون رہا ہے کہ وہ پوری انسانیت میں چند ایسے مخصوص رجالِ کار کو منتخب فرماتے ہیں جو اس جغرافیائی چٹائی میں پھیلے ہوئے افراد کی قولاً وعملاً رہنمائی کرتے رہے، چناں چہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان چنندہ افراد میں بعض کو رسالت ونبوّت کے لیے منتخب فرمایا، اور بعض کو نبیوں اور رسولوں کی مصاحبت وخدمت کے لیے پسند فرمایا، جنھوں نے امّت میں ہمیشہ وحدانیت ورسالت کا پیغام عام کیا، اللہ اور اس کے پیغمبر کا کلام وپیام پھیلایا۔ ایسے ہی برگزیدہ اور پاکیزہ بندوں کی ایک عظیم جماعت جنھوں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے براہِ راست اپنی علمی وروحانی پیاس بجھا کر خود کو اس لائق بنایا کہ خداوندِ قدّوس نے انھیں کامیابی وکامرانی کا مژدہ "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کے ذریعے دنیا ہی میں سنا دیا اور بارگاہِ الٰہی سے بھی وہ "يا محمد! إن أصحابَك عندي بِمَنزِلَة النُجوْم في السَّمَاء" کی اعلیٰ سند سے مشرف ہوئے، اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے شاعر نے کہا تھا:

نبی ہیں سمندر کنارے صحابہ	نبی چاند ہیں تو ستارے صحابہ

ان ہی صحابہؓ میں سے ایک تابندہ ستارہ "ربیعہ بن کعب" کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے عشق ووارفتگی میں واقعتاً امت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی

محبت اور سچے عشق کا درس پوشیدہ ہے، ان ہی کی حیاتِ طیبہ کی چند جھلکیاں سپردِ قرطاس ہیں۔

نام ونسب

آپ رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی ''ربیعہ'' اورآپ کے والد کا نام ''کعب بن مالک'' تھا، آپ رضی اللہ عنہ ''قبیلۂ بنوسلمہ'' سے تعلق رکھتے تھے جس کی بنا پرآپ کو''اسلمی'' منسوب کیا جاتا تھا، بعض اربابِ سیَر نے آپ کی کنیت ''ابوفراس'' بتلائی ہے۔ آپ قدیم الاسلام ہیں، سفر وحضر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ رہتے تھے، اصحابِ صُفّہ میں شمار ہوتے تھے۔

پہلی مرتبہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا دیدار اور جذبۂ خدمت

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ: حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ قدیم زمانے میں ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، اور حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مبارک وممتاز صحبت میں وہ اپنے شب وروز بِتایا کرتے تھے، یہاں تک کہ ہمہ وقت آپ رضی اللہ عنہ شہنشاہِ بطحا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے چمٹے رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ جہاد میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، انہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صُفّۂ نبوی کو اپنا ماۂ ویٰ ومسکن بنالیا تھا۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں کیسے پہنچے؟ دورانِ خدمت کونسی بشارت عنایت ہوئی؟ خدمت کا کیا صلہ ملا؟ اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کس حسنِ سلوک کا معاملہ فرمایا؟ ان سب احوال پر روشنی ڈالنے کے لیے آپ ہی کی بیان کردہ ایک طویل روایت قارئین کے حضور پیش ہے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پہلی مرتبہ جب میری آنکھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کی سعادت حاصل کی، اس وقت میں نے تازہ تازہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا، خدا جانے کیا نظر تھی کہ قلب وروح نورِ ایمان سے منور ہوگیا، میرا دل گلستانِ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوئے عشق ومحبت سے مخمور ہوگیا، یا یوں کہہ لیجیے کہ میرے قلب ونظر کا ہر زاویہ شمعِ ایمانی اور نورِ یقین سے مستنیر ہوگیا، چہرۂ انور کو دیکھتے ہی دل بے ساختہ پکار اٹھا کہ: ''ارے ربیعہ! تم یوں کیوں نہیں کر لیتے کہ خود کو فارغ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف ہو جاؤ! کتنا اچھا ہوگا، اگر رحمتِ خداوندی جوش میں آجائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو قبولیت سے نواز دیں، قربت ومحبّت کی سعادت مندی سے تو بہرہ ور ہونا ہی ہونا ہے، لگے ہاتھوں دنیا وآخرت کی کامیابی بھی تمہاری قدم بوسی کرے گی۔

دلِ بے تاب کی اس عاشقانہ صدا پر لبیک کہتے ہوئے پھر بغیر کسی تاخیر کے میں نے فیصلہ کرلیا کہ خود کو بارگاہِ نبوت میں خدمت کے لیے پیش کر دیا جائے، اس امید کے ساتھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور نظرِ شفقت فرما کر قبول فرمالیں گے، چناں چہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے در پر یہ دریوزہ گر کاسۂ گدائی لیے ہوئے حاضر ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فقیر کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا، اور التماس کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے اجازتِ خدمت عطا کی۔

خادم حاضر ہے

بس اب کیا تھا! جس گوہرِ گراں مایہ کا میں اپنی ہر خواہش وتمنّا سے زیادہ آرزو

مند تھا، وہ مجھے بہ آسانی مہیا ہو گیا، پھر تو میں ہی محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا سایہ بن گیا، ہر وقت ہر جگہ آپ ہی کے ساتھ رہتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں حاضر باش غلام کی طرح پڑا رہتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی تکمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کوتاہ یا سست پایا ہو۔ میں دن بھر تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لگا ہی رہتا تھا؛ مگر جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ عشا سے فارغ ہو کر اندرونِ خانہ تشریف لے جاتے اور میں واپسی کا ارادہ کرتا تو پھر دل کی دھڑکن پکار پکار کے کہتی: ''اے ربیعہ! کہاں جا رہے ہو؟ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رات کے کسی حصہ میں کوئی ضرورت پیش آ جاوے۔ یہ سوچتے ہی آپ کے گھر کی دہلیز پر آ کر بیٹھ جاتا اور گویا میں بہ زبانِ حال یہ کہتے ہوئے اپنے دل و دماغ کو سکون کے سامان مہیا کیا کرتا کہ:

اے موجِ شمیم! گلِ تر کی بات ہے		قطرے کے لب پہ آج سمندر کی بات ہے
زنجیرِ پا کے حلقوں میں سمٹی ہیں جنتیں		ان کا غلام ہوں یہ مقدر کی بات ہے

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے کسی حصے میں بیدار ہوتے تو میں آپ کی خدمت میں وضو کا سامان پیش کر دیتا تھا۔ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوری پوری رات نماز میں گذار دیتے تھے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کی اور اسے اتنا دہرایا کہ مجھے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی یا پھر نیند غالب آ گئی، اور میں چند ہی لمحوں میں سو گیا، کبھی تو یوں بھی ہوتا کہ سورۂ فاتحہ سے بھی زیادہ آپ ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کی تکرار فرماتے رہتے، غرض ایک دو نہیں، دسیوں

بیسیوں نہیں، سینکڑوں راتیں اسی امید میں جاگتے ہوئے کاٹ دی کہ ابھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حاجت پیش آئے گی اور وہ مجھے آواز دیں گے: ربیعہ! ربیعہ! اور میں بھاگ کر جاں نثارانہ حاضر ہو جاؤں کہ لبیک ارشاد فرمایئے، غلام حاضرِ خدمت ہے۔

خدمت سے جنت تک کا سفر

کسی کے احسان کو فراموش کر دینا یہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق میں سے کبھی بھی نہیں ہو سکتا؛ بلکہ آپ کی عادتِ مبارکہ تو یہ تھی کہ آپ اپنے محسنین کو خاص طور پر یاد رکھ کر اس کا بہترین بدلہ عطا فرماتے تھے، یہی سوچ کر میں اس در پر پڑا ہوا تھا کہ ایک دن دریائے رحمت جوش میں آئے گا اور اپنا بیڑا پار ہو جائے گا۔

چناں چہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شیریں آواز میں پکارا: ربیعہ! میں نے فوراً عرض کیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! بندہ بسر وچشم حاضر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کچھ مانگنا چاہو تو مانگ لو، میں ضرور عطا کروں گا“۔

ایک لمحے کے غور وفکر کے بعد میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! تھوڑی مہلت چاہتا ہوں، تاکہ سوچ لوں کہ دربارِ رسالت سے کس قیمتی شئ کا سوال کرنا چاہیے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! بالکل غور کر لو۔

اُس وقت میں افلاس وغربت کے پھندے میں جکڑا ہوا تھا، زَر وزیور، زن وزمین ہر چیز سے تہی دست وتہی دامن تھا، دیگر غربا کی طرح میں بھی اپنے اوقات مسجدِ نبوی کے چبوترے پر فاقے کے عالم میں گذارا کرتا تھا، وہی میرا مسکن وہی

میرا ماویٰ اور وہی میری آخری پناہ گاہ تھی، ہم صُفَّہ والوں کو ''مہمانِ اسلام'' کے نام سے پکارا جاتا تھا، جب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صدقہ کی کوئی چیز لاتا تو آپ اس کو ہمارے حوالہ فرما دیتے، اگر کوئی ہدیہ پیشِ خدمت ہوتا تو تھوڑا خود نوش فرما کر سارا ہمیں دے دیتے، اسی زبوں حالی نے داعیہ پیدا کیا کہ کوئی ایسی چیز مانگ لیتے ہیں جس سے اس مفلسانہ فقر وفاقہ والی زندگی سے تو نجات ملے۔

مگر بروقت اللہ کی رحمت نے میرا ہاتھ تام لیا اور معًا میرے دل میں خیال آیا کہ: اے ربیعہ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیوی ساز وسامان مانگ کر ظلمت اور اندھیروں کی گھٹا ٹوپ وادیوں میں جا رہے ہو؟ کیا تم جانتے نہیں کہ یہ دنیا کتنی بڑی دھوکے باز ہے، یہ تو ایک دن فنا کے گھاٹ اترنے ہی والی ہے اور جہاں تک رزق کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ رزّاق ہے۔ یہ پیش کش تم کو اس عظیم ہستی نے کی ہے جس کے صدقے میں کائنات وجود میں آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے نزدیک ایسے بلند رتبے پر فائز ہیں کہ آپ کی مانگی ہوئی کوئی چیز نامنظور نہیں کی جاسکتی، کیا ہی اچھا ہوگا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخرت کا سوال کرو۔

مجھے اس خیال پر دلی تسکین واطمینان محسوس ہوا، چناں چہ جب دوسری مرتبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرمانے لگے: جی، ربیعہ! کچھ سوچا تم نے؟ یہ سنتے ہی بے ساختہ میری زبان سے نکل پڑا: یارسول اللہ! میری التجا اور خواہش ہے کہ دنیا کی طرح آخرت (جنت) میں بھی آپ کی رفاقت ومصاحبت مجھ کو نصیب ہو جاوے''۔ ابنِ جوزی رحمہ اللہ نے لکھا

ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**أسئلک یارسول اللہ! أن تشفع لي إلیٰ ربک فیعتقني من النار**"، اے پیارے آقا! میں تو آپ سے بس اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ آپ اپنے رب سے میری لیے جہنم سے خلاصی کی سفارش فرمادیں، شاید شاعر نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسی محبت کو اپنے ٹوٹے پھوٹے کلام میں کچھ اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

اگر کوئی تمنّا ہے میرے دل میں تو یہ آقا!		دمِ آخر جبیں میری ہو، سنگِ آستاں تیرا

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میرا یہ جملہ ختم کرنا ہی تھا کہ آپ نے تحسین آمیز لہجہ میں فرمایا: "کیا بات ہے ربیعہ! اتنا عمدہ سوال تمہیں کس نے سکھایا؟"۔ میں نے عرض کیا: نہیں جی! یہ بات مجھے کسی نے نہیں بتلائی اے اللہ کے رسول! بلکہ جس وقت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نظرِ عنایت فرمائی تھی تبھی سے میرے دل میں خیالات کی موجیں جوش مارتے ہوئے مجھے دنیوی مال ومتاع کی جانب ڈھکیل رہی تھیں؛ مگر اللہ کے فضل نے میرا ہاتھ تھام کر اس فانی دنیا سے بچالیا اور اس سوالِ اخروی کی توفیق دی۔

یہ سن کر کچھ دیر کی خوشی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: اے ربیعہ! کیا تمہیں اس کے علاوہ بھی کسی اور چیز کی خواہش ہے؟ میں نے کہا: نبی جی! میں اس کے برابر کسی دوسری شئ کو کیسے سمجھ سکتا ہوں! آپ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: "**فَأَعِنِّي عَلیٰ نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ**" تب تو تم کثرتِ سجود سے میری اعانت کرو۔ بس! پھر کیا تھا، آپ کے اس ارشاد کو میں نے حرزِ جاں بنالیا اور اس

کے بعد پوری زندگی دنیا و مافیہا کو خیر باد کہہ کر نہایت جاں فشانی کے ساتھ عبادت ہی میں لگا رہا۔

اے ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟

اس بات کو ابھی طویل عرصہ نہ گذرا تھا کہ اس فقیر کی جھولی بھرنے کے لیے دو جہاں کے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا کر فرمایا: ''ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے''؟ میں نے عرض کیا: حضرت! میرا ضمیر کسی ایسی آڑ کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا جو میرے اور آپ کی خدمت کے درمیان حائل ہو کر مجھے غفلت کا شکار بنا دے، پھر میرے پاس مہر ادا کرنے کے لیے مال اور زندگی بسر کرنے کے لیے اسباب و وسائل بھی کہاں ہیں؟ میری اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ آپ نے یہی دریافت فرمایا: ''ربیعہ! کیا تم شادی نہیں کرو گے؟'' میری زبان سے پھر وہی جواب نکل گیا؛ مگر جب تنہائی میں غور و فکر کیا، تو مجھے بڑی شرمندگی و ندامت کا احساس ہوا، میں نے سوچا: ربیعہ! اللہ تمہارا بھلا کرے، اللہ کے رسول تمہاری دینی و دنیوی مصلحتوں سے تم سے زیادہ بہ خوبی واقف ہیں، اب اگر آئندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شادی کے بارے میں پیش کش فرمائیں تو اس پر فوراً لبیک کہہ دینا۔

چند روز بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلا کر ارشاد فرمایا کہ: کیا تمہیں شادی نہیں کرنا ہے؟ جھٹ سے میں نے کہا: جی ہاں! اللہ کے رسول! مگر میرے ساتھ شادی کون کرے گا جب کہ میں تو ایک تنگدست مفلس اور غریب شخص ہوں، آپ نے فرمایا: فلاں بن فلاں سے جا کر کہو کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آپ کے

پاس اس حکم کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ اپنی فلاں بیٹی کا نکاح مجھ سے کروا دیجیے۔

چناں چہ ارشادِ نبوی کے مطابق میں نے ان صاحب کی خدمت میں پیامِ پیغمبر پہنچا دیا، انہوں نے کہا: اچھا اچھا! کیوں نہیں! فلاں لڑکی کے ساتھ! ہم رسول اللہ اور ان کے پیغام کا خیر مقدم کرتے ہیں، خوش آمدید کہتے ہیں، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد اپنے مقصد سے محروم نہیں جا سکتا، اور انہوں نے اپنی بیٹی سے میرا نکاح کر دیا۔

مہر

نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے سارے احوال عرض کر دیے کہ: یا رسول اللہ! میری ملاقات بہت اچھے لوگوں سے ہوئی، انہوں نے بڑی خوش دلی اور تپاک سے میرا استقبال کیا، میری بات کی تصدیق کی، اور اپنی بیٹی سے میرا نکاح کروا دیا؛ مگر پیارے آقا! ابھی مہر کے مسئلہ کا حل نکالنا باقی ہے، آپ ہی ارشاد فرما دیں کہ مہر کہاں سے ادا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے قبیلہ کے ایک رئیس بُرَیدہ بن خصیب رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ: ربیعہ کے لیے ذرا ایک (نواۃ) کھجور کی گٹھلی کے بقدر سونے کا انتظام کر دیں۔ وہ بھی غلامِ مصطفی تھے، کسی کہنے والے نے شاید صحابہ رضی اللہ عنہم کی اسی نسبتِ عالیہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا تھا:

نازاں ہوں بہت آقا اس نسبتِ عالی پر		پیروں میں غلامی کی زنجیر کھنکتی ہے

انہوں نے بصد خوشی و مسرت میرے لیے مطلوبہ مقدار میں سونا فراہم کر دیا،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو میرے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اِسے لے کر ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ: یہ تمہاری دخترِ نیک اختر کا مہر ہے۔ میں جب اسے لے کر اُن کے پاس گیا تو انہوں نے مسرت وخوشی کا اظہار فرمایا اور کہنے لگے: ''کثیر طیب'' کافی زیادہ ہے عمدہ ہے۔

ولیمہ

اس کے بعد میں پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضور! اب ولیمہ کی رقم کہاں سے ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بُریدہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ: ربیعہ کے لیے ایک مینڈھے کی قیمت اکٹھا کریں، انہوں نے رقم فراہم کر کے میرے لیے مینڈھا بھی خرید لیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ: ربیعہ! عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ: آٹا دے دیں، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے در پر دستک دی اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا پیغام پہنچا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک ٹوکرے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: اسے اٹھالو، اس میں سات (۷) صاع جَو کا آٹا ہے۔ واللہ! اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں۔

اللہ اکبر! یہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال سخاوت ہے کہ خود تو تنگی وفاقوں کی گرفت میں پھنسے ہوئے ہیں؛ مگر دوسروں پر سب کچھ لُٹا رہے ہیں، اسی لیے شاعر نے کہا تھا: پیارے آقا!

کہنے کو تیرا فقر تیرے فخر کا باعث		لیکن تو سخاوت کے سمندر کا کنارا
کہنے کو تو فاقوں میں ہیں گذری تیری راتیں		اسلام مگر اب بھی نمک خوار ہے تیرا

بہر حال میں مینڈھے کو اپنے سسرال والوں کے پاس لے گیا، انہوں نے کہا کہ: جَو کی روٹی تو ہم بنالیں گے، البتہ تم اس مینڈھے کو اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں تیار کروالو۔ میں مینڈھے کو واپس لے آیا اور اپنے قبیلے والوں کے ساتھ مل کر اسے تیار کر ڈالا، اس طرح ہمارے ولیمہ کے گوشت، روٹی کا انتظام ہوا، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ولیمہ کی دعوت دی، آپ نے فوراً اسے قبول فرمالیا اور حاضر ہوکر بہ خوشی تناول فرمایا۔

صدیقِ اکبر کا ظرف اور ربیعہ کا مقام

شادی کے بعد خانہ آبادی کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ہی نظم فرمایا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے متصل ایک زمین عنایت فرمادی، اس طرح آخرت کے ساتھ دنیا کی نعمتوں کی بھی مجھ پر بارش ہونے لگی اور اللہ مجھے معاف فرمائے! دنیا کی محبّت وطمع نے مجھے ایسا لُبھایا کہ اس کی وجہ سے ایک درخت کے سلسلہ میں صدیقِ اکبرؓ سے شدید اختلاف ہوگیا، چوں کہ اس کی جڑ میری زمین میں تھی، تو میں سمجھا کہ یہ درخت میری ملکیت میں داخل ہے، جب کہ صدیقِ اکبرؓ کی زمین میں اس کی ٹہنی وغیرہ تھی، ان کا کہنا تھا وہ ان کی ملکیت میں ہے، نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ان کی زبان سے میرے لیے ایک ناگوار بات نکل گئی جو کہ عمداً بھی نہیں تھی؛ بلکہ خطاً تھی؛ مگر فوراً انہیں احساس ہوا، جس کے نتیجہ میں گردن جھکائے ندامت وپشیمانی کے ساتھ کہنے لگے: ربیعہ! جواب میں تم وہی جملہ کہہ کر اپنا بدلہ لے لو، مگر میں نے کہا: بہ خدا! میں آپ سے بدلہ لینے کی ہرگز

جرأت نہیں کرسکتا۔ وہ کہنے لگے: اگر تم نے بدلہ نہ لیا تو میں خود یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کردوں گا، یہ کہہ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار کی طرف چل دیے، پیچھے پیچھے میں بھی چل پڑا، میرے قبیلہ والے بھی میرے پیچھے لپکے اور یہ کہہ کر میرے ساتھ ہولیے کہ ایک تو خود پہل کی، خود نے ہی تم کو برا بھلا کہا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت بھی خود ہی لے جارہے ہیں۔

میں نے ان لوگوں سے کہا: ''ارے بھائیو! تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں؟ یہ صدیق ہیں، ان کا مقام مسلمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے اعلیٰ وارفع ہے، تم واپس چلے جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ لوگوں کو دیکھ کر خفا ہوجائیں، اگر ایسا ہوا تو اللہ کے رسول بھی خفا ہوجائیں گے اور ان دونوں کی ناراضگی اللہ کے غضب کا سبب بن سکتی ہے، ''أعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ''۔

ادھر وہ لوگ واپس ہوئے اور اُدھر میں سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، میرے پہنچنے سے پہلے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سارا واقعہ بارگاہِ رسالت میں مِنْ وَعَنْ سنا چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ربیعہ! تمہارا اور صدیق کا کیا معاملہ ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوبکر چاہتے ہیں کہ میں انہیں وہی بات کہوں جو انہوں نے مجھ سے کہی؛ مگر بھلا میں یہ جرأت کیسے کرسکتا ہوں؟ تو ارشادِ نبوی ہوا کہ: ہاں! تم نے بالکل ٹھیک کیا، تم ان کو ہرگز وہ بات نہ کہنا جو انہوں نے تم سے کہی تھی؛ بلکہ ان سے یوں کہو کہ: اللہ تعالیٰ ابوبکر کو معاف فرمائیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کی اصل (درخت وتنہ) تھی اسی کے لیے فرع (پھل اور

ٹھنی) کا فیصلہ کر دیا۔

میں نے عرض کیا: ابو بکر! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے، یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شرمندگی کی وجہ سے دیوار کی طرف رخ کر لیا، اور روتے ہوئے کہنے لگے کہ: ربیعہ! اللہ تعالیٰ تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے، جزاک اللہ في الدارین۔

قارئین! اس مردِ مؤمن نے اپنی بے مثال زندگی کے ۶۳/ سال گذارے اور بنی نوعِ انسان کو اپنے علوم سے سیراب کرتا رہا، یہاں تک کہ یزید بن معاویہ کی خلافت میں ایک ایسی شام آئی جس میں ربیعہ بن کعب نامی تابندہ خورشید غروب ہو گیا اور رہتی دنیا تک کے لیے روشنی کا سامان کر گیا۔

مآخذ و مراجع

۱۔صحیح مسلم

۲۔فرسان النہار من الصحابۃ الأخیار، جلد چہارم

۳۔صور من حیاۃ الصحابۃ

۴۔صفۃ الصفوۃ، جلد دوم

۵۔کاروانِ جنت

۶۔صحابہ کے درخشاں پہلو

۷۔زندگی صحابہ کی

حضرت خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ

ازقلم:
شمس الزماں محمد زماں کشمیری

سوانحی خاکہ

حضرت خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ

نام: خیثمہ بن حارث۔

اولاد: سعد بن خیثمہ شہیدِ بدر۔

قبیلہ: اوس کی شاخ بنوحارثہ۔

اسلام: قدیم الاسلام صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

غزوات: غزوۂ احد۔

وفات: سنہ ۳ھ معرکۂ احد میں شہید ہوئے۔

مدفن: احد کا گنجِ شہیداں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ

شمس الزماں محمد زماں کشمیری

یہ سچ ہے کہ گفتگو کا رنگ قصّے کہانیوں سے گہرا اور نمایاں معلوم ہوتا ہے اور جب تک محفل میں کوئی قصہ کہانی نہ چھیڑے محفل بے رنگ سی لگتی ہے، اس لیے کبھی تو محفل میں رنگ بھرنے کے لیے لیلیٰ مجنوں کی داستان دہرائی جاتی ہے اور کبھی ہیر رانجھے کا الفت بھرا افسانہ سنایا جاتا ہے، گاہے محفل شعر و ادب کے حسن سے سجتی ہے اور گاہے سکندر و دارا کے کارناموں سے آباد ہوتی ہے۔

لیکن ان من گھڑت داستانوں اور بے دست و پا باتوں کو سن کر ایک سلیم الفطرت اور مستقیم الطبیعت انسان کا دل بہت جلد اکتا جاتا ہے اور کسی ایسے فرد اور جماعت کا تذکرہ سننا چاہتا ہے جو اس کی طبیعت میں فرحت و انبساط کی لہر دوڑا دے اور اس کے سینے میں خوشبو کی سانسیں بکھیر دیں، ایسے وقت میں اس کی سوچوں اور خیالوں کا رَہوار چودہ سو سال پیچھے کو چلا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمنواؤں اور ہمنشینوں کی یادیں تازہ کرتا ہے جنہوں نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کو باعثِ فخر سمجھا اور دین و شریعت کو حرزِ جاں بنایا جس کی وجہ سے انہیں ایسی جاودانی اور نیک نامی حاصل ہوئی کہ

ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہو کر

اس سعادت مند جماعت کا مقصد صرف اور صرف ایک تھا: دین کی سربلندی

وسرفرازی؛ اس لیے وہ جئے؛ تو دین کے لیے اور مرے؛ تو بھی دین کے لیے، اور سچ ہے ان حوصلہ مند جاں بازوں کی بہادری، ہمت، شجاعت اور قربانی کے صلہ میں دنیائے اسلام میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا، چناں چہ تاریخ نے بھی ان کی جاں سپاریوں کے بے شمار واقعات کو اپنے سینے کا دل اور ماتھے کا جھومر بنایا ہے۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں ایک خدا پرست مسلمان کے لیے عبرت ونصیحت کا بیش بہا خزانہ ہے؛ لیکن ایک واقعہ ایسا ہے جو ہمیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے، جسے پڑھ کر دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوجاتی ہیں، راہِ خدا میں کٹ مرنے کی آرزو انگڑائی لینے لگتی ہے اور سینہ شوقِ شہادت سے بھر جاتا ہے۔

یہ بات تو جگ ظاہر ہے کہ باپ بیٹے کا رشتہ ایسا اٹوٹ بندھن ہے جو ہر لمحہ مودّتوں اور محبّتوں کی ڈور سے بندھے رہنے کا متقاضی ہے، بیٹا باپ سے جدا ہونے کو راضی ہے نہ باپ کو بیٹے کی مفارقت گوارا ہے اور اگر اتفاقاً درمیان میں ہجر کی دراڑ پڑ جائے تو درد کی پوشاک اوڑھے بغیر گذارا ممکن نہیں؛ لیکن پڑھیے اور دل لگا کر پڑھیے کہ

کیا کیا حوصلے بخشے ہیں پروردگار نے

غزوۂ احد کے موقع پر ایک بوڑھا شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے: ''اے اللہ کے رسول! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، ارشاد ہوا: کہیے، عرض کیا کہ: اے رسولِ خدا! بدر کے موقع پر میرے اور میرے بیٹے کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی کہ دیکھتے ہیں کسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ

میدان میں اترنے کا موقع ملتا ہے، تمنّا تو ہر ایک کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں شریک رہے؛ لیکن اتفاق سے قرعۂ فال بیٹے کے نام نکلا، وہ جنگ میں شریک ہوا اور آخرکار تیرافگنی وشمشیر زنی کرتے ہوئے بامراد ہوا، یارسول اللہ! مجھے بھی بہت شوق تھا کہ میں بھی شریک ہو جاؤں؛ لیکن گھر والوں کی حالت دیکھ کر ٹھہر گیا۔ (کاروانِ جنت: ۹۰)

(کہتے ہیں کہ بدر کے موقع پر حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا سعد! ہم میں سے کسی ایک کو تو گھر پر رکنا پڑے گا، چلو ایک کام کرتے ہیں، میں جنگ میں چلا جاتا ہوں اور تم یہیں گھر پر عورتوں کی حفاظت کے لیے رک جاؤ، بیٹے نے انکار میں جواب دیا اور کہا: ابا! جنت پیشِ نظر ہے اور شہادت کی تمنّا دل میں گھر کر چکی ہے، میں کس طرح آپ کو ترجیح دوں؟ اگر کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو مقدم رکھتا)۔ (شہدائے اسلام: ۶۰، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۵۶)

اور اے اللہ کے نبی! گذشتہ رات میں نے اپنے شہید بیٹے کو خواب میں دیکھا کہ بے حد خوش وخرم سراپا حسن وجمال بنا ہوا جنت کے خوشنما باغات اور نہروں کے درمیان سیر کر رہا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے: "اِلْحَقْ بنا ترافقنا في الجنة" ابا جان! آپ بھی چلے آیئے دونوں مل کر جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

(شہدائے اسلام: ۶۰)

یارسول اللہ! میں سال خوردہ ہوں اور میری ہڈیاں بھی کمزور ہو چکی ہیں؛ لیکن بہشت میں اپنے بیٹے کی رفاقت کا شوق مجھے اس دنیائے دوں میں چین سے جینے

نہیں دے رہا؛ لہٰذا آپ دعا فرمادیں کہ: اللہ مجھے بھی شہادت نصیب فرما کر فائز المرام کردے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خدا کے حضور ہاتھ پھیلائے اور دعا فرمائی کہ: خدایا! اس کی تمنا پوری فرما۔

اُدھر لسانِ نبوت سے دعا نکلی کہ اِدھر قبولیت کے آثار شروع ہو گئے اور کچھ ہی عرصے بعد احد کا معرکہ پیش آیا جس میں حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ نے بڑی گرم جوشی سے شرکت فرمائی اور خوب شجاعت کے جوہر دکھلائے؛ لیکن کب تک بازو ساتھ دیتے۔ آخر کار ایک مخزومی شخص ہبیرہ ابن ابی وہب کے ہاتھوں شہید ہوئے اور خدا کی طرف سے سندِ شہادت لے کر ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے بیٹے کے پڑوس میں جگہ بنالی۔ (فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۵۶، عہدِ نبوی کے غزوات: ۱۱۵)

صد آفریں ہو اس گمنام سرفروش پر جس نے خدا اور سول سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا اور {فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ} کی فہرست میں اپنا نام درج کروا کر ہمیشہ ہمیش کی سرخ روئی اپنے نام کرلی؛ لیکن افسوس صد افسوس! تاریخ نے ان کی زندگی کے تفصیلی حالات کو اپنے پنوں میں محفوظ نہ رکھا؛ اس لیے ان کی زندگی کے کسی اور واقعہ سے ہم آگاہ نہ ہوسکے: البتہ کتاب ''عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا'' میں ان کے قدیم الاسلام صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا سلسلۂ نسب بھی مذکور ہوا ہے، اسی کو ذکر کر کے قلم کو روک دیا جاتا ہے:

خیثمہ بن حارث بن مالک بن نحاط بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امرؤ القیس بن مالک بن اوس۔ (عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا: ۱۱۵)

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ

از قلم:
ضامن عبدالمجیب بھوپالی

سوانحی خاکہ

حضرت وہب بن قابوسؓ

نام: وہب بن قابوس۔

قبیلہ: مزینہ۔

اسلام: سنہ ۳ھ میں جنگِ احد کے وقت۔

سکونت: طائف کے قریب ''عرج'' نامی گاؤں۔

وفات: غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

نمازِ جنازہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑھائی۔

مدفن: احد کا گنجِ شہیداں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ

ضامن عبدالمجیب بھوپالی

پانچ سو سال کی طویل ظلمت و تیرگی کے بعد وحیٔ الٰہی کی کرن عرش سے فرش پر پڑی، اور اس کرن نے اول اول جس طبقے کے قلوب کو منوّر کیا وہ تاریخِ انسانیت میں بے نظیر و بے مثال ہیں، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سو جان سے قربان ہو جانے والے ''صحابۂ کرام'' کا طبقہ ہے، یہ وہ مقدس جاں نثار ہیں جنہوں نے آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلاواسطہ نور حاصل کیا، ان ہی سچے جاں نثاروں میں سے ایک جاں نثارِ اسلام ''حضرت وہب بن قابوس'' ہیں، جنہوں نے تاریخ کے جگر پر اپنی بے مثال قربانیوں اور بے نظیر کارناموں کے باعث اپنا نام ثبت کردیا۔ آج موضوعِ سخن اسی جاں نثار کی حیاتِ طیبہ ہے۔

نام و نسب

نام و نسب: آپ کا نام وہب، والدِ محترم کا نام: قابوس۔ آپ نسلاً قبیلۂ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے۔

سکونت: آپ مقامِ ''عرج'' کے باشندے تھے، ''عرج'' ایک گاؤں ہے جو اطرافِ طائف کی ایک وادی میں بسا ہوا تھا۔

اہل وعیال میں آپ کے بھتیجے حارث بن عقبہ کا ذکر ملتا ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں تربیت پائے تھے اور اکثر و بیشتر آپ کی مصاحبت میں رہتے تھے۔

اسلام

آپ کے اسلام لانے کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ کہسارِ احد کے دامن میں جس وقت اللہ کے شیروں اور کفر کی لومڑیوں کے مابین معرکہ بپا تھا، یہ دونوں حضرات (چچا، بھتیجے) اپنی بکریاں لے کر مدینۂ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ گلشنِ مدینہ پورا خالی ہے، وہاں موجود چند افراد سے معاملہ کی وضاحت چاہی، تو لوگوں نے بتایا کہ: تمام لوگ محبوبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں دشمنانِ اسلام سے معرکہ آرائی کے لیے احد کے میدان میں گئے ہوئے ہیں، اتنا سننا تھا کہ دل میں امنگ کی ایک لہر دوڑ پڑی اور دونوں نے کہا کہ: ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے بعد کسی کی طرف التفات نہیں کریں گے، چناں چہ فوراً دونوں چچا بھتیجے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

کہسارِ احد میں شیر کی آمد

ابھی یہ حضرات دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہی تھے کہ گلشنِ اسلام کی آبیاری کے لیے احد کی جانب روانہ ہوئے اور احد پہنچتے کفر کی صفوں میں جا گھسے، اسلام کا جام پینے کے بعد آپ کی ہمّت و دلیری میں مزید اضافہ ہوگیا تھا، آفتاب کی حدّت اور جنگ کی گرمی سے میدان شعلہ زار بنا ہوا تھا، آپ نے بھی دشمنانِ اسلام پر طوفانی حملہ کیا اور نہایت جواں مردی سے مقابلہ کرتے رہے، اسی دوران خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل پشت کی جانب سے نمودار ہوئے۔

ایک شیر اور بے شمار لومڑیاں

اب تک یہ منظر تھا کہ دریائے کفر کی موجیں بڑے جوش کے ساتھ بڑھتیں،

اسلامی چٹانوں سے ٹکراتیں، اپنا سر پھوڑتیں اور واپس چلی جاتیں؛ مگر اب کفر کا سیلاب بڑھنے لگا تھا، اچانک مشرکین کا ایک گروہ تیزی سے بڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب پہنچ گیا، یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز لگائی کہ: ''جو شخص ان گھوڑ سواروں کو ہم سے ہٹا دے گا اللہ تعالیٰ اسے بہشت میں میرا ساتھی بنائیں گے''۔ حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ پروانہ وار صدائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لبیک کہتے ہوئے دشمنوں کی جانب سرعت سے لپکے اور تنِ تنہا اس دلیری و تسلسل کے ساتھ تیراندازی کی کہ ساری کفر کی لومڑیاں تتر بتر ہوگئیں۔

کچھ عرصے کے بعد ایک اور جتھے نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز بلند کی اور اس جماعت سے نبرد آزما ہونے کی صدا لگائی، دوبارہ حضرت وہب بن قابوس ''لبیک یا رسول اللہ'' کا نعرہ لگاتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، آپ کے جوش و خروش کو دیکھ کر دشمنوں کو الٹے قدموں بھاگنا پڑا، اس طرح یہ جتھا بھی ٹل گیا۔

ابھی یہ شر ٹلا ہی تھا کہ پھر تیسری مرتبہ نرغۂ باطل نے سر ابھارا، یہ دیکھ کر ماہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر وہی صدا لگائی کہ کون اس جماعت سے مقابلہ کرے گا اور جنت میں میرا ساتھی بنے گا؟ تو اس پر پھر اسی ہمت و جرأت کے پیکر کی رگِ حمیت جوش میں آئی اور اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں جاں نثارانہ پیش کردیا، رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی آپ کے اس شوقِ شہادت اور جاں نثاری کی قدردانی کرتے ہوئے آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور ارشاد ہوا: جاؤ! جنت تمہاری منتظر

ہے۔ یہ مژدۂ جاں فزا سننا ہی تھا کہ ''نہ کسی کو چھوڑوں گا اور نہ اپنے بچاؤ کی کوشش کروں گا'' کہتے ہوئے باطل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور اس کو پاش پاش کرنے کے عزم سے دشمنوں کے جمِ غفیر میں جا گھسے۔

جنت کا راہی

آپ کی شجاعت و دلیری دیکھ کر صحابۂ کرام عش عش کر اٹھے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا: خدایا! وہب پر رحم فرما۔ حضرت وہب رضی اللہ عنہ اسی طرح جرأت و شجاعت کا حیرت انگیز مظاہرہ فرماتے رہے اور دشمنانِ اسلام کے دانت کھٹے کرتے رہے، آپ کے دل میں چوں کہ جذبۂ شہادت موجزن تھا، اُدھر جنت آپ کی منتظر تھی اور اِدھر آپ بھی جنت کے شوق میں بے چین و بے تاب تھے، چناں چہ مشرکین کی ایک بڑی تعداد نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ آپ کو گھیر لیا اور آپ پر لگا تار تیر و تلوار کے وار ہونے لگے، ایک تنہا مردِ مجاہد آخر کب تک مقابلہ کرتا، بالآخر سینکڑوں زخم کھا کر شجاعت و دلیری کا یہ پیکر شہادت کا جام لیے جنت الفردوس کا وارث قرار پایا، ''إنا للہ و إنا إلیہ راجعون''۔

شہادت کے بعد جب آپ کے جسم کو دیکھا گیا تو بیس زخم ایسے نظر آئے کہ ان میں سے ایک زخم بھی مالکِ حقیقی سے ملانے کے لیے کافی تھا۔

بھتیجا چچا کے نقشِ قدم پر

مشرکین نے آپ کو شہید کرنے پر اکتفا نہ کیا؛ بلکہ آپ کے جسمِ مبارک کے ساتھ وہی کچھ کیا جو غم خوارِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے

ساتھ کیا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ: مشرکوں نے حضرت وہب کی لاش کا اس بری طرح مثلہ کیا تھا کہ قریب جا کر نظر ڈالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، اُدھر حضرت وہب رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ نعش کو دیکھ کر آپ کے بھتیجے حارث بن عقبہ تاب نہ لا سکے اور بے جگری اور بہادری سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، دشمنوں کے مسلسل حملوں کی وجہ سے آپ کی پاک وطاہر روح بھی چچا سے جا ملی، اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر پر غموں کے بادل چھا گئے، اور اس شہیدِ عشق ووفا کی لاش پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ: ''اللہ تجھ سے راضی ہو گیا اور میں بھی تجھ سے راضی ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کے کفن دفن مس شریک ہوئے، اخیر تک ان کے پیروں کی سمت کھڑے رہے اور ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے سرخ بوٹوں کی چادر کھینچ کر اڑھادی، چادر چھوٹی پڑی تو پیروں کو ڈھانکنے کے لیے آپ نے ان پر حرملہ ڈلوائی اور اپنے ہاتھوں سے احد کے گنجِ شہیداں میں سپردِ خاک فرمایا۔

آپ کی اس جرأت وبسالت اور جاں نثاری وشہادت پر بڑے بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رشک فرمایا کرتے تھے، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کسی اور پر اتنا رشک نہیں آرہا کہ میں اس کا عمل لے کر بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں، جتنا کہ حضرت وہب رضی اللہ عنہ پر آیا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ: ''کاش! مزنی کی شہادت ہم کو نصیب ہوتی''۔

افسوس صد افسوس! نہ اب شجاعت وجواں مردی کے خاکوں میں اپنے خونِ جگر سے رنگ بھرنے والے جاں نثار وعشاق رہے نہ انہیں دیکھ کر حسرت کی آہیں

بھرنے والے دیوانگانِ عشق!

مآخذ ومراجع

(۱)فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار، جلد ششم

(۲)طبقات ابنِ سعد، جلد چہارم

(۳)صفۃ الصفوۃ، جلد یکم

(۴)شہداء الاسلام فی عہد النبوۃ

(۵)سیر الصحابہ، جلد ہفتم

(۶)صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

(۷)عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا

(۸)کاروانِ جنت

(۹)صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا

حضرت جارود بن معلّٰی عبدیؓ

از قلم:

حمزہ قاری اشرف عالی پوری

سوانحی خاکہ

حضرت جارود بن معلّٰی عبدیؓ

نام: بشر بن عمرو۔

لقب: جارود۔

کنیت: ابو منذر۔

قبیلہ: عبد القیس۔

خصوصیت: آپ قبیلۂ عبد القیس کے سردار تھے۔

وفدِ عبد القیس: بحرین کا یہ بڑا قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو مرتبہ آیا۔ پہلی دفعہ فتحِ مکہ سے قبل سنہ ۴ھ یا سنہ ۵ھ میں اور دوسری مرتبہ عام الوفود کے موقع پر سنہ ۹ھ میں۔

قبولِ اسلام: آپ مذہباً عیسائی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر وفد کے ہمراہ اسلام قبول کیا۔

فتنۂ ارتداد: حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بہت سے قبیلے ارتداد کے شکار ہوئے جن میں سے ایک قبیلہ، قبیلۂ عبد القیس بھی تھا؛ مگر حضرت جارودؓ اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنے قبیلے کو بھی اس سے بچانے کی بھرپور کوشش کی۔

شہادت: فارس کی لڑائی میں بمقامِ طاؤس آپ نے لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت جارود بن معلّیٰ عبدی رضی اللہ عنہ

حمزہ قاری اشرف عالی پوری

اہلِ کتاب صحابہ میں سے جن کا نام اسلامی تاریخ میں مشہور ہوا ان میں سے ایک حضرت جارود بن عمرو عبدی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

تعارف

آپ کا اصل نام بشر ہے، جارود آپ کا لقب ہے، اِس لقب نے اتنی شہرت پائی کہ لوگ اصل نام بھول گئے، آپ کی کنیت ابو منذر اور ایک روایت کے مطابق ابو غیّاث ہے، آپ قبیلۂ عبدالقیس کے سردار تھے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد بھی تھے۔ (انبیا وصحابہ وتابعین: ۳۳۹، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہ: ۴۷۴، اہلِ کتاب صحابہ وتابعین: ۱۳۹، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۵ / ۲۲۷)

آپ کے والد کا نام عمرو ہے، ایک روایت کے مطابق آپ کے والد کا نام ''حَنَش'' اور دوسری روایت کے مطابق ''العَلاء'' بھی آیا ہے، ہوسکتا ہے یہ ان کے لقب ہوں۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہ: ۴۷۴)

آپ کی والدہ کا نام درقلہ بنتِ رویم ہے جو یزید بن رویم ابوحوشب بن یزید الشیبانی کی بہن ہوتی ہے۔

آپ کا نسب نامہ اربابِ سیر یوں بیان کرتے ہیں: بشر بن عمرو بن حَنَش بن المعلّٰی وھو الحارث بن زید بن حارثہ بن معاویہ بن ثعلبہ بن خزیمہ بن عوف بن بکر

بن عوف بن انمار۔ (فرسان النہار من الصحابۃ الأخیار: ۵/ ۲۲۶)

تاریخ میں آپ کی اولاد کے سات نام ملتے ہیں: منذر، حبیب، غَیَّاث، عبد اللہ، سَلُم، مسلم اور حکَم۔ ان میں سے پہلے تین لڑکوں کی والدہ کا نام امامہ بنتِ نعمان ہے، اور عبد اللہ و سلُم کی والدہ کا تعلق عبد القیس کی شاخ بنی عائش سے ہے۔ آپ کی تمام اولاد شرافت و نجابت میں اوروں سے ممتاز تھیں۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۵/ ۲۲۸)

عبد اللہ بن جارود ناٹے ہونے کی وجہ سے ''طیر الغاق'' کہلاتے تھے، قبیلۂ عبد القیس کے سردار تھے، کوفہ اور بصرہ کے تمام قبیلوں نے جمع ہوکر ''ستقابان'' میں ان کو اپنا سردار بنا کر حجاج سے لڑائی شروع کی، آخرش حجاج فتح یاب ہوا اور ان کو دار پر کھینچا۔ ان کا دوسرا بیٹا منذر بن جارود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اصطخر کا حاکم تھا، آپ کے نام کی نسبت سے ہی حضرت جارود رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابو منذر'' تھی، منذر کا بیٹا حکم عبد القیس کا سردار تھا، کذاب حرمانی نے ان ہی کی شان میں کہا ہے:

يا حكم بن المنذر بن الجارود		سر اوراق المجد عليك ممدود
أنت الجواد بن الجواد المحمود		نبت في الجواد وفي بيت الجود
والعود قد ينبت في أصل العود		

ترجمہ: اے حکم بن منذر بن جارود! بزرگی کے پردے تجھ پر کھلے ہیں، تو اچھے سخی کا سخی بیٹا ہے، تم نے سخاوت اور اس کے گھر میں پرورش پائی ہے، عود (خوشبو دار لکڑی) کی جڑ میں عود ہی پیدا ہوتا ہے۔

ابوغیلان کنیت تھی، حجاج کے قید خانے میں انتقال ہوا۔ (انبیا وصحابہ وتابعین: ۳۴۰)

حضرت جارودؓ چوں کہ قبیلۂ عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے اس وجہ سے ان کو ''عبدی اور عبقسی'' بھی کہا جاتا ہے، نیز ان کو اپنے پردادا کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''جارود بن معلیٰ'' بھی کہا جاتا ہے۔

وفدِ عبدالقیس

عبدالقیس بحرین کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا، روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ دو مرتبہ وفد کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پہلی دفعہ فتحِ مکہ سے قبل سنہ ۴ھ یا سنہ ۵ھ میں اور دوسری مرتبہ عام الوفود کے موقع پر سنہ ۹ھ میں۔

پہلی مرتبہ آنے کا سبب درجِ ذیل ہے:

منقذ بن حبّان نامی ایک تاجر اکثر تجارت کی غرض سے مدینہ آتا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذر رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے راستے میں بیٹھا ہوا دیکھا تو دریافت فرمایا:

''یا منقذ بن حبان کیف جمیع هیأتک وقومک؟'' منقذ! تم کیسے ہو اور تمہاری قوم کا کیا حال ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرداً فرداً ان کے بڑے بڑے سرداروں کے نام لے کر ان کے احوال دریافت فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے منقذ بن حبان نے اسلام قبول کرلیا، انہوں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ علق سیکھ کر حفظ کر لی اور اپنے علاقے ہجر (بحرین) کی طرف واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے قبیلہ عبد القیس کی طرف ایک دعوتی خط ارسال فرمایا۔

منقذ رضی اللہ عنہ خط لے کر روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر کئی دنوں تک خط کو چھپائے رکھا، ایک دن ان کی بیوی کو اس خط کا علم ہو گیا، یہ خاتون اشجِّ عبد القیس (منذر بن عائذ) کی بیٹی تھی اور منقذ اشجّ کا بھانجا تھا۔ (اشجّ زخم کے نشان کو کہتے ہیں، حضرت منذر رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم کا نشان تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں "اشجّ" کا لقب عطا فرمایا تھا)۔

اس خاتون نے خط کے بارے میں اپنے والد کو بتا دیا، حضرت منقذ رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں نماز بھی پڑھتے تھے اور تلاوت بھی کرتے تھے، اس عورت نے اپنے والد سے کہا: جب سے منقذ یثرب (مدینہ) سے واپس آئے ہیں، ان میں بڑی تبدیلی آگئی ہے، یہ اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرہ وغیرہ دھوتے ہیں، ایک مخصوص جہت یعنی قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی پیٹھ جھکاتے ہیں تو کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں، جب سے واپس آئے ہیں ان کا یہی معمول ہے۔

اشجّ، حضرت منقذ رضی اللہ عنہ سے ملے اور صورتِ حال دریافت کی، جب انہوں نے از اول تا آخر ماجرا کہہ سنایا تو اشجّ کے دل میں بھی قبولِ اسلام کی تڑپ پیدا ہو گئی، چناں چہ اشجّ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبارک مراسلہ قوم کے سامنے لائے اور اسے پڑھ کر سنایا تو اور لوگوں کے دلوں میں بھی اسلام گھر کرنے لگا اور انہیں اسلام قبول

کرنے کی تمنّا دامن گیر ہوگئی، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہونے کا پختہ ارادہ کرلیا۔اس خط میں یہ ارشاد بھی درج تھا کہ: قبیلۂ عبدالقیس کے ۲۰ / افراد میرے پاس حاضر ہوجائیں۔

وفدِ عبدالقیس کی مدینہ آمد

مذکورہ نامۂ مبارک کی وجہ سے قبیلۂ عبدالقیس کا ۲۰ / افراد پر مشتمل ایک وفد اپنے علاقے سے حرمت والے مہینے میں مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔بعض روایات میں ۱۳ یا ۱۴ کی تعداد کا تذکرہ بھی ہے۔وفد میں شریک افراد میں سے بعض کے نام یہ ہیں: (۱) اشجّ منذر بن عائذ (۲) منقذ بن حبّان (۳) مزیدہ بن مالک (۴) عمرو بن مرحوم (۵) حارث بن شبیب (۶) عبیدہ بن ہمام (۷) حارث بن جندب (۸) صحار بن عباس (۹) عقبہ بن حروہ (۱۰) قیس بن نعمان (۱۱) جہم بن قثم (۱۲) جویرہ عبدی (۱۳) رستم عبدی (۱۴) زراع بن عامر (۱۵) جارود بن عمرو معلیٰ (۱۶) وازع رضی اللہ عنہم۔

وفدِ عبدالقیس کی فضیلت

امام بیہقیؒ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ محوِ گفتگو تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:

"سَيَطْلُعُ عَلَيْكُمْ مِنْ هٰهُنَا رَكْبٌ، هُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْمَشْرِقِ"۔

ابھی تمہارے پاس ایک قافلہ آئے گا، اس قافلے کے لوگ اہلِ مشرق کے سب سے بہترین لوگ ہیں۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے اور اُس طرف روانہ ہو گئے جہاں سے وہ قافلہ آنے والا تھا۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ۱۳/ سوار ملے، آپ نے ان سے پوچھا: آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم بنو عبد القیس ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: آپ یہاں تجارت کی غرض سے تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ لوگوں کا ابھی ابھی ذکرِ خیر فرمایا تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وفد سے کہا: ''یہ ہیں وہ شخصیت جن سے تم ملنے آئے ہو۔ چناں چہ وہ لوگ جھٹ پٹ اپنی سواریوں سے اترے اور بے تابی سے بھاگتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے مبارک ہاتھ چومنے لگے۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: جب وفد عبد القیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: ''من القوم أو من الوفد؟'' یہ کون لوگ ہیں؟ یا یہ فرمایا: یہ کن لوگوں کا وفد ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ''ہم بنو ربیعہ ہیں (ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بنو عبد القیس کا جدِّ امجد ہے)''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مرحبا بالقوم أو بالوفد غیر خزایا ولا ندامی''، آپ لوگوں کو خوش آمدید! جو کسی ذلت ورسوائی اور شرمندگی کے بغیر (خود) آئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہیں خوش آمدید کہنا اس بنا پر تھا کہ یہ لوگ اپنی خوشی سے

اطاعت وفرماں برداری کے لیے حاضر ہوئے تھے، انہیں قیدی بنا کر نہیں لایا گیا تھا کہ جس سے یہ ذلت وندامت سے دو چار ہوتے۔

قبیلۂ عبد القیس کا پہلا وفد

وفدِ عبد القیس پہلی مرتبہ مدینہ میں رملہ بنتِ حارث کے گھر قیام پذیر رہا، یہ لوگ کل دس دن مدینہ میں رہے، ان کی خوب ضیافت کی جاتی رہی، حضرت اشج رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن اور حدیث کا علم سیکھتے رہے۔ جب یہ لوگ جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے لیے تحفے اور عطیات دینے کا حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اشج رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ نوازا، انہیں بارہ سے کچھ زائد اوقیہ چاندی عطا فرمائی، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت منقذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنے مبارک ہاتھ بھی پھیرے۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ بھی اپنی قوم کے ساتھ واپس اپنے علاقے میں تشریف لے آئے۔

مذکورہ واقعات قبیلۂ عبد القیس کے پہلے وفد کے ہیں، جو فتحِ مکہ سے قبل ۴ھ یا ۵ھ میں مدینہ آیا تھا؛ کیوں کہ انہوں نے آکر کہا تھا کہ: ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا مضر قبیلہ ہے، اور ہم آپ کے پاس صرف مرحمت والے مہینے ہی میں آسکتے ہیں، اور اس قسم کے خطرات ۴ھ یا ۵ھ میں ہوا کرتے تھے، فتحِ مکہ کے بعد یہ قبیلے مغلوب ہو گئے تھے، اس لیے خطرات بھی کم ہو گئے تھے۔

قبیلۂ عبد القیس کا دوسرا وفد

بنو عبد القیس کا دوسرا وفد اُس سال حاضرِ خدمت ہوا، جب اطرافِ مکہ سے

یکے بعد دیگرے قبیلے وفود در وفود رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، اس وفد میں کل ۴۰ / افراد تھے، جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے چہرے کو دیکھ کر دریافت فرمایا: ”ما لي أرىٰ ألوانكم تغيَّرتْ؟“، کیا ہوا؟ آپ لوگوں کے چہروں کی رنگت بدلی ہوئی ہے؟۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کے علاوہ جس مسجد میں پہلی نمازِ جمعہ ادا کی گئی، وہ بحرین میں ”جواثا“ کے مقام پر مسجدِ عبد القیس ہے، جب پہلی مرتبہ وفدِ عبد القیس واپس گیا تو انہوں نے وہاں نمازِ جمعہ کا اہتمام کیا تھا۔

(سیرت انسائیکلو پیڈیا: ۱۰ / ۳۸-۴۴)

جارود کی وجہِ تسمیہ: دو روایتیں

حضرت جارود رضی اللہ عنہ قبیلۂ عبد القیس کے ذی اثر سردار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بہادر اور مہم جو تھے، جارود لقب سے ملقب ہونے کی وجہ ہی یہ ہے کہ قبولِ اسلام سے پہلے آپ نے قبیلۂ بکر بن وائل پر چھاپا مارا اور اس کے تمام مویشی اور مال واسباب حتی کہ سوئی سلائی تک لوٹ کر لے گئے۔ جرد کے معنیٰ ”بے برگ وبار“ کے ہے، چوں کہ اپنی لوٹ اور غارت گری سے کچھ بھی باقی نہ رکھا تھا؛ اس لیے جارودان کا لقب پڑ گیا۔ یہ واقعہ اتنا مشہور ہوا کہ قبیلۂ عبد القیس کے لیے مایۂ

افتخار بن گیا، اور اس کے بعد تمام شعرا بطورِ فخر اپنے کلام میں اس کا تذکرہ کرنے لگے، مثلاً: ایک شاعر کہتا ہے:

فدسناهم بالخيل من كل جانب		كما جرَّد الجارودُ بكر بن وائل

ترجمہ: ہم نے ہر طرف سے دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعے پامال کر ڈالا، جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کر ڈالا تھا۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہ: ۷/۲۱)

ابن سکَن سے منقول ہے کہ ایک زمانے میں قبیلۂ عبد قیس کے اونٹوں میں وبائی بیماری پھیلی جس سے اکثر اونٹ مر گئے، گنے چنے اونٹ باقی رہ گئے تھے جن میں جارود کا بھی ایک اونٹ تھا، آپ اسے لے کر اپنے ننیہال بنی قدید بن شیبان کے وہاں گئے، جس کی وجہ سے یہ بیماری وہاں کے اونٹوں میں بھی لگ گئی اور وہ بھی مرنے لگے، تب لوگوں نے کہا: ''جر دهم بشُر'' یعنی بشر (جارود کا اصلی نام) نے ہمارے اونٹوں کو بیماری لگا دی، اسی سے ان کا لقب ''جارود'' پڑ گیا۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۵/۲۲۶)

قبولِ اسلام

حضرت جارود رضی اللہ عنہ مذہباً عیسائی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، اصابہ میں بحوالہ طبرانی لکھا ہے کہ حضرت جارود رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قوم کا نمائندہ بن کر آئے تو آپ ان سے بڑے خوش ہوئے اور انہیں اپنا مقرب بنا لیا اور اپنے نزدیک بٹھایا، پھر جب گفتگو کا

تبادلہ ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں ایک دین پر قائم ہوں اور اب میں آپ کے دین کی خاطر اپنے دین کو چھوڑ رہا ہوں، آپ مجھے میرے نئے دین کے اچھے ہونے کی ضمانت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نعم، أنا ضامن أن قد هداك الله إلیٰ ما هو خير منه"، ہاں! میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے پہلے دین کے مقابلے میں اب ایک بہتر دین کی ہدایت دی ہے"۔ چناں چہ حضرت جارود رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (کاروانِ جنت: ۲۱۱)

حافظ ابنِ قیّم نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ: واپسی کے موقع پر حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سواری کے لیے اونٹ مانگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "واللہ! ما عندي ما أحملكم عليه"، اللہ کی قسم! میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کوئی سواری کے جانور موجود نہیں ہیں"۔

انہوں نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے شہر کے درمیان لوگوں کے گم شدہ اونٹ پھر رہے ہوتے ہیں، کیا ہم ان پر سوار ہوکر اپنے شہروں اور علاقوں کو جاسکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا، إياك وإياها، فإنما تلك حرق النار"، نہیں، اپنے آپ کو ان سے بہت دور رکھنا؛ کیوں کہ ایسا کرنا آگ میں جلنے کے مترادف ہے۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۱۰/ ۴۲-۴۳)

اِس کے علاوہ ایک اور روایت میں حضرت جارود رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح بھی منقول ہے کہ جب آپ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: جارود! تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بڑی دیر کردی، حضرت جارودؓ نے ندامت کا اظہار کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا ہوں، میں نے انجیل میں آپ کی صفات پڑھی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی بشارت دی ہے، پھر انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اپنا دستِ مبارک بڑھائیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا، تو حضرت جارودؓ نے لپک کر اس کو تھام لیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہ: ۴۷۴-۴۷۵)

آپؓ کی شعرگوئی

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور آپ کو انجیل پر عبور بھی حاصل تھا۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے، حافظ ابن حجرؒ نے ''اصابہ'' میں لکھا ہے کہ: قبولِ اسلام کے بعد آپ نے بارگاہِ نبوی میں ہدیۂ عقیدت کے طور پر یہ اشعار پیش کیے تھے:

شَهِدْتُ بِأَنَّ اللهَ حَقٌّ وَسَامَحَتْ		بَنَاتُ فُؤَادِيْ بِالشَّهَادَةِ وَالنَّهِضِ
فَأَبْلِغْ رَسُوْلَ اللهِ عَنِّيْ رِسَالَةً		بِأَنِّيْ حَنِيْفٌ حَيْثُ كُنْتُ مِنَ الْأَرْضِ
فَإِنْ لَمْ تَكُنْ دَارِيْ بِيَثْرِبَ فِيْكُمْ		فَإِنِّيْ لَكُمْ عِنْدَ الْإِقَامَةِ وَالْخُفْضِ
وَأَجْعَلُ نَفْسِيْ دُوْنَ كُلِّ مُلِمَّةٍ		لَكُمْ جُنَّةً مِنْ دُوْنَ عِرْضِكُمْ عِرْضِيْ

ترجمہ: میں نے شہادت دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا۔ میری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیغام

پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصے میں بھی رہوں گا دینِ حنیف پر قائم رہوں گا۔ اگر چہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے؛ مگر میں اس عارضی اقامت میں بھی تمہارا ہی ہوں۔ ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا، اے مسلمانو! میری عزت تمہاری عزت کے لیے ڈھال ہے۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الأخیار: ۵ / ۲۲۷، سیر الصحابہ: ۷ / ۲۲، اہلِ کتاب صحابہ وتابعین: ۱۴۰)

فتنۂ ارتداد اور آپ رضی اللہ عنہ کی ثبات قدمی

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے، ابھی تو وہ اچھی طرح حالات کا جائزہ بھی نہ لینے پائے تھے کہ سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے، قریشِ مکہ، مہاجرین وانصارِ مدینہ اور بنوثقیف کے سوا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو اس فتنے سے تھوڑا بہت متاثر نہ ہوا ہو۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے نہایت عزم وہمّت اور قوتِ ایمانی کے ساتھ اس ہولناک فتنے کا مقابلہ کیا اور اپنی قوتِ ایمانی وغیرتِ ملّی سے چند ماہ کے اندر اندر اس سنگین فتنے کو کچل کر رکھ دیا۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ: قبیلۂ عبد القیس بھی فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آ گیا تھا، ان کی قوم کے لوگ معرور بن منذر بن نعمان کے ساتھ مل کر اسلام سے پھر گئے؛ لیکن حضرت جارود رضی اللہ عنہ نہ صرف پورے عزم وثبات کے ساتھ اسلام پر قائم رہے؛ بلکہ سردارِ قبیلہ ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اپنے قبیلے کو ارتداد سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔

حضرت جارودؓ کی قوم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ: محمد اگر نبی ہوتے تو نہ مرتے، اس پر حضرت جارودؓ نے ان کو جواب دیا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پچھلے زمانوں میں دنیا میں اللہ کے بہت سارے پیغمبر آئے؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ نے دریافت فرمایا: ان کا کیا ہوا؟ اس پر قوم نے کہا: سب کے سب وفات پا گئے، تب آپؓ نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وفات پا گئے جس طرح وہ وفات پا گئے، اور قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"یٰأیها الناس! إني أشهد أن لا إلٰه إلا الله و أن محمدا عبده و رسوله وَأُكَفِّرُ من لم يَشْهَدُ"، (اے لوگو! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور جو یہ گواہی نہیں دیتا وہ کافر ہے) یہ سن کر اکثر لوگ اسلام لے آئے اور اس پر جمے رہے، اس پر حضرت جارودؓ نے یہ شعر پڑھے:

وبالله الرحمٰن نرضى به ربا		رضينا بدين الله من كل حادثٍ

علاوہ ازیں آپ نے بحرین کے دوسرے قبائل کو بھی اسلام پر قائم رہنے کی پُرزور تلقین کی، اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے رہے۔ آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ گمراہ ہونے سے بچ گئے، جن لوگوں نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے اور مرتدین کے ساتھ مل گئے وہ نہایت عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علاء بن عبداللہ حضرمیؓ کو ایک مضبوط لشکر

کے ساتھ بحرین کی مہم پر مامور کیا تھا، حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے بحرین پہنچ کر مرتدین کی ایسی سرکوبی کی کہ پھر وہ کبھی دوبارہ سر نہ اٹھا سکے، آپ کی اسی ثبات قدمی واستقلال کے باعث ابنِ اسحاق نے یہ شہادت دی ہے: "**کان حسن الإسلام و صليبا علیٰ دينه**"۔ (سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچاس صحابہ: ۷۷۴، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۵ / ۲۲۷)

حق گوئی و بے باکی

حضرت جارود رضی اللہ عنہ کے صحیفۂ اخلاق میں حریت، آزادی، جرأت اور اظہارِ حق میں بے باکی کا عنوان نہایت جلی تھا، جس بات کو وہ حق سمجھ لیتے تھے اس کے اظہار میں وہ کسی کی پروانہ کرتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ بحرین کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ بعض رومیوں نے حضرت جارود رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ: ہم نے قدامہ کو شراب پیتے دیکھا ہے۔ حضرت جارود رضی اللہ عنہ اپنے گورنر کی یہ لغزش گوارا نہ کر سکے اور سیدھے مدینۂ منورہ پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی: امیر المؤمنین! قدامہ نے شراب پی ہے، اس پر حدِ شرعی جاری کیجیے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہادت طلب کی، حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا: تو انہوں نے کہا: میں نے خود تو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا؛ البتہ نشے کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صرف اتنی شہادت سے جرم ثابت نہیں ہوتا۔

مزید تحقیقات کے لیے انہوں نے حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کو بحرین سے طلب فرمایا، جب وہ آئے تو حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: تم گواہ ہو، مدعی نہیں ہو، تمہارا کام گواہی دینا تھا، سو وہ تم دے چکے، اب تمہیں خاموش رہنا چاہیے، اس وقت حضرت جارود رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے؛ لیکن دوسرے دن پھر حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ پر حد جاری کرنے کے لیے اصرار کیا، شہادت ناکافی تھی؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت جارود رضی اللہ عنہ کا یہ اصرار ناگوار گذرا، خفا ہو کر فرمایا: جارود! تم مدعی بنے جاتے ہو؛ حالاں کہ شہادت صرف ایک ہے، اس پر حضرت جارود رضی اللہ عنہ نے تیز لہجے میں کہا: امیر المؤمنین! میں آپ کو خدا کی قسم دلاتا ہوں، حد جاری کرنے میں دیر نہ کریں، اس اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ شبہ ہوا اور انہوں نے فرمایا: جارود! تم اپنی زبان پر قابو رکھو؛ ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔ اس تنبیہ پر حضرت جارود رضی اللہ عنہ جوش میں آگئے اور کہا: ''امیر المؤمنین! حق یہ نہیں ہے کہ آپ کا ابنِ عم شراب پیے اور آپ الٹے مجھ کو سختی کی دھمکی دیں''۔

اس موقع پر معاملہ بگڑتا ہوا دیکھ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ کو شک ہو تو قدامہ کی بیوی کو بلا کر پوچھ لیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قدامہ حد کے لیے تیار ہو جاؤ، حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اگر بالفرض میں نے ان لوگوں کی شہادت کے مطابق شراب پی بھی تو آپ کو مجھ پر حد جاری کرنے کا حق نہیں پہنچتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا

وَّ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ أَحْسَنُوْا (المائدۃ: ۹۳)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے ہیں ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے، پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے، پھر پرہیز کیا اور نیکوکاری کی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم تاویل میں غلطی کر رہے ہو، تم کو قطعی حرام چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان پر حدِّ شرعی جاری کرائی اور حضرت جارودؓ مطمئن ہو کر واپس ہو گئے۔

(سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پچاس صحابہ: ۴۷۸-۴۷۹، سیر الصحابہ: ۷/ ۲۳)

آپ کی شہادت

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ دورِ فاروقی میں حضرت جارودؓ نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی، وہاں سے وہ ان مجاہدین میں شامل ہو گئے جو ایران میں مصروفِ جہاد تھے، ہر معرکہ میں دادِ شجاعت دیتے رہے یہاں تک کہ فارس (طاؤس) کی سرزمین پر ''عقبۃ الطین'' میں شہید ہو گئے، اسی کے بعد سے عقبۃ الطین کو ''عقبۃ الجارود'' کہا جانے لگا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۱ ھ میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پیش آیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نعمان بن مقرن کے ساتھ نہاوند میں شہید ہوئے۔ (سیر الصحابہ: ۷/ ۲۲)

''اسد الغابۃ'' میں لکھا ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے حضرت جارودؓ کو ساحلِ سمندر پر ایک ٹکڑی کے ساتھ روانہ فرمایا، جہاں انہوں نے ''عقبۂ جارود''

میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ابنِ سعد فرماتے ہیں کہ: حکم بن ابی العاص نے حضرت جارود رضی اللہ عنہ کو سُہرَک کے دن جہاد کے لیے بھیجا تو لڑتے لڑتے ''عقبۃ الطین'' میں شہید ہوئے، یہ واقعہ ۲۰ھ میں پیش آیا۔

الکامل، تاریخِ طبری اور البدایہ والنہایہ کے حوالے سے یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ ۱۷ھ میں علاء بن حضرمی نے چند لوگوں کو فارس کی لڑائی میں شرکت پر آمادہ کیا، شہر والوں نے اس کو قبول کیا، پھر ان کو چند ٹکڑیوں میں بانٹ دیا، چناں چہ ایک جماعت پر حضرت جارود بن معلیٰ رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے، دوسری جماعت پر سوار بن ہمام کو اور تیسری جماعت پر خُلَید بن منذر بن ساوی کو امیر مقرر کیا اور خلید بن منذر ہی تمام جماعتوں کے سرکردہ امیر طے پائے، چناں چہ انہوں نے لوگوں کو فارس کی طرف سمندر کے راستے سے بھیجنا شروع کیا۔

مگر یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے؛ اس لیے کہ نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمندر میں جنگ کرنے کے لیے مسلمانوں کو بھیجا۔ خیر! مسلمانوں کا وہ لشکر بحرین سے فارس پہنچا، جب وہ اصطخر کے پاس سے نکلنے لگے تو فارس والے ان کے اور ان کی کشتیوں کے درمیان حائل ہوگئے اور روکنے کی کوشش کی، خلید بن منذر امیرِ لشکر نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''أیها الناس! إنما أراد هٰؤلاء القوم بصنیعهم هٰذا محاربتکم، وأنتم

إنما جئتم لمحاربتهم فاستعينوا بالله وقاتلوهم فإنما الأرض والسفن لمن غلب"۔

ترجمہ: اے لوگو! اس قوم نے اپنی اس حرکت سے تم سے جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، اور تم بھی ان سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہو، سو تم اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے لڑو، زمین اور کشتیاں تو ان کی ہیں جو جیتے گا۔ {وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ} (البقرۃ: ۴۵)

چناں چہ لوگوں نے ان کی اطاعت کی اور ظہر کی نماز کے بعد ان سے مقابلہ ہوا، گھمسان کا رن پڑا۔ اس جنگ میں حضرت سوارؓ اور حضرت جارودؓ شہید ہوگئے۔ پھر خلید نے مسلمانوں کو حکم دیا، چناں چہ انہوں نے پیدل قتال کیا اور ثابت قدم رہے؛ یہاں تک کہ اللہ نے کامیابی عطا فرمائی۔ اس دن فارس والوں سے اتنی سخت جنگ ہوئی کہ اس سے پہلے ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی، یہ معرکہ ''طاؤس'' نامی مقام پر لڑا گیا تھا؛ اسی لیے اسے ''معرکۂ طاؤس'' کہا جاتا ہے، اس جنگ سے فارغ ہوکر مسلمان بصرہ کی طرف لوٹنا چاہتے تھے؛ مگر اثنائے راہ ان کی کشتیاں ڈوب گئیں، سمندری راستے سے واپس لوٹنے کی کوئی سبیل نہ رہی، مجبوراً خشکی کا راستہ اپنایا، خشکی کے راستے سے لوٹتے ہوئے اصطخر کے قریب پہنچ گئے۔

اہلِ اصطخر نے مسلمانوں کا راستہ روکنا چاہا تو مسلمان ان سے جنگ کرنے سے رکے رہے، یہاں تک کہ عتبہ بارہ ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر ان کی مدد کو پہنچے، پورے لشکر پر سبرہ بن ابی رہم امیر تھے، چناں چہ وہ اُس وقت خلید کے پاس

آئے جس وقت ان کو کمک کی خوب ضرورت تھی، انہوں نے خلید اور مسلمانوں کو دشمنوں کے محاصرے سے چھڑایا۔(فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار:۵/ ۲۲۵-۲۲۹)

حضرت جارودؓ اگرچہ عہدِ رسالت کے اواخر میں اسلام لائے تھے؛ تاہم فضل وکمال سے تہی دامن نہ تھے، ان سے مروی چند روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں جن کو محمد بن سیرینؒ، ابو القموص مطرف بن عبداللہ، ابو مسلم جذمی اور زید بن علی نے روایت کیا ہے، صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے ان سے روایت کی ہے۔ مسندِ احمد بن حنبل میں یہ حدیث حضرت جارودؓ ہی سے مروی ہے کہ: ''مؤمن کی گمشدہ چیز پر جس نے مالکانہ قبضہ کیا اس نے خود کو آگ میں جلایا''۔(اہلِ کتاب صحابہ وتابعین: ۱۴۲)

اہلِ سیر نے حضرت جارودؓ کے اخلاص فی الدین، حق گوئی، جرأت اور بے باکی کی بڑی تعریف کی ہے۔ چودھویں صدی کے مسلمانوں کو قرنِ اول کے حضرت جارود بن معلّٰی عبدیؓ کی زندگی پیغام دے رہی ہے کہ:

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی		میری سرشت میں ہے پاکی ودرخشانی
تو اے مسافرِ شب! خود چراغ بن اپنا		کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ

از قلم:
محمد زاہد عبد الغفار کوڈینار

سوانحی خاکہ

حضرت لقیط بن صبرہؓ

نام: لقیط۔
والدِ محترم کا نام: صبرہ۔
کنیت: ابورزین، ابوعاصم۔
قبیلہ: قیس۔
وطن: طائف۔
اولاد: عاصم نامی فرزند۔
فضیلت: بشارتِ جنت۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ

محمد زاہد عبدالغفار کوڈینار

اس ارضِ گیتی پر کئی ہزار سالوں سے انسانی قافلوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہے، لوگ اس جہاں میں آتے ہیں، اور {فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ} کے قاعدہ کے مطابق وقتِ مقررہ پر روانہ ہو جاتے ہیں؛ لیکن اس ربعِ مسکون پر کچھ ایسی شخصیات وجود پذیر ہوئیں جن کا ذکرِ خیر قیامت تک کے لیے تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

اسی سلسلۂ انسانی میں ایک خاکی پیکر؛ مگر نوریوں سے برتر، ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامِ وحدت لے کر شہرِ اطہر میں مبعوث ہوئے، جنہوں نے اپنی جان توڑ محنت وجفاکشی، شب وروز کے مجاہدے، دن میں تبلیغی سرگرمی اور رات میں گریہ وزاری سے ایک ایسی جماعت تیار کی جو خصائلِ حمیدہ سے متصف اور اخلاقِ رذیلہ سے منزّہ ومصفّٰی تھی، جنہیں ''صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدوں اور دین کی خاطر بے مثال قربانیوں کے پیشِ نظر بارگاہِ ایزدی سے انہیں ''رضي الله عنهم ورضوا عنه'' کا مژدۂ جاں فزا ملا، اور لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے متعلق ''ہدایت یافتہ انجم وماہتاب'' کی سند عطا ہوئی۔ وہیں کچھ مخصوص عاشقانِ نبوت کو مختلف مواقع پر اسی دنیائے دوں میں بہشتِ بریں کی بشارتِ عظمیٰ عنایت ہوئی، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک سنہری کڑی

سیدنا حضرت لقیط بن صبرۃ رضی اللہ عنہ ہیں۔

نام، کنیت اور نسب نامہ

آپ کا اسمِ گرامی لقیط اور والدِ محترم کا نام: صَبِرَة (صاد کے فتحہ اور باء کے زیر وسکون کے ساتھ) ہے، آپ طائف کے باشندے ہیں، اور قبیلۂ قیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت کے متعلق ''اصابہ'' میں لکھا ہے: ''والصحیح في کنیته أبو رزین ولا صحة لقول من کناه أبا مصعب''، یعنی آپ کی کنیت کے متعلق صحیح یہ ہے کہ ابو رزین تھی اور جس نے بھی ابومصعب کنیت بتلائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ آپ کے والد کے متعلق ابنِ شاہین نے لکھا ہے کہ: وہ صحابی تھے۔ آپ کے فرزندِ ارجمند کا نام عاصم تھا، اسی نسبت سے آپ کو ''ابو عاصم'' بھی کہا جاتا تھا۔ عاصم نے اپنے والد کی مرویات کو روایت کیا ہے۔

آپ کا نسب نامہ دو طرح منقول ہے: جمہور نے جس کو بیان کیا ہے وہ یہ ہے: ابو عاصم لقیط بن عامر بن صبرہ بن عبداللہ بن المنتفق بن عامر بن عقیل العقیلی الطائفی اور دوسرا اس طرح ہے: لقیط بن صبرہ بن عبداللہ بن المنتفق بن عامر بن عقیل بن کعب بن عامر بن صعصعہ عامری۔

آپ دامنِ اسلام سے کب وابستہ ہوئے اور آپ کا سانحۂ ارتحال کب اور کہاں پیش آیا، ان چیزوں سے سیر و تاریخ کے اوراق خالی ہیں، مگر آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور جو کچھ گفت وشنید ہوئی وہ قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔

وضو کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وضو میں ہر عضو کو بالاستیعاب دھوؤ، اور انگلیوں کا خلال کرو اور استنشاق (ناک صاف کرنے) میں مبالغہ سے کام لو، ہاں! اگر روزہ دار ہو تو پھر استنشاق میں مبالغہ مت کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آپ کی ضیافت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: میرے والد نے بتلایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ''بنی المنتفق'' کا فرستادہ بن کر گیا تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر پر موجود نہیں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں کھجوریں کھلائیں اور ہمارے لیے حلوہ تیار کیا، تب ہی رسول اللہ کی تشریف آوری ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ: آیا تم نے کچھ کھایا یا نہیں؟ ہم نے کہا: جی ہاں! اسی گفتگو کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرواہا بکریوں کا ریوڑ لے کر آیا، آپ نے اس سے پوچھا کہ: کیا کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس میں سے ایک بکری ذبح کردو، اور آپ نے ہم سے فرمایا کہ: تم یہ مت سمجھنا کہ میں نے تکلّف کر کے تمہارے واسطے اس کو ذبح کرایا ہے؛ بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ: ہماری ان سو بکریوں پر اضافہ نہ ہو؛ اس لیے جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ہم ایک بکری ذبح کرتے ہیں۔

حضرت لقیط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اسی موقع سے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول! میری بیوی بدزبان ہے، آپ نے فرمایا کہ: اس کو طلاق دے دو، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس سے صحبت کی ہے اور اس سے اولاد بھی ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو پھر اس کو روکے رکھو اور اچھی بات کا حکم کرو، پس اگر اس میں خیر ہوگی تو وہ تمہارے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرے گی؛ لیکن تم اپنی باندی کی طرح اس کی پٹائی مت کرنا۔

حضرت ابو رزین عقیلی سے مروی ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو یہ بھی نصیحت فرمائی: مؤمن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے یعنی جس طرح شہد کی مکھی پاکیزہ وصاف ستھری چیزیں کھاتی ہے، تو مؤمن کو بھی چاہیے کہ صاف اور پاکیزہ مال کھاوے اور حرام سے بچے۔

لسانِ مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کی بشارت

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن أعرابيا أتى النبي صلى الله عليه وآله وسلم فقال: دلني علىٰ عمل إذا عملته دخل الجنة، قال: تعبد الله لاتشرك به شيئا، وتقيم الصلاة المكتوبة وتؤدي الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان، قال: والذي نفسي بيده لا أزيد علىٰ هٰذا، فلما ولى قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: من سره أن ينظر إلىٰ رجل من أهل الجنة فلينظر إلىٰ هٰذا۔ (بخاری شریف: ۷/ ۱۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کہ میں اسے کروں تو بہشت میں داخل ہو جاؤں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی

عبادت کر اس حال میں کہ تو کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، فرض نماز قائم کر، فرض زکاۃ ادا کیا کر، رمضان کے روزے رکھا کر (جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ کر فارغ ہو گئے) تو ان صحابی نے یہ پختہ عہد کیا کہ: خدا کی قسم! نہ تو میں اس پر کچھ اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کچھ کمی کروں گا۔ جب دیہاتی صحابی وہاں سے چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص کسی بہشتی آدمی کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہو تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ یہ دیہاتی صحابی حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہیں دنیا ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی جنت کی بشارت ملی۔

واقعہ سے حاصل شدہ دو سبق

اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس طرح حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ''میں اپنی جانب سے نہ کچھ اضافہ کروں گا اور نہ کوئی کمی کروں گا''، اسی طرح ہمیں بھی یہ تہیہ کر لینا چاہیے کہ دین کے معاملہ میں اپنی جانب سے نہ کسی چیز کا اضافہ کریں گے کہ بدعتِ سیئہ ہو جاوے اور نہ احکامِ شرعیہ میں کسی قسم کی کمی کریں گے کہ مأمور بہ کی تعمیل میں کوتاہی ہو۔

اور دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کس قدر جنت کا شوق اور اس کی طلب ہوتی تھی جس کی وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے اعمال کا مطالبہ کرتے تھے جن پر عمل کر کے اللہ کو راضی کرے اور اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنائے؛ لہٰذا ہمیں بھی ایسے اعمال کی تلاش کر کے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے جو رضائے الٰہی کا سبب ہو اور ہمارے لیے جنت کی راہ ہموار کرے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحابہ جیسا عشق نصیب فرمائیں اور مرتے دم تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طور وطریق پر زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مآخذ ومراجع

(۱) بخاری شریف

(۲) صحیح ابن حبان

(۳) الاصابہ فی تمیز الصحابۃ

(۴) اسد الغابۃ

(۵) الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب

(۶) معرفۃ الصحابۃ لأبی نعیم

(۷) کاروانِ جنت

حضرت ماعز اسلمیؓ

از قلم:
مذکر عبد الماجد احمد نگری

سوانحی خاکہ

حضرت ماعز اسلمیؓ

نام: غریب۔

لقب: ماعز۔

والد: مالک۔

قبیلہ: بنواسلم۔

کفیل: ہزّ ال اسلمی۔

نمازِ جنازہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

فضیلت: جنت اور مختلف بشارتیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ

مذکر عبد الماجد احمد نگری

اب ڈھونڈ اسے چراغِ رخ زیبا لے کر

اہلِ علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تین جماعتیں ایسی ہیں جو گناہوں سے معصوم ہیں: پہلی جماعت: ملائکہ کی، دوسری: انبیائے کرام علیہم السلام کی اور تیسری جماعت: نابالغ بچوں کی۔ پھر ہر جماعت کی عصمت جداگانہ نوعیت کی ہے۔

ملائکہ: ان میں معصیت کا مادّہ ہی نہیں ہوتا؛ اسی لیے ان سے گناہوں کا صادر ہونا ناممکن امر ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام: ان میں گناہوں کی طاقت تو ہوتی ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی مستحکم دیوار حائل ہوتی ہے، اسی وجہ سے ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا، ان کی عصمت ملائکہ کی عصمت سے اعلیٰ وارفع ہوتی ہے۔

نابالغ بچے: ان میں گناہوں کی طاقت بھی ہوتی ہے اور ان سے گناہ ہو بھی جاتے ہیں؛ مگر ان پر مواخذہ وگرفت نہیں، یہ مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

ان تین کے علاوہ عام لوگوں میں سے کوئی بھی شخص ہو، خواہ وہ کتنے ہی بلند وبالا مرتبہ پر فائز ہو، اس سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے اور کبھی کبھار صادر ہو بھی جاتا ہے؛ البتہ "اصرار علی المعصیة" شانِ ولایت کے منافی ہے۔ نیز حدیث پاک میں ہے: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له"، گناہ سے توبہ

کرنے والا اس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت اگرچہ تقدّس کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے؛ تاہم ان سے گناہ کا صدور ناممکن نہیں ہے، یہ اور بات ہے کہ اس جماعت کا ننانوے فیصد طبقہ اس سے محفوظ رہا، ہاں! حکمتِ الٰہی کے تحت امّت کی تعلیم کے خاطر بعض صحابہؓ سے اکّا دکّا گناہ صادر ہوئے، جس کے بعد انہوں نے ایسی توبہ کی کہ رہتی دنیا تک کے لیے مثال قرار پائے۔ ایسے ہی تائبین میں سے ایک ''حضرت ماعز اسلمیؓ'' ہیں جو اپنی ایک خطا پر توبہ واستغفار کرتے رہے، یہاں تک کہ شرحِ صدر نہ ہوا تو اپنے اوپر شرعی حد جاری کروالی۔

زیرِ نظر اوراق میں آپؓ کے مختصر احوالِ زندگی لکھے گئے ہیں، خدا کرے کہ یہ ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

نام، لقب، قبیلہ

آپ کا اصل نام غریب، والد کا نام: مالک اور آپ کا لقب: ماعز ہے، آپؓ اپنے لقب ہی سے مشہور تھے، آپ قبیلۂ بنو اسلم سے تعلق رکھتے تھے (اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے آپ کو ''اسلمی'' کہا جاتا ہے) یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ماعز نام سے تین صحابی مشہور تھے، بعض مرتبہ ناواقفیت کی وجہ سے خلط ملط ہو جاتا ہے۔

پرورش وکفالت

بچپن ہی میں آپؓ کے سر سے والدِ بزرگوار کا سایۂ عاطفت اٹھ چکا تھا، قبیلے

کے ہزّ ال نامی ایک شخص نے آپ کی کفالت کا فریضہ انجام دیا، یہاں تک کہ آپ اسی کی کفالت وتربیت میں جوان ہوئے اور شادی خانہ آبادی کے مرحلے سے بھی گذرے۔

ہَزَّ ال کون تھے؟

حضرت ہَزَّ ال رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنواسلم کے ایک فرداور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے، ان کا نسب یوں ذکر کیا جاتا ہے: ''ہزّ ال بن ذئاب بن یزید بن کلیب بن عامر بن خزیمہ بن مازن بن الحارث بن سلامان بن اسلم بن افصٰی الاسلمی۔

گناہ کی تلافی کے لیے اصرار

حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ پاک نہاد اور صاف باطن تھے، ایک مرتبہ آپ سے پڑوسن کے ساتھ زنا سرزد ہو گیا، جس کی وجہ سے آپ بڑے نادم و پشیمان ہوئے، اور ہر وقت آپ گناہ کی تلافی کے لیے بے قرار رہنے لگے۔

موطا امام مالک کی روایت کے مطابق حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کے سامنے اپنے جرم کا اقرار واعتراف کیا، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ: اللہ کے سامنے توبہ واستغفار کرلو اور اپنا جرم کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو۔ مگر آپ کو اس پر قرار نہ آیا، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا؛ مگر بے چینی کا یہ عالم تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی، یہاں تک کہ آپ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، خود آپ کے کفیل ہزّ ال

نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ بارگاہِ نبوت میں جا کر اپنا معاملہ عرض کردو۔

چناں چہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ”طَهِّرْنِيْ يَارَسُوْلَ اللهِ!“، (اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجیے) اسی طرح تین مرتبہ ”طَهِّرْنِيْ طَهِّرْنِيْ“ عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ کوئی توجہ نہ دی، جب چوتھی مرتبہ ”طَهِّرْنِيْ“ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا بات ہے؟ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ: میں نے فلاں عورت سے بدکاری کی ہے، آپ مجھے پاک کر دیجیے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ مختلف الفاظ کے ذریعے پوچھا: ”هَلْ ضَاجَعْتَهَا؟ هَلْ بَاشَرْتَهَا؟ هَلْ جَامَعْتَهَا؟ (ان تینوں سوالوں کا ایک ہی مفہوم ہے کہ کیا تم نے حقیقی زنا کیا ہے؟) حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے ہر سوال کا جواب ”جی ہاں“ کہہ کر دیا؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بھی اکتفا نہ فرمایا؛ بلکہ ان سے دریافت کیا کہ: تم زنا کاری جانتے ہو؟ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! میں زنا کاری جانتا ہوں، میں نے اجنبی عورت سے وہ حرام کام کیا جو شوہر اپنی بیوی سے حلال طور پر کرتا ہے۔ اتنی تفتیش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخر اس کلام سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! اس گناہ سے مجھے پاک کر دیجیے؛ تاکہ میں آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤں۔

مقامِ رجم

مذکورہ بالا پوچھ تاچھ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانونِ الٰہی نافذ کرتے ہوئے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ ماعز کو رجم کر دیا جائے۔ اور ہَزَّال کو تنبیہ کرتے ہوئے

فرمایا: تم ماعز کے جرم کو چھپائے رکھتے اور اسے میرے پاس نہ لاتے تو بہتر ہوتا۔ چناں چہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے شرعی حد جاری کرنے کے لیے مقامِ حرّہ (حدودِ الٰہی نافذ کرنے کی جگہ) لے جایا گیا۔ نیز ایک روایت کے مطابق جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ”لا تَسُبُّوْہُ“، ماعز بن مالک کو رجم کے وقت گالی مت دینا۔

پہلا پتھر

رجم کے لیے جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو پتھر مارنے والوں کے حلقہ میں کھڑا کر دیا تو سب سے پہلا پتھر حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے مارا، پھر سبھی لوگوں نے پتھروں کی بارش کردی، ہر سمت سے پتھروں کی بوچھار ہونے لگی، بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی، جب برداشت سے باہر ہوگیا تو آپ مارے درد کے چیخنے چلانے لگے، لوگ پتھر مار مار کر تھک گئے؛ مگر پتھر آپ کو ہلاک نہ سکے، اخیر میں حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے پیر کی ایک سوکھی ہڈی اٹھا کر حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے سر پر دے ماری، جس کی وجہ سے آپ گر پڑے اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی، ”إنا للہ و إنا إلیہ راجعون“۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ ماعز دورانِ رجم ناقابلِ برداشت تکلیف ہونے پر پناہ طلب کررہے تھے تو حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جب ماعز پناہ طلب کررہے تھے تو تم نے پناہ کیوں نہیں دی؟

غلط تبصرہ پر تنبیہ اور جنت کی بشارت

بہر حال جب حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ پر حد جاری کرنے کے بعد لوگ واپس

ہو رہے تھے، تو درمیانِ راہ دو صاحب اس واقعے پر تبصرہ کرنے لگے، ایک نے کہا: دیکھو تو سہی! سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ماعز کے اعترافِ جرم سے چشم پوشی کرنی چاہی، اور بار بار اپنا چہرہ پھیرتے رہے؛ تا کہ وہ چپ چاپ خود ہی توبہ کرلے، اور قانونِ الٰہی کو چیلینج نہ کرے، توبہ کرنے والوں کے لیے اللہ غفور الرحیم ہیں؛ لیکن ماعز نے اللہ کے اس نرم اور آسان قانون سے فائدہ نہیں اٹھایا اور بار بار اعترافِ جرم کرتا رہا، آخر انجام کیا ہوا کتّے کی طرح مارا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تبصرہ کی اطلاع ملی تو دونوں تبصرہ بازوں کو شہر کے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ طلب فرمایا، جہاں ایک سڑا گلا مردار گدھا پڑا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: اس مردار کا کچھ حصہ کھالو، دونوں نے کہا: یارسول اللہ! بھلا کون اس گدھے کو کھا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو برائی کی ہے وہ اس سڑے گلے مردار سے زیادہ ناپاک وخطرناک تھی، اب تم کو اس ہلکی ومعمولی چیز کھانے میں تردّد کیوں ہے؟ یہ سن کر دونوں لرز گئے، بعد ازیں ارشاد فرمایا: "وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ أَنَّهُ الْآنَ لَفِيْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا"۔ (ابو داؤد شریف) اُس ذاتِ پاک کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میں اِس وقت ماعز کو جنت کے باغ وبہار اور اس کی صاف وشفاف نہروں میں غوطہ خوری کرتے دیکھ رہا ہوں۔

تر دامنی پہ شیخ! ہماری نہ جائیو	دامن نچوڑ دے تو فرشتے وضو کریں

نمازِ جنازہ

رجم کے اگلے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

مختلف بشارتیں اور فضیلتیں

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کر دیا گیا تو ان کے بارے میں لوگ دو طرح کی باتیں کرنے لگے: کسی نے کہا کہ: ماعز بری طرح سے ہلاک ہو گیا، وہ تو بڑی غلطی کر بیٹھا۔ اور کوئی کہہ رہا تھا کہ: کیا کوئی ایسی توبہ بھی ہے جو ماعز کی توبہ سے بہتر اور عمدہ ہو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا: مجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دو۔ چناں چہ رجم کے دو تین دن بعد جب کہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، سلام عرض کر کے بیٹھ گئے اور کہنے لگے: ”اِسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِک“، ماعز کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔ ہمنشینوں نے عرض کیا کہ: اللہ نے ماعز کی مغفرت کر دی؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو لوگوں کی ایک جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان کے لیے کافی ہو جائے۔

حضرت ابن جریر نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کر دیا گیا تو کچھ لوگوں نے کہا: یہ ماعز ہے، اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ماعز نے اللہ تعالیٰ سے ایسی توبہ کی کہ اگر ایک جماعت مل کر اس توبہ کو کرتی تو ضرور ان کے حق میں وہ توبہ قبول کی جاتی۔

نسائی شریف کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”لَقَدْ رَأَيْتُ بَيْنَ

أَنْهَارِ الْجَنَّةِ"، میں نے ماعز کو جنت کی نہروں کے درمیان دیکھا۔ مسندِ احمد میں کچھ اس طرح ہے: "غُفِرَ لَهُ وَأُدخل الجَنَّة"، ماعز کی مغفرت ہوگئی اور وہ جنت میں داخل ہو گئے۔

کسی نے ان کے حق میں خبیث کا لفظ نکالا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لاتَقُلْ لَهُ خَبِيْثٌ لَهُوَ أَطيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ المِسْک"، ان کو خبیث مت کہو، وہ تو عند اللہ مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار اور پاکباز ہے۔ "سبحان اللہ رفعت تیری وہ کہ تصور مشکل"۔

چودہویں صدی کے اس تاریک دور میں گنہگاروں کی کوئی کمی نہیں؛ مگر ماعز جیسا توبہ کرنے والا ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا، کاش! آج کا نوجوان حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی مقدس زندگی کو اپنا اسوہ بنالے تو اس کی جوانی پر فرشتے بھی رشک کرنے کو آسمان سے اتر آئے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

مآخذ و مراجع

(۱) الاصابہ
(۲) طبقات ابنِ سعد، جلد چہارم
(۲) اصحابِ رسول کی یادیں
(۳) کاروانِ جنت

حضرت ہلال حبشیؓ

ازقلم:
طارق الرحمٰن حامد میرجوی

سوانحی خاکہ

حضرت ہلال حبشیؓ

نام: ہلال۔

لباس: انتہائی سادہ۔

شناخت: مغیرہ بن شعبہ کے آزاد کردہ غلام۔

طرّۂ امتیاز: (۱) سرورِ کونین نے اپنے حق میں آپ سے دعا کروائی۔

(۲) لسانِ نبوت آپ کے حق میں یوں گویا ہے: "**یدخل من ھٰذا الباب رجل من أھل الجنة**"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ہلال حبشی رضی اللہ عنہ

طارق الرحمٰن حامد میرجوی

صدیاں بیت گئیں اور مہ وسال کی سینکڑوں وادیاں ماضی کی تاریک راہوں میں گم ہوگئیں؛ لیکن آج بھی زمانے کے دھندلکوں میں وہ نام منارۂ نور کی طرح چمک رہا ہے، گویا زمانے کی بلاخیز موجوں میں کسی نے مغیرہ بن شعبہ کے آزاد کردہ اس حبشی غلام کے نام کو محفوظ تابوت میں رکھ دیا ہو۔

رومی فنا ہوا اور حبشی کو دوام ہے		اقبال! کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے

اور کیوں نہ ہو؟ جب کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنائی تھی۔ ع:

سبھی چراغ سرِ راہ گذر نہ تھے ایسے

لالے کی حنابندی

شمعِ رسالت روشن، اردگرد پروانوں کا ہجوم، کہ یکا یک لبِ نبوت میں جنبش ہوئی اور زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکلنے والے الفاظ نے سخن کے تانے بانے بُنے، جنھیں تاریخ نے اپنے دامن میں اس طرح سمو رکھا ہے: "**یدخل من هٰذا الباب رجل من أهل الجنة**"، "اس دروازے سے ایک بہشتی شخص داخل ہوگا"۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔ جو اس واقعہ کے راوی ہیں۔ کہتے ہیں کہ: اتنا کہہ کر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، میں نے دروازے کے کواڑ کھولے اور

بیرونِ خانہ اس شخص کی تلاش میں دائیں بائیں جھانکا؛ لیکن خاموش ماحول نے {یَنقَلِبْ إِلَیکَ البَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیرٌ} کی تصویر پیش کی۔ میں واپس بارگاہِ رسالت میں آبیٹھا؛ لیکن طبیعت میں نہ سکون اور نہ ہی جذبات میں سکوت۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات پر ایسا یقین گویا وہ ہو چکی ہے، میری تشنہ لب نگاہیں اس عزت مآب کی بلائیں لینے کے لیے سراپا انتظار تھیں کہ اسی دوران ایک سیاہ ظاہر اور روشن باطن حبشی نوجوان، اونی جبّہ جس پر کئی ایک چمڑے کے پیوند تھے، زیب تن کیے دروازے سے داخل ہوا، نگاہیں آسمان کی جانب اٹھی ہوئیں، اور یوں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ باوقار میں حاضر ہو کر سلام کا نذرانہ پیش کیا، علیک سلیک کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاج پوچھے، حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! خیریت سے ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے حق میں دعا کرو، چناں چہ انہوں نے دعا کی۔ (اصابہ: ۳/۶۰۸، کاروانِ جنت: ۲۰۱)

اُف! غضب ہے، ''دیکھو ذرا مزاج گلِ کوہسار کے''، ہلال رضی اللہ عنہ! خوشا آپ کی قسمت! سارے زمانے آپ کی سعادت و بزرگی کو دست بدہاں وانگشت بدنداں دیکھ رہے ہیں، کُل کائنات آپ کی عظمتوں کے آگے اپنی بلندیوں پر خجل و شرمندہ۔ قسم خدا کی............

ہزار آزادیاں اک تیری غلامی پر نثار

حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ

از قلم:
ریحان زاہد بمبوی

سوانحی خاکہ

حضرت حارثہ بن سراقہؓ

نام: حارثہ۔

والد کا نام: سراقہ۔

والدہ کا نام: رُبیّع بنت نضر۔

کنیت: امِّ حارثہ۔

قبیلہ: خزرج کا خاندانِ بنو عدی بن نجار۔

خصوصیت: بدر میں سب سے پہلے شہادت۔

وفات: ۲ھ غزوۂ بدر میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت حارثہ بن سراقہؓ

ریحان زاہد بمبوی

اہلِ سنّت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ سارے ہی صحابہؓ جنّتی ہیں اور مجموعی طور پر تمام ہی صحابہؓ کے لیے قرآن وحدیث سے جنت کی بشارت ثابت ہے؛ مگر ایسے خوش نصیب صحابہ معدودے چند ہیں جنہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزبانِ خود انفرادی طور پر جنت کی بشارت سے نوازا ہو، ان ہی خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک حضرت حارثہؓ کی ذاتِ گرامی ہیں جن کی زندگی کی کچھ جھلکیاں حاضرِ خدمت ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام: حارثہ، والد کا نام: سراقہ اور والدہ کا نام: ربّیع بنتِ نضر ہے، آپ کی والدہ رشتے میں حضرت انس بن مالک کی پھوپھی اور انس بن نضر کی حقیقی بہن ہوتی ہیں، اِن کی کنیت امِّ حارثہ ہے۔ حضرت حارثہؓ قبیلۂ خزرج کے خاندانِ بنو عدی بن نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ''صحابی ابن صحابیؓ'' اور شہید ابن شہید'' ہیں، آپ بدر میں اور آپ کے والدِ گرامی حضرت سراقہؓ غزوۂ حنین میں شہید ہوئے۔ (اصحابِ رسول کی یادیں:۱۰۶، صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا:۵۱۶)

والدہ کی اطاعت گذاری

آپ اپنی والدہ کے انتہائی اطاعت گذار اور فرماں بردار تھے، صاحبِ اسد

الغابہ اسی بنا پر لکھتے ہیں: ''کان عظیم البر بأمه'' آپ ماں کے معاملہ میں بڑے نیکوکاروفرماں بردار تھے۔

سچا مسلمان

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: اے حارثہ! صبح کیسی گذری؟ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا کہ: میں سچا مسلمان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حارثہ! ذرا سوچ سمجھ کر کہو، ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا: دنیا سے منہ پھیرلیا ہے رات اور دن تشنہ دہن رہتا ہوں، اور اس وقت حال یہ ہے کہ اپنے آپ کو عرشِ الٰہی کی طرف جاتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور دوزخیوں کو دوزخ میں گرتے ہوئے اور جنّتیوں کو جنت میں ٹہلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، یہ سن کر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ کے قلب کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نور سے منوّر فرما دیتے ہیں وہ پھر خدا سے جدا نہیں ہوتا۔

لیکن از خدا جدا نہ باشد		مردانِ خدا خدا نہ باشد

پھر حضرت حارثہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شہادت کے لیے دعا کی درخواست کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائیں جس کا ظہور غزوۂ بدر میں ہوا۔

مواخاتی رشتہ

حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے صاحب

زادے سائبؓ کے ساتھ رشتۂ مواخاۃ میں جوڑے گئے تھے، حضرت سائبؓ نے اپنے والد کی طرح ابتدائی دنوں میں ہی اسلام قبول کرلیا تھا، حبشہ اور مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل رہا، بدر واحد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں حاضر رہے، ۱۲ھ میں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۳/ ۱۰۶)

غزوۂ بدر میں شرکت اور شہادت

بدر کے روز حضرت حارثہ بن سراقہؓ سامان کی حفاظت پر تعینات تھے، دو بدری گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہوکر حضرت حارثہؓ لشکر کے ساز وسامان کی حفاظت کر رہے تھے، آپ نہایت چاق وچوبند اس فریضے کو نبھا رہے تھے، اسی دوران پیاس کا تقاضہ ہوا، آپ مسلمانوں کے بنائے ہوئے حوض کے کنارے پر پانی پینے کے لیے تشریف لے گئے، ابھی تو آپ پانی نوش فرما رہے تھے کہ اچانک حِبّان بن عَرِقہ نے اس زور سے تیر چلایا کہ تیر سیدھا آپ کے حلق میں پیوست ہوگیا، حوض کے پانی سے تو آپ کی پیاس نہ بجھ سکی؛ مگر جامِ شہادت نے مدّتوں کی تشنہ لبی کو بجھا دیا اور اسی طرح آپ لڑائی کا آغاز ہونے سے پہلے ہی نعمتِ شہادت سے بہرہ ور ہوئے۔ غزوۂ بدر میں انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے شہادت کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا۔

(کاروانِ جنت: ۱۰۶، فرسان النہار من الصحابۃ الأخیار: ۴/ ۱۶۳، اصحابِ بدر: ۱۳۲)

خدا نے عزتِ دارین کی عطا اس کو
جو تیری عزت وناموس پر نثار ہوا

حارثہ جنت الفردوس میں

آپ کی والدہ ربّیع بنتِ نضر کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی، جب مجاہدین غزوۂ بدر سے لوٹ رہے تھے تو سیدہ ربیع بنتِ نضر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھے اپنے بیٹے حارثہ سے کس قدر محبت تھی، یارسول اللہ! اگر میرا بیٹا جنت میں گیا ہے تو میں صبر کروں گی اور اپنے رب سے اجر وثواب کی امید رکھوں گی؛ ورنہ تو میں اپنا وہ حال بناؤں گی جس کو آپ دیکھ لیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اے امِّ حارثہ! تمہیں کیا ہوگیا، ارے! کیا تمہاری عقل جاتی رہی ہے۔ جنت ایک نہیں؛ بلکہ بہت ساری ہیں، اور تمہارا صاحبزادہ جنت الفردوس میں ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ربّیع بنتِ نضر خوشی کے مارے باغ باغ ہوگئیں اور کہنے لگیں: "بخ بخ یا حارثہ"، واہ واہ اے حارثہ! (یہ جملہ عربوں کے یہاں مسرّت وفرحت کے مواقع سے بولا جاتا تھا)۔ (جنگِ بدر کے تین سو مجاہد: ۲۷۳)

یہ تھے "صحابی ابن صحابی" اور "شہید ابن شہید" حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ جن کو غزوۂ بدر میں سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں زندگی صبر واستقامت، رضائے الٰہی اور اطاعت وعبادت کے ساتھ گذارنی چاہیے، اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امّتِ مسلمہ کو ان پاک طینت ہستیوں کا اتباع نصیب فرمائیں اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائیں۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ضحاک بن ابی جبیرہ رضی اللہ عنہ

محمد رفیق ابراہیم پالنپوری

ایک دن ماہتابِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہالہ بنائے بیٹھے تھے، نورِ نبوت سے اکتسابِ فیض جاری تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”سیطلع علیکم رجل من أهل الجنة“، (ابھی ایک ایسا شخص تمہارے پاس آئے گا جو جنّتی ہوگا) صحابہ رضی اللہ عنہم سرتاپا انتظار بن کر بیٹھ گئے۔

چناں چہ اسی وقت ایک انصاری صحابی کی آمد ہوئی، ریش وضو کے پانی سے تر ہے اور ہاتھ میں نعلین تھامے ہوئے ہیں، دو رکعت پڑھ کر باادب سرکار کی مجلس میں بیٹھ گئے۔ اگلے دن پھر ایسا ہی ہوا کہ مجلس جمی ہوئی تھی اور دربارِ رسالت سے یہی پیشین گوئی صادر ہوئی: ”سیطلع علیکم رجل من أهل الجنة“، جنتیوں میں سے ایک شخص عنقریب تمہارے پاس آئے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرطِ اشتیاق سے دروازے کی طرف تکنے لگے، وہی کل والا چہرہ وصورت اور وہی کل والا حلیہ اور کام۔ تیسرے روز بھی وہی فرماں اور یہی انسان۔

تیسرے دن جب مجلس کے اختتام پر اس بندۂ سعید نے اپنے دولت کدے کا رخ کیا، تو ایک نوجوان اس کے پیچھے ہولیا اور آواز دے کر کہا: چچا جان! میرا اپنے والد سے جھگڑا ہوگیا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تین روز تک گھر نہ جاؤں گا، اگر آپ مجھے اپنے یہاں ٹھہرالیں تو بڑی مہربانی ہوگی، خوبیوں کا یہ مجسمہ

اسے کب منع کرتا، چناں چہ اس نے ہاں کردی، بس! کیا تھا اس کی ''ہاں'' ہوتے ہی یہ نوجوان ان کے ساتھ ہو لیے اور تین رات ان کے گھر میں ٹھہرے رہے اور ان کے اعمال وافعال کو نزدیکی سے دیکھتے رہے؛ لیکن ہیچ عجب نہ دارد و ہیچ خوبی نظر نہ آید، مہمان نوجوان خود بیان کرتے ہیں کہ: نہ میں نے انہیں رات کو بڑی عبادت کرتے دیکھا اور نہ کوئی دوسری خاص بات میں نے ان میں پائی، صرف اتنا کہ رات کو جب بھی کروٹ بدلتے تو اللہ کو یاد کرتے اور تکبیر کہتے؛ البتہ زبان سے کوئی برا کلمہ نہ نکالتے، ان تین دن میں مجھے ان کا کوئی عمل غیر معمولی نظر نہیں آیا تو بالآخر میں نے اپنی حقیقت ان کے سامنے بیان کردی کہ:

چچا جان! نہ میرا اپنے والد سے جھگڑا ہے اور نہ ہماری گفت وشنید منقطع ہے، قصہ مختصر! بات اتنی سی ہے کہ میں نے مسلسل تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ابھی تمہارے سامنے جنّتی انسان آئے گا اور تینوں مرتبہ آپ کی ذاتِ گرامی سامنے رونما ہوتی رہی، مجھے شوق ہوا کہ دیکھوں: آخر ایسا کونسا عمل ہے جس کی وجہ سے جنت کی بشارت عطا ہوئی؛ مگر مجھے تو تمہاری کوئی خاص نیکی نظر نہیں آئی، اب آپ ہی بتلایئے کہ کس چیز نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا؟ متواضع لہجہ میں ان صاحب نے ناچار ہوکر کہا: میں تو بس یہی کچھ ہوں جو تم نے دیکھا۔

مہمان کہتے ہیں: میں تو لوٹ چلا تھا کہ انہوں نے مجھے پھر بلایا اور کہا (جو انسانیت کے قلبی امراض کا ایک نسخۂ کیمیا ہے اسلامی معاشرے کا بھلایا ہوا سبق ہے) کہ: ''ہاں! البتہ ایک بات ہے کہ میں اپنے نہاں خانۂ دل میں کسی مسلمان

کے حق میں کوئی بغض و کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی اچھی چیز پر جو اللہ نے اس کو دے رکھی ہے، حسد کرتا ہوں''۔نوجوان یہ سن کر اچھل پڑا: بس! یہی بات ہے جس کی بنا پر تم اتنے اونچے مقام سے نوازے گئے ہو۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قارئین! آپ کے ذہن کی اسکرین پر کافی دیر سے یہ سوال چمک رہا ہوگا کہ آخر یہ سعید و نیک بخت کون ہیں؟ جنہیں دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہشت کی بشارت ایک نہیں، دو نہیں؛ تین تین مرتبہ عطا فرمائی اور اس کا وہ عجیب مہمان نوجوان کون ہیں جو اس کی خوبیاں تلاش کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہولیا؟

یہ نیکیوں کا حریص مہمان ایک نوجوان صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے اور اس سعید و نیک بخت میزبان کا اسمِ گرامی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ضحاک بن ابی جبیرہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے۔

''فاعتبروا یاأولي الأبصار'' کے پیشِ نظر ہمیں اس سے یہ عبرت اور درس لینا چاہیے کہ ہم اپنے قلوب کو ہر طرح کے بغض و کینہ اور حسد وغیرہ سے پاک رکھے اور اپنی زبان کی حفاظت کرے اور دوسروں کی خامیوں کے بجائے خوبیوں کے متلاشی رہے۔

حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فیضانِ نبوت سے بساط بھر مستفیض ہوئے، اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ سے کئی ایک روایات مروی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے: حضرت ضحاک بن ابی جبیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شہادت اور درمیانی انگلی کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں یعنی قیامت میری بعثت کے بعداب آیا چاہتی ہے۔(کاروانِ جنت:۱۴۶-۱۴۷)

نام کے بارے میں دو نقطہ ہائے نظر

آپ کا نام عام طور سے ضحاک بن ابی جبیرہ رضی اللہ عنہ ہی لکھا جاتا ہے؛ لیکن ابویعلیٰ بغوی اور ابن السکن کہتے ہیں کہ: یہ مقلوب ہے، اصل نام: ابوجبیرہ بن ضحاک، ان کی تائید ابونعیم کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس نام کو حماد بن سلمہ نے پلٹ دیا ہے، نیز آپ کی ایک بہن کے نام سے بھی اس کو تقویت ملتی ہے۔ ابوعمر فرماتے ہیں کہ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ثبیتہ بنتِ ضحاک کو ولادت ہوئی، اس ثبیتہ کے بارے میں علی بن مدینی قاضی اسماعیل بن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ: یہ ابوجبیرہ کی بہن تھیں، جب یہ آپس میں بھائی بہن ہوئے تو ان کے والد ضحاک ہی ہوں گے؛ لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا اصل نام تو ابوجبیرہ بن ضحاک ہی ہو؛ لیکن بعد میں مقلوب ہونے کی وجہ سے اسی طرح منقول چلا آرہا ہو۔(الإصابة في تمييز الصحابة، بہ شکریہ استاذِ محترم مفتی ادریس صاحب گودھروی زید فیضہ)

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

از قلم:

قاسم عبد الکبیر موسالی

سوانحی خاکہ

حضرت حبیب بن زید انصاریؓ

نام: حبیب۔
والد کا نام: زید بن عاصم۔
والدہ کا نام: امِ عُمارہ نُسیبہ مازینیہ۔
قبیلہ: قبیلۂ خزرج کا خاندانِ بنونجار۔
اسلام: ہجرتِ نبوی سے بہت پہلے۔
بیعت: عقبۂ کبریٰ کے موقع سے۔
غزوات: غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے۔
شہادت: مسیلمۂ کذاب کے ہاتھوں رسالتِ صادقہ کی گواہی دیتے ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

قاسم عبدالکبیر موسالی

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ ہیں جس کے ہر ہر فرد کے تذکرے سے ایمان ویقین کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں، ان کی پرورش ایک ایسے خاندان میں ہوئی جس کی قربانی وفداکاری کے گیت اب بھی گائے جاتے ہیں، یہ قبیلۂ خزرج کا خاندانِ بنونجار ہے۔ ذیل کے سطور میں حضرت حبیب کے ایمان افروز حالات پیشِ خدمت ہیں:

نام ونسب اور خاندان

آپ کے والد کا نام: زید بن عاصم رضی اللہ عنہ تھا، جو آپ کے عہدِ طفولیت ہی میں انتقال فرما گئے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حبیب بن زید بن عاصم بن کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن عازن بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

آپ کے والد یثرب میں مسلمانوں کی جماعت میں شامل تھے اور ان ستر سعادت مند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بیعتِ عقبۂ کبریٰ کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دستِ بابرکت پر بیعت کی تھی، اس بیعت میں ان کے ساتھ ان کی زوجۂ محترمہ امِ عُمارہ نُسَیبہ اور ان کے دونوں صاحب زادے: حضرت حبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت زید کی والدہ امِ عُمارہ نسیبہ مازینیہ رضی اللہ عنہا وہ خاتون ہے جس نے دینِ حق کے لیے سب سے پہلے ہتھیار اٹھائے اور آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ عظیم صحابی ہیں جنھوں نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے خاطر اپنی جان کی بازی لگادی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہوکر ان کے متعلق فرمایا تھا:

”بارک اللہ علیکم من أھل بیت رحمکم اللہ من أھل بیت“، تم گھر والوں پر اللہ اپنی برکت نازل فرمائے، تم گھر والوں پر اللہ اپنی رحمت نازل کرے۔

(حضرت امِ عمارہ نسیبہ رضی اللہ عنہا کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: پندرہ جنّتی صحابیات: از ص: ۵۹ تا ص: ۹۲ مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل۔ حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کے حالات زیرِ نظر کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں)۔

قبولِ اسلام، بیعت اور غزوات میں شرکت

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے دل کے نہاں خانوں میں بچپن ہی سے ایمان کا نور جاگزیں ہوچکا تھا جس وقت آپ زندگی کے ابتدائی مراحل میں تھے اس وقت اپنے والد کے ساتھ بیعتِ عقبہ میں شریک ہوئے اور اسی دن سے آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والدین سے زیادہ محبوب اور اللہ تعالیٰ کا دین اپنی جان سے زیادہ قیمتی ہوچکا تھا۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنی کم عمری کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے؛ تاہم غزوۂ احد کے موقع پر ابنِ سعد کے بیان کے مطابق آپ نے اپنی والدہ امِ عمارہ رضی اللہ عنہا

اور بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ صرف شرکت کی سعادت حاصل کی؛ بلکہ شجاعت وجواں مردی کے جوہر دکھلائے۔ نیز اس کے بعد کے تمام غزوات میں بھی حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی کا شرف حاصل رہا، اور ان میں سے ہر ایک میں انہوں نے ہمت وجواں مردی، شجاعت وبہادری اور قربانی وفدا کاری کے لافانی نقوش ثبت کیے؛ لیکن یہ سارے کارنامے اپنی عظمت کے باوجود درحقیقت اس عظیم الشان کارنامے کی زبردست تیاری کے مختلف مراحل تھے جس کا ذکر آئندہ سطروں میں آنے والا ہے جو آپ کے ضمیر کو اس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے گا جس طرح وہ زمانۂ نبوت سے لے کر اب تک لاکھوں مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ چکا ہے، یہ سچی کہانی آپ کے ایمان کو تازہ کردے گی، آیئے! ہم اس الم انگیز وعبرت خیز قصے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

مسیلمہ کذّاب کا دعویٰ

سنہ ۹ھ تک شجرِ اسلام کافی مضبوط ومستحکم ہوچکا تھا، اس کی شاخیں وسیع ہوچکی تھیں اور اس کی جڑیں سرزمینِ عرب کی گہرائیوں میں اتر چکی تھیں، اس سال اطرافِ مدینہ سے وفود کی آمد ورفت کا سلسلہ بہ کثرت رہا۔ یہ وفود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، قبولِ اسلام کا اعلان کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر بیعت کا شرف حاصل کرکے روانہ ہوجاتے۔ ایک مرتبہ نجد کے بالائی حصے سے بنو حنیفہ کے ایک وفد نے آکر مدینۂ منورہ کے کنارے پڑاؤ ڈالا، مسیلمہ بن حبیب نامی ایک شخص کو سامان کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا اور بقیہ لوگ

دربارِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کے لیے روانہ ہوگئے، خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر انہوں نے اپنے قبیلہ کی طرف سے قبولِ اسلام کا اعلان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں عطیات وانعامات سے نوازا۔

جب یہ وفد واپس نجد پہنچا تو مسیلمہ بن حبیب اسلام سے پھر گیا اور اس نے یہ اعلان کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بنوحنیفہ کے لیے نبی بنا کر بھیجا ہے، اس اعلان کے ساتھ ہی بنوحنیفہ کے لوگ مختلف عوامل کے تحت اس کے پرچم تلے جمع ہونے لگے۔

جب مسیلمہ کے بازو مضبوط ہوگئے اور اس کے متبعین کی تعداد بڑھ گئی تو اس نے اپنے دو آدمیوں کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام۔

السلام علیک!

اما بعد! نبوت کے اس منصب میں آپ کے ساتھ میں بھی شریک ہوں، نصف ملک میرا نصف قریش کا لیکن قریش ایک زیادتی پسند قوم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس وقت یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں قاصدوں سے پوچھا: تم لوگ اس تعلق سے کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر قاصد کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا۔

اس کے بعد آپ نے ایک خط مسیلمہ کذاب کے نام لکھوا بھیجا جس کے الفاظ

یہ ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ إلیٰ مسیلمة الکذاب، السلام علیٰ من اتبع الھویٰ، أما بعد! فإن الأرض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ و العاقبة للمتقین.

ترجمہ: اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، سلام اس پر جو ہدایتِ خداوندی کی پیروی کرے، اما بعد! بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اسے عطا فرماتا ہے، اور آخرت کا بہترین انجام متقیوں کے لیے ہے۔

اس مکتوبِ مبارک کے بھیجنے کے چند دن بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رحلت فرما گئے، اب مسیلمۂ کذاب کی ہمت اور بڑھ گئی، اس نے اپنی شعبدہ بازیوں اور ستم رانیوں کے بل پر لوگوں کو زبردستی اپنا معتقد بنانا شروع کیا، تقریباً چالیس ہزار جنگجو عرب مرتد ہو کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، جو شخص اس کی نبوت کا انکار کرتا اس پر سخت ظلم ڈھاتا۔

حبیب بن زید کا ولولہ انگیز کردار

اسی زمانہ میں ایک دن حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ عمان سے مدینہ آرہے تھے کہ اس ظالم کے ہاتھ لگ گئے، (ایک روایت کے مطابق یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خط لے کر گئے تھے اور اس نے پکڑ لیا) اس نے ان سے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فوراً جواب دیا: ہاں! یہ سن کر مسیلمہ کا چہرہ

سرخ ہو گیا، اس نے دوبارہ سوال کیا: کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ آپ نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا: میرے کان یہ سننے کے لیے بہرے ہیں، اس پر مسیلمہ نے انتہائی غضبناک ہو کر ان کا ایک عضو کاٹ دیا۔

پھر مسیلمہ کذاب نے دوبارہ وہی سوال کیا اور آپ نے بڑی ثابت قدمی سے دوبارہ وہی جواب دیا، نتیجے میں ان کا دوسرا عضو بھی کٹ کر زمین پر تڑپنے لگا، لوگ نگاہیں اٹھائے ہوئے حیرت و تعجب سے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی کا مظاہرہ دیکھ رہے تھے۔

مسیلمہ بار بار سوال کرتا رہا اور آپ ہر مرتبہ ایمان و یقین سے بھرپور اپنا وہی جواب دہراتے رہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے متعلق پوچھا جاتا تو بڑے جذب و شوق سے گواہی دیتے کہ: ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جب مسیلمہ کذاب اپنے متعلق پوچھتا تو آپ بہرے بن جاتے اور یوں آپ کا ایک عضو جسم سے الگ ہو کر تڑپنے لگتا، یہاں تک کہ آدھا جسم کٹے ہوئے ٹکڑوں کی شکل میں بولتا رہا، نزع کی حالت میں ان کے پاکیزہ ہونٹوں پر اسی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام تھا جن کے دستِ بابرکت پر انہوں نے عقبہ کی رات بیعت کی تھی، اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ ''إنا لله و إنا إليه راجعون''۔

والدہ کا ایمان افروز تبصرہ

جب آپ کی والدہ امِّ عُمارہ کو اس دردناک شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے

صرف اتنا کہا کہ: میں نے ایسے ہی مواقع کے لیے اس کو پالا پوسا تھا، اس نے بچپن میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقبہ کی رات بیعت کی تھی اور اب جوان ہوکران سے وفاداری کا حق ادا کردیا، میں اللہ تعالیٰ سے بہترین اجر کی توقع کرتی ہوں، اگر خدا نے مجھ کو مسیلمہ کذاب پر قابو بخشا تو میں اس کی لڑکیوں کو اس پر نوحہ کرنے کے لیے مجبور کردوں گی۔ اس طرح حضرت امِّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے اللہ سے عہد کرلیا کہ وہ مسیلمہ کو مارڈالے گی یا خود اس راہ میں قربان ہوجائے گی۔

خس کم جہاں پاک

خدا نے ان کی یہ تمنا بہت جلد پوری کردی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہوتے ہی مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ کا اعلان ہوگیا اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا، حضرت امِ عُمارہ رضی اللہ عنہا اور ان کے لڑکے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی اس جماعت میں شریک تھے۔

اب مسلمانوں اور مرتدین کے درمیان فیصلہ کن لڑائی شروع ہوئی، حضرت امِ عمارہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی برابر شجاعت وبسالت سے شمشیرزنی کے جوہر دکھلاتے رہے اور مسیلمہ کذاب تک پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔

اچانک امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کی عقابی نظر مسیلمہ کذاب پر پڑی تو تلوار کی نوک سے دشمنوں کی صفیں چیرتی چلی گئیں، جیسے جذب وجنون کی آنکھیں ایک نئی دنیا کا نظارہ کررہی ہوں، جیسے جنت کی بہاریں ان کے مشامِ جاں کو معطر کررہی ہوں، کسی بھی طرح مارتی کاٹتی اس تک پہنچ گئیں، اس کوشش میں گیارہ زخم لگے اور ایک ہاتھ جسم

سے جدا ہو گیا، اپنی برچھی کے ذریعے وار کیا ہی چاہتی تھیں کہ یکایک اس دشمنِ خدا پر دو وار ایک ساتھ ہوئے۔

امِ عمارہ رضی اللہ عنہا دیکھتی ہی رہ گئیں کہ یہ کون ہیں؟ نظر گھما کر دیکھا تو قریب ہی اپنے بیٹے عبد اللہ بن زید کو پایا جو اپنی تلوار خون سے رنگین کیے ہوئے کھڑے ہیں، پوچھا: کیا تم نے اس کو قتل کیا؟ فرمانے لگے کہ: میں نے اس پر اپنی تلوار کا وار کیا اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی طرف نیزہ پھینکا، اب معلوم نہیں کس کے وار سے یہ مردود جہنم رسید ہوا۔ اپنے لختِ جگر کے قاتل اور ناموسِ رسالت پر ڈاکہ زنی کرنے والے مسیلمہ کذاب کو خاک وخون میں تڑپتا دیکھ کر امِ عمارہ رضی اللہ عنہا کو حد درجہ سکون وراحت نصیب ہوئی اور وہیں اپنے رب کے حضور سجدۂ شکر ادا کیا۔

یہ تھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں؛ جن کو سن کر ہمارے ایمان میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی دین کے خاطر قربانیاں پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

مآخذ ومراجع

(۱) طبقات ابنِ سعد (۲) الاصابہ

(۳) سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس جاں نثار

(۴) زندگیاں صحابہ کی (۵) کاروانِ جنت

(٦) صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا

حضرت انیس بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ

ازقلم:
سعد اصغر احمد آبادی

سوانحی خاکہ

حضرت انیس بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ

نام: انیس (ایک روایت کے مطابق انس)۔

کنیت: ابویزید۔

والد کا نام: کناز۔

والد کی کنیت: ابومرثد۔

اسلام: فتحِ مکہ سے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے۔

غزوات: فتحِ مکہ، حنین اور اوطاس کے غزوؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

وفات: ربیع الاول ۲۰ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت انیس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ

سعد اصغر احمد آبادی

روزِ اول سے اس صفحۂ گیتی پر ان گنت قافلے رواں دواں رہے اور تقدیر کے دائمی فیصلہ کے مطابق مقررہ وقت پر خاک کی چادر اوڑھے ابدی نیند سو گئے؛ لیکن اس کرۂ ارض پر ایسی بھی عظیم المرتبت ہستیاں جلوہ گر ہوئیں جن کو قدرت نے ماہتابِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا جو انسانی اوصاف کی بلندیوں کے جگمگاتے ستارے تھے، جنھوں نے آپ کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے، اوڑھنے پہننے، غرض یہ کہ زندگی کی ایک ایک ادا، ایک ایک طریقہ اور ایک ایک سنّت کو اس طرح محفوظ کیا کہ تاریخِ عالم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، رنگ بدلتی کائنات کو نظامِ نو بخشنے والا ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم'' کا یہ پاکباز قافلہ ان سنتوں اور طریقوں کو اپنی زندگیوں میں ڈھال کر وقت کی باطل ترقی یافتہ تہذیبوں کو مٹانے کے لیے نکلا۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طرزِ زندگی کے مقابلے میں دنیا کی کوئی تہذیب، کوئی تمدّن، کوئی ثقافت ان کی آنکھوں کو خیرہ اور ان کے دلوں کو فریفتہ نہ کر سکی۔

ان عبقری شخصیتوں کا قافلہ ملکِ عدم کی طرف روانہ تو ہو گیا؛ مگر تاریخ کے صفحات پر، لوگوں کے دلوں میں اور یادوں میں زندہ و تابندہ ہے، ان ہی آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نجوم و کواکب میں سے ایک سیدنا انیس بن ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام انیس (ایک روایت کے مطابق انس) اور کنیت ابو یزید ہے، آپ کے والد کا نام کناز اور ان کی کنیت ابو مرثد ہے، آپ کے دادا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، اربابِ سیر نسب یوں بیان کرتے ہیں: انیس بن ابو مرثد (کناز) بن حصین بن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن حلان بن غنم بن یحییٰ بن یعصر بن سعد بن قیس بن غیلان بن مضر۔

والدِ گرامی کے مختصر حالات

آپ کے والد ابو مرثد نے آغازِ اسلام ہی میں لوائے توحید کو تھام لیا اور سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کی ''السابقون الاولون'' نامی مقدس جماعت کے ایک معزز رکن بن گئے، جب ہجرت کا حکم ہوا تو آپ کے والد دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح سرزمینِ مکہ کو الوداع کہہ کر یثرب جا پہنچے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ میں مواخاۃ قائم فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد بدر، احد، خندق اور دوسری تمام معرکہ آرائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ جب فتحِ مکہ کے موقع پر مشہور صحابی حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط قریشِ مکہ کے نام خفیہ طریقہ سے روانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن آدمیوں کو خط کے تعاقب کے لیے بھیجا تھا، ان میں سے ایک آپ کے والد ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ۱۲ھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں چھیاسٹھ برس کی عمر پا کر اس دنیا سے عالمِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔

غزوۂ حنین اور جاسوسی

حضرت انیس رضی اللہ عنہ خود بھی صحابی تھے اور آپ کے والد، دادا اور بھائی بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ فتحِ مکہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، فتحِ مکّہ، حنین اور اوطاس کے غزوؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہمرکاب رہے۔

حنین میں جاسوسی کی خدمت آپ ہی کے سپرد تھی، حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ہم غزوۂ حنین کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہمراہ روانہ ہوئے اور مسلسل سفر کرتے رہے؛ یہاں تک کہ سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ ہمارے سروں پر جا پہنچا اور ریگستانی صحرا کو اپنی شدتِ حرارت سے بھڑکانے لگا اور فضا میں گردش کرتی گرم ہوائیں جسم کو جھلسانے لگیں تو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، جب روانگی کے لیے سفر کی تیاریاں ہونے لگیں تو ظہر کا وقت ہو گیا۔

اسی اثنا میں ایک گھڑسوار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! میں لشکر کے آگے آگے چل رہا تھا، میں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قبیلۂ ہوازن کے تمام لوگ اپنے سارے ساز و سامان اور بھیڑ بکریوں کے ساتھ روانہ ہو چکے ہیں اور حنین میں جمع ہو رہے ہیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مسکرائے اور فرمایا کہ: ان شاء اللہ آئندہ کل وہ سب مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت ہوگا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ: آج رات ہمارے یہاں کون پہرہ دے گا، حضرت انیس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ خدمت میں انجام دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: گھوڑے پر سوار ہو جاؤ،

چناں چہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس گھاٹی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ، رات میں دھوکے کا شکار نہ ہو جانا، دشمنوں کی جانب سے خوب چوکنا رہنا۔ جب صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لائے اور دوگانہ ادا کی، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا: کیا تم نے اپنے گھڑ سوار (پہرے دار) کو دیکھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ہم نے تو نہیں دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کے لیے بلایا اور خود امامت فرمانے لگے، دورانِ نماز آپ بار بار گھاٹی کی جانب دیکھ رہے تھے، جب نماز ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: خوش ہو جاؤ، تمہارا گھڑ سوار (پہرے دار) آ گیا۔

جنت کی بشارت

(راوی فرماتے ہیں کہ:) ہم گھاٹی کی جانب درختوں کی آڑ میں جھانکنے لگے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ انیس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں، آپ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! جیسا آپ نے فرمایا تھا اسی کے مطابق میں یہاں سے روانہ ہوا اور فلاں گھاٹی کی چوٹی پر پہنچ کر پہرہ دیتا رہا، جب صبح ہوئی تو میں نے دونوں گھاٹیوں کے درمیان جھانکا؛ مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا: انیس! رات کو کسی وقت اترے بھی تھے، آپ نے کہا: حضور! صرف نماز کے لیے اور بشری تقاضے سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**فقد أوجبت، فلاعليك أن لاتعمل بعدها**“، ترجمہ: تم پر جنت واجب ہوگئی، اس کے بعد تم اور کوئی (خاص) عمل نہ

بھی کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا۔

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”عینان لاتمسھا النار، عین بکت من خشیۃ اللہ وعین باتت تحرس في سبیل اللہ“، ترجمہ: دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، ایک: وہ آنکھ جو خوفِ خدا سے روئی ہو اور دوسری: وہ آنکھ جو رات کو اللہ کے راستے میں پہرہ دیتی رہی ہو۔

اجرائے حدود کی خدمت

حضرت انیس بن ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب بہرے، اندھے، گونگے فتنے رونما ہوں گے جن (فتنوں کے دور) میں لیٹنے والا بیٹھنے والے سے بہتر ہوگا۔

کبھی کبھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کو اجرائے حدود کی خدمت پر مامور فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک عورت زنا کے الزام میں ماخوذ ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ: جا کر اس سے دریافت کرو، اگر اقرار کرے تو حد جاری کردو۔ ربیع الاول ۲۰ھ میں آپ کی طائرِ روح قفسِ عنصری سے اپنے دائمی اور ابدی آشیانے کی طرف پرواز کرگئی۔

ماخذ ومراجع

(۱) کاروانِ جنت (۲) اسد الغابۃ
(۳) سیر الصحابہ: جلد سوم، جلد ہفتم

حضرت عمرو بن ثابت اصیرمؓ

از قلم:
سیف الحق امتیاز احمد اندوری

سوانحی خاکہ

حضرت عمرو بن ثابت اصیرمؓ

نام: عمرو بن ثابت۔

نسب: عمرو بن ثابت بن وقش بن زغبہ بن زعواء بن عبد الاشہل۔

قبیلہ: بنو عبد الاشہل۔

لقب: اصیرم۔

اسلام: شوال سنہ ۳ھ۔

وفات: جنگِ احد میں شہید ہوئے۔

نمازِ جنازہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی۔

مدفن: میدانِ احد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عمرو بن ثابت اصیرم رضی اللہ عنہ

سیف الحق امتیاز احمد اندوری

تاریخ وسیر کے طلبہ سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کون شخص ہے جس کو بغیر ایک نماز پڑھے سیدھے جنت مل گئی، تو زبان پر سب سے پہلے عمرو بن ثابت اصیرم کا نام آتا ہے، آیئے! جانتے ہیں کہ: یہ ہستی کون ہیں۔

نام ونسب

نام: عمرو بن ثابت، لقب: اصیرم، آپ کا تعلق قبیلۂ اوس کے مشہور خاندان بنوعبد الاشہل سے تھا، آپ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہوتے ہیں، والدہ کا نام: لیلیٰ بنت یمان ہے جو مشہور صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔

(سیر الصحابہ: ۳/۲۲۹)

آپ کا سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: عمرو بن ثابت بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبد الاشہل۔ ابنِ مندہ آپ کا نسب یوں لکھتے ہیں: عمرو بن ثابت بن وقش بن اصیرم بن عبد الاشہل یہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اصیرم آپ کا لقب ہے نہ کہ آپ کے دادا کا نام، نیز نسبِ صحیح کے لیے وقش اور عبد الاشہل کے درمیان زغبہ اور زعوراء کا ہونا ضروری ہے۔

آپ کے بھائی کا نام سلمہ بن ثابت تھا، انہیں غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف حاصل ہوا اور جنگِ احد میں ابوسفیان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

اسلام

تقریباً چار سال اپنی اسی ڈگر پر چلتے رہے، جس کا ظاہری سبب بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ آپ کا سودی لین دین تھا اور قرض داروں کے ذمہ بہت سا قرض باقی تھا، یہ اپنا روپیہ وصول کر کے مسلمان ہونا چاہتے تھے مگر یہ بات قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوئی، الغرض! سبب جو بھی رہا ہو یہ بات طے ہے کہ آپ چار سال تک اسلام سے دور رہے۔ بالآخر شوال سنہ ۳ ھ میں جنگِ احد کا مرحلہ پیش آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، ادھر قبیلۂ بنو عبد الاشہل کے تمام صحابہؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اِس دوران عمرو بن ثابت اصیرمؓ کسی ضرورت سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔

جب اپنا سفر پورا کر کے واپس لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پورے محلے پر سنّاٹا چھایا ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سب کہسارِ اُحد کی طرف تیر و تلوار لیے کفر سے دو دو ہاتھ کرنے کو گئے ہیں، اسی وقت ایک جوش و ولولہ پیدا ہوا، دل کے نہاں خانوں میں ایمان کی کرنیں انگڑائی لینے لگیں، فوراً جنگی ساز و سامان سے آراستہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں ایمان لاؤں یا جہاد میں شریک ہوؤں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسلم ثم قاتل''، تم دونوں کام کرلو، پہلے ایمان لے آؤ، پھر جہاد میں بھی شریک ہو جانا۔ حضرت عمروؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنی پوری زندگی میں ایک بھی نماز نہیں پڑھی، اگر اس حالت میں جنگ میں شریک ہو کر شہید ہو گیا تو پھر بھی

مسلمان ہونا میرے حق میں بہتر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: جی ہاں! تب بھی تمہارے لیے بہتر ہوگا، اسلام پچھلے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔ یہ سنتے ہی کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ گئے۔

احد میں شرکت وشہادت

اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہوئے، دیگر مسلمان چوں کہ اس واقعۂ قبولِ اسلام سے ناواقف تھے، آپ رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر کہنے لگے: تم یہاں سے چلے جاؤ، ہمیں کافروں کی اعانت کی بالکل ضرورت نہیں، اس کے جواب میں حضرت عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں بھی اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کا اقرار کر چکا ہوں، جنگ کا آغاز ہوتے ہی بپھرے ہوئے شیر کے مانند کفار کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے اندر گھس گئے اور شمشیر زنی کے وہ جوہر دکھلائے کہ اپنے اور بیگانے سبھی انگشت بدنداں رہ گئے، اخیر تک اسی طرح دادِ شجاعت دیتے رہے؛ مگر ساتھ ہی اس دوران خود بھی شدید زخمی ہوتے رہے، زخم اتنے کاری تھے کہ آپ کھڑے ہونے کی تاب نہ لا سکتے تھے، سراپا زخموں سے چور تھا؛ مگر زندگی کی رمق ابھی باقی تھی۔

ادھر انصار کے قبیلۂ بنو عبد الاشہل کے کچھ لوگ اپنے شہیدوں کی تلاش میں پھر رہے تھے، اچانک ان کی نظر آپ رضی اللہ عنہ پر پڑی تو کہنے لگے: تم تو عمرو بن ثابت ہو، ہم تو تمہیں اس حال میں چھوڑ کر آئے تھے کہ تم منکرِ اسلام تھے، پھر تمہیں یہاں کون سی چیز کھینچ لائی، قومی حمیت یا اسلام کی رغبت؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اللہ

اور اس کے رسول کی خاطر لڑتا رہا؛ یہاں تک کہ میرا یہ حال ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو، اس کے بعد انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو آپ کے گھر والوں کے حوالے کر دیا۔ جب یہ خبر ان کے خاندان میں مشہور ہوئی تو قبیلۂ بنو عبد الاشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذ وغیرہ آپ کے گھر تشریف لائے اور آپ کی بہن سے واقعہ دریافت کیا، ابھی یہ مجمع منتشر نہیں ہوا تھا کہ جسمِ طاہر سے پاک و طاہر روح عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی اور ہمیشہ کے لیے بہشت میں اپنا مسکن بنا لیا۔

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ		ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادت کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "**عمل قلیلا واجری کثیرا**"۔ تھوڑے عمل پر بہت سا اجر پا گئے۔ (بخاری: ۱/ ۳۹۴) اور مسندِ احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**إنه من أهل الجنة**"۔ لاریب! وہ بہشتیوں میں سے ہے۔

(مسند احمد زاد المعاد: ۲/ ۲۳۶، کاروانِ جنت: ۱۰۵، اصحابِ رسول کی یادیں: ۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور پہیلی

چوں کہ یہ واقعہ بڑا عجیب تھا؛ اس لیے لوگوں نے اس کے یاد کرنے کا بڑا اہتمام کیا، چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے پوچھا کرتے تھے کہ: بتاؤ کوئی ایسا شخص ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور سیدھا جنت میں گیا ہو، جب لوگ جواب نہ دے پاتے تو آپ ارشاد فرماتے کہ: وہ خوش نصیب وسعادت مند حضرت عمرو بن ثابت اصیرم اشہلی رضی اللہ عنہ ہیں، انہیں قبولِ

اسلام کے بعد ایک بھی نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا، ایمان لا کر شریکِ جہاد ہوئے اور راہِ حق میں شہید ہو کر سیدھے بہشت میں پہنچ گئے۔

چودہویں صدی کا مسلمان کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم یہ دعا تو کر لے کہ اللہ ہم سب کا حشر حضرت عمرو بن ثابت اصیرمؓ کے ہمراہ فرمائے، آمین۔

حضرت عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ

از قلم:
محمد عثمان غنی عبد اللہ اکل کوا

سوانحی خاکہ

حضرت عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ

نام: عمیر۔

والد کا نام: حمام (حا کے ضمہ، میم کے فتحہ اور تخفیف کے ساتھ)۔

سلسلۂ نسب: عمیر بن حمام بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن سلمہ انصاری السلمی۔

مستقل اقامت: مدینۂ منورہ میں۔

قبولِ اسلام: غالب یہ ہے کہ ابتدا ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں گے۔

وفات: سنہ ۲ ھ غزوۂ بدرِ کبریٰ میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ

محمد عثمان غنی عبداللہ اکل کوا

اہلِ عرب زیاں کارانہ وسود فراموشانہ زندگی بسر کر رہے تھے، ہر سو ظلم وستم کی تُند وتیز ہوائیں چل رہی تھیں، عورتوں کی عصمت دری ایسی کہ آئندہ نسلوں کے لیے فسانۂ عبرت بن گئے، معصوم وبے قصور بچیاں جن کی ایک مسکراہٹ سینکڑوں انسانوں کے دل میں طوفان اٹھا دیتی ہے، انہیں صرف لڑکی ہونے کی پاداش میں زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، ہر کوئی خواہ وہ دولت کدے میں ہو یا غریب خانے میں ظرفِ قدح خواری لیے مے نوشی سے لرزہ براندام نظر آتا تھا کہ ع

کوئی معیار ہی باقی نہ تھا شرم وشرافت کا

ایسے خطرناک وسنگین ماحول میں ایک ایسے نبی کا ظہور ہوا جو امّی ہوکر عالمِ انسانیت کے معلّم بنے، جن کے احسانات واثرات ہر زمانے میں مسلم رہے، ادب وثقافت اور تعلیم وتربیت کے حوالے سے ایسا قائدانہ رول ادا کیا کہ دنیا اب بھی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے، جو افسردہ دلوں کے لیے مرغِ چمن، مردہ ضمیروں کے لیے نفس ہائے مسیح، کسل مندوں کے لیے بانگِ درا، ناشکیبوں کے لیے ضربِ کلیم، شرمندگانِ ساحل کے لیے بحرِ بےکراں تھے، بس اس سے زیادہ تو اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

ہے سرکارِ دو عالم کی ثنا اب بھی ادھوری
صدیوں سے ادیبوں کے قلم ٹوٹ رہے ہیں

جو قرآن میں محمد و احمد سے موسوم ہے، جن کی پیہم کوہ کنی سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جاں نثار جماعت تیار ہوئی، جو اسلام کے لیے قربانیوں کے دیپ جلاتے جلاتے نقدِ جاں بھی ہار گئے۔ ان ہی شہیدانِ عشق ووفا میں سے ایک حضرت عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ ہیں۔

نام ونسب

آپ کا اسمِ گرامی عمیر اور والد کا نام: حُمام تھا (حاء کے ضمہ اور میم کے فتحہ وتخفیف کے ساتھ)۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: عمیر بن حمام بن جموع بن زید بن حرام بن کعب بن سلمہ انصاری السلمی۔ (فرسان النہار من صحابۃ الاخیار: ۴ / ۱۰۸)

اسلام

اسلام لانے کا صحیح وقت متعین کرنا اگرچہ مشکل ہے، مگر اغلب یہ ہے کہ ابتدائی دور ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں گے۔

دل دے چکے ہیں عہدِ وفا کر چکے ہیں ہم

جب مکی کشتگانِ عشق، ظلم وستم کے جان لیوا بگولوں سے نبرد آزما ہو کر مدینۂ منورہ ہجرت کر گئے تو انصارِ مدینہ ان زخم خوردہ مسلمانوں پر دیوانہ وار نثار ہو گئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجرینِ مکہ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے انصارِ مدینہ اور مہاجرینِ

مکہ کے درمیان ایسی بھائی چارگی قائم کی جو آج دو خونی بھائیوں کے درمیان بھی ڈھونڈھنے سے نہیں مل سکتی۔ چناں چہ مہاجرینِ مکہ میں سے حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہ کا رشتۂ مودت حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ سے قائم ہوا، یہ حسنِ اتفاق رہا کہ یہ دونوں مواخاتی بھائی جنگِ بدر میں شریک ہوئے اور دونوں نے شہادت پائی۔

کچھ جھلکیاں حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہ کی

حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ السابقون الاولون میں سے ہیں، سنہ ۱ نبوی میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے، ربیع الاول اور بقولِ بعض شوال المکرم سنہ ۲ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کو تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساٹھ (۶۰) یا اسّی (۸۰) مہاجرین کی معیت میں ''بطنِ رابغ'' کی طرف بھیجا، جہاں سے قریشیوں کے سردار ابو سفیان بن حرب کی زیرِ کمان تجارتی قافلہ گذرنے والا تھا، یہ سریہ بغیر کسی ردّ وقدح کے واپس ہوا۔ (عہدِ نبوی کے ماہ وسال: ۹-۷۸)

جنگِ بدر میں قریشیوں کے مبارزت طلب کرنے پر شاہِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین کافروں کے مقابلے میں تین شہسواروں کو پیش کیا تھا، اس میں حضرت عبیدہ بن حارث مطلبی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو شیبہ کے مدِّ مقابل تھے، (جب کہ تاریخِ اسلام عاشقی ص: ۲۴۳ میں عتبہ بن ربیعہ کو آپ کا مدِّ مقابل بتلایا ہے)۔ دونوں نے ایک دوسرے کو کاری زخم دیے، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ وحمزہ رضی اللہ عنہ کی شمشیرِ برّاں نے شیبہ کو جہنم رسید کیا، اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں اٹھائے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، جہاں انہوں نے آغوشِ نبوت میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں شرکت

۱۷ / رمضان المبارک یومِ جمعہ کی صبح ہوئی اور آفتاب نے اپنی برچھی نما شعاعوں کو چاروں طرف پھیلا دیا جس سے تلواروں کی چمک اور جنگجوؤں کا جوش وولولہ چھلکنے لگا، دینِ اسلام کے سپاہی اور معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات بھر آہ وزاری میں مشغول رہے تھے، اب دلیری اور پہلوانی جتلانے اور اپنے عشق پر جان لٹانے کا وقت آچکا تھا اور کاروانِ نبی کا ہر دل اور چاہتا تھا کہ: کاش! سب سے پہلے میری تلوار اپنے جوہر دکھلائے، اور میں نبی کا پہلا جاں نثار کہلاؤں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں باز صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کھڑے ان کی صف بندی فرما رہے تھے۔

لیجیے! جنگ شروع ہوگئی، مشرکینِ مکہ مبارزت طلب کر کے ناکام ہوئے، کفارِ قریش کے تین جنگ آزمودہ سرداروں کا قتل ہونا تھا کہ لشکرِ کفار کے دلوں میں آتشِ انتقام بھڑک اٹھی، اور ابوجہل کی زلزلہ افگن تقریر نے جلتی پر تیل کا کام دیا۔

اِدھر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں باز غازیوں میں ایسی سحر انگیز تقریر فرمائی جیسے کسی نے مردہ دلوں میں روح پھونک دی ہو، مجاہدین کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ، جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ بلیغ انداز میں کرتے ہوئے کچھ اس طرح لب کشا ہوئے: ”**والذي نفس محمد بيده لا يقاتلهم اليوم رجل صابرا محتسبا مقبلا غير مدبر إلا دخله الله الجنة**“، یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے کہ جو شخص بھی آج لڑتا ہوا اس حال میں شہید

ہوگا کہ وہ صابر ہو، ثواب کا امیدوار ہو اور دشمن کے سامنے ڈٹا رہے، پیٹھ پھیر کر نہ جائے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۵۱۶، اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم: ۱۷۶، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴ / ۱۰۹)۔ نیز مزید ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "قوموا إلی الجنة عرضها السمٰوات والأرض"، یعنی تم بڑھو ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

حضرت عمیر بن حُمام الانصاری نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جنت ایسی جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ایسی ہی ہے۔

جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے بشارت سے لبریز جملہ سنا تو جوشِ مسرت میں پکار اٹھے: "بخ بخ"، (واہ واہ)۔ (فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴ / ۱۰۸)

پروانۂ جنت

غمگسارِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: "ما حملك علیٰ قولك بخ بخ"، تم نے واہ واہ کیوں کہا؟ تو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "لا واللہ یا رسول اللہ إلا رجاء أن كون من أهلها"، نہیں، بخدا اے اللہ کے رسول! میں نے اس امید میں کہا تھا کہ میں ان جنتیوں میں شامل ہو جاؤں، اس عاشقانہ جواب پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو جنت کا سرٹیفیکٹ ان الفاظ میں دیا: "فإنك من أهلها"، پس یقینا تو جنتیوں میں سے ہے۔

اُس وقت حضرت عمیر رضی اللہ عنہ شدتِ بھوک سے خشک کھجوریں کھا رہے تھے، ہاتھ

کی کھجوریں پھینک دیں اور کہنے لگے: اگر میں ان کے کھانے میں مشغول رہا تو پھر زندگی بڑی طویل ہوگی، اور فوراً جہاد میں مشغول ہو گئے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۲۰، کاروانِ جنت: ۹۳، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم: ۲۷، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۱۰۸)

آپ رضی اللہ عنہ کی شعر گوئی

بعض کتابوں میں ہے کہ: جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کلام سنا اس وقت وہ ہاتھ میں چند کھجوریں لیے کھا رہے تھے، کہنے لگے: ''بخ بخ ما بيني وبين أن أدخل الجنة إلا أن يقتلني هؤلاء، ألقى التمرات من يده وأخذ السيف فقاتل القوم وهو يقول'':

ركضا إلى الله بغير زاد		الا التُّقى وعمل المعاد
والصبر في الله على الجهاد		ان التقى من أعظم الشداد
وخير ما قاد لى الرشاد		وكل حي فإلىٰ نفاد

ترجمہ: واہ واہ! کیا خوشی کی بات ہے، میرے اور جنت کے درمیان صرف یہ بات حائل ہے کہ یہ کفار مجھے شہید کر دیں، پھر انہوں نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینک دیں اور تلوار لے کر دشمن کے جتھے میں جا گھسے اور زبان پر یہ رجزیہ اشعار جاری تھے:

(۱) اللہ کی جانب آخرت اور پرہیز گاری کے سوا کوئی زادِ راہ نہیں لے جاتا۔

(۲) میں راہِ خدا میں جہاد پر صبر کرتا ہوں، پرہیز گاری بلاشبہ سخت ترین چیز ہے۔

(۳) اور ہدایت کی جانب سب سے بہتر راہ نما ہے اور ہر زندہ شخص فنا

ہوجانے والا ہے۔(اسد الغابہ بحوالہ عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام:۴۶)

حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اشعار پڑھ پڑھ کر برابر لڑتے رہے اور دادِ شجاعت دیتے رہے، یہاں تک کہ خالد بن اعلم نامی کافر کے ہاتھوں شہادت کی نعمتِ عظمیٰ سے ہم کنار ہوکر حیاتِ جاودانی پاگئے۔إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

اِس قصے کو ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدرداں ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے، ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہوجائے تو ساری باتیں سہل ہوجائے۔

عاصم بن عمر فرماتے ہیں کہ: حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو انصار میں سب سے پہلے راہِ خدا میں اپنی جان نثار کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔(صفۃ الصفوۃ:۱/ ۲۲۰)، نیز مولانا محمد عبد اللہ صاحب کا ماننا یہ ہے کہ بدر کے روز سب سے پہلے شہید ہونے کا اعزاز ان ہی کے حصے میں آیا۔(کاروانِ جنت:۹۳)

شب بیداری، زہد واتقا، عفّت وقناعت اور صلاح وتقویٰ، تہذیب وشائستگی آپ رضی اللہ عنہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

ان ہی کے نام لیوا آج ہم بھی ہیں جو آپ کے کردار پر ناز کرتے ہیں، محبت کا یہ دعویٰ تقاضا کرتا ہے کہ آپ کی صفاتِ حمیدہ کے ہم بھی پیروکار بنے۔اللہ تعالیٰ ہم تمام مؤمنین ومؤمنات کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بنا کردند خوش رسمے، بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ

از قلم:
عزرائیل غیاث الدین نادنپیڑا

سوانحی خاکہ

حضرت زید بن عاصمؓ

نام: زید بن عاصمؓ۔

کنیت: ابوحسن۔

قبیلہ: خزرج کا خاندان بنونجار۔

زوجہ: نسیبہ بنتِ کعب جوامِ عمارہ سے مشہور ہوئی۔

اسلام: بیعتِ عقبۂ کبیرہ سے پہلے۔

غزوات: بدر واحد۔

اولاد: دو بیٹے: حبیب وعبداللہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ

عزرائیل غیاث الدین نادنپڑا

یہ اُس وقت کی داستان ہے جب کہ ساری دنیا ضلالت و جہالت سے پُر تھیں، زمین کا کوئی خِطّہ ایسا نہیں تھا جس پر گمراہی نے اپنا قبضہ نہ جمایا ہو، لوگ خود کو فراموش کر کے خدا فراموش ہو چکے تھے، کہا جاتا ہے کہ: دنیا میں جتنی برائیاں تھیں سب ان میں پائی جاتی تھیں، آخر اُس خدا کو کب تک رحم نہ آتا جو اپنے بندوں کے ساتھ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے، رحمتِ خداوندی جوش میں آ گئی اور ایسے بھیانک ماحول میں نبوت کا ایسا آفتاب درخشاں ہوا جس کے آگے ظلمتوں نے گھٹنے ٹیک دیے، اس کی کرنیں ہر طرف پھیل پڑیں، اب دشمن دوست ہو گئے، پرائے اپنے ہو گئے، رہزن رہبر بن گئے، گمراہ ہادی بن گئے، کینہ پرور عاشقِ زار بن گئے، یہاں تک کہ اونٹوں کے چرانے والے درسگاہِ نبوت سے فیض یاب ہو کر ''دنیائے ہدایت کے ستارے'' بن گئے، ان ہی درخشاں و تابندہ ستاروں کو ہم ''صحابۂ کرام'' رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تعبیر کرتے ہیں، ان ہی خوش نصیب شخصیتوں میں سے ایک حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

نام و نسب

آپ رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی: زید اور آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام: عاصم ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی شریکۂ حیات نسیبہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو تاریخِ اسلام میں ''امِ عُمارہ'' سے مشہور ہوئیں، آپ رضی اللہ عنہ کی

کنیت: ابوحسن ہے، آپ رضی اللہ عنہ انصاری صحابہ میں خزرج کے خاندانِ بنونجار سے تعلق رکھتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے: زید بن عاصم بن عمرو بن عوف بن مبذول۔

(جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۳۴۰-۳۴۱، اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم: ۱۳۷)

خوش نصیب گھرانہ

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا گھرانہ کل چار افراد پر مشتمل تھا، ان میں سے ایک آپ خود تھے، ایک آپ کی بیوی تھی جن کا نام: نسیبہ اور کنیت امِ عمارہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے بطن سے آپ رضی اللہ عنہ کو دو بیٹے عنایت فرمائے، ایک کا نام: حبیب اور دوسرے کا نام عبد اللہ ہے، کیسا خوش قسمت گھرانہ ہے کہ زید رضی اللہ عنہ اسلام لائے، ساتھ ساتھ بیوی بھی اس نعمتِ عُظمیٰ سے مالا مال ہوئیں، اور دو بیٹے بھی اس نعمت سے محروم نہ رہے؛ بلکہ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور احکامِ خداوندی اور سنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا کر جنت کو دائمی ٹھکانہ بنایا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ امِّ عمارہ کا تعارف

آپ رضی اللہ عنہا کا اصل نام: نُسَیبہ اور کنیت: امِ عُمارہ ہے، والد کا نام: کعب اور والدۂ محترمہ کا نام: رباب ہے، آپ رضی اللہ عنہا بنونجار کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، جو قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ ہے، آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہجرتِ کبریٰ سے تقریباً چالیس سال قبل ہوئی، اور وفات کے سلسلہ میں کوئی صریح اور صحیح روایت نہیں ملتی؛ لیکن امام زرکلی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۳ھ میں وفات ہوئی، واللہ اعلم۔

(ملخص از پندرہ جنتی صحابیات از ص:۵۹ تا ص:۹۲، مطبوعہ: شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

حضرت حبیب بن زیدؓ

حضرت حبیبؓ یہ حضرت زید کے بیٹے ہیں، یہ بھی اسی خوش قسمت گھرانہ کے ایک فرد ہے، جن کو دنیا ہی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی خوش خبری سنائی، حضرت حبیبؓ بیعتِ عقبہ کے مواقع پر ایمان لائے، اور راہِ خدا میں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں شہادت پا کر ہمیشہ ہمیش کے لیے آغوشِ رحمت میں جا پہنچے۔

(زندگیاں صحابہ کی: ۳۹۴)

حضرت عبداللہ بن زیدؓ

حضرت عبداللہؓ بھی اسی خوش نصیب خاندان کے ایک چشم و چراغ ہیں جن کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے غزوۂ احد میں جنت کی خوش خبری عنایت ہوئی تھی، یہ ہجرت سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے، انہیں غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کا موقع ملا، جنگِ یمامہ میں تو ایسا کارنامہ انجام دیا کہ تاریخ اس کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ مسیلمۂ کذاب نے آپ کے بھائی حبیب کو قتل کروایا تھا، اسی وقت سے آپ منتظر تھے کہ کب موقع ملے اور میں کب اس کو جہنم رسید کردوں، چناں چہ جنگِ یمامہ میں موقع ملتے ہی اس پر تلوار کا وار کردیا، ساتھ ہی ساتھ حضرت وحشیؓ نے بھی نیزہ پھینکا، اس طرح دونوں نے مل کر ظالم کو جہنم رسید کردیا۔

آپؓ کی وفات ۶۳ھ میں ذی الحجہ کی آخری تاریخ کو بعمر: ۷۵ سال ہوئی۔ (سیر الصحابہ: ۵/ ۸۵-۸۶)

غزوات میں شرکت

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور بڑی بہادری اور دلیری سے لڑے، اس کے علاوہ غزوۂ احد میں اپنے پورے گھرانہ کے ساتھ شریک ہوئے۔
(جنگِ بدر کے تین سو تیرہ مجاہد: ۱۴۱)

جنت کی بشارت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف صحابہ کو جنت کی بشارت سنائی، ان ہی خوش قسمت صحابہ میں سے ایک زید رضی اللہ عنہ بھی ہے، آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت غزوۂ احد کے موقع پر میدانِ کارزار میں عین لڑائی کے وقت۔ جب کہ جنگ زوروں پر تھیں اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ عنایت ہوئی۔

اس کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ ۳ سنہ ھ میں غزوۂ احد پیش آیا جس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پورے گھرانے نے شرکت کرکے بڑی بہادری اور دلیری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اہلیہ امِ عُمارہ کے متعلق کتابوں میں آتا ہے کہ عورت ذات ہونے کے باوجود بہت سے مردوں سے بازی لے گئیں۔ جنگِ احد کے روز آپ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر (زید رضی اللہ عنہ) اور دو صاحب زادے حبیب وعبداللہ کے ہمراہ خود بھی چل پڑی؛ تاکہ میدانِ کارزار میں مجاہدین کو پانی پلاسکیں، اور ان کی دیکھ بھال کرکے اپنا نام بھی انہیں جاں باز شجاعانِ اسلام کی فہرست میں درج کراسکیں۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہا میدان میں پہنچ کر مجاہدین کی خدمت میں لگ گئیں؛ لیکن جب جنگ کا رخ پلٹا اور مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے؛ یہاں تک کہ مجاہدین

منتشر ہو ہو کر بکھر گئے، اس وقت آپ کی حمیتِ ایمانی جوش میں آ گئی، آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار سنبھالی اور بے جھجک و بے خطر میدان میں کود پڑیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ کر کافروں سے مقابلہ کرنے لگیں، اس دوران آپ رضی اللہ عنہ کو تیرہ زخم لگے، بڑے بڑے کافروں سے مقابلہ کیا اور ایسا کارنامہ انجام دیا کہ تاریخ آج تک اس کو فراموش نہ کر سکی۔

اسی دوران سیدہ امِ عُمارہ رضی اللہ عنہا نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے متعلق سراہتے ہوئے سنا، تو آپ کے دل میں وہ تمنّا اور آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگیں جو نہ جانے کب سے دل میں پوشیدہ تھیں، چناں چہ وفورِ شوق کے ساتھ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے جنت میں آپ کی رفاقت مل جانے کی دعا کر دیجیے، چناں چہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور یوں گویا ہوئے کہ: اے اللہ العالمین! اس پورے خاندان کو جنت میں میرے رفقا میں شامل فرما دیجیے۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی اس دعا کے مستحق ہو گئے اور دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری پانے والے بن گئے۔ (کاروانِ جنت: ۱۰۲، پندرہ جنتی صحابیات رضی اللہ عنہن: ۹۰-۹۱)

یہ تھے قرنِ اول کے لوگ جنہوں نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر بیعت کی اور اسے نبھایا، ہمیں بھی چاہیے کہ قرنِ اول لوگوں کی اقتدا کریں؛ کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق رسول پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہے، ان میں سے ایک کی بھی اقتدا کرو گے تو راستہ پا جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں، آمین۔

حضرت سعد بن خیثمہ رض

از قلم:
احسان امین الحق عالی پوری

سوانحی خاکہ

حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

نام: سعد بن خیثمہ۔

کنیت: ابوخیثمہ یا ابوعبداللہ۔

لقب: سعدالخیر۔

قبیلہ: انصار کے قبیلۂ اوس کا خاندانِ بنی عمرو بن عوف۔

قبولِ اسلام: ہجرتِ نبوی سے پہلے۔

صاحبزادے کا نام: عبداللہ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجرت کے بعد سب سے پہلا قیام: بنوعمرو بن عوف میں اور اس عرصے میں ملاقات کے لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مکان تجویز ہوا۔

خصوصیت: آپ اور آپ کے والد دونوں عقبہ کی بیعت میں شریک تھے، آپ بھی صحابی تھے، آپ کے والد بھی صحابی تھے اور آپ کی صاحبزادے بھی، آپ بھی شہید ہوئے اور آپ کے والد بھی۔

شہادت: ۲ھ غزوۂ بدر میں آپ شہید ہوئے اور غزوۂ احد میں آپ کے والد شہید ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

احسان امین الحق عالی پوری

دُرفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کے ان شہرۂ آفاق اشعار میں جس ’’مسیحا‘‘ کی ’’نظرِ فیض اثر‘‘ کا ذکر کیا گیا ہے وہ سرکارِ دو عالم، محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی ہیں اور اس ’’نظرِ فیض اثر‘‘ سے برپا ہونے والی جس ہدایت یافتہ جماعت کا ذکرِ خیر کیا گیا وہ ’’صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت‘‘ کہلاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس مقدس کارواں کے ایک فردِ فرید ’’حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ‘‘ ہیں، آیئے! ان کی سیرت پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

نام ونسب اور خاندان

آپ کا نام: سعد، کنیت: ابو خیثمہ یا ابو عبد اللہ اور لقب: سعد الخیر ہے۔ آپ کے والد کا نام: خیثمہ اور والدۂ محترمہ کا نام: ہند بنتِ اوس خطمی ہے۔ آپ کے صاحبزادے کا نام عبد اللہ ہے جس سے ابو عبد اللہ کنیت رہی۔ بعض اربابِ سیر کا یہ

بھی کہنا ہے کہ حضرت سعد کی کوئی اولاد نہیں تھی؛ مگر صاحبِ طبقات کا کہنا ہے:
"وكان لسعد من الولد عبد الله وقد صَحِب النّبيَّ صلى الله عليه وآله وسلم وشهد معه الحديبيةَ وأمه"، یعنی حضرت سعد کے صاحبزادے کا نام عبداللہ تھا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں حاضر رہے اور آپ کی والدہ (حضرت سعد کی اہلیہ) جمیلہ بنت ابی عامر بھی شریک رہی۔ یہ صاحبزادے بدر و بیعتِ عقبۂ اولیٰ سمیت تمام معرکوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے، مدینہ کے مشہور و معروف قرّاء میں شمار ہوتے تھے، مدینہ میں ہی انتقال فرما کر جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہوئے۔

(جنت البقیع میں مدفون صحابہ: ۲۰۸، عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا: ۴۹، سیر الصحابہ: ۵/ ۳۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کے قبیلۂ اوس کے خاندانِ بنی عمرو بن عوف سے تھا۔

سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے اس طرح ہے: سعد بن خیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحّاط (حنّاط) بن کعب بن حارثہ بن غنم بن سلم بن امرؤ القیس بن مالک بن اوس انصاری اوسی۔ (اسد الغابۃ: ۳/ ۱۹۴)

اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے اس طرح بیان کیا جاتا ہے: ہند بنتِ اوس بن عدی بن امیہ بن عامر بن جشم بن مالک بن اوس۔ حضرت سعد کے ایک اخیافی بھائی "ابو حبہ" کے نام سے تھے، ابن اسحاق نے "بدریین" صحابہ میں ان کا شمار کروایا ہے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۳۸ ۱)

نوٹ: سعد بن خیثمہ کے نام سے ایک اور صحابی ہیں جو تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے، اور سُلَمی وخزرجی تھے جب کہ ہمارے ممدوح سعد بن خیثمہ اوسی ہیں اور بدر میں شہادت کا جام نوش کرنے والوں میں سے ہیں۔

اسلام

حضرت سعد قدیم الاسلام بدری وعقبی صحابی ہیں، آپ ہجرتِ نبوی سے ایک عرصہ پہلے مسلمان ہوچکے تھے، اور پھر ۱۳ نبوی میں بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں شریک ہوکر اس سعادتِ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے، جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں رباح بن معروف کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے مغیرہ بن حکیم سے سنا انہوں نے عبداللہ بن سعد بن خیثمہ سے پوچھا کہ: کیا آپ غزوۂ بدر میں موجود تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ صرف غزوۂ بدر ہی میں نہیں؛ بلکہ میں تو اپنے والد کی رفاقت میں بیعتِ عقبہ میں بھی شریک تھا۔

(عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام: ۴۸)

لیلۃ العقبہ میں پیمانِ وفا باندھے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تجویز رکھی کہ تم میں سے بارہ آدمی سربراہ منتخب کرلیے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب (نمائندے) اور اس بیعت کی دفعات پر عمل درآمد کے لیے اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ تھے: ”أخرِجوا إليَّ مِنكُمْ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا يَكُونُونَ عَلىٰ قَوْمِهِمْ بِمَا فِيهِمْ“، آپ لوگ مجھے اپنی صفوں میں سے بارہ نقیب پیش کریں، وہی لوگ اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔ آپ

کے اس ارشاد پر جن بارہ نقبا کا انتخاب عمل میں آیا ان میں ایک حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۴/ ۱۴۹)

نقیبوں کے انتخاب کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی نئی ذمہ داری کے پیشِ نظر نصیحت فرمائی: ”أَنْتُمْ عَلیٰ قَوْمِکم بما فیهم کُفَلاءُ ککفالة الحَوَارِیِّینَ لعیسیٰ بن مریم و أنا کفیلٌ علیٰ قومي“، آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں جس طرح حواری عیسیٰ ابن مریم کے کفیل ہوئے، اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں۔ اس پر ذمہ داروں نے اپنی ذمہ داری قبول کی اور اپنے فرائض پورا کرنے کا یقین دلایا۔(سیرت انسائیکلوپیڈیا: ۴/ ۱۵۱)

فضل وشرف اور مواخاۃ

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو اولاً بنو عمرو بن عوف کے یہاں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بن الہِدم کے گھر کو زینت بخشی۔ عشّاقانِ مدینہ زیارت وملاقات کے لیے بے چین تھے، چناں چہ اس عرصے میں ملاقات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مکان تجویز فرمایا؛ کیوں کہ وہ مجرّد تھے اور ان کا پورا گھر مردوں کے لیے کھلا ہوا تھا جو ”بیت العزّاب“ یعنی ”کنواروں کا گھر“ کے نام سے مشہور تھا۔ اس گھر میں اکثر غیر شادی شدہ مہاجرین قیام کرتے تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مہاجرین وانصار سے آپ کے مکان میں ملتے تھے۔ اسی بنیاد پر بعض اربابِ سیر کو یہ مغالطہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا تھا؛ حالاں کہ قیام وشب

باشی تو حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے یہاں ہوتی تھی اور دن میں ملاقات وزیارت کا سلسلہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مکان پر چلتا تھا۔

حافظ ابنِ حجر کا بیان ہے کہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ بھی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے گھر فروکش ہوئے تھے، تینوں حضرات رات کو وہاں قیام فرماتے اور دن کے اوقات حضرت سعد بن خیثمہ کے ہاں گذارتے تھے۔

مزید برآں حضرت سعد بن خیثمہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ اور آپ کے والد دونوں عقبہ کی بیعت میں شریک تھے، الاصابہ: ۴ / ۹۴ پر حافظ ابنِ حجر نے ابنِ ابی داؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے: "ليس في الدنيا عقبيٌّ ابن عقبيّ سوىٰ هٰذا و جابر"، ترجمہ: نہیں ہے دنیا میں کوئی ایسا آدمی جو خود بھی بیعتِ عقبہ میں شریک ہوا ہو اور اس کے والد بھی؛ سوائے سعد بن خیثمہ اور جابر بن عبداللہ کے۔

ہجرت کے بعد جب مواخات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن خیثمہ اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔

(اسد الغابۃ: ۳ / ۱۹۴، البدایۃ: ۳ / ۳۲۷، اصابہ: ۲ / ۲۵ - غ ۷ ۴۲ ، سیر الصحابہ: ۳ / ۳۵، یہ تیرے پراسرار بندے: ۲۴۱، طبقات ابنِ سعد: ۳ / ۴۷، سیرت انسائکلو پیڈیا: ۴ / ۲۴۸)

خصوصیت

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ خود بھی صحابی ہیں، آپ کے والد خیثمہ رضی اللہ عنہ انصاری بھی صحابی ہیں، اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ بھی صحابی ہیں۔ الاصابہ میں ہے: "هو و أبوه خيثمة و ابنه عبد الله كلهم صحابيون"۔

مزید برآں دونوں باپ بیٹے (سعد اور خیثمہ) شہید بھی ہوئے، اس لیے ان کو ''صحابی ابنِ صحابیؓ'' اور ''شہید ابنِ شہید'' بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت سعدؓ نے غزوۂ بدر میں اور حضرت خیثمہؓ نے غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ ویسے تو حضرت سعدؓ ان بارہ خوش قسمت لوگوں میں سے ایک ہیں جو بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع سے نقیب منتخب کیے گئے تھے، مگر اسلام سے قبل بھی آپ اپنے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے سردار تھے، نیک فطرت ہونے کی بنا پر آپؓ کو ''سعد الخیر'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ (طبقات: ۳/ ۱۳۸، صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا: ۴۲۱)

حضرت حسان بن ثابتؓ کے مشہور اشعار میں جن سعود (سعد کی جمع) کا ذکر ہے، ابوجعفر بن حبیب کے مطابق وہ سات تھے، ان میں سے ایک حضرت سعد بن خیثمہ بھی ہیں۔ حسان بن ثابت کے اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

ترجمہ: مجھ کو کوئی سعد بتاؤ اُن سعدوں کے مانند جنہوں نے مکہ میں بڑا مقام پایا عمرو بن عامر کی اولاد میں سے، انہوں نے دین کی بنیادوں کو کھڑا کیا یہاں تک کہ وہ مضبوط ہوگئی۔ (الاصابہ: ۳/ ۴۷)

تعمیرِ مسجد کے لیے زمین کا عطیہ

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں کہ: مسجدِ قباء کی جگہ دراصل ایک لینہ نامی عورت کی تھی، جہاں وہ اپنا بار برداری وسواری کا گدھا باندھتی تھی، حضرت سعدؓ نے اس سے خرید کر اس جگہ مسجد تعمیر کروائی جو بعد میں ''مسجدِ قباء'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

(الاصابہ: ۸/ ۳۰۸)

جذبۂ جاں نثاری اور شہادت

حضراتِ صحابہؓ نیکی کے کاموں میں جان چھڑانے کی کوشش نہیں کرتے تھے؛ بلکہ مسابقت سے کام لیتے تھے،اس کی ایک عمدہ مثال آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے تعاقب کا حکم دیا جس کا نتیجہ غزوۂ بدر کی شکل میں ظاہر ہوا، چناں چہ جب غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے ارادے سے صحابہ نکلنے لگے تو حضرت خیثمہؓ نے جو خود پُر جوش شیدائے رسول اور شہادت کی تمنا وآرزو رکھتے تھے اپنے بیٹے سعد سے کہا: بیٹا! ہم دو میں سے کسی ایک کا بچوں اور عورتوں کی حفاظت وخدمت کے لیے گھر میں رہنا ضروری ہے، بیٹا! تم ایثار کرو، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدر میں جانے کی اجازت دو اور تم گھر کی نگرانی کے لیے ٹھہر جاؤ۔ حضرت سعدؓ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے جاں نثار تھے اور شوقِ شہادت سے سرشار تھے۔ آپ نے اپنے والدِ محترم سے ادب واحترام کے ساتھ معذرت کی اور یہ عرض کیا: ”**لو كان غير الجنة لاٰثرتک به إني أرجو الشهادة في وجهي هٰذا**“، ابا جان! جنت کے سوا اور کوئی معاملہ ہوتا تو میں ضرور ایثار کرتا اور آپ کو اپنے آپ پر ترجیح دے دیتا؛ لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مبارک سفر میں اپنے شہید ہونے کی قوی امید رکھتا ہوں، برائے کرم مجھے نہ روکیں۔

حضرت خیثمہؓ نے بیٹے کی اس بات سے اتفاق نہ کیا، بالآخر باپ بیٹے میں قرعہ اندازی ہوئی، حضرت سعدؓ کا ستارۂ اقبال بلند تھا، دل میں شہادت کا جذبہ

موجزن تھا، قرعۂ فال ان کے نام نکلا، باپ نے مجبوراً اجازت دی اور بادلِ ناخواستہ گھر کی نگرانی کے لیے ٹھہر گئے۔ صاحبزادے حضرت سعد رضی اللہ عنہ شاداں وفرحاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ بدر کی جانب روانہ ہوگئے۔ اور جب میدانِ بدر میں گھمسان کا رَن پڑا تو آپ بڑے جوش وخروش کے ساتھ نہایت بے جگری سے لڑے اور پوری جاں بازی کے ساتھ مشرکینِ مکہ کا مقابلہ کیا۔ دورانِ جنگ طعیمہ بن عدی یا عمرو بن عبدِ وُدّ آپ پر حملہ آور ہوا، آپ اگرچہ پاپیادہ تھے، پھر بھی نہایت پامردی و بے جگری کے ساتھ اس سے نبرد آزما ہوئے؛ لیکن دشمن کا ایک خطرناک وار کام کر گیا اور یوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ جامِ شہادت نوش کر کے جریدۂ عالم پر نقشِ دوام ثبت فرما گئے۔ (اصحابِ رسول کی یادیں: ۱۰۴-۱۰۵)

غزوۂ احد میں والد کی شہادت

بیٹے نے اگرچہ غزوۂ بدر میں شرکت کر کے شہادت کا جام نوش فرما لیا؛ لیکن باپ کے دل میں ہمیشہ یہ قلق رہا کہ اس کے اقبال کا ستارہ کب طلوع ہوگا، ایک رات بیٹے کو خواب میں دیکھا کہ نہایت خوبصورت چہرے کے ساتھ عمدہ وضع میں ہے اور بہشت کی نہروں اور پھلوں میں مزے لوٹ رہا ہے۔ بیٹا کہتا ہے: ابا جان! ”اِلْحَقْ بِنَا تُرَافِقُنَا فِي الجَنَّة“، آپ بھی ہمارے پاس آجائیں، ہمارا ایک ساتھ بہشت میں رہنا اور مزے لوٹنا خوب رہے گا۔ باپ نے صبح بارگاہِ نبوت میں خواب پیش کر کے عرض کیا: حضور! بہشت میں بیٹے کی رفاقت میرے دل کی سب سے بڑی خواہش ہے، میں عمر رسیدہ ہوں، ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اب جلد از جلد اپنے

رب کے حضور پہنچ جانا چاہتا ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائیں؛ تاکہ میں جنت میں اپنے لائق فائق بیٹے کا رفیق بن سکوں۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، قبولیت میں دیر نہ لگی، احد کا معرکہ بپا ہوا، جس میں ہبیرہ بن ابو وہب المخزومی کے ہاتھوں ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اس طرح باپ بیٹے ''شہید ابنِ شہید'' کے نام سے تاریخ کا سنہرا باب بن گئے۔ (کاروانِ جنت: ۹۰-۹۱)

یہ تھے وہ جاں نثار عاشق جن کے دم قدم سے چمنستانِ اسلام میں بہار آئی، چودھویں صدی کا خزاں رسیدہ چمن ایک بار پھر ایسے ہی جاں نثاروں کو آواز دے رہا ہے، کوئی ہے جو اس آواز پر کان دھرے اور اپنی کڑیل جوانی کا خون دے کر اس چمن کو سرسبز وشاداب کرے!!!

حضرت مبشّر بن عبد المنذرؓ

از قلم:
محمد اطہر محمد اسماعیل بمبوی

سوانحی خاکہ

حضرت مبشّر بن عبدالمنذرؓ

نام: مبشر۔

والد کا نام: عبدالمنذر۔

والدہ کا نام: نُسیبہ۔

قبیلہ: اوس کی شاخ بنوعمرو بن عوف۔

اولاد: کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

بھائی: ابولبابہ ورفاعہ۔

مواخات: عاقل بن ابی البکیرؓ کے ساتھ۔

اہم خدمت: مہاجرین کا قیام آپ کے گھر۔

شہادت: غزوۂ بدر۔

نمازِ جنازہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑھائی۔

مدفن: علاقۂ بدر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مبشّر بن عبد المنذرؓ

محمد اطہر محمد اسماعیل بمبوی

دیکھو! وہ دو جا رہے ہیں: ایک جوان باپ ہے اور ایک اس کی بیٹی، یہ باپ اپنی چھوٹی سی معصوم کلی کو کہاں لے جا رہا ہے؟ ارے دیکھو! اب تو وہ کھڑے ہو گئے اور باپ تیشہ لیے زمین کی کھدائی میں مشغول ہو گیا، ارے! یہ بچی کے ساتھ کیا کر رہا ہے، اس بے چاری معصوم کلی کو بے دردی سے اس گڑھے کے اندر ڈال دیا، بے چاری چیختی چلاتی کہہ رہی تھی کہ: ابا! ابا! یہ کیا کر رہے ہیں؛ لیکن اس بے رحم باپ نے سنی اَن سنی کر دی اور جلدی جلدی مٹی سے اس معصوم و بے قصور کو زندہ درگور کر دیا۔ یہ عربوں کی تہذیب وتمدن کا ایک سیاہ باب ہے جس کو قرآنِ کریم یوں بیان کرتا ہے: {وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ} (نحل: ۵۸) اور {وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ} (تکویر: ۸) بس! یہی نہیں؛ بلکہ ظلم وستم اپنی انتہا پر تھے، ہر سو نفرت وعداوت کے تیز وتند شعلے بھڑک رہے تھے۔

اس ظلمت کدے میں ایک ایسے نبئ امی کا ظہور ہوا جس نے معصوم و بے قصور بچیوں کی مسیحائی کی، جو کسل مندوں کے لیے مرغِ سحر تھا، جس نے اُمّی ہونے کے باوجود عالم کی ایسی مسیحائی کی کہ زمانہ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے اور ۲۳/ سالہ زندگی میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ لوگ آپ کی صداقت پر عش عش کرتے رہ گئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کو صحابۂ کرامؓ ایسی باوفا وجاں نثار

جماعت نصیب ہوئی جس نے دینِ متین کے پھیلانے کے لیے تن مَن دھن کی بازی لگادی۔ان ہی جاں نثاروں میں سے ایک ''سیدنا مبشر بن عبد المنذرؓ'' ہیں، آیئے !ان کی سیرت پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں۔

نام ونسب

آپ کا نام:مبشر، والد کا نام:عبد المنذر اور والدہ کا نام:نُسیبہ تھا۔

والد کی طرف سے نسب یہ ہے:مبشر بن عبد المنذر بن زَنْبر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس انصاری۔

(عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام:۴۹،طبقات ابنِ سعد:۳/ ۲۸،اصحابِ بدرؓ:۱۸۴)

والدہ کی طرف سے نسب یہ ہے:نسیبہ بنتِ زید بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عمرو بن عوف۔(طبقات ابنِ سعد:۳/ ۲۸)

آپؓ کا تعلق قبیلۂ اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تھا۔

آپؓ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

(عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام:۴۹)

نصرت

جب مہاجرین ہجرت کر کے مدینۂ منورہ آئے تو انصار نے اپنے دروازے کھول دیے،حضرت مبشرؓ نے بھی ایک جماعت کو اپنے گھر میں ٹھہرایا، چناں چہ عمر بن خطاب،زید بن خطاب،عمرو بن سراقہ،عبداللہ بن سراقہ،خُنیس بن حذافہ،سعید بن زید،ایاس بن بُکیر ،عامر بن بکیر،عاقل بن بکیر،خالد بن بکیر،ابوسلمہ بن عبدالاسد،

عامر بن ربیعہ، ابواحمد بن جحش، ام المؤمنین زینب بنتِ جحش، امِ حبیبہ بنتِ جحش، حمنہ بنتِ جحش، ام المؤمنین حضرت حفصہ وغیرہ، سب حضرت مبشر رضی اللہ عنہ ہی کے مکان پر قیام پذیر ہوئے تھے، ایک اور قول کے مطابق ان میں سے بعض صحابہ حضرت مبشر رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے تھے۔ (سیرت انسائیکلو پیڈیا: ۴/ ۲۴۷)

مواخات

مواخات کا مبارک سلسلہ دورِ نبوت کا ایک سنہرا باب ہے جس میں دو اجنبیوں نے صرف دین و مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک اور خوش خلقی کا معاملہ برتا کہ سگے بھائیوں میں بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اموال وجاگیر میں تو اپنے اجنبی بھائی کو شریک کیا ہی، اپنی بیویوں تک کو طلاق دے کر ان کا اپنے بھائی کے ساتھ نکاح کروادیا، اس بھائی چارگی کے رشتے میں حضرت مبشر رضی اللہ عنہ بھی پیش پیش رہے، چناں چہ ان کے ساتھ عاقل بن ابی البکیر رضی اللہ عنہ کو جوڑا گیا۔

(ایک قول کے مطابق عاقل بن ابی البکیر رضی اللہ عنہ اور منجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ کے درمیان رشتۂ مواخات قائم ہوا تھا)۔

غزوۂ بدر میں شرکت وشہادت

حضرت مبشر رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت صحابی ہیں جو بدر میں شرکت اور شہادت کی نعمتِ عظمیٰ سے مالا مال ہوئے، آپ کے ساتھ آپ کے دو بھائی حضرت لبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے تھے؛ مگر ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کا حاکم بنا کر راستہ سے واپس کر دیا تھا؛ البتہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ ساتھ رہے۔

میدانِ بدر میں ایک طرف مسلمان بے سروسامان اور نہتے توکلاً علی اللہ صف بستہ تیار کھڑے تھے تو دوسری طرف کفار ومشرکینِ مکہ تمام تر تیاریوں اور جنگی ساز وسامان سے لیس ہوکر مقابلے کو بے تاب تھے، جنگ کا آغاز ہوا تو دونوں فریقوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، اگر چہ بظاہر مسلمان کمزور تھے؛ لیکن ان کے اندر ایمانی قوت موجود تھی جس سے کفار تہی دست وتہی دامن تھے، چناں چہ تائیدِ الٰہی ونصرتِ غیبی سے مسلمان ہی غالب وفاتح رہے اور مشرکین کو شرمناک شکست سے دوچار ہوکر پسپا ہونا پڑا، اس موقع پر کچھ جاں نثاروں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور شہادت کے مقام پر فائز ہوئے، ان خوش نصیبوں میں سے حضرت مبشر رضی اللہ عنہ بھی ہیں، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ برابر قتال کرتے رہے اور بالآخر ابوثور نامی کافر کے ہاتھوں شہادت کے مقام پر فائز ہوئے اور اس طرح آپ کو اپنا گوہرِ مقصود حاصل ہوگیا۔

جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی رکھا گیا، چناں چہ محمد بن عمر فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کا حصہ مرحمت فرمایا اور وہ حصہ ہمارے پاس معن بن عدی اور ان کے بھائی لے کر آئے۔ (طبقات ابنِ سعد: ۳/ ۲۸)

بعض مؤرخین کے بقول آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے؛ لیکن ابنِ کثیر، ابنِ ہشام، ابنِ حجر اور ابنِ اسحاق وغیرہ جمہور اربابِ سیر آپ کے غزوۂ بدر میں شہید ہونے پر متفق ہیں۔ (عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام: ۴۹، اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم: ۱۸۴)

فضائل ومناقب

اصحابِ بدریین کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف بشارتیں وارد ہوئی

ہیں۔ چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: ”**لعل اللہ اطلع إلیٰ أھل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنة**“، اللہ اہلِ بدر کی طرف نظر فرما چکے اور یہ کہہ دیا کہ جو چاہے کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہوچکی ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ۱۴۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”**لن یدخل النار أحد شھد بدرا**“ جو شخص بدر میں حاضر ہوا وہ ہرگز جہنم میں نہ جائے گا۔

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ: آپ اہلِ بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: سب سے افضل اور بہتر، جبرئیل نے کہا: اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ۱۴۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جو اصحاب بدر میں شہید ہوئے حق جلّ وعلیٰ نے ان پر تجلّی فرمائی اور اپنے دیدار کے انوار سے ان کی آنکھوں کو منوّر فرمایا اور کہا: میرے بندو! کیا چاہتے ہو؟ اصحاب نے عرض کیا: اے پرودگار! جن نعمائے جنت سے تو نے ہم کو سرفراز فرمایا کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہے؟ حق شانہ نے فرمایا: بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ چوتھی مرتبہ ان اصحاب نے عرض کیا: اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ: ہماری روحیں پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائیں؛ تاکہ پھر تیری راہ میں شہید ہوں جیسے اب ہوئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/ ۵۹)

حضرت مبشر رضی اللہ عنہ بھی اصحابِ بدریین اور شہدائے بدریین کے سلسلۃ الذہب میں شامل ہیں؛ اس لیے ان تمام فضائل کے وہ بھی حامل قرار پاتے ہیں۔

بشارتِ جنت

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: جنگِ احد سے پہلے میں نے خواب میں مبشر بن عبد المنذر کو دیکھا وہ مجھ سے کہتے ہیں: چند روز میں تم ہمارے پاس آ جاؤ گے، میں نے پوچھا: تم کہاں ہو؟ کہا: "في الجنة نسرح حيث نشاء" بہشت میں ہیں جہاں ہمارا دل چاہتا ہے پھرتے رہتے ہیں، میں نے کہا: تم تو بدر کے روز شہید ہو گئے تھے؟ کہا: ہاں! پھر مجھے زندگی عطا کر دی گئی، میں نے اس خواب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "هٰذه الشهادة يا أبا جابر!" ابو جابر! یہ تمہارے لیے شہادت کی خوشخبری ہے۔

چناں چہ پھر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور احد کی لڑائی میں سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کرنے والے یہی عبد اللہ ٹھہرے۔ (کاروانِ جنت: ۹۴)

(حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: الدین کا خصوصی شمارہ بیس جنتی صحابہ: ۴۲۹ تا ۴۵۰، مطبوعہ، شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ ڈابھیل)

اللہ تعالیٰ چودہویں صدی کے مسلمانوں کو صحابہ کی زندگی سے سبق حاصل کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت زیاد بن سکن رضؓ

از قلم:
انورالاسلام مفیدالاسلام ترکیسری

سوانحی خاکہ

حضرت زیاد بن سکنؓ

نام: زیاد بن سکن۔

کنیت: ابو عمارہ۔

قبیلہ: بنو عبد الاشہل۔

اسلام: صحیح وقت کی تعیین دشوار ہے۔

اولاد: عمارہ نام کا ایک لڑکا۔

غزوات: غزوۂ بدر بحوالہ ابن الکلبی، غزوۂ احد۔

شہادت: سنہ ۲ھ غزوۂ احد میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضـــرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ

انوارالاسلام مفیدالاسلام ترکیسری

اسلام کی ابدی سعادتوں میں سے ایک سعادت شہادت ہے؛ کیوں کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے زندگی کو پُرکیف بنانے اور خوشحالی کے ساتھ گذارنے کے لیے جہاں احکام نازل فرمائے وہیں موت اور مابعدالموت کو قابلِ رشک بنانے کے لیے ایک مکمل نظام عطا فرمایا، جس طرح دانہ خود کو زمین میں فنا کردیتا ہے؛ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد اسی دانے سے نازک سی کونپل نکلتی ہے، پھر وہ ایک ننھی سی شاخ کی شکل اختیار کرلیتی ہے، اور پھر یہی شاخ بعد میں مضبوط تناور درخت کا روپ دھار لیتی ہے، جس پر ایک دانے کے بدلے سات سو پھل اُگ آتے ہیں۔ یہی حالت اس شخص کی بھی ہے جو اسلام کی آبیاری کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیتا ہے، وقتی طور پر تو وہ خود کو فنا کردیتا ہے؛ لیکن اس فنائیت سے قوم کی آبیاری کا کام لیا جاتا ہے گویا ''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے''۔

قرنِ اوّل کے خوش نصیب شہدائے اسلام میں سے ایک پاکباز، عظیم فرد، شمعِ رسالت کا پروانہ، عزم ویقین کا کوہِ ہمالہ، تاجدارِ حرم کا جانباز سپاہی حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ ہے جنھیں راہِ حق میں اپنی جان نچھاور کرنا اپنی حیاتِ مستعار سے کہیں زیادہ عزیز تھا، جو ہو بہو اس شعر کا حقیقی مصداق ٹھہرے۔

بھلا سکیں گے نہ اہلِ زمانہ صدیوں تک	مری وفا، مرے عشق وجنوں کے افسانے

ان سطور میں آپ ہی کی حیاتِ طیبہ کی مختصر جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام زیاد ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوعمارہ'' ہے۔ اور سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: زیاد بن سکن بن رافع بن امرؤالقیس بن زید بن عبدالاشہل۔

آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب امرؤالقیس پر جا کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

غزوات میں شرکت

الفتح المبین میں ابن الکلبی کے حوالے سے یہ بات مذکور ہے کہ حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں۔

لیکن ان کے علاوہ کسی اور سے اس سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں ملتی ہے۔

غزوۂ احد

تاریخ بتاتی ہے کہ جنگِ بدر میں کفّارِ مکہ کو زبردست شکست ہوئی، ان کے بڑے بڑے نامور سردار مارے گئے، مکّے ہر قبیلہ اور خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد جہنم رسید ہوا، جب کفّارِ مکہ اس غم سے باہر نکلے تو اب ان کی رگوں میں انتقام کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا، جو رفتہ رفتہ انتقام کی آتشِ ہلاکت خیز کی صورت اختیار کر گیا اور اس کے نتیجے میں ایک سال کے بعد ابوسفیان کی سرکردگی میں تین ہزار کا ایک لشکر مدینہ کے لیے روانہ ہوا، اُدھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جیسے ہی اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجاہدینِ اسلام کو لے کر مدینہ سے باہر کہسارِ احد تشریف لے گئے جس کے دامن میں دونوں لشکر باہم ٹکرائے اور گھمسان کا معرکہ بپا ہوا۔

اس معرکے میں شمعِ رسالت کے اس پروانے حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ نے بھی

بڑی جاں بازی کے ساتھ شرکت کی، آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر شوقِ شہادت عیاں تھا، تلواروں کے سائے تلے اعلائے کلمۃ اللہ کے خاطر جان وتن کا نذرانہ پیش کرنے کو بے تاب تھے، چناں چہ جب میدانِ کارزار اپنے شباب کو پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی بڑی شجاعت وجاں بازی کا ثبوت پیش کیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے برادرِ گرامی حضرت یزید بن سکن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگِ احد میں جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو ابتدائً مسلمانوں ہی کا پلّہ بھاری رہا اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے، اُس وقت مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے، اور وہ دستہ جو پشت کی جانب چوٹی پر متعین کیا گیا تھا اپنے قائد کے ہزار منع کرنے کے باوجود ایک اجتہادی چوک کی وجہ سے اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت کے حصول میں لگ گیا، اِس موقع کو غنیمت جان کر خالد بن ولید (جو ابھی تک اسلام کی آغوش میں نہیں آئے تھے) اپنے دستوں کے ساتھ اچانک پیچھے سے حملہ آور ہوئے، اس اچانک حملہ سے مسلمان حواس باختہ ہوگئے، اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان کا پورا پانسہ پلٹ گیا، اس حملے سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا، اور ان کی فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی، یہاں تک کہ کفارِ مکّہ نے آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بے نور کرنا چاہا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا، ایسے خطرناک موقع سے عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے اردگرد دفاعی پوزیشن میں ڈٹ کر کارہائے نمایاں انجام دیے۔

من يبيع لنا نفسه

ہر طرف سے کفار سمٹ سمٹا کر اِس طرف آ گئے تھے، جنگ کی آگ سب جگہ بجھ چکی تھی؛ مگر یہاں کفر کے شعلے لپک لپک کر دامنِ اسلام کو خاکستر کر دینا چاہتے تھے، اسی اثنا میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز فضا میں گونجی: "من يبيع لنا نفسه"، (کون ہے جو مجھ پر اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار رہے) یہ آواز جیسے ہی فداکاروں کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی تو اسی وقت پانچ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ میدان میں آگے بڑھے، جن میں حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے، ان لوگوں نے اس پُرخطر ساعت میں اعدائے اسلام کے وحشیانہ حملوں کے سامنے ہمت وجواں مردی کے جوہر دکھلائے۔

گیدڑانِ کفر کی ایک جماعت کو آگے بڑھتا دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من يردعنا وله الجنة"، (کون ہے جوان کو ہم سے ہٹا کر بہشت کا حقدار بنے) ایک انصاری صحابی آگے بڑھے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ کافروں نے پھر پیش قدمی کی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ فرمایا: "من يردعنا وهو رفيقي في الجنة"، (کون ہے جوان کو ہم سے ہٹائے اور جنت میں رفاقت کا مستحق بنے) چناں چہ ایک اور انصاری صحابی آگے آئے اور راہِ خدا میں جان جاں آفریں کے حوالے کردی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے چار صحابہ راہِ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے عشق ومحبت کی لازوال داستان ثبت کر گئے، صرف ان میں سے حضرت زیاد بن سکن تھے جن میں ابھی بھی زندگی کی

تھوڑی سی رمق باقی تھی، جو زخموں سے چور ہو کر زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن

جب معرکۂ بیم ورجا ختم ہوا تو محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ادن مني"، (میرے قریب ہو جاؤ) ارشاد کے مطابق دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب کر دیا، جب وہ قریب آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاؤں مبارک کو ان کے لیے تکیہ بنا دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک پر ہی ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے	یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

سبحان اللہ! کیا ہی شہادت نصیب ہوئی! جگر سے معذرت کے ساتھ

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

بعض لوگوں نے اس پورے واقعے کو آپ ہی کے صاحبزادے حضرت عمارہ بن زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن یہ قولِ مرجوح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مآخذ و مراجع

(۱) فرسان النہار (۲) الفتح المبین فی ذکر أسماء الصحابۃ البدریین

(۳) عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا اور شہدائے اسلام

(۴) شہدائے اسلام قدم بہ قدم (۵) صحابۂ کرام انسائیکلو پیڈیا

(۶) کاروانِ جنت

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ

ازقلم:
معاویہ حسّان پالنپوری / محمد عبدالحمید پالنپوری

سوانحی خاکہ

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ

نام: ثابت بن دحداح۔

کنیت: ابوالدحداح۔

قبیلہ: قبیلۂ بلی کے خاندان عجلان یا اینف سے تعلق تھا۔

حلیف: بنوزید بن مالک بن عوف۔

قبولِ اسلام: ہجرتِ نبوی کے کچھ عرصہ بعد۔

غزوات: غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔

شہادت: سنہ ۳ھ غزوۂ احد میں سب سے اخیر میں شہید ہوئے۔

فضیلت: بشارتِ بہشت۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ

معاویہ حسّان پالنپوری / محمد عبدالحمید پالنپوری

دنیا میں بہت سارے لوگ آئے اور زندگی گذار کر چل بسے، آج ان کا نام لینے والا کوئی نہیں؛ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی گذرے ہیں جن کے دنیا سے چلے جانے کے بعد صدیاں بیت چکیں؛ لیکن آج تک برابر ان کا نام عزّت واحترام سے لیا جاتا ہے، ان کے جسم کو تو مٹی کے نیچے دبا دیا جاتا ہے؛ لیکن ان کا ذکر کرنے والے ان کی مدح کرنے والے برابر آتے رہتے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک پاکباز ہستی صحابیٔ رسول حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا وہ عظیم مقام عنایت فرمایا جس کے متعلق قرآن کہتا ہے: {وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَات، بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ} (البقرة:۱۵۴)، اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے انہیں مردہ نہ کہو؛ بلکہ وہ زندہ ہیں؛ البتہ تم ادراک نہیں کر سکتے۔

(تفسیرِ ماجدی:۱/ ۳۰۳)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی زندگی کے کچھ احوال پیشِ خدمت ہیں اس نیت سے کہ ہم ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود سمیٹ سکیں۔

نام ونسب

امام ابنِ عبدالبرؒ نے ایک روایت کی روشنی میں آپ کا نام ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ ذکر فرمایا۔ (کاروانِ جنت:۲۰۷) اور بعض نے آپ کا نام دحداحہ بن نعیم بیان کیا

ہے، آپ کی کنیت: ابوالدحداح ہے۔

سلسلۂ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے: ثابت بن دحداح بن نعیم بن غنم بن ایاس، یہ قبیلۂ بلی کے خاندانِ عجلان یا اینف سے تعلق رکھتے تھے اور بنی زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔

(عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا: ۱۰۳، سیر الصحابہ: ۵/ ۲۰۰)

قبولِ اسلام

ہجرتِ نبوی کے کچھ عرصہ بعد قبیلۂ اوس اور خزرج کے باقی ماندہ لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے، ان میں ان کا حلیف قبیلۂ بلی بھی شامل تھا، چناں چہ حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ شریک ہوکر براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر قبولِ اسلام وبیعت کا شرف حاصل کیا۔

(انساب الاشراف، اسد الغابۃ، الاستیعاب، بحوالہ صحابۂ کرام انسائیکلوپیڈیا: ۱۰۷)

دنیوی باغ کے بدلے جنت کا باغ

اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے بعد قرآنی فرامین اور ارشاداتِ رسول پر عمل پیرا ہونے کا جذبۂ دروں اتنا ہی تھا جتنا کسی قدیم الاسلام صحابی کا ہوسکتا ہے، قرآنی احکام کی بجا آوری کا بے پناہ جذبہ ہی تو تھا کہ جب سورۂ بقرہ کی آیت: {مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهٗ أَضْعَافًا كَثِيْرَةً} (البقرة: ۲۴۵)، نازل ہوئی، ترجمہ: کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض، پھر دوگنا کردے اللہ اس کو کئی گنا۔ (ترجمۂ شیخ الہند: ۵۰)

تو ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت کو سن کر لوگوں کے تین فرقے ہو گئے:

پہلا فرقہ اُن بدنصیب لوگوں کا ہے جنہوں نے یہ آیت سن کر کہا کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا رب ہماری طرح محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔

دوسرا فرقہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اس آیت کو سن کر اس کے خلاف کیا اور بخل ہی کو اختیار کیا۔

تیسرا فرقہ ان مخلص مسلمانوں کا ہے جنہوں نے فوراً ہی اس آیت پر عمل کر لیا اور پسندیدہ مال اللہ کے راستے میں دے دیا، جیسا کہ ابوالدحداح رضی اللہ عنہ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں؛ حالاں کہ وہ قرض سے مستغنی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے تم کو جنت میں داخل کر دیں، ابو دحداح نے یہ سن کر کہا: اللہ کے رسول! ہاتھ بڑھائیں، آپ نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا، حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا کہ: میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں، اس کے علاوہ میری ملک میں کچھ نہیں، میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ کو قرض دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک اللہ کے راستہ میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل وعیال کی معاشی ضرورت کے لیے باقی رکھو، ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ گواہ رہیے، ان دونوں میں سے بہترین باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں اس کو میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمھیں اس کے بدلے میں جنت عطا کریں گے۔

ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اپنے گھر آئے اور بیوی کو اس کی اطلاع دی تو وہ بھی ابودحداح رضی اللہ عنہ کے اس بہترین سودے پر بہت خوش ہوئیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کم من عذق رداح ودار فیاح لأبي الدحداح''، کھجوروں سے لبریز بے شمار درخت اور کشادہ محلات ابودحداح رضی اللہ عنہ کے لیے تیار ہیں۔ (قرطبی بحوالہ معارف القرآن شفیعی: ۶۰۱)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: حضرت ابو الدحداح رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت سے اٹھ کر اپنے باغ کی طرف تشریف لے گئے، جہاں آپ کی اولاد تھیں، باغ کے باہر ہی کھڑے رہ کر آواز دی کہ: اے ام الدحداح! جواب میں آیا: ''لبیک'' جی میں حاضر ہوں، حضرت ابوالدحداح نے کہا: تم باغ سے نکل آؤ؛ اس لیے کہ میں نے یہ باغ اللہ عزّ وجلّ کو قرض دے دیا ہے۔

(الدر المنثور: ۱/ ۵۵۵، صفۃ الصفوۃ: ۲۷۴)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ام الدحداح رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی کہ باغ اللہ تعالیٰ کے نام قرض دے دیا ہے تو فوراً اپنے بچوں کی طرف لپکی اور ان کے منہ اور ہاتھوں میں جو کھجوریں تھیں اسے بھی لے کر وہیں ڈال دی کہ اب یہ اللہ کی راہ میں دیا جا چکا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کم من عذق رداح ودار في الجنة لأبي الدحداح''۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/ ۲۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ باغ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کی پرورش میں جو یتیم بچے تھے ان میں تقسیم کر دیا۔ (درمنثور ۱/ ۵۵۵)

یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے

ایک دفعہ کسی یتیم لڑکے نے ایک درخت کے بارے میں حضرت ابولبابہؓ کے خلاف بارگاہِ نبوی میں مقدمہ پیش کیا، تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ درخت ابو لبابہؓ کا ہے؛ لہٰذا ان کے حق میں فیصلہ دے دیا گیا، اس پر یتیم لڑکا رونے لگ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابولبابہؓ سے کہا کہ: وہ درخت اس یتیم کو دے دو؛ لیکن انہوں نے انکار کردیا (شاید انہیں اس بات کا رنج ہوگا کہ میرے خلاف بارگاہِ نبوی میں شکایت کی گئی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوبارہ عرض کیا کہ: درخت اس یتیم لڑکے کو دے دو، اللہ عزّ وجلّ اس کے عوض تمہیں جنت میں درخت دیں گے؛ لیکن پھر بھی نہ مانے۔

حضرت ثابت بن دحداحؓ نے یہ بات سنی تو فوراً اٹھ کر ابولبابہؓ کے پاس گئے، یہ رشتے میں آپ کے بھانجے ہوتے تھے، ان سے کہا کہ: وہ درخت مجھے دے دو، اس کے عوض میں میرا باغ لے لو، ابولبابہ اس سودے پر آمادہ ہوگئے۔ چناں چہ سودا مکمل کرکے حضرت ثابتؓ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض پرداز ہوئے کہ: اے اللہ کے رسول! اگر میں وہ درخت اس یتیم کو دے دوں تو کیا مجھے اس کے عوض بہشت میں درخت ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! کیوں نہیں، اس کے بعد ابوالدحداحؓ باغ میں تشریف لے گئے، ان کی زوجہ وہاں کام کررہی تھی، اپنی بیوی کو مخاطب بناکر کہا کہ: میں نے یہ باغ دے کر جنت میں کھجور کے باغ کا سودا کرلیا ہے، نیک بخت بیوی نے یہ سن کر آپ کے سودے کو سراہتے ہوئے کہا: "ربح البیع" یہ تو بڑے نفع کا سودا ہے۔ (کاروانِ جنت: ۲۰۷)

اسی طرح کی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس میں صورتِ واقعہ یہ ہے کہ: ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ: اے اللہ کے رسول! میں اپنے باغ کی دیوار اٹھانا چاہتا ہوں اور بیچ میں فلاں شخص کے کھجور کا درخت پڑتا ہے؛ لہٰذا آپ اس سے کہیے کہ وہ درخت مجھے دے دے؛ تاکہ میں اپنی دیوار کھڑی کرسکوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخت کے مالک کو بلاکر ارشاد فرمایا کہ: کھجور کا درخت اس شخص کو دے دو، اللہ تعالیٰ اس کے عوض جنت میں کھجور کا درخت دیں گے؛ لیکن اس آدمی نے دینے سے انکار کردیا۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو اس درخت کے مالک کے پاس جاکر عرض کیا کہ: میرے باغ کے عوض مجھے اپنا کھجور کا درخت بیچ دے، اس پر وہ راضی ہوگیا، اس سودے کے بعد حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں گویا ہوئے کہ: اللہ کے رسول! میں نے وہ درخت اپنے باغ کے عوض خرید لیا اور آپ کی تحویل میں دے دیا؛ لہٰذا آپ اس ضرورت مند آدمی کو دے دیجیے، یہ سن کر زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مسرّت افزا کے کلمات جاری ہوئے: ”كم من عذق رداح لأبي الدحداح رضي الله عنه في الجنة“، جنت میں ابوالدحداح کے لیے کھجوروں سے مبریز بے شمار درخت منتظر ہیں، اس جملے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار دہراتے رہے۔

اس کے بعد ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے ام الدحداح رضی اللہ عنہا! باغ سے نکل جاؤ؛ اس لیے کہ میں نے اس باغ کا سودا جنت میں کھجور

کے درخت کے عوض کرلیا ہے، یہ سن کر بیوی نے بے اختیار خوشی میں وہ الفاظ کہے جس میں ان کے جذبۂ دروں کی عکاسی ہوتی ہے، "ربح البیع ربح البیع" بڑا سودمند اور پائیدار سودا ہے۔ (رواه أحمد: ۳/۱۴۶، بحواله صفة الصفوة: ۱/۲۷۴، الطبراني: ۲۲/۷۶۳، الحاکم: ۲/۲۰، ابن حبان: ۱۶/۱۵۹۷، سیر الصحابه: ۵/۲۰۱)

جنگِ اُحد میں شرکت اور عجیب کارنامہ

محمد بن عمر واقدی نے عبد اللہ بن عمار خطمی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بدر کے بعد جب دوسری مرتبہ احد کے دامن میں حق و باطل کے درمیان معرکۂ کارزار گرم ہوا تو اس میں ایک وقت صحابہ کے قدم اکھڑ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہید ہونے کے متعلق افواہ پھیلا دی گئی جس کی بنا پر صحابہ رضی اللہ عنہم ہمت ہار گئے، ہر طرف اندھیرا چھا گیا، ایسے سنگین حالات میں حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے انصار کی جماعت کو آواز دی کہ: اے انصار کی جماعت! میں ثابت بن دحداح ہوں، تم میرے پاس آجاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبرِ شہادت سے ہمّت مت ہارو؛ کیوں کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہیں؛ بلکہ خدا کے دین کی سربلندی کے لیے لڑ رہے ہو اور خدا کی ذات حی و قیوم ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی، وہ ضرور تم کو فتح یابی سے ہمکنار کرے گا۔

چناں چہ حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ کی یہ ایمان افروز تقریر سن کر انصار کی ایک جماعت میں جذبۂ جاں سپاری و سرفروشی نے انگڑائی لی اور آپ کے ارد گرد اکٹھا ہوگئی، وہ اس جماعت کو لے کر کفار پر حملہ آور ہوئے، ان کے مقابلے میں

کفار کا ایک زبردست لشکر تھا جس میں خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل، عمرو بن عاص وغیرہ شجاعانِ مکّہ تھے، خالد بن ولید نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو ایک نیزہ مارا جو آر پار نکل گیا اور آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور آپ کے ساتھ انصار کی جو جماعت تھی وہ بھی شہید ہوگئی، چوں کہ کفار سے سب سے اخیر میں مقابلہ کرنے والے یہی لوگ تھے؛ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں غزوۂ احد کے دن سب سے اخیر میں شہید ہونے والے یہی حضرات ہیں۔

مشہور مؤرخ علامہ واقدیؒ نے دوسری روایات کے حوالے سے یہ بات بیان کی کہ: حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ احد میں شہید نہیں ہوئے تھے؛ بلکہ صرف زخمی ہوئے تھے، ان کو اٹھا کر گھر لایا گیا اور علاج شروع ہوا تو اس وقت خون بند ہو گیا اور ان کے زخم مندمل ہوگئے۔

واقدی کے مطابق ان کا انتقال کسی معرکہ میں نہیں ہوا؛ بلکہ بستر پر ہوا ہے، وہ اس طرح کہ غزوۂ حدیبیہ میں وہ شریک تھے، واپسی کے وقت ان کے وہ زخم جو غزوۂ احد میں لگے تھے کھل گئے جس کی بنا پر آپ جاں بحق ہوگئے، إنا اللہ و إنا إلیہ راجعون۔

بہر حال دونوں میں سے جونسی بھی روایت راجح ہو یہ بات تو طے ہے کہ شہادت کا سبب احد کی معرکہ آرائی ہی رہی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ سے فارغ ہوکر گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جنت میں چھوہارے کی کتنی شاخیں ہیں جو ابنِ دحداح کے واسطے لٹکائی گئی ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱/ ۳۵۶ بحوالہ سیر الصحابہ: ۵/ ۲۰۱)

ترکہ

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کو ارشاد فرمایا: کیا تمہارا ان سے کچھ قرابتی تعلق ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بھانجے حضرت ابولبابہ رفاعہ بن منذر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ترکہ ان کے حوالہ کر دیا، پھر ایک شخص گھوڑا لے کر آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہو کر واپس تشریف لے گئے۔

اہل وعیال

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہ تھی، اہلیہ محترمہ کا نام کتبِ سیر میں امِ دحداح ملتا ہے، مسند کی ایک حدیث میں ان کا ذکر موجود ہے۔ (سیر الصحابہ: ۲۰۱/۵، عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا اور شہدائے اسلام: ۱۰۴)

ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ اور ابوالدحداح رضی اللہ عنہ ایک ہی شخصیت یا الگ الگ

اکثر کتبِ سیر میں ثابت بن دحداح اور ابو الدحداح دونوں کو ایک ہی شخصیت شمار کیا گیا ہے، ثابت بن دحداح نام اور ابوالدحداح ان کی کنیت ہے؛ لیکن حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' میں اپنی تحقیق یہ پیش کی ہے کہ دونوں الگ الگ شخصیت ہیں، حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جو جنگِ احد میں شریک ہوئے اور زخمی ہوئے اور حدیبیہ سے واپسی میں اسی زخم کے کھل جانے کی وجہ سے آپ جاں بحق ہوگئے، آپ کے جنازے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لے گئے، جنازے سے فراغت کے بعد حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور سوال کیا: ''هل كان له فيكم نسب'' کیا تمہارا ان سے کوئی

نسبی تعلق ہے؟ عرض کی: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی میراث ان کے بھانجے یا بھتیجے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو دی۔

اور حضرت ابوالدحداح وہ صحابی ہیں جنہوں نے حصولِ بہشت اور دائمی جنّتی کھجور کی شاخوں کے اشتیاق میں اپنا عارضی قیمتی باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا، یہی وجہ ہے کہ صدقے کے متعلق جتنی بھی روایتیں آئی ہیں ان تمام میں ''ابوالدحداح'' ہی نام ملتا ہے، آپ حضرت امیرِ معاویہؓ کے عہدِ خلافت تک بقیدِ حیات رہے۔ اس کی دلیل میں حافظ صاحبؒ نے فضیل بن عیاض کے طریق سے ایک روایت پیش کی ہے؛ لیکن حافظ صاحبؒ ہی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سند فضیل کے حوالے سے غیر صحیح ہے، وہ روایت یہ ہے: ابوالدحداحؓ نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا: میں نے نبیٔ کریم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''**من كانت الدنيا همته حرم الله عليه جواري فإني بعثت بخراب الدنيا ولم أبعث بعمارتها**''۔

معلوم ہوا کہ حضرت ثابت بن دحداحؓ کا انتقال عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں ہوگیا تھا، اور حضرت ابوالدحداح نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ تک زندگی کی بہاریں دیکھی۔

حضرت ثابت بن دحداحؓ اور ابوالدحداحؓ دونوں مختلف صحابی ہیں، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابوعمر نے فرمایا: مجھے ابوالدحداح کا نام ونسب نہیں ملا، صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ وہ انصار کے حلیف تھے۔ امام بغوی احمد اور حاکم نے بھی صرف ''ابوالدحداح انصاری'' پر اکتفا کیا ہے، جب کہ حضرت

ثابت بن دحداح کا نام ونسب مذکور ہے۔معلوم ہوا کہ ایک معروف الاسم والنسب صحابی ہے اور دوسرے غیر معروف الاسم والنسب صحابی ہے۔

نوٹ: اس مضمون میں ہم نے اکثر کتبِ سیر میں جو بات پیش کی گئی ہے اسی کا لحاظ رکھا ہے۔

حضرت امرؤالقیس کندی رضی اللہ عنہ

از قلم:
احمد حفظ الرحمٰن بمبوی

سوانحی خاکہ

حضرت امرؤالقیس کندیؓ

نام: امرؤالقیس۔

والد کا نام: عابس۔

قبیلہ: کندہ۔

قبولِ اسلام ۱۰ھ میں۔

اہم خدمت: زمانۂ ارتداد میں اپنے قبیلے کو دوبارہ دائرۂ اسلام میں لانا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امرؤالقیس کِندیؓ

احمد حفظ الرحمٰن بمبوی

آسمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نجوم وکواکب (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) میں سے ہر ایک نجم اور ہر ایک ستارہ اپنی جگہ ایک کہکشاں ہے؛ مگر ستاروں کے اس دیدہ زیب جھرمٹ میں کچھ بایں معنیٰ ممتاز ہیں کہ انہیں اسی دنیائے آب وِگل میں لسانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہشتی وجنّتی ہونے کا مژدہ سنادیا۔

ان ہی ستاروں میں سے ایک درخشندہ وتابندہ ستارہ حضرت امرؤ القیس کندیؓ ہیں جن کی حیاتِ طیبہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے ایک آئیڈیل ونمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

نام ونسب

آپ کا نام: امرؤالقیس اور والد کا نام: عابس تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے: امرؤالقیس بن عابس بن منذر بن امرؤالقیس بن سمط بن عمر بن معاویہ بن حارث الاکبر بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ بن حارث کندی۔

اسلام

سنہ ۱۰ھ میں حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے اخیری ایام میں قبولِ اسلام کے لیے کندہ کا ایک وفد مدینۂ طیبہ آیا، آپ بھی اس وفد کے ساتھ تشریف لائے

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے، قبولِ اسلام کے بعد اپنے وطن تشریف لے گئے۔

صاحبِ طبقات ''طبقۂ رابعہ'' کے ذیل میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''امرؤ القیس بن عابس وفد إلی النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وأسلم''۔

زمانۂ ارتداد میں خدمت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب قبائلِ عرب میں ارتداد کی وبا پھیلی تو حضرت امرؤ القیس رضی اللہ عنہ کا پورا قبیلہ بھی مرتد ہوگیا؛ لیکن اس ارتداد سے آپ رضی اللہ عنہ کے کمالِ ایمان میں کوئی نقص نہیں آیا، آپ نے اپنے قبیلے والوں کو دوبارہ دائرۂ اسلام میں واپس لانے کے لیے انتھک کوششیں اور بے حد محنتیں فرمائیں اور اس کے لیے افہام وتفہیم اور ترغیب وترہیب کے تمام امکانی ذرائع صرف کردیے؛ حتی کہ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس جو کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خسر تھے اور مرتد ہوچکے تھے، انہیں بھی آپ نے مختلف انداز میں سمجھایا کہ اس وبائی ارتداد سے خدا تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، ان کے مخالفوں کی ناکامی اور انہیں اپنے کرتوت کی بنا پر نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، نتیجہ میں آخر کار سب تہِ تیغ کردیے جائیں گے؛ لہٰذا تم اپنے آپ پر رحم کرو اور اس فتنہ سے باز آجاؤ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر تم اس کارِ خیر کی طرف پیش قدمی کروگے تو سارے قبیلے والے تمہاری پیروی کریں گے اور اگر تم تخلف کروگے تو ان میں شدید اختلاف پیدا ہوگا۔

اس ساری افہام وتفہیم کے بعد بھی اشعث اپنے موقف پر اٹل رہے اور

انہوں نے جواب دیا کہ: عرب اپنے آبائی مذہب پر لوٹ رہے ہیں؛ لہٰذا میں بھی اسی پر برقرار رہوں گا۔ تب حضرت امرؤالقیس نے فرمایا: خیر! تو تم کو بہت جلد اس کا تجربہ ہو جائے گا، اور اس کو ضرور یاد رکھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عُمّال تمہیں کبھی ارتداد کی حالت میں آزاد نہیں چھوڑیں گے۔

مؤرخین فرماتے ہیں کہ: فتنۂ ارتداد کے ازالے کے لیے آپؓ نے بہت جاں توڑ جد وجہد فرمائی اور الحمد للہ! آپ کی مخلصانہ کوششیں بار آور ہوئیں اور قبیلۂ کندہ کے بہت سے گھرانے اس فتنے سے نکل کر اسلام کے سایۂ عاطفت میں آگئے۔ اس عظیم واقعہ کی آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو مندرجۂ ذیل اشعار میں اطلاع دی:

ألا بلغ أبا بكر رسولا		وبلّغها جميع المسلمينا
فليس مجاورا بيتي بيوتا		بما قال النبي مكذبينا
وليس متبدّلاً بالله ربًا		ولا متبدّلا بالدين دينًا

ترجمہ: کوئی ہے جو ابوبکر کو اور تمام مسلمانوں کو یہ پیغام پہنچا دے کہ میرے گھر کے ارد گرد ان لوگوں کے گھر نہیں ہیں جو نبی کے فرمودات وارشادات کی تکذیب کرتے ہو اور جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو رب مانتے ہو اور دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو اپناتے ہو۔

ابنِ سعد طبقات میں رقمطراز ہیں: "وكان فيمن ثبت على الإسلام ولم يرتدّ"۔

الحبّ في اللہ و البغض في اللہ

حضرت امرؤالقیس رضی اللہ عنہ کا دل جوشِ ایمانی سے اس قدر لبریز تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے سلسلے میں اپنے اعزہ واقربا کی مودّت ومحبّت کی بھی پروانہ کی اور جو جو رشتے دار ارتداد کی آگ میں کودے جارہے تھے ان کے خلاف تلوار سونت لی اور ان کا سر قلم کرنے کے لیے مستعد ہوگئے، چناں چہ فتنۂ ارتداد کے فرو ہوجانے کے بعد جو باغی مرتد قتل کے لیے پیش کیے گئے تو ان میں حضرت امرؤالقیس کے چچا بھی تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے "من بدل دینه فاقتلوه" کی تعمیل میں خود اپنے چچا کو قتل کرنے کے لیے پیش قدمی کی اور حکمِ الٰہی کے سامنے قرابت ورشتہ داری کی طرف سرِمو التفات نہ فرمایا، یہ جذبہ دیکھ کر چچا نے کہا: کیا تم اپنے چچا کو قتل کروگے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: جی! آپ میرے چچا ہو؛ لیکن یاد رکھو: اللہ سبحانہ وتعالیٰ میرا رب ہے۔

جنت کے لیے دنیا سے دست برداری

انسان کے لیے سب سے بڑی آزمائش مال ومتاع اور دنیوی ساز وسامان ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: {إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ إلخ}، جب انسان کو مال سے نوازا جاتا ہے تو وہ اس کا حریص ہوجاتا ہے اور اس قدر اس میں منہمک ہوجاتا ہے کہ امورِ دینیہ کا امتثال اور منہیات سے اجتناب نہایت دشوار ہوجاتا ہے، نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ فرائض تک ترک کردیتا ہے۔

حضرت امرؤالقیس رضی اللہ عنہ اس میدان سے بھی سرخرو ہوکر نکلے، آپ نے دنیوی مال

ومتاع اوراس کی زیب وزینت کونظر انداز کردیا اوراس کے مقابلے میں آخرت کی دائمی وقیمتی دولت کوترجیح دی۔

اس کا اندازہ مسلم شریف کے اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔حضرت امرؤ القیس کندیؓ اورحضرت ربیعہ بن عیدان (حضرموت) کے مابین زمین کے کسی قطعے کے سلسلے میں منازعت واقع ہوئی، دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرمی نے دعویٰ کیا کہ: حضور! اس شخص نے میری زمین پر قبضہ کرلیا ہے، وہ مجھے دلائی جائے، حضرت کندیؓ نے کہا کہ: یہ زمین میری ہے، میرے قبضے میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدعی (حضرمی) سے پوچھا: تیرے پاس کوئی گواہ ہے؟ عرض کیا: نہیں، ارشاد ہوا: تو پھر تم اس سے قسم لے سکتے ہو، حضرمی کہنے لگا: حضور! یہ توقسم کھا کر میری زمین لے جائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہوسکتی۔ حضرت امرؤالقیس قسم کھانے کے لیے آمادہ ہوگئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ نصیحت فرمایا کہ: جوکوئی شخص جھوٹی قسم کھا کر اپنے مسلمان بھائی سے ناجائز مالی منفعت حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: {إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلاً أُولٰئِكَ لاخَلاقَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ وَلايُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلايَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيمَةِ وَلايُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ} یہ سن کر آپؓ نے دریافت کیا: حضور! جوشخص حق پر ہوتے

ہوئے قسم نہ کھائے اور اپنا حق چھوڑ دے تو اسے کیا ملے گا؟ فرمایا: "**الجنة**"، یہ سن کر آپ خوشی سے اچھل پڑے اور بول اٹھے: حضور! آپ گواہ رہیے، میں نے آخرت میں بدلہ لینے کے لیے اس زمین پر اپنا حق چھوڑ دیا۔

اگر حضرت امرؤالقیس حق بجانب نہ ہوتے تو وحیٔ الٰہی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کر دیا جاتا تاکہ آپ شاہد علی الجور (جھوٹی بات پر گواہ) نہ بنے، معلوم ہوا کہ آپ حق پر تھے اور اپنا حق چھوڑ کر آپ جنت کے مستحق ٹھہرے۔

مآخذ ومراجع

(۱) الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، جلد اول
(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب
(۳) تاریخِ مدینہ، دمشق، جلد دوم
(۴) کاروانِ جنت
(۵) سیر الصحابہ، جلد چہارم
(۶) طبقات ابنِ سعد

حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ

از قلم:
ہشام الدین حبیب اللہ راجستھانی

سوانحی خاکہ

حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ

نام: یزید۔

والد کا نام: نویرہ بن حارث۔

والدہ کا نام: لیلیٰ بنتِ ساعدہ۔

قبیلہ: بنوحارثہ۔

بشارت: جنگِ احد میں لسانِ نبوت سے جنت کی بشارت پائی۔

وفات: آپ رضی اللہ عنہ نے جنگِ یوم النہران میں جامِ شہادت نوش کیا۔

اولاد: کوئی اولاد نہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ

ہشام الدین حبیب اللہ راجستھانی

یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواجِ الٰہی کا		جسے اعلان کرنا تھا خدا کی بادشاہی کا
یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا نرالا تھا		کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

انسانی تاریخ میں جہالت وضلالت کے افق پر آفتاب ومہتاب (انبیائے کرام علیہم السلام) طلوع ہوتے رہے ہیں، اور آفتاب کی کرنوں سے اکتسابِ فیض کر کے شب میں گم کردۂ راہ کو منزل تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینے والے ستارے (صحابۂ کرام) بھی چمکتے دمکتے رہے ہیں، جنہوں نے اپنے سینے کو جلا کر نہ صرف یہ کہ انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا؛ بلکہ سمائے انسانیت کے لیے جھومر اور سمائے آدمیت کے لیے زینت ورونق قرار پائے ہیں، سچوں کے سچے اور پیاروں کے پیارے رسول کی زبانی خود خالقِ کائنات ناطق ہیں: ”**یامحمد! إن أصحابک عندي بمنزلة النجوم من السماء**“، اے محمد! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کے مانند ہے، آسمانِ رسالت کے انہیں چمکتے دمکتے نجوم وکواکب میں سے ایک حضرت یزید بن نویرہ ہیں۔ ذیل میں ان ہی کے کچھ حالات ذکر کیے جارہے ہیں۔

آپ کا نام: یزید اور والد صاحب کا نام: نویرہ ہے، پورا نسب نامہ اس طرح ہے: یزید بن نویرہ بن الحارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن الحارث

الانصاری الحارثی۔

آپ کی والدۂ محترمہ کا نام: لیلیٰ بنتِ ساعدہ بن عامر ہے۔حضرت یزید رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

اسلام میں جو بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں ان میں سے ایک عظیم الشان جنگ غزوۂ احد ہے، اس معرکہ میں مسلمانوں کو سخت شدائد وتکالیف کا سامنا کرنا پڑا، جیتی ہوئی جنگ سے ہاتھ دھو بیٹھے اور میدان کا نقشہ ہی پلٹ کر رہ گیا،جس وقت یہ نقشہ پلٹا،صحابہ میں افراتفری مچی ہوئی تھی، ہر طرف مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور اسی کارزارِ کشت وخون کے ایک گوشے میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ کفر کے بھیڑیوں سے نبرد آزما تھے،اسی ہماہمی اور کشمکش کے عالم میں حضرت یزید کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صدا سنائی دی، "من جاوز التل فله الجنة"، جو شخص اس ٹیلے سے آگے نکل گیا تو وہ جنّتی ہے۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت یزید بن نویرہ رضی اللہ عنہ اپنی شمشیرِ بے نیام سونتے ہوئے آگے بڑھے،لڑتے لڑتے مارتے کاٹتے اس ٹیلے کو پار کر گئے،اتنے میں ان کے چچازاد بھائی ۔جو رشک بھری نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! جو بشارت میرے بھائی کو ملی ہے اگر میں یہ کام انجام دے دوں تو کیا میں اس بشارت کا حقدار ہوں گا؟ فرمایا: ہاں! کیوں نہیں، چناں چہ وہ بھی تلوار لے کر کفر کی لومڑیوں کو بھنبھوڑتے ہوئے ٹیلے سے آگے نکل گئے،اور ایک مشرک کا سر قلم کرکے لوٹ آئے، اس وقت رحمتِ دو

عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کلا کما قد وجبت له الجنة، ولک یا یزید علیٰ صاحبک درجة“، ترجمہ: تم دونوں جنت کے حقدار بن گئے ہو اور اے یزید! تمہارا اپنے بھائی سے ایک درجہ بلند ہے۔

اہلِ سیر نے جنگِ یوم النہروان میں شرکت کرنے والے جن بہادروں اور جان بازوں کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں، ان میں یزید بن نویرہ کا اسمِ مبارک بھی موجود ہے، اسی معرکے میں انہوں نے اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ آخر کار جامِ شہادت نوش فرما کر شہداء فی سبیل اللہ کی فہرست میں اپنا نام درج کروایا۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ جنگِ یوم النہروان میں سب سے پہلے ایک انصاری صحابی نے جامِ شہادت نوش کیا جن کا اسمِ گرامی یزید بن نویرہ بتایا جاتا ہے۔

یہ تھی یزید بن نویرہ کی حیاتِ گرامی قدر کی جھلکیاں، یہی وہ جھلکیاں ہیں جن کو سامنے رکھ کر چودہ سو سال کے بعد بھی اگر امت اپنے عروجِ رفتہ کو واپس حاصل کرنا چاہے تو حاصل کرسکتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ چاہے تو!!!

تم میں کوئی حوروں کا چاہنے والا ہی نہیں		جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں
ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں		راہ دکھلائیں کسے کوئی رہروِ منزل ہی نہیں

مآخذ ومراجع

(۱) تاریخِ بغداد

(۲) کاروانِ جنت

حضرت نعمان بن قَوقَل رضی اللہ عنہ

ازقلم:
حمزہ قاری اشرف عالی پوری

سوانحی خاکہ
حضرت نعمان بن قَوُقَل رضی اللہ عنہ

نام: نعمان۔

والد کا نام: قوقل۔

والدہ کا نام: عمرہ۔

سلسلۂ نسب: نعمان بن قوتل بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عمرو بن عوف۔

غزوات: بدر و احد۔

شہادت: غزوۂ احد۔

تدفین: احد کے دامن میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت نعمان بن قَوقَل رضی اللہ عنہ

حمزہ قاری اشرف عالی پوری

تاریخِ عالم میں کوئی جماعت اگر سو فیصد کامیابی کا دعویٰ کرسکتی ہے تو وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت ہے، جن کا ہر فرد کامیابی کے اعلیٰ معیار پر اترا ہوا ہے، چاہے وہ کوئی مشہور ومعروف صاحبِ علم وفضل صحابی ہو یا دیہات کے رہنے والے سیدھے سادے گمنام صحابی، ہر ایک اپنی جگہ ایک درخشندہ ستارہ ہے۔ ان ہی ستاروں میں سے ایک چمکتا دمکتا ستارہ حضرت نعمان بن قَوقَل رضی اللہ عنہ ہیں، زیرِ نظر سطور میں ان ہی کی حیات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، اللہ کرے یہ سطور امّت کے لیے نفع بخش ثابت ہوں۔

آپ کا نام: نعمان، والدِ گرامی کا نام: قوقل اور والدہ صاحبہ کا نام: عمرہ ہے۔

والد کی جانب سے سلسلۂ نسب یہ ہے: نعمان بن قوقل بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عمرو بن عوف۔

والدہ کی طرف سے نسب کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے: نعمان بن عمرہ بنتِ زیاد بن عمرو بن زمزمہ بن عمرو بن عمارہ بن مالک۔

اِن کا تعلق بنی غضینہ سے ہے اور یہ مُجَذَّر بن زیاد کی بہن ہوتی ہے۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۱۷۷، کاروانِ جنت: ۱۹۷)

آخرت کی طلب کی ایک جھلک

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ ہر وقت آخرت کے طالب اور جنت کے مشتاق رہتے تھے، ایک روز آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یارسول اللہ! أرأیت إن صلیت المکتوبات وصمت رمضان وحرمت الحرام وحللت الحلال لم أزد علی ذٰلک شیئا، أأدخل الجنة؟"۔

ترجمہ: اے اللہ کے رسول! اگر میں پانچ وقت کی نماز پڑھوں اور رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں اور اس پر کوئی زیادتی نہ کروں، تو کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نعم" ہاں، اس پر حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "واللہ لا أزیدُ علیه شیئا"، بخدا! میں اس پر رتی برابر زیادتی نہیں کروں گا۔

(کاروانِ جنت: ۱۹۷، فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴/ ۱۷۸)

قبولیتِ دعا

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ بدر میں بھی شامل ہوئے اور احد میں بھی، احد کے روز انہوں نے دعا کی: "أقسمت علیک یا رب أن لا تغیب الشمس حتی أطأ بعرجتي في خضر الجنة"، اے پروردگار! میں قسم کھاتا ہوں کہ آج اس وقت تک سورج غروب نہ کرنا جب تک کہ میں لنگڑاتا ہوا جنت میں داخل نہ ہو جاؤں۔

(چوں کہ اس دعا میں "بعرجتي" کا لفظ ہے، اسی نسبت سے آپ کو "نعمان الاعرج" کہا گیا ہے)

اللہ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبول عطا فرمایا اور آپ اسی روز شہید ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لقد رأیته یطأ فیھا وما به من عرج“، میں نے اسے جنت میں چلتے ہوئے دیکھا دراں حالیکہ اس کی لنگڑاہٹ ختم ہو چکی تھی۔

جہاں میں اہلِ ایمان صورتِ خورشید جیتے تھے
زمین سے نوریانِ آسماں پرواز کرتے تھے
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے
یہ خاکی زندہ تر پائندہ تر تابندہ نکلے

جنت آج بھی سجی سجائی اپنے عاشقوں کی منتظر ہے، آخرت کے وعدے اب بھی جوں کے توں قائم ہیں، بس! اس کے طلب گاروں اور اس کے لیے مر مٹنے والوں کا فقدان ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں		راہ دکھلائیں کیسے کوئی رہرِو منزل ہی نہیں

نعمان بن قوقل کی شخصیت کے بارے میں اختلاف

موسیٰ بن عقبہ اور ابنِ اسحاق فرماتے ہیں کہ نعمان بن قوقل جنگِ بدر میں حاضر رہے اور جنگِ احد میں شہید ہوئے؛ البتہ ابنِ سعد کا کہنا یہ ہے کہ جو نعمان بدر میں شریک ہوئے اور احد میں جامِ شہادت نوش فرمایا، وہ نعمان الاعرج بن مالک بن ثعلبہ بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم ہے، اور جن کو قوقل کہا جاتا ہے وہ نعمان بن مالک بن ثعلبہ ہے جو کہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے، گویا ان کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ شخصیت ہیں۔ نیز ابو عمر نے بھی نعمان بن قوقل اور نعمان

بن مالک بن ثعلبہ کو الگ الگ شخصیت قرار دیا۔

مگر ابنِ اثیر نے اس کی جستجو کی اور فرمایا کہ: دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور ان کا اصل نام نعمان بن قوقل ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ: ہاں! دونوں ایک ہی شخصیت ہے اور وہ نعمان بن ثعلبہ ہے، اور جن کو قوقل کہا جاتا ہے وہ ثعلبہ ہی ہے، گویا قوقل وثعلبہ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ ابنِ اسحاق نے بھی ایسا ہی کہا ہے کہ: جو بدر میں حاضر ہوئے وہ اصرم بن فہر بن غنم کے خاندان سے ہے اور ان کا نام نعمان بن مالک بن ثعلبہ ہے اور ان ہی کو قوقل کہا جاتا ہے۔

(فرسان النہار من الصحابۃ الاخیار: ۴ / ۱۷۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عمیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ

سعد شعیب احمد آبادی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم سپہ سالار اور ایک کامل ماہرِ نفسیات بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ جنگ کے دوران جب جاں نثارانِ اسلام اور فدا کارانِ دینِ محمدی کی جاں فشانیاں اور قربانیاں دیکھتے تو ان کے خالص عشق اور سرگرم جذبۂ دروں کو سلام کرتے، ان کی قربانیوں کو سراہتے، ان کے حوصلوں کو بڑھاتے، اور اخروی بشارتیں عنایت فرما کر ان کی تسکین کا سامان بہم پہنچاتے۔ ذخیرۂ احادیث میں ایسے بیسیوں صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں عین معرکۂ کارزار میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارتوں سے نوازا، ایسے خوش قسمت و سعادت مند صحابہ میں سے ایک حضرت عمیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ انصاری ہیں، ان کا نام عمیر بن عمرو بتلایا جاتا ہے، بعض علما نے ان کا تعلق قبیلۂ ازد سے بتایا ہے۔ ان کی ولادت، وفات، قبولِ اسلام اور دیگر احوال کے متعلق کچھ مل نہیں سکا۔ البتہ ان کا ایک واقعہ کتبِ سیر میں ملتا ہے جس کو قارئین کے حضور پیش کرنا چاہتا ہوں:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مؤرخ بلاذری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: حضرت عمیر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ جنگِ حنین میں شامل ہوئے، لڑائی کے دوران آپ رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ کٹ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو ان سے فرمایا: ”سبقتک إلی

الجنۃ'' کہ وہ تم سے پہلے بہشت میں پہنچ گئی۔ (اصابہ: ۳/ ۳۴) ٹانگ پہلے پہنچ گئی، باقی جسم بعد میں ہی سہی، جائے گا تو جنت میں ہی، بشارت تو بہرحال مل گئی۔

(کاروانِ جنت: ۱۳۹)

یہی وہ جاں نثارانہ ادائیں ہیں جنہیں چودہویں صدی کے اس دورِ قحط الرجال میں دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جس دن یہ فدا کارانہ جذبات نوجوانانِ امّت کے دل میں پیدا ہوگئے اس دن سے حالات بھی پلٹنا شروع ہوجائیں گے، اور اگر اللہ نے چاہا تو پلٹتے پلٹتے دوبارہ امّتِ مرحومہ اسی مقام پر جا پہنچے گی جہاں قرنِ اول میں تھی، بس ضرورت اس کی ہے کہ قرنِ اول کو آواز دی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سعیرہؓ

خادمۂ حضرت خدیجہؓ

مدثر صادق بمبوی

خدائے عزّ وجلّ کا یہ ازلی وابدی قانون ہے کہ نیکوکاروں و پرہیزگاروں کو سرفراز وشادمان کرتا رہاہے، اور بروں اور نافرمانوں کو ان کے انجامہائے بدتک پہنچاتا ہے، کامیاب وسرفراز ہونے والوں کا منتہا جنت ہے اور طغیان وعصیان کا انجام دوزخ ہے؛ مگر فیصلہ حشر کے دن تک ملتوی کر دیا گیا ہے؛ البتہ شہنشاہِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی بعض نیک بخت، چمکتے دمکتے ستاروں نے دنیوی زندگی ہی میں جنت کی بشارت پائی، جن میں نہ مردوں کی کوئی تخصیص اور نہ آزاد کی کوئی قید؛ بلکہ بعض ایسے بھی تھے جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے مرد تھے یا پھر کمزور جنس سے تعلق رکھنے والی عالی ہمت خادمائیں! انہیں میں سے ایک حضرتِ سعیرہ خادمۂ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔

جنت کی بشارت

کاروانِ جنت: ۱۵۸ پر بخاری ومسلم کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خاص شاگرد عطاء ابنِ ابی رباح سے فرمایا کہ: جو کالے رنگ کی عورت آتی جاتی نظر آتی ہے اسے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت

کی بشارت سنائی ہے، دراصل یہ ثمرہ تھا اس کے صبر کا کہ وہ اپنی ایک بیماری لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ: حضور! مجھے مرگی کی بیماری ہے اور میرا ستر کھل جاتا ہے، آپ دعا فرما دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ: اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے جنت کا وعدہ ہے یا پھر میں دعا کر دوں؟ وہ فوراً بولی: حضور! مجھے صبر کرنا منظور ہے؛ البتہ ستر کے لیے دعا کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر کے نہ کھلنے کی دعا فرمائی۔

دوستو! یقیناً اس عورت نے صبر کر کے دنیا کو یہ سبق دے دیا کہ جنت کے مقابلہ میں دنیا کی تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابوثعلبہ اشجعیؓ

محمد فہیم بشیر بیلگامی

رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی جن حضرات کو ''تمغۂ مغفرت وبشارتِ جنت'' عنایت ہوا ہے ان میں ایک ''حضرت ابوثعلبہ اشجعیؓ'' بھی ہیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ ہیں؛ لیکن تعجب کی بات ہے کہ کتبِ تاریخ میں نہ تو آپ کے نام کا کہیں ذکر مل پایا ہے نہ ہی خاندان وسلسلۂ نسب کا؛ ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ آپ کو اپنی کنیت ''ابوثعلبہ'' اور نسبت ''اشجع'' کے ذریعے جانا جاتا تھا، اور یہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باشندے تھے۔

آپ کے متعلق بس ایک قصہ ملتا ہے جو ابنِ حجرؒ نے اصابہ: ۴ / ۲۸ میں لکھا ہے کہ: حضرت ابوثعلبہ اشجعیؓ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: حضور! میرے اسلام لانے کے بعد میرے دو بچے فوت ہوگئے ہیں، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**من مات له ولدان في الإسلام دخل الجنة برحمته إياهما**''، ترجمہ: جس کسی کے دو بچے اسلام میں فوت ہوگئے ہوں تو وہ ان دونوں کی بنیاد پر اللہ کی رحمت کے طفیل بہشت میں جائے گا۔

(کاروانِ جنت: ۲۱۶، مولانا عبداللہ صاحب)

بعد میں جب حضرت ابوہریرہؓ ان سے ملے تو کہنے لگے: ابوثعلبہ! کیا تم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا؟ حضرت ابوثعلبہؓ نے جواب میں فرمایا: ہاں!

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: اگر یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرماتے تو میرے نزدیک فلاں فلاں نعمت سے بھی زیادہ پیاری ہوتی۔

(اصابہ: ۴ / ۲۸)

طبقات: ۴ / ۲۴ پر بھی ان کے ترجمے میں صرف یہی ایک روایت ملتی ہے، اگر قارئین میں سے کسی کو مزید حالات دستیاب ہوں تو عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نامعلوم الاسم جنتی صحابہؓ

عبداللہ بابو بھائی بلساڑی

صحابۂ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ شیدائی وفدائی ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کردیا، اپنی عیش وعشرت والی زندگی قربان کر کے غربت ومفلسانہ زندگی کو اختیار کیا، اپنی محبت کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے تابع کردیا، اپنی خواہشات اور چاہت کو اپنے ہی پیروں تلے روند کر حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت کو ترجیح دی، ان قربانیوں کے بعد بارگاہِ الٰہی سے ”رضي الله عنهم ورضوا عنه“ اور دربارِنبوی سے ”نجومِ ہدایت“ کا مژدہ ملا۔ ان ہی یارانِ باصفا میں سے چند صحابہؓ ایسے ہیں جن کے بارے میں زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیا ہی میں بہشتی ہونے کا مژدۂ جاں فزا سنایا گیا جن کے اسما کی تصریح کتبِ حدیث وتاریخ میں موجود ہے؛ لیکن بعض ایسے حضرات صحابہؓ بھی ہیں کہ تاریخ کے اوراق ان مخلص شیدائیوں کے مبارک نام بتلانے سے عاجز وقاصر ہیں، ان ہی نامعلوم الاسم جنتی صحابہؓ کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔

غزوۂ احد اور سات انصاری صحابہ

سنہ ۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا، یہ غزوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مشہور ومعروف غزوات میں شامل ہے، اس غزوے میں ایک مرحلے پر جب مسلمانوں کو ہزیمت ومصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں افراتفری مچ گئی تو اس موقع کو

غنیمت جان کر کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یکبارگی حملہ آور ہونے کی ناپاک کوشش کی، اس نازک گھڑی میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جاں باز اور تیر انداز صحابہ کے ساتھ سات انصاری اور دو مہاجر صحابہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور ہر قسم کے حملوں کو جاں نثاروں کی یہ مختصر سی ٹولی روکتی رہی۔

اسی موقع سے جب کفار کی ایک جماعت آپ کی طرف بڑھنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "من یردھم عنا ولہ الجنة" کون ہے جوان کو ہم سے ہٹا کر جنت کا مستحق بنے؟ چناں چہ ایک انصاری صحابی ان کافروں کی جانب بڑھے اور پُرزور حملہ کیا، آخر کار مقابلہ کرتے کرتے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

کافروں نے پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی، آپ نے دوبارہ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا: "من یردھم عنا وھو رفیقي في الجنة؟"، کون ہے جو ان کو مجھ سے ہٹا کر جنت میں میرا رفیق بنے؟ یہ مژدۂ جاں فزا سن کر دوسرے انصاری صحابی آگے بڑھے اور مردانہ وار حملہ کیا، آخر وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ پھر تیسرے انصاری صحابی آگے بڑھے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، اس طرح ساتوں انصاری صحابہ رض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے خاطر یکے بعد دیگرے آپ کے قدموں پر ڈھیر ہو کر ہمیشہ کے لیے زندۂ جاوید ہو گئے، تاریخ کا سینہ ان عاشقانِ صادق میں سے ایک کے علاوہ تمام کے ناموں سے خالی ہے؛ لیکن ان کی جاں فروشی اور قربانی کے واقعات کو ہمیشہ ہمیش کے لیے محفوظ کر لیا گیا۔

جلے، جل کر بجھے بھی	چشمِ صورت بیں میں پروانے
فروزاں کر گئے وہ	نام لیکن شمعِ روشن کا

(مسلم:۲/۱۰۷)

وہ ایک صحابی جن کا نام حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے، وہ ہے زیاد بن سکن، ان میں کچھ رمق باقی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادِ عالی پر دیگر صحابہؓ ان کو آپ کے حضور لائے، انہوں نے اپنا سر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر رکھ دیا اور اسی کے ساتھ ان کی روح پرواز کر گئی۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے	یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

(کاروانِ جنت:۹۷-۹۸)

(حضرت زیاد بن سکن کے تفصیلی حالات زیرِ نظر کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں)۔

مجاہد کے لیے بہشت واجب ہے

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے ''الاصابہ'' میں مختلف راویوں (صحابہ) سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے جس میں تمام مسلمانوں کے لیے سبق ہے کہ کسی بھی مؤمن کو اس کی ادنیٰ سی نیکی کے ہوتے ہوئے برا بھلا نہیں کہنا چاہیے، ہوسکتا ہے اس کا یہی مختصر اور چھوٹا سا عمل اس کے لیے جنت میں دخول کے فیصلے کروالے۔

چناں چہ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور فرمایا: یارسول اللہ! فلاں آدمی انتقال کر گیا، آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیجیے، حضرت عمرؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فرمایا: حضور! آپ اس

کی نمازِ جنازہ کے لیے تشریف نہ لے جائیے وہ تو بدکار ہے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ: آپ میں سے کسی نے ان صاحب کی کوئی نیکی دیکھی ہے؟ ایک صحابی نے کہا: حضور! فلاں موقع پر انھوں نے ہمارے ساتھ پہرہ داری کا فریضہ انجام دیا تھا، جب یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا: تمہارے ساتھی کا تو یہ گمان ہے کہ تم دوزخی ہو، ''وأنا أشهد أنک من أهل الجنة''، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جنتی ہو۔ پھر حضرت عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: قیامت کے روز تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، مجاہد کے لیے تو بہشت واجب ہو چکی ہے۔

(الاصابہ: ۴ / ۱۳۴، ۱۸۵ بحوالہ کاروانِ جنت: ۱۵۵)

یہ کلمہ کہنے والا آگ سے بچ گیا

اذان کہنے والے کے بارے میں احادیث میں بہ کثرت فضائل وارد ہوئے ہیں، چناں چہ علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ ابنِ خزیمہ سے اور وہ مسلم بن رباح سے نقل فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو اذان کہتے ہوئے سنا، جب انھوں نے کلمۂ حق ''الله أكبر الله أكبر'' بلند کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انھوں نے کلمۂ حق کہا، پھر جب انھوں نے اپنی اذان میں ''أشهد أن لا إله إلا الله'' کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً یہ کلمۂ اخلاص ہے، پھر جب ان

صحابی نے کہا: أشهد أن محمدا رسول الله" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خرج صاحبها من النار" کہ یہ کلمہ کہنے والا جہنّم سے بچ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کی بنا پر ہر وہ شخص جو اخلاص اور رضائے الٰہی کی غرض سے اذان کہے وہ اس میں شامل ہے؛ لیکن اس کے اولین مستحق تو یہ صحابی ہی ہیں جن کی اذان سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم سے چھٹکارے کی خوشخبری دی۔ (کاروانِ جنت: ۲۰۶)

ایک شتر سوار جو عمل تھوڑا اور اجر بہت لے گیا

صحابیٔ رسول حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں مدینہ سے سفر کے لیے روانہ ہوئے، ابھی تو مدینۂ منورہ سے نکلے بھی نہ تھے کہ اتنے میں دور سے ایک اونٹ سوار کو دیکھا جو ہماری طرف اپنی سواری کو دوڑاتا ہوا تیزی سے آرہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ: یہ سوار تمہاری ہی طرف آرہا ہے۔ اتنے میں وہ سوار ہماری سواریوں کے پاس پہنچا، علیک سلیک کے بعد اس سوار اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان گفتگو شروع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ سوار نے کہا: اپنے اہلِ خانہ اور خاندان سے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس سوار نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا متمنّی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اپنی منزلِ مقصود کو پالیا، پھر اس سوار نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایمان کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بات کی گواہی

دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اسی طرح نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا، سوار نے ان باتوں کا اقرار کیا۔

راوی حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ابھی گفتگو پوری ہی ہوئی تھی کہ اس سوار شخص کے اونٹ کا پیر جنگلی چوہے کے بل میں چلا گیا اور یک لخت اونٹ گر گیا اور سوار بھی سر کے بل زمین پر آ گرا اور گرتے ہی جاں بحق ہو گیا، آپ نے اس کو قریب لانے کا حکم دیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اٹھا کر بٹھایا اور عرض کیا: حضور! ان کا تو انتقال ہو چکا ہے، پھر یکدم آپ نے رخِ انور دوسری جانب پھیر لیا۔

تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے دیکھا کہ میں نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص بھوکے تھے جس کی وجہ سے دو فرشتے ان کو منہ میں بہشتی پھل دے رہے تھے، پھر خدا کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا: یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ}

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی تجہیز و تکفین کی، نمازِ جنازہ کے بعد جب ان کو قبرستان لایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ان کے لیے بغلی قبر بناؤ، چوں کہ یہ ہمارے لیے ہے اور درمیان والی (لحدی) دوسروں کے لیے ہے۔

یہی واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے جن میں ان الفاظ کی زیادتی ہے ”هذا ممن عمل قليلا وأجر كثيرا“، یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے عمل بہت کم اور اجر بہت زیادہ حاصل کیا۔

(ترجمان السنۃ از حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھی:۵۶۱۱ بحوالہ کاروانِ جنت:۱۶۹)

اللہ نے اس غلام کو بڑی عزت بخشی ہے

سنہ ۷ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا، خیبر کا علاقہ مدینۂ منورہ سے ۱۷۰/کلومیٹر پر واقع ہے، یہ شہر اپنے باغات، پانی کے چشموں اور زرخیز زمینوں کے لیے بہت ہی مشہور ہے، یہاں یہودی آباد تھے جو ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کے درپئے آزار رہتے تھے، فتحِ مکّہ کے بعد آپ نے خیبر کے یہودیوں کا قصد کیا اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کیا، خیبر میں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے، یہودی ان میں چھپ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے؛ لیکن مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے تمام قلعے فتح کر لیے۔

ایک قموص نامی بڑے قلعہ کا بیس روز تک محاصرہ جاری رہا، مسلمان اس کو فتح کرنے کے لیے پورا زور لگا رہے تھے اور یہود بھی اپنی دفاعی سرگرمیاں دکھلا رہے تھے۔ ایک سیاہ فام حبشی غلام اپنے مالک کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا اور اپنے آقا سے دریافت کیا کہ: یہ جدوجہد کس کے لیے ہو رہی ہے؟ آقا نے اس سے کہا کہ: ایک شخص مدعیٔ نبوت ہے، اس سے قتال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس یہودی کا یہ جملہ اس کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا، چناں چہ اس نے خدمتِ اقدس میں حاضری کا عزمِ مصمم کر لیا؛ تا کہ آپ کی ملاقات کر کے حقیقتِ حال معلوم کرے۔

موقع پاتے ہی وہ خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ: آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس غلام نے عرض کیا کہ: اگر میں اس کا اقرار کرلوں تو اس پر مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ”فلک الجنة إن مت علیٰ ذٰلک“ اگر تو ایمان ہی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو جنت تیری منتظر ہوگی، پھر اس نے کہا: یہ بکریاں میرے مالک کی امانت ہیں، میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان بکریوں پر کنکریاں پھینک کر مالک کی جانب انہیں روانہ کردے، اللہ یہ امانت اس تک پہنچا دے گا، غلام نے ویسا ہی کیا، بکریاں مالک تک پہنچ گئیں اور مالک بھی بکریوں کو بغیر چرواہے کے آتا دیکھ کر سمجھ گیا کہ غلام مسلمان ہو چکا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرکے ان میں جوش وولولے کو ابھارا اور یہودیوں سے قتال پر برانگیختہ کیا، جلد ہی جنگ کا بازار گرم ہوا اور کچھ مسلمان شہید ہوئے، جن میں یہ غلام بھی تھا، مسلمان اس کو اٹھا کر خیمہ میں لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شہدا کی خبر گیری کے لیے تشریف لائے تو ایک خیمہ میں جھانک کر دیکھا جس میں وہ غلام تھا، جب اس غلام پر نظر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ نے اس غلام کو بڑی عزّت بخشی ہے، اس کو اتنا وقت بھی نہیں ملا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جبینِ نیاز خم کرے، اس سے پہلے ہی شہید ہوکر منزلِ مقصود تک

پہنچ گیا، میں نے اس کے سرہانے دو حوریں دیکھی ہیں۔ (کاروانِ جنت: ۱۷۰)

اسی طرح ایک بدوی صحابیؓ کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: میں بھی آپ کے ساتھ ہجرت کرنے کا خواہش مند ہوں، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے، یہ مدینہ میں لوگوں کی بکریاں چرا کر اپنا گذر بسر چلاتے تھے۔

جب غزوۂ خیبر پیش آیا تو انہوں نے بھی اس غزوے میں شرکت کی سعادت حاصل کی، چند دنوں تک یہودیوں سے مقابلہ ہوتا رہا، آخر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح یابی سے سرفراز فرمایا اور وافر مقدار میں مالِ غنیمت ہاتھ لگا، جب مالِ غنیمت مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا جانے لگا تو وہ بدوی صحابی وہاں موجود نہیں تھے، بکریاں چرانے کے لیے جنگل گئے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حصہ کا مال ان حضرات کے سپرد کیا جن کی وہ بکریاں چراتے تھے، جب وہ صحابی جنگل سے واپس لوٹے تو ان کا مال ان کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے اس مال کے بارے میں دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ مالِ غنیمت میں سے تمہارا حاصل شدہ حصہ ہے۔

وہ بدوی صحابی مال لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: اے محمد! میں مال ودولت کمانے کے لیے ایمان نہیں لایا تھا، پھر اپنی گردن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میری تو یہ خواہش اور تمنّا ہے کہ اسلام کی خاطر یہاں مجھے تیر کا سخت اور کاری وار لگے اور شہادت کی نعمت حاصل کر کے جنت کا

حقدار بنوں، ان کا جذبۂ جہاد اور شوق وولولہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تو نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا تو وہ اپنا وعدہ سچ کر دکھانے میں ذرا بھی دریغ نہ فرمائے گا۔ چناں چہ جب دوسرے دن معرکہ پیش آیا اور گھمسان کا رن پڑا تو بدوی صحابی بھی پُرزور اور جرأت مندی کے ساتھ حملہ آور ہوئے، یہاں تک کہ اپنے مقصود و مطلوب میں کامیاب ہوئے اور شہدا کے قافلے سے جا ملے۔

اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب کہا ہے:

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مؤمن		نہ مالِ غنیمت نہ کِشور کُشائی

ان کی نعش کو اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے دریافت فرمایا کہ: کیا یہ وہی صاحب ہیں؟ جواب ملا: جی ہاں یہ وہی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نے جو بات کہی اس میں سچا اترا، آسمان پر اللہ نے بھی اس کے وعدہ کو پورا کر کے اس کو جنت کے ہمیشہ ہمیش کے باغات ومحلات کا مالک بنا دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جبۂ مبارک اس کے کفن میں عطا کیا اور نمازِ جنازہ پڑھائی اور دعا فرمائی جس کے الفاظ یہ تھے: اے اللہ! تیرے اس بندے نے تیرے راستے میں ہجرت کی تھی اور تیرے ہی خاطر قتال کیا اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ (شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۹۳، رقم: ۲۸۱۷ کتاب الجنائز، مکتبہ لدھیانوی بحوالہ کاروانِ جنت: ۱۷۲-۱۷۳)

ان دونوں کے درمیان آسمان وزمین کا فاصلہ ہے

اس کے علاوہ سات مجہول الاسم صحابہؓ اور بھی ہیں جن کے متعلق ایک ہی طرح

کا واقعہ کتابوں میں ملتا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جنّتی ہونے کا لوگوں کو مژدہ سنایا۔

دو صحابہ کے بارے میں مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد اور نسائی کے حوالے سے ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دو شخص ایک ساتھ دامنِ اسلام میں آئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کا رشتہ قائم کر دیا، ان میں سے ایک صحابی کسی معرکے میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش فرمایا، ان کی شہادت کو ایک ہفتہ نہ گذرا تھا کہ دوسرے شخص طبعی موت پا کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے، ان کی نمازِ جنازہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ: آپ نے ان کے لیے کیا دعا کی؟ لوگوں نے عرض کیا: حضور! ہم نے ان کے لیے مغفرت طلب کی اور یہ درخواست کی کہ: اللہ تعالیٰ ان کو بھی اپنے شہید ساتھی کی رفاقت نصیب فرمائے۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان شہید کی وفات کے بعد انہوں نے جو نماز پڑھیں اور نیک اعمال کیے وہ کہاں جائیں گے، **"لما بينهما أبعدهما مِمَّا بين السماء والأرض"**، ان دونوں کے درمیان درجات کے اعتبار سے آسمان و زمین کے بقدر فاصلہ ہے۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے جنّتی ہونے کی تصدیق فرمائی اور اعمالِ صالحہ کی بنا پر دونوں کے درمیان فرقِ مراتب بھی بیان فرمائے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رقم طراز ہے کہ راقم نے

شروحِ حدیث مرقاۃ المفاتیح بذل المجہود وغیرہ کو دیکھا؛ لیکن کہیں سے ان حضرات کے ناموں کا پتہ نہ چل سکا۔ (مشکاۃ المصابیح: ۴۵۱، باب استحباب المال والعمر للطاعۃ)

اسی کے مثل ایک واقعہ مشکوٰۃ شریف میں مسندِ احمد کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے جس میں تین صحابہ کا ذکر ہے کہ قبیلۂ بنو عذرہ کے تین آدمی دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، اور قبولِ اسلام کی عظیم الشان دولت سے مالا مال ہوئے، چوں کہ یہ نئے نئے اسلام لائے تھے؛ اس لیے ان کے طعام و قیام کا انتظام ضروری تھا، اسی غرض سے آپ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ: کون ان کے اخراجات کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہے؟ چناں چہ اس کام کے لیے ایک صحابیٔ رسول حضرت طلحہؓ تیار ہوئے اور ان تینوں نومسلم صحابہ کو اپنے گھر لے گئے۔

کچھ مدّت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستہ دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا تو ان کا ایک ساتھی اس مبارک دستہ میں شریک ہوگیا، جنگ کی نوبت آئی اور وہ شہید ہوگیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا دستہ روانہ فرمایا تو دوسرا ساتھی اس دستہ کے ساتھ ہولیا اور وہ بھی راہِ خدا میں کام آیا، کچھ مدت کے بعد تیسرا شخص سخت بیمار ہوا اور اسی بیماری میں وہ اس دارِ فانی سے رحلت کر گیا۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ: ایک دن میں نے ان تینوں کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ جو شخص بیماری کی حالت میں بستر پر فوت ہوئے تھے وہ سب سے آگے تھے، ان کے بعد وہ شخص تھے جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے اور ان کے پیچھے وہ صاحب تھے جو پہلے نمبر پر شہید ہوئے تھے۔ حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ:

مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر میں نے پورا خواب سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کوکس بات نے تعجب میں ڈال رکھا ہے؟ جس مسلمان کو اسلام کی حالت میں طویل عمر مل جائے اس سے بہتر اللہ کے نزدیک کوئی نہیں ہوسکتا، چوں کہ اس کو بارگاہِ الٰہی میں تسبیح وتہلیل اور دیگر عبادتوں کا موقع زیادہ ملا ہے۔اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے خواب کی تصدیق بھی فرمائی اور ان تینوں کا جنت میں موجود ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

(مشکاۃ المصابیح: ۴۵۲ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ)

اسی طرح کا مزید ایک واقعہ شارحِ مشکوٰۃ ملّا علی قاریؒ نے مسندِ احمد کے حوالے سے نقل فرمایا: نیز ابنِ حبّان نے اپنی صحیح میں اور ابنِ ماجہ اور بیہقی نے بھی نقل فرمایا ہے جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے کہ قبیلۂ بنو قضاعہ کے دو آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، کچھ دنوں بعد ایک نے شہادت کی نعمت پائی اور دوسرے شخص مزید ایک سال زندہ رہے، پھر ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ: ان کے انتقال کے بعد میں نے دونوں کو خواب میں دیکھا کہ جس کا بعد میں انتقال ہوا تھا، وہ پہلے جنت میں داخل ہوئے اور شہید بعد میں داخل ہوئے، میں اس بات سے بڑا متعجب ہوا۔

میں نے صبح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو بعد میں فوت ہوئے، انہوں نے ایک ماہ رمضان کے

روزے رکھے، چھ ہزار نماز فرض اور اتنی اتنی سنت ونفل نمازیں پڑھی؛ لہٰذا اگر وہ ان شہید سے پہلے جنت میں داخل ہوئے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۱۰ / ۴۳ بحوالہ کاروانِ جنت: ۱۷۰)

ایک اور جنّتی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! میں کالے رنگ کا بدصورت انسان ہوں، میرے پاس مال نہیں، اگر میں ان کفار سے لڑوں اور شہید کیا جاؤں، تو کیا جنت میں داخل ہوجاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! چناں چہ یہ آگے بڑھے اور کفّار سے لڑے، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر گذر ہوا حالیکہ وہ شہید پڑے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے تیرے چہرے کو اچھا کردیا اور تیری بو کو مہکدار اور تیرے مال کو کثیر کردیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا کہ: میں نے اس کی دو بیویاں حورِعین دیکھی ہے، اس میت پر ایک جبّہ ہے، وہ دونوں جھگڑ رہی ہیں اور اس کی کھال اور جبّہ کے درمیان داخل ہونا چاہتی ہیں۔

(البیہقی بحوالہ آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۳۱۸)

وہ عورت اس فعل سے جنت میں داخل ہوگئیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سوال لے کر آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں تین کھجوریں دیں، اس عورت نے دونوں کو ان میں سے ایک ایک کھجور کھلائی اور ایک کھجور خود لی

اور اسے اپنے منہ میں رکھنا چاہتی تھی کہ اُن دو بچیوں نے ماں کی طرف دیکھا تو اس نے اس تیسری کھجور کے بھی دو ٹکڑے کیے اور دونوں کو اس میں سے آدھا آدھا دیا اور چلی گئیں، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، حضرت عائشہؓ نے سارا واقعہ کہہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ عورت اپنے اس فعل سے جنت میں داخل ہوگئی۔ (البزار بحوالہ آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک: ۳۲۱)

میں نے شمار کیا وہ بارہ اصحاب تھے

امام احمد وبیہقی نے بہ سند صحیح حضرت انسؓ سے روایت کی: ایک عورت آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ جنت میں داخل ہوئی ہوں، پھر میں نے وہاں کچھ آوازوں کی جانب دیکھا تو مجھ کو فلاں اور فلاں اشخاص نظر آئے جن کو شاید اسی وقت لایا گیا تھا، میں نے شمار کیا تو وہ بارہ اصحاب تھے، چند روز قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجاہدین کی ایک جماعت کو ایک مہم پر روانہ فرمایا تھا، یہ آمد اُن ہی شہدا فی سبیل اللہ کی تھی، اس عورت نے بیان کیا: ان کے جسموں پر شکستہ اور بوسیدہ، پھٹے پُرانے کپڑے تھے۔ جس سے اندازہ کر لیجیے کہ وہ تہی دست اور غریب تھے، ان کے جسم تازہ تھے ان سے خون بہہ رہا تھا، پھر حکم ہوا ان فداکارانِ اسلام کو نہر بیدخ لے جاؤ، چناں چہ انہیں وہاں لے جا کر غسل دیا گیا، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند نور افشاں ہوگئے، اس کے بعد تخت طلائی پر انہیں بٹھایا گیا، جنت کی طلائی کرسیاں اور طلائی طشتوں میں پھل رکھے گئے اور میں نے بھی ان کے ساتھ میوے کھائے۔

ان ہی دنوں پیامی آیا اور اس نے بارہ مسلمانوں کی شہادت اور سریے کی کامیابی اور فتح کی اطلاع دی۔(خصال الکبریٰ بحوالہ آئینۂ سیرت حضرت انس بن مالک:۳۲۱)

تم بہشت میں میرے ساتھ ہوں گے

صحابۂ کرامؓ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی؛ بلکہ یہ محبت عشق کی انتہا سے تجاوز کر چکی تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی قیمتی سے قیمتی شئ کو قربان کرنا پسند کرتے تھے؛ لیکن ذاتِ اقدس پر ذرا سی آنچ آنا بھی گوارا نہیں فرماتے تھے، ان کی یہ چاہت ہوتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اپنی زیارت ومصاحبت سے ان کو سرفراز فرماتے رہے اور جس طرح وہ دنیا میں آپ کی زیارت کرتے رہتے ہیں آخرت میں بھی آپ کی صحبتِ بابرکت سے مستفیض ہوتے رہے؛ اس لیے ان کو فکر ہوئی کہ آخرت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند مقام پر ہوں گے، اس وقت ہم کیوں کر آپ کی زیارت سے تسکین حاصل کر سکیں گے۔

اسی فکر کو لے کر ایک نوجوان صحابیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور فرمایا: یارسول اللہ! دنیا میں تو ہم آپ کی زیارت سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں، آخرت میں تو آپ بلند درجوں پر ہوں گے، تو ہم آپ کی زیارت سے کیسے تسکین حاصل کر سکیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحابہؓ کی اسی فکر اور جذبۂ شوق کو دیکھ کر ان کو اطمینان دلاتے ہوئے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: {وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ إلخ}۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی سے فرمایا: ”أنت معي في الجنة إن شاء الله تعالیٰ“، تم ان شاء اللہ

جنت میں میرے ساتھ ہوں گے۔ (تفسیرِ مظہری: ۲/ ۱۶۰، بحوالہ کاروانِ جنت: ۱۴۸)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! مجھے آپ میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ محبوب ہیں، جب زیارت سے سرفراز ہوتا ہوں تو چین وسکون میسر آتا ہے؛ لیکن جب مجھے یہ خیال گذرتا ہے کہ میرا اور آپ کا اس دارِ فانی سے رخصت ہونا یقینی امر ہے اور آپ تو جنت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ مدارج ومراتب میں ہوں گے اور میں دخولِ جنت کی سعادت سے بہرہ ور ہو بھی گیا تو آپ کی زیارت سے محروم رہوں گا، تو سخت رنجیدہ ومضطرب ہوجاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اور سکوت فرمایا، تب ہی مذکورہ آیت: {وَمَنْ يَّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ إلخ} کا نزول ہوا۔

کون بہشت میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنا چاہتا ہے

اس آیتِ شریفہ سے متعلق بہت سی روایتیں منقول ہیں جن کا حاصل ایک ہی ہے اور یہ ایسی روایتیں ہیں جن سے ہم جیسے نااہلوں اور گنہگاروں کے لیے امید کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔

نیز متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو نیک لوگوں سے محبت تو کرتا ہے؛ لیکن عمل کے معاملہ میں اُن تک نہیں پہنچ سکتا، ایسے شخص کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”المرء مع من

أحبّ" حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ تو جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: تیرے لیے افسوس کا مقام ہے تو قیامت کے بارے میں پوچھتا ہے، پہلے یہ بتلا کہ اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا: حضور! تیاری تو کچھ نہیں کی، بس! اللہ اور اس کے رسول کی محبّت کا دم بھرتا ہوں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أنت مع من أحببت" تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشادِ عالی سن کر مسلمانوں میں ایسی خوشی کی لہر دوڑ گئی جو کسی دوسری چیز پر نہیں ہوئی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس امید پر محبت رکھتا ہوں کہ اگرچہ میرے اعمال ان حضرات کے برابر نہیں؛ لیکن ان سے محبت کی بنا پر اللہ تعالیٰ مجھے ان حضرات کے ساتھ اٹھائیں گے۔ (تفسیر ابنِ کثیر: ۱/ ۵۲۳ بحوالہ کاروانِ جنت: ۱۴۹)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے محدث الہند حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ان صحابی کا اس امتِ محمدیہ پر بڑا احسان ہے جن کے قیامت کے بارے میں سوال کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أنت مع من أحببت"۔

اور ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے بھی امید کی بڑی کرن ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کے اعمال کو تو نہیں پہنچ سکتے؛ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ان سے محبت کر کے آخرت میں ان کا ساتھ اور ان کی معیّت ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔